خلیفۂ ثانی، عادل حکمران، فاتح رُوم و فارس، شہید محراب
امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت کے تابناک نقوش

سیرتِ عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ

جلد اول

ڈاکٹر علی محمد الصلابی

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

QURAN LEARNING & RESEARCH FOUNDATION • HYD. INDIA •

سیرتِ عمر رضی اللہ عنہ
جلد اوّل

مكتبة دار السلام، ١٤٣١هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
الصلابي ، علي محمد علي
سيرة عمر / علي محمد علي الصلابي - الرياض، ١٤٣١ هـ
٢مج
ص: ٢١×١٤سم
ردمك: ٠-٥٥-٥٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)
٧-٥٦-٥٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (جلد ١)
(النص باللغة الأوردية)
١- عمر بن الخطاب بن نفيل، ت ٢٣ هـ ٢- التاريخ الإسلامي - عصر صدر الاسلام أ. العنوان
ديوي ٩، ٢٣٩ ١٤٣١/٩٠٦١

رقم الايداع: ٩٠٦١/ ١٤٣١
ردمك: ٠-٥٥-٥٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)
٧-٥٦-٥٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (جلد ١)

خلیفۂ ثانی، عادلِ حکمران، فاتح رُوم و فارس، شہیدِ محراب

امیر المؤمنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت کے تابناک نقوش

سیرتِ عمر رضی اللہ عنہ

جلد اوّل

تالیف: دکتور علی محمد محمد الصلابی

ترجمہ: مولانا ندیم شہباز

نظرِ ثانی: محمد نعمان فاروقی سوہدروی

دار السلام
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalamksa.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945
- الملز فون: 4735220 01
- سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695
- قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948
- مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0504296740
- جدّہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270
- الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون/فیکس: 3908027 04
- خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07

شارجہ فون: 5632623 6 00971

امریکہ ہوسٹن: 7220419 713 001 • نیویارک: 6255925 718 001

لندن فون: 4885 539 208 0044

آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 37324034-37240024-37232400 42 0092 فیکس: 37354072 موبائل: 0322-8484569

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

- غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 37120054 فیکس: 37320703 موبائل: 0321-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 35692610 موبائل: 0321-4212174

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 2281513 موبائل: 0321-5370378

کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی فون: 34393936 فیکس: 34393937 موبائل: 0321-2441843
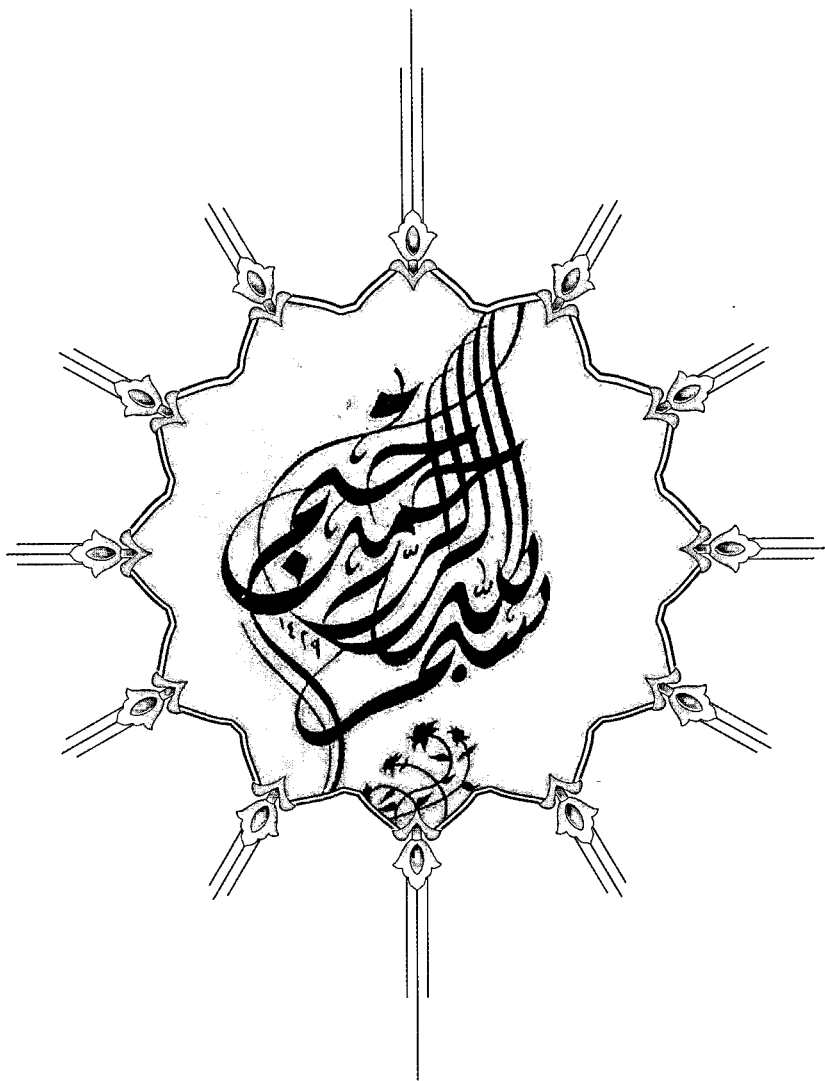
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں۔''

(الحجرات 29:49)

«إِنِّي لَا أَدْرِي مَا قَدْرُ بَقَائِي فِيكُمْ، فَاقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي...... وَأَشَارَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ......»

''بلاشبہ مجھے علم نہیں کہ میں تمھارے درمیان مزید کتنی زندگی گزاروں گا۔ تم ان دو ہستیوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گی، پھر آپ ﷺ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کیا۔''

(سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني:3/236,233)

مضامین

باب: 2
بعد از ہجرت تا عہدِ خلافت
(اسلامی تعلیمات کے اثرات، مناقب اور خلافتِ صدیقی میں کردار)

باب: 4
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں محکمۂ مالیات کا قیام

عرضِ ناشر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ القدس کی طرف جا رہے تھے۔ منزل قریب ہی تھی۔ آپ کا بے تکلفانہ انداز دیکھ کر سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کچھ عرض کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''ہم تو گھٹیا ترین لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت بخشی مگر ہم جب کبھی اسلام کو چھوڑ کر کسی اور ذریعے سے عزت چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں رسوا کر دے گا۔'' (المستدرك : 162/1) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے بارے میں یہ جذبات تھے اور آپ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ خیالات تھے: «مَازِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ» ''جب سے عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے ہم عزت اور طاقت میں بڑھتے ہی گئے۔'' (صحیح البخاري: 3684)

ان جذبات و خیالات کو ملائیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ کے حکم سے آفتاب رسالت کی کرنیں عمر رضی اللہ عنہ پر کچھ اس انداز سے پڑیں کہ وہ شاہکار رسالت بن کر ابھرے اور اسلام کے دامن سے انھوں نے ایسے گوہر و الماس سمیٹے کہ وہ مسلمانوں کے لیے عزت، وقار، شان و شوکت، عظمت، عروج اور طاقت کا نشان بن گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت سی قرآنی آیات اور نبوی پیش گوئیوں کے مصداق اور بارگاہِ رسالت سے کئی ایک اعزازات کے حامل تھے۔ نگاہِ رسالت نے آپ کا انتخاب کیا اور بارگاہِ الٰہی میں اسلام کو عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام کی بدولت عزت بخشنے کی دعا کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان آپ پر کتنا صادق آتا ہے: ''ان میں سے جو زمانۂ جاہلیت میں اچھے تھے، وہ

اسلام میں بھی اچھے ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں۔'' عمر رضی اللہ عنہ ایسے صاحب علم تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دودھ پیا، پھر آپ نے وہ عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور اس کی تعبیر علم سے فرمائی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اس قدر پختہ اور دین میں رنگی ہوئی تھی کہ کئی مواقع پر اس کے مطابق قرآن مجید کی آیات کا نزول ہوا۔ عادل ایسے کہ عمر کہہ لیں یا عدل، ایک ہی بات ہے۔ کفار کے لیے ایسے قہرِ ذوالجلال کہ قیصر و کسریٰ عمر رضی اللہ عنہ کا نام سن کر تھرتھرائیں۔ غیور ایسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں ان کا محل اور جنتی خاتون دیکھ کر ان کی غیرت یاد آگئی۔ دواوین حدیث میں كَانَ غَيُّورًا کے الفاظ ان کی غیرت کی گواہی دیتے ہیں۔ اسی غیرت کی بدولت وہ اپنی اہلیہ کے مسجد جانے کو ناپسند کرتے تھے مگر اطاعت رسول کا جذبہ اس قدر کامل تھا کہ اپنی بیوی کو مسجد جانے سے روکتے نہ تھے۔ کتاب اللہ کا اس قدر ادب و احترام تھا کہ كَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ (کتاب اللہ کا حکم سن کر فوراً ٹھہر جانے والے) کی شہادتیں ملیں، اور آپ کے اکثر مشیر قرآنی علوم سے واقف ہوتے۔ سادگی اس قدر کہ بیرونی سفیر امیر المؤمنین ہی سے امیر المؤمنین کے متعلق پوچھ رہے ہوتے۔ محتسب ایسے کہ اپنا اور اولاد کا بھر پور محاسبہ کرتے۔ عوام کو آزادی رائے کا اس قدر حق دیا کہ خاتون کھڑی ہوکر یہ کہہ دیتی کہ عمر کون ہوتا ہے کہ ہمارا حق مہر مقرر کرے۔ اللہ تعالیٰ پر اس قدر اعتماد کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس لیے معزول کر دیا کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ فتوحات انھی کی رہینِ منت ہیں۔ مسئولیت کا ایسا ڈر کہ دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی پیاسا مر جائے تو عمر سے اس کے متعلق بھی سوال ہوگا۔ اسلامی رفاہی ریاست کے ایسے تشکیل دینے والے کہ آج کی جدید دنیا نے اپنے عوام کو حقوق مہیا کرنے کے دستور کو ''عمر لاز'' کا نام دیا۔ منتظم ایسے کہ محاذ جنگ سے لمحے لمحے کی رپورٹیں لے کر رہنمائی کرتے اور ہر ایک گورنر کی رپورٹ لیتے۔ سازشوں پر ایسی گرفت کہ زبان نبوت سے فتنوں کے سامنے بند دروازہ قرار پائے۔ اسلام کی اشاعت میں ایسا کردار کہ اغیار بھی یہ کہنے پر مجبور

ہوئے کہ ایک عمر اور ہوتا تو آج پوری دنیا پر اسلام کا پھریرا لہرا رہا ہوتا۔ عقیدۂ توحید میں اس قدر پختہ کہ حجر اسود سے کہنے لگے کہ میں جانتا ہوں تو نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں بھی نہ دیتا۔ امانت و دیانت کا ایسا معیاری نظام کہ قیصر وکسریٰ کے خزانے اتنا لمبا سفر کر کے مختلف ہاتھوں سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ آتے مگر اس میں سے معمولی سی چیز بھی آگے پیچھے نہ ہوتی۔ عجز وانکسار اور اللہ کے حضور پیشی کا ڈر ایسا کہ فرمایا: کاش! میں برابر سرابر ہی چھوڑ دیا جاؤں۔ شہادت کی آرزو اس قدر صادق کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ ہی میں نہیں بلکہ مسجد نبوی میں شہادت نصیب فرمائی اور شہید محراب کہلائے۔ امر بالمعروف کا ایسا اہتمام کے آخری لمحات میں بھی اس سے غافل نہ ہوئے۔ اسلامی ریاست کا ایسا خیال کہ اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کی مجلس شوریٰ بنا گئے۔ دوسروں کے حقوق کا تحفظ ایسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں مجھے دفنانے کی اجازت لینا اور ان کے سامنے مجھے امیر المؤمنین نہ کہنا کیونکہ میں امیر المؤمنین نہیں رہا۔ انھوں نے اجازت دے دی مگر فرمایا کہ جب میرا جنازہ اٹھاؤ تو ایک مرتبہ پھر پوچھ لینا۔ اگر اجازت نہ ملے تو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفنا دینا...... الغرض اوصاف ایسے تھے کہ اگر نبی ﷺ کے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ ہی ہوتے۔ یہ ہیں سیرت عمر رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی کی چند جھلکیاں۔ ان سب کی تفصیل اور اس کے علاوہ سیرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہت سے گمنام گوشے اور اولیات آپ اس کتاب میں پڑھیں گے۔

سیرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت کچھ لکھا جاچکا اور لکھا جاتا رہے گا مگر عالم اسلام کے مشہور اسکالر اور مایہ ناز مؤلف دکتور علی محمد محمد الصلابی، جو اب تک سیر وسوانح کے موضوع پر دو درجن سے زائد کتب تالیف کر چکے ہیں، کا اسلوب یگانہ ہے۔ وہ قدیم و جدید تمام کتب کو کھنگالتے ہیں اور موضوع سے متعلق شائع شدہ مواد کی روشنی میں حوالے دے کر کتب

تالیف کرتے ہیں اور تحقیق وتخریج کا دامن بھی تھام کر رکھتے ہیں۔ زیر نظر کتاب ''سیرت عمر رضی اللہ عنہ'' کے سلسلے میں بھی انھوں نے کم وبیش 350 کتب سے استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کتبِ سیرت کو دورِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے پیش کرتے ہیں۔ اس کی بدولت آج کا قاری اپنے لیے بہت سے اسباق اور راہنمائیاں پاتا اور کردار سازی کرتا ہے۔

دارالسلام نے اپنے معیار کے مطابق بہترین اسلوب اور عمدہ پیرائے میں سیرت عمر رضی اللہ عنہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اسے دارالسلام لاہور کے مینیجر عزیزی حافظ عبدالعظیم اسد کی سرپرستی میں بڑی عمدگی سے تیار کیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا ندیم شہباز (فاضل مدینہ یونیورسٹی) مدرس جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) نے خوش اسلوبی سے کیا، احمد کامران صاحب نے ایڈٹ کیا، محمد نعمان فاروقی سوہدروی نے نظر ثانی کی اور اس سلسلے میں مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ سے استفادہ کیا اور حافظ محمد ندیم، حافظ فاروق اور حافظ سیف اللہ نے پروف ریڈنگ اور فنی مراحل سے گزارا۔ محسن فارانی اور انور اعوان صاحب نے اس کے نقشے تیار کیے اور محسن فارانی صاحب نے اماکن و اعلام پر نظر ثانی بھی کی۔ اور کمپوزنگ اور ڈیزائننگ میں علی الترتیب ابومصعب، ان کے رفقا اور زاہد سلیم، اسد علی، محمد عامر رضوان، محمد زاہد اور محمد شعیب نے اپنے فرائض نبھائے۔ میں ان سب احباب کا تہہ دل سے شکر گزار اور دعا گو ہوں۔ اور قارئین کرام سے احباب ادارہ کے لیے دعاؤں کی التماس کرتا ہوں۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

اکتوبر 2010   مینیجنگ ڈائریکٹر دارلسلام، الریاض، لاہور

مقدمہ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی تمام تعریفوں کے لائق ہے۔ ہم اُسی کی مدح سرائی کرتے ہیں، اسی سے بخشش اور راہِ ہدایت کے طلب گار ہیں اور ہم اسی سے اپنے نفوس کی برائیوں اور برے اعمال سے محفوظ رہنے کی التجا کرتے ہیں۔ جسے اللہ جل جلالہ ہدایت نصیب فرما دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ رکھے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرو مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“[1]

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝﴾

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس

[1] آل عمرٰن 102:3۔

سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتے توڑنے سے بھی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تمھارا نگہبان ہے۔"①

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝﴾

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی بات کہو۔ وہ تمھارے لیے تمھارے اعمال درست کر دے گا اور وہ تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے تو پس تحقیق وہ عظیم الشان کامیابی سے ہمکنار ہوا۔"②

میں اپنے مقدس خالق و مالک کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس کتاب کی تالیف کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اس کتاب کا عنوان "الفاروق عمر بن الخطاب، شخصیت، حیات اور دورِ خلافت" ہے۔ میں اس سلسلے میں اُن مشائخ اور علمائے کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مجھے خلفائے راشدین کی تاریخ مرتب کرنے کا مشورہ دیا۔ ایک معزز عالمِ دین نے خاص طور پر فرمایا: آج کے فرزندانِ اسلام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک کے درمیان بڑا فاصلہ پیدا ہو چکا ہے۔ مسلمان اپنی زندگی کی ترجیحات طے کرنے میں کج روی کا شکار ہو رہے ہیں، وہ خلفاء کی مثالی سیرت کو چھوڑ کر اپنے متعین کردہ پیش رو حضرات کے پیچھے چلنے کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ خلفائے راشدین کے مبارک دور میں ہمیں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہنمائی ملتی ہے۔ سیاسی، تربیتی، ابلاغی، اخلاقی، اقتصادی، فکری، جہادی اور فقہی امور کی بھرپور رہبری میسر آتی ہے یہاں تک کہ عہد حاضر

① النسآء 4:1. ② الأحزاب 33:70، 71.

میں ہمیں جس میدان میں بھی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے، اُس کا حل بھی مل جاتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ آج ان اداروں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں جو اُس مبارک دور میں اسلامی ریاست کے تحت معرضِ وجود میں آئے۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ اُن اداروں، مثلاً: عدالت، مالیات، نظامِ خلافت اور فوج نے حالات کے مطابق کس طرح ترقی کی۔ ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ جب اُمتِ مسلمہ اس دور کی ترقی یافتہ ایرانی اور رومی سلطنتوں سے ٹکرائی اور نت نئے مسائل معرض وجود میں آئے تو ان کا حل کس طرح ڈھونڈا گیا۔ اور اس وقت اسلامی فتوحات کے خدوخال کیسے تھے؟

اس کتاب کا آغاز میرے ایک تصور سے ہوا جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب ایک حقیقت میں ڈھل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور میری ساری مشکلیں آسان کر دیں اور مجھے اللہ کے کرم سے اس موضوع پر مراجع اور مصادر بآسانی ملتے چلے گئے۔

خلفائے راشدین کی تاریخ نہایت قیمتی نصائح اور قابل تقلید اُمور سے لبریز ہے۔ یہ تمام قیمتی باتیں تاریخ، حدیث، فقہ، ادب، تفسیر، تراجم اور جرح وتعدیل کی کتابوں میں بکھری ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق ان تمام مصادر کا مطالعہ کیا اور ایسا قابل قدر تاریخی مواد یکجا کرنے میں کامیاب ہوگیا جو عام متداول کتب تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔ میں نے یہ تمام مضامین یک جا کیے، ان کی ترتیب لگائی، پھر اس کی تحقیق کی۔

میں نے خلفائے راشدین کی تاریخ کے سلسلے میں اپنی پہلی کتاب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھی تھی اس کا عنوان ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت، حیات اور دورِ خلافت'' رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کتاب کو بڑی پذیرائی نصیب ہوئی۔ تمام کتب خانوں میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ عالمی سطح کی نمائشِ کتب میں اسے ممتاز جگہ ملی۔ بعد ازاں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے داعیان دین، علماء، طلباء اور عامۃ الناس میرے پاس

آئے، انھوں نے میری بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور زور دیا کہ میں دیگر خلفائے راشدین کے دورِ خلافت کے احوال بھی ضبطِ تحریر میں لاؤں اور مناسب پیرائے میں پیش کروں۔

خلفائے راشدین کا دور نہایت قیمتی اسباق اور قابلِ اتباع واقعات سے مالا مال ہے۔ اگر ہم اس دور کی نسبت ضعیف اور موضوع روایات ختم کر دیں، مستشرقین، سیکولر طبقے اور رافضہ وغیرہ کی ہرزہ سرائیوں سے اسے پاک کر دیں اور تحقیق کے دوران منہجِ اہل سنت اختیار کر لیں تو باور کرنا چاہیے کہ ہم نے منہجِ سلف کو آگے بڑھانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور ہم نے ایسے رجالِ کبار کے دورِ خلافت اور ان کی زندگی کے بارے میں علم حاصل کیا ہے جن کے لیے خود اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○﴾

”اور سبقت لے جانے والے مہاجرین و انصار میں سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“[1]

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، آپ انھیں اسی حال میں دیکھیں گے کہ رکوع

[1] التوبة 9:100.

کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں۔‘‘ [1]

ان کے بارے میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِي بُعِثْتُ فِيهِمْ»

’’میرے سب سے بہتر امتی وہ ہیں جن کے دور میں میں مبعوث ہوا۔‘‘ [2]

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ’’اگر کوئی کسی کی اقتدا کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ ان لوگوں کے نقش قدم پر چلے جو اس دنیا سے جا چکے ہیں کیونکہ زندہ آدمی فتنوں سے محفوظ نہیں ہے۔‘‘

’’یہ لوگ محمد ﷺ کی مصاحبت اختیار کرنے والے تھے، اس لحاظ سے یہ اس امت کے افضل ترین لوگ تھے۔ ان کے دل سب سے زیادہ نیک تھے اور وہ علمی رسوخ کے حامل تھے۔ وہ بڑی سادہ زندگی بسر کرنے والے تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اشاعت و اقامت کے لیے منتخب فرمایا تھا، لہٰذا تم ان کی قدر پہچانو۔ امکان بھر ان کی اقتدا کرو اور ان کا اختیار کردہ دین مضبوطی سے تھام لو کیونکہ یہ لوگ صراط مستقیم پر چلنے والے تھے۔‘‘ [3]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلامی احکام کے نفاذ اور اس کرۂ ارض کے طول و عرض میں انھیں پھیلانے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کا زمانہ بہترین زمانہ تھا۔ انھوں نے لوگوں کو قرآن سکھلایا اور پیغمبر علیہ السلام کے ارشادات سنائے۔ ان کی تاریخ، علم، جہاد، نظریات، ثقافت، فتوحات اور دیگر امتوں کے ساتھ معاملات ایسے امور ہیں جو بیش بہا خزانے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ اس قابل قدر سنہرے دور سے اپنی نسلوں کے لیے صحیح منہج اور خیر خواہی کے راستے منتخب کر سکتے ہیں اور یہ بھی جان سکتے ہیں کہ دنیا میں ہمارے

---

[1] الفتح 29:48. [2] صحيح مسلم، حديث: 2534. [3] شرح السنة للبغوي: 214/1، وجامع بيان العلم و فضله: 97/2، و مشكاة المصابيح، حديث: 193.

آنے کا مقصد کیا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ دور اتنا مبارک تھا جس سے اہل ایمان کو روحانی غذا، اخلاقی تربیت، عقل کو روشنی اور ہمتوں کو مہمیز مل سکتی ہے اور افکار میں پختگی آسکتی ہے۔ اس امت کے حدی خواں علمائے کرام اور داعیان دین ایسے افراد تیار کر سکتے ہیں جن کی منہج نبوی کے مطابق تربیت ہو، مزید برآں لوگ خلافتِ راشدہ کے دور کی خصوصیات اور اس دور کے قائدین وعوام کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکتے ہیں اور یہ حقیقت بھی جان سکتے ہیں کہ بعدازاں وہ کون سے عوامل تھے جن کے سبب یہ سنہری دور مفقود ہوتا چلا گیا۔

یہ دوسری کتاب ہے۔ جس میں خلفائے راشدین کی تاریخ قلمبند کر کے پیش کر رہا ہوں۔ اس میں سیدنا عمر بن خطاب الفاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور ان کے دور خلافت کا ذکر جمیل ہوگا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفۂ راشد تھے جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے بلند مقام پر فائز ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان خلفاء کی اتباع کرنے اور ان کی سیرت اپنانے کا حکم دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي»

''تم میری اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی التزام کے ساتھ کرو۔''[1]

حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دنیا کے سب سے بہترین آدمی تھے۔ ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي، أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ»

''میرے بعد ان دو افراد ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کی پیروی کرو۔''[2]

---

[1] سنن أبي داود، حديث:4607، وجامع الترمذي، حديث:2676، والمستدرك للحاكم: 196/1. [2] جامع الترمذي، حديث:3662، دیکھیے: صحيح سنن الترمذي للألباني:502/3.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَّكُنْ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ»

''یقیناً تم سے پہلی امتوں میں کچھ لوگ الہام یافتہ ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔''[1]

ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«رَأَيْتُ كَأَنِّي أَنْزِعُ بِدَلْوِ بَكْرَةٍ عَلٰى قَلِيبٍ، فَجَاءَ أَبُوبَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ فَنَزَعَ نَزْعًا ضَعِيفًا وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَاسْتَقٰى، فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِّنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرْيَهُ حَتّٰى رَوِيَ النَّاسُ وَضَرَبُوا الْعَطَنَ»

''میں نے نیند میں دیکھا کہ ایک کنویں پر چرخی سے ڈول کھینچ رہا ہوں، اتنے میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آگئے، انھوں نے ایک یا دو ڈول پانی نکالا، ان کے نکالنے میں کمزوری کے آثار تھے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے! پھر عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) آئے اور پانی نکالنا شروع کیا تو وہ ڈول ایک بڑے ڈول میں تبدیل ہوگیا۔ میں نے ان جیسا قوی آدمی نہیں دیکھا جو ان جیسا کام کرتا ہو۔ انھوں نے پانی کے ڈول نکالے، یہاں تک کہ لوگ سیراب ہوگئے اور انھوں نے اونٹوں کو پانی پلا کر آرام کی جگہ بٹھایا۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3689، وصحيح مسلم، حديث: 2398. [2] صحيح مسلم، حديث: 2393.

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ'' میں نے دوبارہ سوال کیا کہ آدمیوں میں سے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ کا باپ'' میں نے عرض کیا: ان کے بعد؟ تو آپ نے فرمایا: ''عمر بن خطاب'' پھر چند اور افراد کے نام گنوائے۔ [1]

بلاشبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ اسلامی تاریخ کا وہ روشن باب ہے جس سے ساری اسلامی تاریخ جگمگا رہی ہے۔ عزت، بزرگی، اخلاص، جہاد اور دعوت فی سبیل اللہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جو بلند درجہ حاصل ہوا وہ تاریخ عالم میں کسی کو حاصل نہ ہوسکا۔ اسی لیے میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ اور دور خلافت کے سنہرے اوراق مصادر و مراجع سے چن چن کر یکجا کیے، پھر ان کی ترتیب، تحقیق اور توثیق کا اہتمام کیا تاکہ اس سے ہر طبقہ ہائے زندگی کے لوگ، مثلاً: خطباء، علماء، سیاست دان، تجزیہ نگار، کمانڈرز، خلفاء، طالبانِ علم، داعیانِ دین اور عوام الناس یکساں طور پر مستفید ہوسکیں، اپنی زندگی کو کارآمد بنانے کے لیے سیرت خلفاء کی پیروی کرسکیں اور نتیجتاً دونوں جہانوں کی کامیابی سے سرفراز ہوں۔

میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ ان کی ولادت باسعادت سے شہادت تک بیان کی ہے، جس میں میں نے ان کا نسب نامہ، خاندان، جاہلی دور، اسلام، ہجرت، قرآن کریم سے ان کی وابستگی بیان کی ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت و ملازمت کے باعث ان کی جو تربیت ہوئی اور شخصیت میں اسلامی تعلیمات سے جو نکھار پیدا ہوا میں نے اس کا بھی وضاحت سے تذکرہ کیا ہے۔ میں نے غزوات میں ان کا کردار، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صدیق رضی اللہ عنہ کے مدنی معاشرے میں ان کی زندگی کی تفصیلات بیان کی ہیں اور ان کے

[1] الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان: 18/9، حديث:6846.

عہد خلافت پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔

میں نے ان کے دور خلافت کے اہم قوانین کا تذکرہ کرتے ہوئے مجلس شوریٰ، عدل، مساوات اور آزادئ فکر کی خصوصیات کے حوالے سے مفصل گفتگو کی ہے۔

میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذاتی صفات کون سی تھیں، ان کا خود اپنے گھرانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے سلوک کیسا تھا اور انھوں نے خلیفۃ المسلمین بننے کے بعد اپنی رعایا کا کس طرح خیال رکھا۔ میں نے اس سلسلے میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں ان کی فکر مندی، اسلام میں مسابقت رکھنے والوں سے سلوک، لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کی فکر، اسلامی معاشرے کے بعض زعماء کی تربیت، دین سے منحرف ہونے والوں کی اصلاح، رعایا کی صحت کا خیال، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا خصوصی اہتمام، بازار اور تجارت کے نظام کی اصلاح، بنیادی مقاصدِ شریعت، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا رسوخ، شرک وبدعت کو جڑ سے اکھاڑنا، عبادات کی پابندی اور مجاہدین کی عزت کا تحفظ جیسے عنوانات وضاحت سے بیان کیے ہیں۔

بعد ازاں میں نے بیان کیا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کس طرح حصول علم کا اہتمام فرماتے تھے۔ وہ تعلیم، تربیت اور خیر خواہی کے جذبات سے اپنی رعایا کو کس طرح آراستہ فرماتے تھے۔ مزید برآں انھوں نے کس طرح مدینہ طیبہ کو ایک دارالافتاء کی حیثیت عطا کی اور مدینہ کس طرح علم وفقہ کا مرکز بن گیا اور ایک ایسی درسگاہ کی شکل اختیار کر گیا جہاں بہت سے داعیانِ الی اللہ، گورنر اور قاضی پیدا ہوئے۔

پھر میں نے مختلف شہروں مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں قائم ہونے والے مدارس کا تذکرہ کیا اور ان کے حوالے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمات پر گفتگو کی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے علوم وفنون میں مہارت رکھنے والے افراد کو مختلف شہروں میں بھیجا تاکہ وہ لوگوں کی علمی پیاس بجھا سکیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے علاقائی گورنروں اور لشکر کے سپہ سالاروں

کو خصوصی احکام جاری فرمائے تا کہ فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کے پیش نظر زیر نگیں آنے والے ہر علاقے میں مساجد کا قیام عمل میں لایا جائے تا کہ یہ مساجد دعوت، تعلیم، تربیت اور اسلامی ثقافت کے مراکز بن جائیں۔ مساجد ہی نے اسلامی تاریخ میں پہلے پہل علمی اداروں کی شکل اختیار کی۔ مساجد ہی سے صحابۂ کرام نئے مسلمان ہونے والے لوگوں میں اسلامی تعلیمات عام کرنے کے لیے نکلتے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں مساجد کی تعداد 12 (بارہ) ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ معمول یہ تھا کہ ہر جگہ پہلے جہاد کی غرض سے چھاؤنی کا قیام عمل میں آتا، بعد ازاں وہاں علمی ادارہ بھی قائم کیا جاتا جیسا کہ عراق، ایران، شام، مصر اور بلادِ مغرب کی فتوحات کے وقت ہوا، پھر ان علمی اداروں کا تمام تر انتظام علم و فقہ کی ان ممتاز شخصیات کے ہاتھ آجاتا تھا جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر تربیت پائی تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے باصلاحیت اور ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم سے خوب کام لیا اور ان کی بہترین رہنمائی فرمائی۔ ہر ایک کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق جگہ دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ علم و فقہ سیکھنے والے مسلسل آتے رہے اور اسلام سے مخلص ہو کر لشکر اسلامی میں جہاد کے لیے شامل ہوتے رہے۔

میں نے اس کتاب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے شعر و ادب سے لگاؤ کا حال بھی بیان کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تمام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ شعر و ادب کے گرویدہ تھے بلکہ اشعار کی اصلاح بھی فرمایا کرتے تھے، وہ موقع کی مناسبت سے شعر بھی کہتے تھے۔ کہا جاتا ہے: ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو واقعہ بھی پیش آتا تو آپ رضی اللہ عنہ بطور استشہاد ایک دو شعر ضرور پڑھ دیتے تھے۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عربی ادب پر بڑا عبور تھا۔ زبان و بیان پر نقد و نظر میں یدِ طُولیٰ رکھتے تھے۔ ان کے ہاں اس سلسلے میں مکمل ضابطہ موجود تھا جس کی بنا پر وہ ایک نص کو

دوسری نص پر مقدم رکھتے یا کسی شاعر کو دوسرے شاعر پر فوقیت دیتے تھے۔

ان ضوابط میں سے ایک ضابطہ یہ تھا کہ وہ عربی زبان کی سلاست اور شائستہ الفاظ کو ترجیح دیتے تھے اور مشکل الفاظ سے اجتناب برتتے تھے۔ وہ اشعار و افکار اور زبان و بیان کی وضاحت بھی فرماتے تھے۔ وہ اس امر کا خاص خیال رکھتے تھے کہ الفاظ معانی کے مطابق ہوں اور ہر لفظ موقع و محل کے مطابق استعمال کیا جائے۔ وہ شعراء کو کسی مسلمان کی ہجو کرنے یا شریعت اسلامی سے استہزا کرنے سے سختی سے منع فرماتے تھے۔ انھوں نے اس سلسلے میں کئی طریقے اختیار کیے۔ انھوں نے حطیئہ نامی شاعر سے تین ہزار درہم کے عوض مسلمانوں کی ہجو نہ کرنے کا معاہدہ کیا۔ حتی کہ اس شاعر نے کہا:

وَ أَخَذْتَ أَطْرَافَ الْكَلَامِ فَلَمْ تَدَعْ شَتْمًا يَّضُرُّ وَلَا مَدِيحًا يَّنْفَعُ

وَمَنَعْتَنِي عِرْضَ الْبَخِيلِ فَلَمْ يَخَفْ شَتْمِي فَأَصْبَحَ آمِنًا لَا يَفْزَعُ

”آپ نے مختلف قسم کے کلاموں پر پابندی عائد کردی۔ آپ نے ایسا کوئی امکان نہیں چھوڑا کہ کسی کی بد کلامی کسی کو نقصان پہنچائے یا کسی کا کلام اپنے ممدوح کو کوئی نفع دے سکے۔ آپ نے مجھ جیسے شاعر سے بخیل کی عزت محفوظ کردی۔ اب بخیل کو میری طرف سے ملامت و مذمت کا کوئی خوف نہیں۔ وہ محفوظ ہوگیا۔ اسے اب کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں۔“

ان احوال کے بعد میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آبادیوں کی ترقی اور قدرتی آفات اور ان کے تدارک پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف بحری و بری وسائلِ نقل و حمل استعمال کرتے ہوئے کس طرح ان پر قابو پایا۔

میں نے ملکی حدود کے تعین، دفاعی نقطۂ نظر سے بنائے گئے شہر اور جدید اسلامی ثقافت کا تذکرہ بھی کیا ہے اور بڑے بڑے شہروں، مثلاً: بصرہ، کوفہ اور فسطاط وغیرہ کی تعمیر و ترقی

کا حال لکھا ہے۔ اسی دوران میں نے ان عسکری اور اقتصادی قوانین کا تذکرہ بھی کیا جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نئے شہروں کی تعمیر کے بعد وضع فرمائے۔

میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان کوششوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو انھوں نے قحط سالی پر قابو پانے کے لیے کیں۔ اس موقع پر یہ بات خصوصیت سے اُجاگر کی گئی ہے کہ ایسے مواقع پر انھوں نے خود اپنے آپ کو لوگوں کے لیے کس طرح ایک مثال بن کر دکھایا اور اللہ تعالیٰ کی مدد کس طرِح ان کے شامل حال ہوئی۔ اسی طرح آنے والے نئے پناہ گیروں، دیگر شہروں میں آباد کاروں سے تعاون کا حصول، نماز استسقا کا اہتمام اور قحط سالی کے وقت کچھ فقہی اجتہادات، مثلاً: چوری کی حد میں توقف اور اس سال زکاۃ کی وصولی میں تاخیر کا حال بھی لکھا ہے۔

میں نے طاعون جیسی وبا میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار بتایا ہے۔ یہ ایسی وبا تھی جس میں شام کے علاقے میں اسلامی لشکر کے عظیم کمانڈر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے اور تقریباً بیس ہزار مسلمان لقمۂ اجل بن گئے۔ اس کے نتیجے میں پیداوار میں کمی واقع ہوگئی اور لوگوں کا ترکہ ضائع ہونے لگا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان حالات میں خود شام تشریف لے گئے اور لوگوں میں خود اپنے ہاتھوں سے غلہ تقسیم کیا۔ سردیوں اور گرمیوں میں لشکر کشی کے لیے مخصوص دستوں کا تعین کیا۔ شام کی حدود کی تنظیم نو فرمائی، اس کے لیے مسلح نگران مقرر کیے، مختلف گورنروں کا تقرر فرمایا، لشکر کے کمانڈروں اور لوگوں کے امور عامہ کا از سرنو جائزہ لیا اور مرنے والوں کے اصل وارثوں تک ان کی املاک پہنچانے کا اہتمام فرمایا۔

میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مالیات اور عدالت کے محکمے پر بھی تفصیلی گفتگو کی ہے۔ میں نے محکمۂ مالیات کے قیام اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ریاست کے ذرائع آمدنی، مثلاً: زکاۃ، جزیہ، خراج، عشور، فے، غنائم اور مسلمانوں کے بیت المال اور مالیات کے ریکارڈ کا حال لکھا ہے، بعدازاں ریاست کے مصارف، سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ کا خراجی زمین کے بارے میں اجتہاد اوراسلامی سکے جاری کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔
میں نے اس دور میں محکمۂ قضا کی ترقی اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ان خطوط کا تذکرہ کیا ہے جو انھوں نے اپنے قاضیوں کوتحریر فرمائے تھے۔ اس سلسلے میں قاضیوں کے تقرر کے اصولوں پر بھی روشنی ڈالی اور بتایا ہے کہ قاضیوں کی صفات، مراتب اوران کے فرائض کیا تھے۔ مزید برآں فیصلہ کرنے کے لیے جن مصادر کی طرف رجوع کیا جاسکتا تھا اور جن دلائل پر اعتماد کیا جاسکتا تھا، ان کا حوالہ دے کر میں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عدالتی اجتہادات بھی بیان کیے ہیں۔ ان اجتہادات میں سرکاری مہر میں جعلسازی کی سزا، کوفہ میں بیت المال سے چوری کی سزا اور حرمت زنا سے نا آشنائی کا حکم جیسے عدالتی اور فقہی مسائل شامل ہیں۔

میں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے عمال کے ساتھ سلوک بھی نمایاں کیا ہے، اس سلسلے میں میں نے عہد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں ریاست کے تمام شہروں کا تذکرہ کیا ہے اور ہر علاقے کے گورنر کا نام بھی لکھا ہے۔ گورنروں کے تقرر اور شرائط اہلیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کا محاسبہ کس طرح کرتے تھے اور ان کے بارے میں رعایا کی شکایات کے ازالے کے لیے ان کا طریق کار کیا تھا۔ وہ اپنے عمال کو کیسی سزائیں دیتے تھے۔ میں نے اس سلسلے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی دو دفعہ معزولی، اس کے اسباب، اس سلسلے میں لوگوں کے تأثرات، اس فیصلے پر خود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ردعمل اور جان کنی کے وقت انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو گفتگو کی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

میں نے اس کتاب میں عراق، ایران، شام، مصر اور لیبیا کی فتوحات کے حقائق تحریر کیے ہیں اور ان فتوحات سے حاصل ہونے والے اسباق، عبرتوں اور فائدوں کے علاوہ طریقۂ فتوحات بھی بیان کیا ہے۔ میں نے ان خطوط کا بھی تذکرہ کیا ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

نے اسلامی لشکروں کے کمانڈروں کو ارسال فرمائے، پھر ان خطوط سے لوگوں کی رہنمائی، مختلف علاقوں کی تعمیر و ترقی، معاشرے کی تربیت، قائدین کی رہنمائی، جنگ کا طریقۂ کار اور بہت سے حقوق اللہ اخذ کیے ہیں۔ جن سے دشمن کے سامنے ڈٹ جانا، جہاد کا مقصد صرف اللہ کے دین کی مدد کرنا، امانت کو ادا کرنا، اللہ کے دین کی مدد کے لیے کسی سے نہ ڈرنا، قائدین کے حقوق اور اُن کے تحفظ کے تقاضے معلوم ہوتے ہیں۔ مزید برآں قائدین کی اطاعت اور فرماں برداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرنے کی تاکید، فوج کے حقوق، ان کے احوال پر نگاہ رکھنا، ان کی ضرورتیں پوری کرنا، ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا اور انھیں جہاد پر انگیخت کرنا بھی شامل ہیں۔

میں نے اس کتاب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دیگر ہم عصر فرمانرواؤں سے تعلقات اور فتوحات سے حاصل ہونے والے فوائد کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اللہ کے سامنے پیش ہونے کی فکر بھی بیان کی ہے جو ہمیشہ ان کے سینے میں موجزن رہتی تھی اور شہادت تک باقی رہی۔

میں نے اس کتاب میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کو کس طرح سمجھا، اس کے مطابق کس طرح زندگی بسر کی اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کا کس طرح نفاذ کیا، پھر میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور سیاسی، عسکری، آئینی اور عدالتی نظریات کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اور تفصیل سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے خلیفہ مقرر ہونے سے پہلے اور خلیفہ منتخب ہونے کے بعد کس نہج پر زندگی بسر کی۔ بالخصوص میں نے ان کے مالی، عدالتی، انتظامی اور عسکری نظام کی ترقی کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔

یہ کتاب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ کتاب ثابت کرے گی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایمان، علم، انداز فکر، گفتگو، سیرت اور کردار کے اعتبار

سے نہایت عظیم انسان تھے۔ ان کی عظمت ہمہ جہت تھی جو ان کی سوچ، شریعت پر عمل، اللہ تعالیٰ سے تعلق اور نبی ﷺ کی سیرت کی اتباع کا ثمر تھی۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا شمار ان رہبروں میں ہوتا ہے جو لوگوں کے لیے زندگی کے اصول وضع کرتے ہیں اور پھر لوگ اپنی زندگیوں میں ان کے اقوال واعمال سے رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت بڑی ایمان افروز ہونے کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی سچی تعبیر اور فہم سلیم کا مظہر بھی ہے۔ آج کل امت اسلامیہ کو ایسی مبارک ہستیوں کی اشد ضرورت ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلیں تا کہ وہ ہر قسم کی قربانی دے کر ان کی سیرت اور نظریات کو زندہ رکھیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت طیبہ ہزاروں سال کے بعد بھی زندۂ جاوید رہے گی اور لوگ رہتی دنیا تک ان کی مثالی زندگی اختیار کر کے اور ان کی سوچ کو عملی جامہ پہنا کر اپنی معاصر امتوں میں عظیم مقام پیدا کر سکیں گے۔ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ ان کی سیرت، اخلاق اور سیاست صرف اسی دور کے لیے مخصوص تھی بلکہ اگر آج بھی اس دور کے قوانین کی تطبیق عمل میں لائی جائے تو یقیناً انھی کے دور جیسے بابرکت نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

یہ بات ایک اٹل حقیقت ہے کہ اگر جذبۂ ایمان قوی ہو، اللہ کے سامنے پیش ہونے پر کامل یقین ہو اور مسلمان اپنے دین پر عمل پیرا ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے ایسے اولیاء کی ضرور مدد فرمائے گا اور زندگی کے مسائل حل ہوتے چلے جائیں گے۔

مندرجہ بالا مضامینِ کتاب کا تعارف کرانے کے بعد میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت اُجاگر کرنے اور ان کے دور خلافت کے احوال بیان کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے۔ مجھے غلطی سے مبرا ہونے کا دعویٰ نہیں۔ میں اس تالیف کے صلے میں صرف اللہ کی رضا کا طلب گار ہوں، اسی سے ثواب کی امید

رکھتا ہوں۔ بلاشبہ مدد صرف اللہ رب العزت ہی سے طلب کی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب اسی کے فضل وکرم سے نفع بخش ثابت ہوسکتی ہے۔ وہ اسمائے حسنٰی سے متصف ہے اور وہی دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بدھ کے دن تیرہ رمضان المبارک 1422ھ کو بمطابق اٹھائیس نومبر 2001ء صبح 7 (سات) بج کر 5 (پانچ) منٹ پر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ میں اپنے مالک وخالق سے اپنی اس عاجزانہ محنت کی قبولیت کا خواستگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے لیے نفع بخش بنائے اور اس میں اپنے کرم و احسان سے برکت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

''جو کچھ اللہ لوگوں کے لیے رحمت میں سے کھول دے، پھر اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو بند کردے، پھر اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور وہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''[1]

اس مقدمہ کے اختتام پر میں لازم سمجھتا ہوں کہ اپنے اللہ کے حضور عاجزی کے ساتھ اس کے جود وکرم کا اعتراف کرتے ہوئے جُھک جاؤں۔ وہی کرم کرنے والا، احسان کرنے والا، مدد کرنے والا اور توفیق دینے والا ہے۔ ہر قسم کی تعریف اُسی کو زیبا ہے جس نے مجھ ناچیز پر اول تا آخر احسان فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمائے حسنٰی اور صفات عالیہ کے ذریعے دعا کرتا ہوں کہ اس کتاب کو اپنی رضا کے لیے قبول فرمالے، اسے اپنے بندوں کے لیے سبق آموز بنا دے اور جو کچھ بھی میں نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ قیامت کے دن اسے میرے حسنات کے کھاتے میں ڈال

[1] فاطر 2:35.

دے۔ مزید برآں میری دعا ہے کہ رب کریم ہر اُس مہربان کو جزائے خیر عطا فرمائے جس نے اس کتاب کی تکمیل میں میرا ساتھ دیا۔ آخر میں میں ہر قاری سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھے۔ میں بندۂ پُرتقصیر ہوں، مجھے اپنے رب کی طرف سے معافی، بخشش، رحمت اور رضامندی کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ○﴾

''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جسے تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔''[1]

اے اللہ! ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھی سے بخشش طلب کرتا ہوں، تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور ہماری آخری پکار یہی ہے کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کو زیبا ہیں۔

اللہ کی بخشش، درگزر، رحمت اور رضا کا طلبگار

علی محمد محمد الصلابی

13 رمضان، 1422ھ

بمطابق 28 نومبر 2001ء

[1] النمل 19:27.

باب

1

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

قبل از اسلام، قبولِ اسلام اور ہجرتِ مدینہ

- ابتدائی حالات
- قبولِ اسلام اور ہجرت
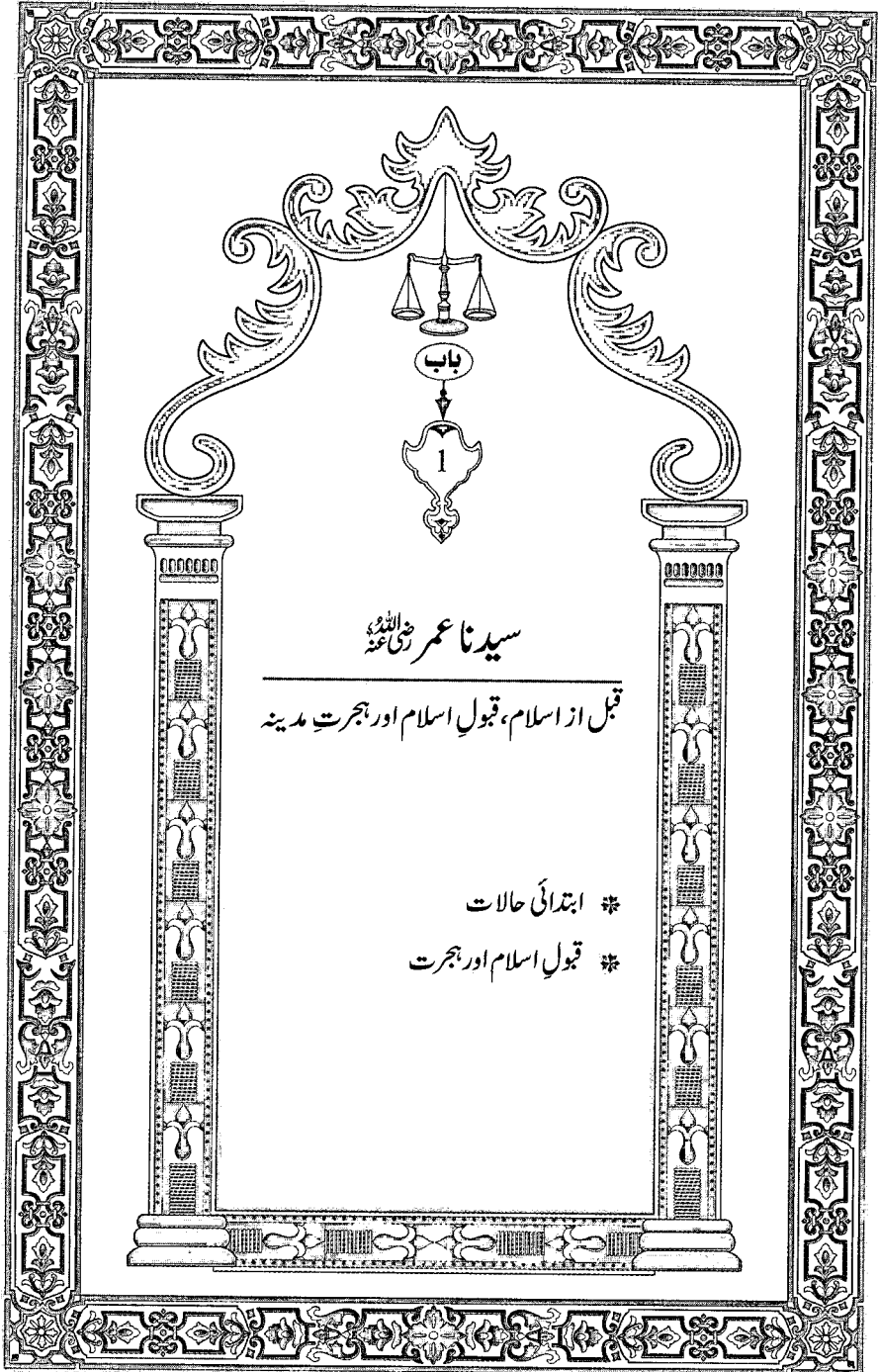
ابتدائی حالات

نام، نسب، کنیت اور القاب

نام عمر اور نسب نامہ یہ ہے: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی [1] بن غالب القرشی العدوی ہے۔ [2] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعب بن لؤی بن غالب پر پہنچ کر ایک ہو جاتا ہے۔ [3] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوحفص [4] اور لقب فاروق تھا۔ [5] انھوں نے مکہ مکرمہ میں سب کے سامنے اسلام کا اعلان کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے کفر اور ایمان کے درمیان نمایاں فرق اور امتیاز پیدا کر دیا۔ [6]

ولادت اور شکل و شباہت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عام الفیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔ [7]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ انتہائی سرخ و سفید تھا۔ رخسار، ناک اور آنکھیں نہایت خوبصورت،

---

(1) الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 265/3، و محض الصواب لابن عبد الهادي: 131/1. (2) محض الصواب لابن عبدالهادي: 131/1. (3) محض الصواب لابن عبدالهادي: 131/1. (4) صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق عمر بن الخطاب، ص: 15. (5) صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق عمر بن الخطاب، ص: 15. (6) صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق عمر بن الخطاب، ص: 15. (7) تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص: 133.

شجرۂ طیبہ امام الانبیاء ﷺ
اور
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
خاندانِ قریش
فہر [قریش]
حارث
محارب
غالب
لؤی
عامر
تیم الادرم
زمعہ
سودہ
کعب
خزیمہ
حارث
عدی
مرہ
کلاب
یقظہ
تیم
مخزوم
قصی
عبد مناف
ہاشم
مطلب
عبد المطلب
خطاب
عمر
نفیل
عبد العزی
رباح
عمرو
زید
سعید
سعد
کعب
عامر
ابوقحافہ عثمان
ابوبکر
عثمان
عبید اللہ
طلحہ
عبدالرحمٰن
محمد
عبداللہ
اسماء
عائشہ
حارث
ابوسفیان
عبداللہ
عباس
حمزہ
صفیہ
ابوطالب
علی
جعفر
عقیل
طالب
ام ہانی
زینب
محسن
حسین
حسن
محمد رسول اللہ
عبدالرحمٰن
عبید اللہ
قثم
فضل
ابراہیم
فاطمہ
ام کلثوم
رقیہ
زینب
عبداللہ
قاسم
فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد
ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی اولاد
خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد
فہر (قریش) سے محمد ﷺ تک شجرۂ نسب
صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم
جنت کی بشارت پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
نبی کریم ﷺ کی اولاد
قبائل کے بانی سردار
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
عبدالمطلب کی اولاد
نبی کریم ﷺ کی قرشی ازواج
★ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ماں جائے بھائی بہنیں (فاطمہ بنت عمرو مخزومی کی اولاد)
مآخذ: أطلس التاريخي لسيرة الرسول ★ مُعجم القبائل العرب ★ أسد الغابة ★ مُعجَمُ ما استَعجَمَ ★ كتاب الشجرة النبوية

ہاتھ اور پاؤں بھاری تھے۔ بدن مضبوط، قد لمبا اور سر کے بال سامنے سے جھڑے ہوئے تھے۔ وہ لوگوں پر اس طرح فائق نظر آتے تھے جیسے وہ سوار ہوں اور لوگ پیدل چل رہے ہوں۔ وہ ایک طاقتور اور مضبوط انسان تھے۔ اُن میں کسی کمزوری کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔[1] وہ اپنی ڈاڑھی کو مہندی لگاتے تھے۔ ان کی مونچھیں لمبی تھیں۔ چلتے تھے تو تیز تیز قدم اٹھاتے تھے۔ بلند آواز سے گفتگو کرتے تھے۔ کسی کو مارتے تھے تو پوری قوت سے مارتے تھے۔[2]

خاندان

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام خطاب بن نفیل تھا۔ ان کے دادا نفیل بن عبدالعزّیٰ تھے۔ اُن سے قریش اپنے فیصلے کراتے تھے۔[3]

عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ہشام کی بیٹی اور ابوجہل کی بہن تھی۔[4] لیکن راجح قول یہ ہے کہ وہ ہاشم کی بیٹی اور ابوجہل بن ہشام کی چچا زاد تھی۔[5]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیویوں، بیٹوں اور بیٹیوں کی تفصیل اس طرح ہے کہ انھوں نے زمانۂ جاہلیت میں عثمان بن مظعون کی بہن زینب بنت مظعون سے شادی کی۔ اس کے بطن سے عبد اللہ، عبدالرحمٰن اکبر اور حفصہ پیدا ہوئیں۔ انھوں نے ایک عورت ملیکہ بنت جرول سے بھی شادی کی۔ اس کے بطن سے عبید اللہ پیدا ہوئے، پھر اسے صلح حدیبیہ کے زمانے میں طلاق دے دی۔ اُس سے بعد میں ابوالجہم بن حذیفہ نے شادی کی۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت قُریبہ بنت ابو امیہ مخزومی سے بھی شادی کی، پھر اسے بھی

---

[1] الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني، ص: 15. [2] تهذيب الأسماء للنووي: 14/2، وأوليات الفاروق للقرشي، ص: 24. [3] نسب قريش للزبيري، ص: 347. [4] أوليات الفاروق السياسية، ص: 22. [5] أوليات الفاروق السياسية، ص: 22.

صلح حدیبیہ کے زمانے میں طلاق دے دی۔ ان سے بعد میں عبد الرحمٰن بن ابوبکر نے شادی کر لی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ام حکیم بنت حارث بن ہشام سے بھی شادی کی۔ یہ شادی اس وقت ہوئی جب اس کے خاوند عکرمہ بن ابوجہل شام کے علاقے میں شہید ہو گئے۔ [1] ان کے بطن سے فاطمہ پیدا ہوئیں، آپ نے اسے بھی طلاق دے دی۔ ایک روایت یہ ہے کہ طلاق نہیں دی۔ [2] انھوں نے اوس قبیلے کی ایک عورت جمیلہ بنت عاصم [3] بن ثابت بن ابوالاقلح اور عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل سے بھی شادی کی۔ عاتکہ ان سے پہلے عبداللہ بن ابوبکر کے نکاح میں تھیں۔ [4] کہا جاتا ہے کہ انھی کے بطن سے عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عیاض پیدا ہوا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس خاتون سے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم کو بھی نکاح کا پیغام بھیجا۔ ام کلثوم کی عمر اس وقت چھوٹی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نمائندہ مقرر کیا۔ ام کلثوم نے جواب کہلا بھیجا کہ مجھے شادی کی ضرورت نہیں۔ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سُنی تو تعجب سے کہا: کیا تو امیر المومنین کا پیغام مسترد کرتی ہے؟ ام کلثوم نے جواب دیا: ہاں، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت زندگی بسر کرنے والے ایک شخص ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا تذکرہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس شادی سے روک دیا اور کہا کہ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح کر لیں۔ اس طرح آپ کی آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری ہو جائے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز منظور کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم بطور حق مہر ادا کیے۔

[1] البداية والنهاية: 7/144. [2] البداية والنهاية: 7/144. [3] ترتيب وتهذيب البداية والنهاية، خلافة عمر للسلمي، ص: 7. [4] ترتيب و تهذيب البداية والنهاية، خلافة عمر للسلمي، ص: 7.

ام کلثوم کے بطن سے زید اور رقیہ پیدا ہوئیں۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یمنی عورت لُهْيَه سے بھی شادی کی۔ اُس کے بطن سے عبدالرحمٰن اصغر یا عبدالرحمٰن اوسط پیدا ہوئے۔ علامہ واقدی کی رائے کے مطابق یہ عورت آپ کی ام ولد تھی بیوی نہیں تھی۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اور ام ولد بھی تھی، اُس کا نام فکیہه تھا، اس کے بطن سے زینب پیدا ہوئی۔ واقدی کہتے ہیں: یہ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ ③

آپ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی تعداد تیرہ تھی۔ اُن کے نام یہ تھے: زید اکبر، زید اصغر، عاصم، عبد اللہ، عبد الرحمٰن اکبر، عبدالرحمٰن اوسط، عبدالرحمٰن اصغر، عبید اللہ، عیاض، حفصہ، رقیہ، زینب اور فاطمہ۔ اور ان عورتوں کی تعداد جن سے انھوں نے نکاح کیا تیرہ تھی۔ ان میں وہ سب عورتیں شامل ہیں جن سے انھوں نے دور جاہلیت میں شادی کی یا دور اسلام میں، اسی طرح وہ تمام عورتیں بھی شامل ہیں جنھیں طلاق دی یا جو شہادت کے وقت موجود تھیں۔ ④

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حصول اولاد کے لیے شادی کرتے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

«مَا آتِي النِّسَاءَ لِلشَّهْوَةِ، وَلَوْلَا الْوَلَدُ، مَا بَالَيْتُ أَلَّا أَرَى امْرَأَةً بِعَيْنَيَّ»

”میں اپنی بیویوں سے جماع اس لیے کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ مجھے شہوت رانی کا شوق نہیں ہے۔ حصول اولاد کا مقصد پیش نظر نہ ہو تو مجھے کسی عورت کو دیکھنے کی بھی پروا نہیں۔“ ⑤

ایک اور موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

① الكامل في التاريخ: 212/2. ② تاريخ الأمم والملوك للطبري: 191/5. ③ تاريخ الأمم والملوك للطبري: 192/5. ④ البداية والنهاية: 144/7. ⑤ الشيخان أبوبكر وعمر- برواية البلاذري- تحقيق الدكتور إحسان صدقي، ص:227.

«إِنِّي لَأُكْرِهُ نَفْسِي عَلَى الْجِمَاعِ رَجَاءَ أَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنِّي نَسَمَةً تُسَبِّحُهُ وَتُذَكِّرُهُ»

''میں خود کو جماع پر اس لیے مجبور کرتا ہوں کہ ہوسکتا ہے مجھ سے ایسے افراد پیدا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں اور اس کا ذکرِ جمیل کریں۔''[1]

جاہلی دور

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ جاہلی دور میں بسر کیا اور دیگر قریشیوں کی طرح ہی نشو ونما پائی۔ ان کی ایک نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے اور ایسے افراد اہل مکہ میں گنے چنے ہی تھے۔[2]

وہ بچپن ہی سے ذمہ دار فرد کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ انھوں نے کٹھن حالات میں نشو و نما پائی۔ ان کے گھر میں خوشحالی کا دور دور تک نشان نہیں ملتا۔ ان کے باپ خطاب نے انھیں بچپن ہی سے سختی کے ساتھ اونٹ چرانے پر مامور کردیا۔ یہی وہ زندگی کا سخت ترین مرحلہ تھا جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بڑا گہرا اثر چھوڑا اور اس دور کو وہ زندگی بھر یاد کرتے رہے۔ حضرت عبدالرحمان بن حاطب فرماتے ہیں: میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ضجنان[3] نامی جگہ پر تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں اس جگہ اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ میرا باپ بڑا سخت گیر تھا۔ میں کبھی اونٹ چراتا اور کبھی اس کے لیے لکڑیاں اکٹھی کرتا تھا۔[4]

---

[1] فرائد الكلام للخلفاء الكرام قاسم عاشور، ص: 112. [2] الإدارة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب، فاروق مجدلاوي، ص: 90. [3] ضجنان مکہ سے ایک میل کے فاصلے پر واقع پہاڑ کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ پچیس کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ [4] تاريخ ابن عساكر: 268/52، وطبقات ابن سعد: 266/3. ڈاکٹر عاطف لماضہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے گئے اور ضجنان نامی جگہ پر پہنچے تو بلند آواز سے کہنے لگے:

"نہیں ہے معبود مگر اللہ جو نہایت بلند اور عظیم ہے۔ جسے چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے مرحمت فرماتا ہے۔ میں اس وادی میں خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ ان دنوں میں بہت بڑا کوٹ نما جبہ پہنا کرتا تھا۔ خطاب بڑا سخت گیر تھا۔ مجھ سے اتنا کام لیتا کہ میں تھک جاتا۔ کوئی کوتاہی ہوجاتی تھی تو وہ مجھے مارتا تھا۔ آج میرے اور میرے اللہ کے درمیان کسی کی حاکمیت نہیں ہے، پھر یہ اشعار پڑھے:

لَا شَيْءَ مِمَّا تَرٰى تَبْقٰى بَشَاشَتُهٗ   يَبْقَى الْإِلٰهُ وَيَرْدَى الْمَالُ وَالْوَلَدُ

"ہر وہ چیز جس کی چمک تو دیکھ رہا ہے ختم ہونے والی ہے۔ صرف اللہ ہی باقی رہے گا۔ ہر قسم کا مال اور اولاد ختم ہوجانے والی چیزیں ہیں۔"

لَمْ تُغْنِ عَنْ هُرْمُزَ يَوْمًا خَزَائِنُهٗ   وَالْخُلْدُ قَدْ حَاوَلَتْ عَادٌ فَمَا خَلَدُوا

"ہرمز کے جملہ خزانے ایک دن بھی اس کا دفاع نہ کرسکے۔ قوم عاد نے ہمیشہ رہنے کا ارادہ کیا لیکن وہ بھی ہمیشہ نہ رہ سکے۔"

وَلَا سُلَيْمَانُ إِذْ تَجْرِي الرِّيَاحُ لَهٗ   وَالْإِنْسُ وَالْجِنُّ فِيمَا بَيْنَهَا بُرُدُ

"حضرت سلیمان علیہ السلام بھی زندہ نہ رہ سکے، حالانکہ ہوائیں، انسان اور جنات سب ان کی پیام رسانی پر مامور تھے۔"

أَيْنَ الْمُلُوكُ الَّتِي كَانَتْ نَوَاهِلُهَا   مِنْ كُلِّ أَوْبٍ إِلَيْهَا رَاكِبٌ يَّفِدُ

"وہ بادشاہ کہاں ہیں جن کے اونٹوں کے ریوڑ ہر جہت سے انھی کی طرف ہانک کر لائے جاتے تھے۔"

حَوْضٌ هُنَالِكَ مَوْرُودٌ بِلَا كَذِبٍ   لَا بُدَّ مِنْ وِّرْدِهٖ يَوْمًا كَمَا وَرَدُوا

''یہاں موت کا ایک حوض ہے جس میں بلاشبہ ہر ایک کو اترنا ہے۔ جس طرح یہ لوگ اس میں گر گئے اسی طرح ہر شخص اس میں گرے گا۔''[1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نہ صرف اپنے باپ کے لیے اونٹ چراتے تھے بلکہ اپنی خالہ کی بکریاں بھی چرایا کرتے تھے۔ ان کی خالہ بنو مخزوم میں سے تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں: ایک دن میرے دل میں خیال گزرا کہ میں امیر المومنین ہوں۔ مجھ سے افضل اور کوئی نہیں۔ پس میں اپنے آپ کو اپنی حیثیت باور کروانے کے لیے لوگوں کے مجمع کے درمیان کھڑا ہو گیا اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہا: اے ابن خطاب! تو وہی ہے جو اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میری خالہ بنو مخزوم سے تھیں۔

محمد بن عمر مخزومی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے اور انھوں نے تکبیر کہی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ گئے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھا، پھر کہا: اے لوگو! میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ وہ مجھے اس کے عوض ایک مٹھی کھجور یا منقیٰ دے دیا کرتی تھیں۔ وہ دن دیکھیے اور آج کا دن دیکھیے۔

پھر وہ منبر سے نیچے اتر آئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے امیر المومنین! آج تو آپ نے خود اپنی برائی بیان کر دی۔ یہ سُن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس تیرے لیے اے ابن عوف! درحقیقت جب میں تخلیے میں تھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ تو امیر المومنین ہے، تجھ سے بہتر اور افضل اور کون ہو سکتا ہے؟ پس میں نے چاہا کہ اپنے دل کو اپنی حقیقت سے آگاہ کر دوں۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے

[1] الفاروق مع النبي للدكتور عاطف لماضه، ص: 5، و تاريخ دمشق لابن عساكر: 269/52.

دل میں کچھ غرور آ گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ اپنے آپ کو کچھ پست کر دوں۔ [1]

اس میں شک نہیں کہ جاہلی دور میں اونٹ چرانے کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں بہت سی خوبیاں، مثلاً: تحمل، طاقت، زور آزمائی اور جنگجوئی پیدا ہو گئی تھیں۔ یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں صرف اونٹ یا بکریاں ہی نہیں چراتے تھے [2] بلکہ وہ عنفوان شباب ہی میں فنون حرب و ضرب کے ماہر ہو گئے تھے۔ وہ کشتیاں لڑتے تھے۔ گھڑ سواری کے ماہر تھے اور شعر و ادب میں طاق ہو گئے تھے۔ [3] وہ اپنی قوم کی تاریخ اور اس کے تاریخی کردار کو خوب جانتے تھے۔ وہ جاہلیت کے دور میں عرب کی بڑی بڑی منڈیوں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کا دورہ کرتے تھے اور وہاں سے تجارتی فوائد کے ساتھ ساتھ تاریخِ عرب کی معرفت بھی حاصل کرتے تھے۔ سابقہ تاریخ میں گزرے ہوئے باہمی مقابلوں اور مایۂ ناز کارناموں کا علم بھی حاصل کرتے تھے کیونکہ ان باتوں کا ذکر منڈیوں میں جمع ہونے والے تمام قبائل کے سامنے ہوتا تھا۔ اور اُن امور کو اس دور کے ماہر ادیب اور نقاد خاص ادبی انداز میں پیش کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عربی تاریخ زبان زد عام رہتی تھی اور اس پر پردۂ نسیان پڑ جانے کا خطرہ کبھی لاحق نہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا تھا کہ فخر و مباہات کا ذکر کرتے ہوئے پرانی رقابتیں جاگ اٹھتی تھیں اور نوبت جنگ و جدل تک پہنچ جاتی تھی۔ عکاظ کی منڈی بذات خود چار مشہور اور بڑی جنگوں کا مرکز رہ چکی تھی۔ جنھیں حروبِ فجار کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ [4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کامیاب تاجر تھے۔ اس پیشے کی آمدنی نے انھیں مکہ کے مالدار افراد میں شامل کر دیا تھا۔ وہ تجارت کی غرض سے جس شہر کا رخ کرتے، تجارت کے ساتھ ساتھ

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 293/3. اس کے بعض شواہد بھی ہیں۔ [2] الفاروق مع النبي، ص: 6. [3] التاريخ الإسلامي العام لعلي حسن إبراهيم، ص: 226، و الإدارة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب، ص: 90. [4] عمر بن الخطاب، حياته، علمه، أدبه، للدكتور علي أحمد الخطيب، ص: 153.

وہاں کے خصائص ومعارف کا علم بھی حاصل کر لیتے تھے۔ وہ گرمیوں میں شام اور سردیوں میں یمن جایا کرتے تھے۔ ①

انھوں نے دورِ جاہلیت ہی میں مکی معاشرے میں اپنا ایک خاص مقام پیدا کر لیا تھا۔ وہ پیش آمدہ مسائل میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے تھے۔ انھیں سرداری کی عظمت اپنے آباء و اجداد سے وراثت میں ملی تھی۔ قریش ان کے دادا نفیل بن عبدالعزی کو اپنے معاملات میں ثالث مانتے تھے۔ ② اور ان کے جد اعلیٰ کعب بن لؤی اہل عرب میں بہت عظیم مرتبے اور شان کے مالک تھے۔ اہل عرب نے ان کی تاریخ وفات سے عام الفیل تک کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ ③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آباء واجداد سے وراثت میں جو معنوی اثاثہ پایا اس نے ان میں تجربہ، عقل مندی، عرب کے حالات کی معرفت اور زندگیوں کے نشیب و فراز سے آشنائی پیدا کر دی۔ علاوہ ازیں وہ قدرت کی طرف سے بڑا نادر دل ودماغ لائے تھے اور بڑے ذہین وفطین واقع ہوئے تھے، اسی لیے لوگ اپنے جھگڑے نمٹانے کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے۔ ابن سعد کہتے ہیں: بلاشبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل عرب والوں کے جھگڑے چکاتے تھے۔ ④

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دانا، فصیح وبلیغ، عمدہ رائے رکھنے والے، طاقتور، بردبار، شریف النفس، سردار اور اپنی حُجت ودلیل میں طاقت اور وزن رکھنے والی شخصیت تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش نے اُنھیں اپنا سفیر مقرر کر رکھا تھا اور جب کسی قبیلے سے مفاخر بیان کرنے کا مقابلہ ہوتا تھا تو اس کام کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کو منتخب کیا جاتا تھا۔ ⑤

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سفارت کا منصب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تفویض کیا گیا

---

① عمر بن الخطاب للدكتور محمد أحمد أبو النصر، ص: 17. ② الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للدكتور العاني، ص: 16. ③ تاريخ خليفة بن خياط: 7/1 نقلًا عن الدكتور العاني، ص: 16. ④ الخليفة الفاروق للدكتور العاني، ص: 16. ⑤ الخليفة الفاروق للدكتور العاني، ص: 16.

تھا۔ جب قریش یا کسی اور قبیلے کے درمیان لڑائی کی آگ بھڑک اٹھتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سفیر بنایا جاتا تھا۔ اگر کہیں مفاخر بیان کرنے ہوتے تو تب بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کو منتخب کیا جاتا تھا۔ اور ان کی سفارت کی کوئی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قریشیوں کی تمام عادات، عبادات اور رسوم ورواج کے محافظ سمجھے جاتے تھے۔ وہ جس امر پر یقین رکھتے اس کے تحفظ میں اپنی جان لڑا دیتے تھے۔ ان کی یہی طبیعت تھی جس کے سبب انھوں نے دعوتِ اسلام کے آغاز میں قریش کا ہر ممکن دفاع کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات سے خائف تھے کہ مبادا یہ نیا دین مکی نظام کو تہس نہس کر دے اور عرب قبائل کی نظر میں اہل مکہ کا مرتبہ گر جائے۔ لوگ اہل مکہ کو بیت اللہ کی وجہ سے قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اہل مکہ مادی اور روحانی دونوں قوتوں سے مالا مال تھے۔ ان کی تجارت ترقی یافتہ تھی اور وہاں بڑے بڑے سرمایہ داروں کا ہجوم رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سرمایہ دار طبقہ دعوتِ اسلام کا دشمن ہوگیا اور اُس نے اس دین میں داخل ہونے والے کمزور لوگوں کو گردنوں سے دبوچ لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کمزور لوگوں پر ظلم کرنے میں سب سے آگے تھے۔ [2]

ایک دفعہ وہ اپنی مسلمان لونڈی کو مار رہے تھے۔ اس بے چاری کو اتنا مارا کہ خود تھک گئے اور کچھ دیر کے لیے رُک گئے۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے انھوں نے اس مسلمان لونڈی کو خرید کر اسی وقت آزاد کر دیا۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دور جاہلیت میں ایک لمبی زندگی گزاری تھی۔ انھوں نے جاہلیت کا دور بڑی گہرائی سے دیکھا تھا۔ اس کی حقیقت کو سمجھا اور عادات و اطوار کو جانا تھا اور اس دور کی ہر روایت اور رسوم ورواج کا پوری قوت سے دفاع کیا تھا۔ اسی لیے جب وہ

---

[1] مناقب عمر، ص: 11. [2] الفاروق عمر لعبد الرحمٰن شرقاوي، ص: 8. [3] الفاروق عمر لعبد الرحمٰن شرقاوي، ص: 8.

مسلمان ہوئے اور انھیں اسلام کے جمالِ حقیقت سے آشنائی نصیب ہوئی تو ہدایت اور گمراہی اور کفر و ایمان کے درمیان بڑا واضح فرق نمایاں کر دیا۔ اسی طرح حق و باطل کو جدا جدا کر کے رکھ دیا۔ انھی کا ایک مشہور قول ہے:

«إِنَّمَا تُنْقَضُ عُرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةً عُرْوَةً إِذَا نَشَأَ فِي الْإِسْلَامِ مَنْ لَّا يَعْرِفُ الْجَاهِلِيَّةَ»

''بلاشبہ اس وقت اسلام کے کڑے ایک ایک کر کے توڑ دیے جائیں گے جب اسلام میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو جاہلیت کو نہ جانتے ہوں۔''[1]

[1] الفتاوٰی: 36/15، و فرائد الکلام للخلفاء الکرام، ص: 144.

قبولِ اسلام اور ہجرت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں سب سے پہلے ایمان کی کرن اس وقت پھوٹی جب ہجرت حبشہ کا موقع آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ قریش کی چند عورتیں مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تیاری کررہی ہیں۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے افراد کی اذیت رسانیوں سے بہت پریشان تھیں اور اپنے آبائی شہر سے بہت دور جا رہی تھیں۔ انھیں دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دل نرم پڑ گیا۔ انھیں ان عورتوں پر رحم آیا۔ انھیں ان کے ضمیر نے ملامت کی۔ اور ان عورتوں سے ایسی ہمدردانہ باتیں کیں کہ یہ خواتین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایسے سلوک کی ہرگز اُمید نہیں رکھتی تھیں۔ [1]

ام عبد اللہ بنت حنتمہ فرماتی ہیں کہ جب ہم نے ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بڑی تنگی، تکلیف اور ظلم برداشت کر چکی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: کیا کوچ کرنے کا ارادہ ہے؟ اے ام عبد اللہ! میں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! ہم اللہ کی زمین میں نکل جائیں گی، یہاں تک کہ اللہ ہمارے لیے کشادگی کا سامان فراہم فرما دے۔ تم نے ہمیں تکلیف دی ہے، ہم پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ میری بات سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دعائیہ کلمات کہے کہ اللہ تمھارا نگہبان ہو۔ میں

[1] الطنطاویات، ص: 12.

نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس دن ایسی رقت آمیز حالت میں دیکھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ عامر بن ربیعہ کسی ضروری کام کے لیے کہیں گئے ہوئے تھے جب وہ واپس آئے تو میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ عامر نے کہا: شاید تیرا خیال ہے کہ عمر مسلمان ہوجائے گا؟ میں نے کہا: ہاں، میرا یہی خیال ہے۔ اُس نے کہا: یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوگا جب تک خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہو جائے۔ [1]

اس واقعے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ میرا سینہ بلا وجہ ہی تنگ اور بند ہو چکا ہے۔ آخر وہ کون سی سختی، اذیت اور آزمائش ہے جسے ان لوگوں نے چپ چاپ برداشت نہ کیا ہو لیکن پھر بھی یہ لوگ اپنے نئے دین پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ آخر یہ کیسی زبردست خرق عادت قوت ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ باتیں سوچتے سوچتے غمگین ہوگئے اور ان کے دل میں بےقراری کی لہر دوڑ گئی۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس واقعے کے کچھ دن بعد ہی مسلمان ہوگئے۔ ان کے اسلام لانے میں بنیادی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا اثر تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی:

«اَللّٰهُمَّ! أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ: بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ، أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ»

”اے اللہ! ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے جو تجھے محبوب ہے اُسے اسلام کی توفیق دے کر اسلام کو قوت عطا فرما۔“

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کو محبوب تھے۔ [3] اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قبولِ اسلام کے اسباب فراہم فرما دیے۔

---

[1] سیرت ابن هشام: 216/1، وفضائل الصحابة للإمام أحمد: 341/1. اس روایت کی سند حسن ہے۔
[2] الفاروق عمر، ص: 9. [3] جامع الترمذي، حديث: 3681. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھیے: صحيح سنن الترمذي، حديث: 3681.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے جب بھی یہ جملہ نکلتا کہ "میرا گمان اس طرح ہے۔" تو وہ گمان سچ ثابت ہو جاتا۔ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ ایک خوبصورت شکل وشباہت کا آدمی قریب سے گزرا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے دیکھ کر فرمایا: میرا گمان ہے کہ یہ شخص دور جاہلیت میں کاہن تھا۔ اسے میرے پاس لاؤ۔ اسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس سے تصدیق چاہی۔ وہ کہنے لگا: آج میرا ایک ایسے مسلمان سے سامنا ہوا ہے کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تجھے ضرور بتانا ہوگا کہ ماضی میں تو کون تھا؟ اس نے اعتراف کیا کہ میں کاہن تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا کہ ہمیں کوئی ایسی عجیب اور انوکھی بات بتاؤ جس کی خبر تمھیں تمھارے جنّ نے دی ہو تو وہ کہنے لگا: میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ میرا مؤکل جن گھبرایا ہوا میرے پاس آیا۔ اس نے کہا: کیا آپ کو خبر ہے کہ جنات ایک انقلاب آنے کے بعد کس درجہ ڈرے ہوئے ہیں اور کتنے نا اُمید ہو گئے ہیں! اور وہ اپنا رختِ سفر باندھ چکے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سچ کہتا ہے۔ ایک دفعہ میں ان کے معبودوں کے پاس سویا ہوا تھا۔ اچانک ایک آدمی آیا۔ اُس نے بچھڑا ذبح کیا، پھر ایک چیخنے والا چلایا۔ اس سے بلند چیخ میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ وہ کہنے لگا: ہائے کھلی دشمنی! ایک صائب الرائے اور فصیح آدمی آ گیا ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے۔ میں وہاں سے چل دیا، پھر تھوڑے عرصے بعد ہم نے سنا کہ ایک نبی کا ظہور ہوا ہے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں بہت سی روایات وارد ہیں لیکن سند کے اعتبار سے اکثر روایات میں کلام ہے اور وہ صحت کے درجے تک نہیں پہنچتیں۔ [2]

---

① صحيح البخاري، حديث: 3866. ② صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 23. اس کتاب میں بہت سی روایات ہیں جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی روایات بھی ہیں، پھر روایات کی تخریج اور ان کا حکم بھی موجود ہے۔

سیرت کی کتابوں اور تاریخ سے لی جانے والی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور پھر اسلام کا اعلان کرنے کے بارے میں مندرجہ ذیل عناوین قائم کر سکتے ہیں:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ

ایک دفعہ قریش ایک مجلس میں جمع ہوئے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور وفکر کیا اور کہنے لگے: کون ہے جو محمد کو قتل کرنے کی ذمہ داری لے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ اس پر سب متفق ہوگئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت گرمی میں دوپہر کو تلوار سونت کر گھر سے نکل پڑے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثاروں کا رخ کیا جن میں ابوبکر، علی اور حمزہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر حضرات شامل تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حبشہ کی طرف ہجرت نہ کر سکے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے خبر دی کہ یہ سب صفا کے نشیب میں واقع دارِ ارقم میں جمع ہیں۔ راستے میں عمر کی ملاقات نعیم بن عبد اللہ النّحّام سے ہوئی۔ اس نے پوچھا: عمر! کہاں جا رہے ہو؟ عمر نے کہا: میں اس بے دین کو قتل کرنے جا رہا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، ان کی عقلوں کو ناقص گردانا ہے، ان کے دین میں عیب نکالے ہیں اور ان کے معبودوں کو گالی دی ہے۔ یہ سن کر نعیم نے کہا: آپ بہت غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ آپ نے جان کو دھوکے میں ڈالا ہے۔ غور کریں آپ تمام بنو عدی کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ بنو عبد مناف آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے؟ اسی بحث و مباحثہ میں دونوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تو بھی بے دین ہو گیا ہے! اگر مجھے یقین ہو جائے کہ تو بے دین ہو گیا ہے تو میں پہلے تیری گردن اتار دوں۔ جب نعیم بن عبداللہ نے دیکھا کہ سیدنا عمر اپنے ارادے سے باز آنے والے نہیں تو انھوں نے کہا: اے عمر! میں آپ کو یہ خبر

دیتا ہوں کہ آپ کے بہنوئی اور ان کے تمام اہلِ خانہ مسلمان ہو چکے ہیں اور آپ بدستور اپنی گمراہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ یہ بات سن کر سیدنا عمر نے فوراً کہا: مجھے ان کے نام بتاؤ۔ نعیم نے کہا: وہ آپ کے چچازاد اور آپ کی بہن ہیں۔ [1]

فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کی استقامت

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ ان کی بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہوگئے ہیں تو وہ آگ بگولا ہوگئے۔ اور فوراً ان کے دروازے پہ پہنچے۔ دستک دی۔ اندر سے پوچھا گیا: کون ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: خطاب کا بیٹا! اس وقت گھر کے اندر موجود افراد قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے۔ انھوں نے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو جلدی سے چھپ گئے اور صفحہ اسی طرح پڑا رہ گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گھر میں قدم رکھا۔ بہن نے عمر کے تیور دیکھے تو جلدی سے اسے چھپا لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ بھنبھناہٹ کیسی تھی جو میں نے ابھی سنی ہے؟ اہلِ خانہ اس وقت سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے کہا: کیا آپ کوئی اور بات نہیں کر سکتے؟ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: محسوس ہوتا ہے تم بے دین ہو چکے ہو۔ یہ سُن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی نے کہا: اے عمر! ہوسکتا ہے کہ حق آپ کے ساتھ نہ ہو۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور اپنے بہنوئی کو ڈاڑھی سے پکڑ لیا۔ دونوں آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ طاقتور تھے۔ انھوں نے اپنے بہنوئی سعید رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر زمین پر دے مارا، پاؤں سے روندا اور سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اسی اثنا میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بہن آگئیں تاکہ اپنے خاوند کو بچا سکیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں یکبارگی دور دھکیل دیا۔ وہ گر پڑیں اور زخمی ہوگئیں، پھر بہن نے غصے کی حالت میں کہا:

---

[1] سیرت ابن هشام: 343/1. روایت میں انقطاع ہے، والطبقات لابن سعد: 267/3. علامہ ابن سعد نے یہ روایت قاسم کے حوالے سے ذکر کی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس نے امام احمد بن حنبل کی کتاب فضائل الصحابہ میں ان روایات کی تحقیق کی ہے۔ دیکھیے: 342/1.

اے اللہ کے دشمن! کیا تو ہمیں اس لیے مارتا ہے کہ ہم ایک اللہ کو معبود مانتے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، تو وہ بولیں کہ جو جی چاہے کر لے میں تو یہی گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ہم تیری مرضی کے برعکس مسلمان ہیں۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کی یہ جرأت مندانہ باتیں سنیں تو سعید رضی اللہ عنہ کے سینے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے ہوکر بیٹھ گئے، پھر نرمی سے کہا: مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جسے تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ بہن نے صحیفہ دینے سے انکار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تیری خرابی ہو! دراصل تیری باتیں میرے دل میں گھر کر گئی ہیں۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس کی توہین نہیں کروں گا۔ بہن بولی: تم پلید ہو، ﴿لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ ''اسے صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔''[1] اٹھ جاؤ غسل کرو یا وضو کرو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت گئے، غسل کیا اور بہن کے پاس آئے تو انھوں نے صحیفہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس صحیفے میں سورۂ طٰہٰ اور دیگر کئی سورتیں پڑھیں۔ آغاز میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھی، ''الرحمٰن الرحیم'' ہی کہا تھا کہ دہشت زدہ سے ہوگئے، صحیفہ ہاتھ سے چھوٹ گیا، دوبارہ ہمت کی، اسے اُٹھایا اور پڑھنے لگے:

﴿طٰهٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۙ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۭ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ○ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ○﴾[2]

ان آیات کی تلاوت کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا: کیا قریش اس کلام سے بھاگ گئے تھے؟ پھر مسلسل پڑھتے رہے۔ جب اللہ کے اس فرمان عالی پر پہنچے:

[1] الواقعۃ 79:56. [2] طٰہٰ 20:1-8.

﴿إِنَّنِيٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيٓ ○ إِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ○ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ○﴾

''بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی سچا معبود نہیں، سو میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے، قریب ہے کہ میں اسے چھپا کر رکھوں، تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کوشش کرتا ہے سو تجھے اس سے وہ شخص کہیں روک نہ دے جو اس پر یقین نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے، ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔''[1]

تو یک دم بول اُٹھے: جس کا یہ کلام ہے لازم ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔ مجھے محمد ﷺ کے پاس لے چلو۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری

جوں ہی خباب رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ سنے وہ پردے سے باہر آ گئے، وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دستک سنتے ہی چھپ گئے تھے۔ انھوں نے کہا: اے عمر! خوش ہو جائیے! میرا خیال ہے کہ نبی ﷺ نے سوموار کے دن جو دعا فرمائی تھی وہ آپ کے حق میں قبول ہو گئی ہے۔ آپ ﷺ نے دعا کی تھی:

«اَللّٰهُمَّ! أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ: بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ، أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ»

''اے اللہ! ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے جو تیرا محبوب ہو اس کے ذریعے سے اسلام کو تقویت عطا فرما۔''[3]

---

[1] طٰہٰ 20:14-16. [2] فضائل الصحابة للإمام أحمد:344/1. [3] الطنطاويات، ص: 17.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بس اب مجھے نبی علیہ السلام کے پاس لے چلو۔ جب ان کی بہن، بہنوئی اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے لہجے کی سچائی پہچان لی تو کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کی نچلی جانب تشریف فرما ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سونتی۔ دار ارقم پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہاں موجود لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو گھبرا گئے۔ کوئی بھی آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے کی جرأت نہ کرسکا کیونکہ سب جانتے تھے کہ عمر اسلام اور پیغمبر کے کس قدر خلاف ہے۔ لوگوں کو خوف زدہ دیکھ کر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ پوچھا: کون ہے؟ اُنھوں نے کہا: عمر آیا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دروازہ کھول دو۔ اگر اللہ کی طرف سے اس کے نصیب میں بھلائی لکھی ہے تو وہ مسلمان ہوجائے گا وگرنہ اُسے قتل کرنا کوئی مشکل کام نہ ہوگا۔ لوگوں نے دروازہ کھول دیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں کندھے جکڑ لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چھوڑنے کا حکم دیا[1] اور بنفس نفیس اٹھ کر آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کمر اور چادر پکڑ کر جھنجوڑا اور دریافت فرمایا:

«مَا جَاءَ بِكَ؟ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! وَاللّٰهِ! مَا أَرٰى أَنْ تَنْتَهِيَ حَتّٰى يُنْزِلَ اللّٰهُ بِكَ قَارِعَةً»

''اے ابن خطاب! کس ارادے سے آئے ہو؟ اللہ کی قسم! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم اس وقت تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ گے جب تک اس اللہ کی طرف سے تم پر کوئی بڑی آفت نہ آن پڑے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں تو اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اللہ اکبر'' کہا۔ اب سب سمجھ گئے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے ہیں۔

[1] الطنطاويات، ص: 18.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد سب مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ سیدنا حمزہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں اب وہ مضبوط ہو گئے ہیں اور اب وہ اللہ کے رسول ﷺ کا دفاع بھی کر سکتے ہیں اور ہر قسم کے دشمن سے بدلہ بھی لے سکتے ہیں۔ لہٰذا وہاں سے سب نکل کھڑے ہوئے۔ [1]

قبولِ اسلام اور مشکلات کا سامنا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دل کی گہرائیوں سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اب وہ اپنی پوری قوت اسلام کی ترقی کے لیے صرف کرنا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ کیا ہماری موت اور زندگی حق سے وابستہ نہیں ہے؟ نبی ﷺ نے جواب دیا:

«بَلٰی! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّكُمْ عَلَى الْحَقِّ، إِنْ مِتُّمْ وَ إِنْ حَيِيتُمْ»

''کیوں نہیں، اللہ کی قسم! بلاشبہ تم زندہ رہو یا موت آجائے تم حق پر ہو۔''

اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر چھپ کر رہنے کا کیا مطلب؟ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! آج آپ کھل کر سامنے آجائیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ بھی یہی خیال فرما رہے تھے کہ کُھل کر سامنے آنے کا وقت آن پہنچا ہے۔ اب اسلامی دعوت مضبوط ہو چکی ہے اور ایمان والے اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے دار ارقم سے نکلنے کا اعلان فرما دیا۔ نبی ﷺ جاں نثاروں کی دو قطاروں کے درمیان وہاں سے نکلے۔ ایک قطار میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسری میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور اس قافلے کے چلنے سے غُبار اُڑ رہا تھا۔ اسی طرح چلتے چلتے سب مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ قریش کی نظریں سیدنا عمر اور حمزہ رضی اللہ عنہما پر جم کر رہ گئیں۔ وہ اتنے رنجیدہ ہوئے کہ پہلے کبھی نہ ہوئے

[1] فضائل الصحابة للإمام أحمد: 344/1

تھے۔ اس دن نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب عطا فرمایا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہلِ اسلام کو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے شان و شوکت عطا فرمادی۔ ایک ایسا شخص جس میں تکبر اور ظلم و ستم بھرا ہوا تھا، جسے کوئی زیر نہ کرسکا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کے اور حمزہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے تمام اصحابِ رسول کے تحفظ کا انتظام فرمادیا۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے اس قافلے کے ساتھ مشرکین کے پاس پہنچے تو انھیں چیلنج کیا، اُن سے لڑائی لڑی اور تمام مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھنے کا موقع فراہم کیا۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مشرکین کو غمزدہ کردیا۔ وہ خود فرماتے ہیں: میرا دل چاہتا تھا کہ میں کفر کے سرداروں کو اپنے اسلام لانے کی خبر دے دوں۔ میں اپنے ماموں ابوجہل کے گھر پہنچا۔ وہ مکہ کا سردار تھا۔ اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: خطاب کا بیٹا! یہ سن کر وہ باہر نکلا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا تجھے معلوم ہے کہ میں اپنا پہلا دین چھوڑ چکا ہوں؟ اس نے حیرت سے پوچھا: کیا واقعی تو نے ایسا کیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، تو اس نے کہا: ایسا ہرگز نہ کرنا۔ میں نے کہا: میں تو ایسا ہی کروں گا۔ ابوجہل دوبارہ یہی الفاظ کہتا ہوا دروازہ بند کرکے اندر چلا گیا۔ میں نے سوچا اتنا کافی نہیں ہے۔ میں ایک اور سردار کے دروازے پر پہنچا۔ دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے پوچھا گیا: کون ہے؟ میں نے کہا: خطاب کا بیٹا! وہ باہر آیا تو میں نے کہا: کیا تجھے خبر ہے کہ میں اپنا پہلا دین چھوڑ چکا ہوں؟ اس نے کہا: کیا واقعی تو نے ایسا کیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: ایسا مت کرنا، پھر وہ بھی واپس گھر میں گھس گیا اور دروازہ بند کرلیا۔ اس کے بعد بھی

---

[1] حلية الأولياء:40/1، وصفة الصفوة:104,103/1. [2] الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب، ص:27,26. [3] الرياض النضرة لمحب الطبري:257/1.

مجھے تسلی نہ ہوئی۔ ایک آدمی نے مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنے اسلام کے بارے میں سب کو خبر دینا چاہتے ہیں تو اس کی ترکیب یہ ہے کہ جب لوگ حطیم میں مجلس لگا کر بیٹھیں گے تو وہاں ایک آدمی جمیل بن معمر جمحی بھی ہوگا، آپ اس کے پاس بیٹھ کر کہہ دیں: کیا تجھے علم ہے کہ میں نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا ہے؟ میں نے ایسا ہی کیا۔ اُس نے سنتے ہی بآواز بلند سب کو خبردار کیا کہ سنو! خطاب کا بیٹا بے دین ہوگیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ مجھے اور میں انھیں مارنے لگا۔ ①

ایک اور روایت میں ہے: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو قریش کو خبر نہ ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: مکہ میں سب سے زیادہ خبریں پھیلانے والا کون ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ وہ جمیل بن معمر جمحی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس کی طرف چل دیے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ میں سمجھ بوجھ کی عمر میں تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے میں دیکھ رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جمیل کے پاس پہنچے اور کہا: اے جمیل! میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ اللہ کی قسم! یہ سننا تھا کہ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی بات ہی نہ کی، وہ فوراً اپنی چادر گھسیٹتا ہوا کھڑا ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے اور میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھا۔ وہ مسجد حرام کے دروازے پر پہنچا اور چلا چلا کر کہنے لگا: اے قریشیو! خبردار ہو جاؤ! خطاب کا بیٹا بے دین ہوگیا ہے۔ لوگ کعبہ کے گرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی بات سنی تو بولے: یہ جُھوٹ بولتا ہے میں بے دین نہیں ہوا بلکہ مسلمان ہوا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر وہ سب فوراً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن ربیعہ کو پکڑ کر زمین پر دے مارا۔ اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور اسے مارنے لگے۔ انھوں نے اپنی انگلیاں اس کی آنکھوں میں گُھسا دیں۔ عتبہ درد کے مارے چلانے لگا۔

① شرح المواهب: 320/1، والطنطاويات، ص: 19.

لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے جو بھی آگے بڑھنے کی جرأت کرتا تو کوئی نہ کوئی سردار اسے منع کر دیتا۔ آہستہ آہستہ سب ڈر کے مارے پیچھے ہٹ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام مجالس میں جن میں وہ زمانۂ کفر میں بیٹھا کرتے تھے اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا۔ ①

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے مسلسل لڑتے رہے یہاں تک کہ سورج سر پر پہنچ گیا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کچھ نرم پڑ گئے اور بیٹھ گئے۔ لوگ ان کے پاس کھڑے تھے۔ انھوں نے کہا: جو تمھارے جی میں آئے کرو۔ پس اللہ کی قسم! اگر ہم تین سو آدمی ہوتے تو یا تو تم ہمارے لیے میدان چھوڑ دیتے یا ہم تمھارے لیے چھوڑ دیتے۔ اسی دوران میں ایک آدمی ریشمی حُلہ اور کڑھائی والی قمیص پہنے وہاں آیا اور پوچھنے لگا: کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا: ابن خطاب بے دین ہوگیا ہے۔ تو اس نے کہا: پھر کیا ہوا؟ ایک آدمی نے اپنے لیے اپنی مرضی سے کوئی دین پسند کرلیا ہے تو تمھیں کیا؟ کیا تمھیں یہ خیال نہ آیا کہ تم سے بنو عدی اپنے آدمی کا انتقام لیں گے؟ یہ بات سُنتے ہی لوگ یکبارگی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے اپنے باپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مدینے میں آکر پوچھا: ابا جان! وہ کون آدمی تھا جس نے اس دن لوگوں کو آپ سے دور ہٹایا تھا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹا! وہ عاص بن وائل سہمی تھا۔ ②

مسلمان ہونے کا دن اور اس دن مسلمانوں کی تعداد

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے سال ذوالحجہ کے مہینے میں 27 سال کی عمر میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، ③ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تین دن بعد مسلمان ہوئے۔ ④ ان دنوں مسلمانوں کی تعداد 39 تھی۔

① الرياض النضرة، ص: 319. ② فضائل الصحابة للإمام أحمد: 346/1، اس روایت کی سند حسن درجے کی ہے۔ ③ تاريخ الخلفاء، ص: 137. ④ الطنطاويات، ص: 22.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن میں مسلمان ہوا تو مسلمانوں کی تعداد 39 تھی، میں نے مسلمان ہوکر ان کی تعداد 40 کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو تقویت بخشی اور دین اسلام کھل کر سامنے آ گیا۔

ایک روایت کے مطابق ان دنوں مسلمان ہونے والے مرد حضرات کی تعداد 40 یا اس سے کچھ زیادہ تھی جبکہ عورتوں کی تعداد 11 تھی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں نہیں جانتے تھے کیونکہ اکثر اہل اسلام اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ ایک طرف عمومی طور پر مشرکین کا ڈر تھا تو دوسری طرف وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شدت سے بھی سخت خائف رہتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے 40 کی تکمیل کا تذکرہ کیا لیکن عورتوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا اسلامی دعوت پر اثر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَطُوفَ بِالْبَيْتِ وَنُصَلِّيَ، حَتّٰى أَسْلَمَ عُمَرُ، فَلَمَّا أَسْلَمَ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى تَرَكُونَا، فَصَلَّيْنَا»

”جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ہم طاقتور ہوگئے۔ ان سے پہلے ہم نہ بیت اللہ کا طواف کر سکتے تھے، نہ ہی ہمیں وہاں نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے مشرکین سے لڑائی کی، پھر ہم نے مسجد حرام میں نماز بھی پڑھی (اور بیت اللہ کا طواف بھی کیا۔)“ [2]

مزید فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا عظیم فتح تھی اور ان کی ہجرت فتح کی نوید

---

[1] الطنطاويات، ص: 22. [2] فضائل الصحابة للإمام أحمد: 344/1، اس روایت کی سند حسن درجے کی ہے۔

اور ان کی امارت باعث رحمت تھی۔ مجھے یاد ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے ہم بیت اللہ کا طواف کر سکتے نہ اس کے قریب نماز پڑھ سکتے تھے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے تو ہم نے مشرکین سے لڑائی کی یہاں تک کہ انھوں نے ہمارا راستہ چھوڑ دیا اور ہم نے حرم میں نماز ادا کی۔ [1]

صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام کھل کر سامنے آ گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اعلانیہ اسلام کی طرف بلایا۔ ہم بیت اللہ کے گرد حلقوں کی شکل میں بیٹھے، ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور جس نے ہم سے سختی کی ہم نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ [2]

ایک شاعر کا قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کی کس قدر سچی ترجمانی کرتا ہے:

”اسلام مخفی تھا، اس شخص نے ظاہر کر دیا۔ اندھیروں کو ختم کیا اور روپوشی کی حالت بھی ختم کر دی۔
میری مراد اس شخص سے فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے بزور شمشیر کفر اور ایمان کے درمیان واضح فرق کر دیا۔“ [3]

ہجرتِ مدینہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے علانیہ ہجرت فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں جنھوں نے علانیہ ہجرت فرمائی جبکہ باقی تمام مہاجرین نے خفیہ ہجرت کی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کا ارادہ فرمایا تو تلوار گلے میں ڈالی، کندھے پر کمان رکھی، ہاتھ میں تیر تھامے اور نیزہ پہلو میں رکھا اور سیدھے بیت اللہ کے پاس پہنچے۔ لوگ

---

[1] الشیخان أبوبكر وعمر برواية البلاذري، ص: 141. [2] الطبقات الكبرى: 269/3، وصفة الصفوة: 274/1. [3] نونية القحطاني، ص: 22.

مسجد حرام کے صحن میں بیٹھے تھے۔ انھوں نے سب کی موجودگی میں بیت اللہ کے گرد اطمینان سے سات چکر مکمل فرمائے، پھر مقام ابراہیم پر پہنچے اور تسلی سے نماز ادا کی، پھر باری باری ہر مجلس میں پہنچے اور کہا: چہرے بدشکل ہو جائیں، اللہ تعالیٰ صرف تم جیسے لوگوں کی ناک خاک آلودہ کریں گے۔ جو چاہتا ہے کہ اس کی ماں اسے گم پائے، اس کے بچے یتیم ہو جائیں اور اس کی بیوی بیوہ ہو جائے وہ مجھے حرم سے باہر وادی میں ملے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چند کمزور مسلمانوں کے سوا وہاں کوئی نہ آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں تسلی دی اور پھر عازم سفر ہو گئے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی آمد سے پہلے ہی مدینہ طیبہ جا پہنچے تھے۔ ان کے ساتھ ہجرت میں یہ افراد شامل تھے: اُن کے اہل خانہ، قبیلے والے، ان کا بھائی زید بن خطاب، عمرو اور عبد اللہ یہ دونوں سراقہ کے بیٹے تھے، خنیس بن حذافہ سہمی جو ان کی بیٹی حفصہ کے شوہر تھے، چچازاد سعید بن زید جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا تھا، واقد بن عبد اللہ تمیمی جو ان کے حلیف تھے، خولیٰ بن ابی خولیٰ، مالک بن ابی خولیٰ یہ دونوں بنو عجل سے ان کے حلیف تھے، بنو بکیر، ایاس، خالد، عاقل، عامر اور بنو سعد بن لیث سے ان کے حلیف۔ یہ سب جب مدینہ پہنچے تو قباء میں عمرو بن عوف کے محلّہ میں رفاعہ بن منذر کے ہاں ٹھہرے۔ ②

براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے۔ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے، پھر بلال، سعید اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم آئے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیس آدمیوں کے ہمراہ تشریف لائے، بعدازاں نبی ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کی آمد پر اہل مدینہ اتنے خوش ہوئے کہ اس سے پہلے انھیں ایسی خوشی کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ ③

---

① صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 30. ② فتح الباري: 261/7. ③ صحيح البخاري، حديث:3925.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے افعال و اقوال کے ذریعے سے دین اسلام اور عقیدۂ توحید کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ وہ اللہ کے راستے میں کسی ملامت گر کی پروا نہ کرتے تھے۔ وہ اسلام کے مددگار اور کمزور مسلمانوں کا آسرا بن گئے۔ وہ بہت سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ پہنچے اور ان کے ساتھ ان کے اہل خانہ اور حلفاء کی کثیر تعداد بھی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے ایسے افراد کی ہجرت میں مدد فرمائی جو ہجرت تو کرنا چاہتے تھے لیکن کسی انجانی آزمائش اور فتنے کے ڈر سے رکے ہوئے تھے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم نے ہجرت کا ارادہ کیا تو میں، عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص بن وائل سہمی نے بنوغفار کے محلے میں تناضب نامی جگہ میں اکٹھے ہونے کا فیصلہ کیا۔ یہ علاقہ سرف مقام سے کچھ اوپر واقع تھا۔ ہم نے طے کیا کہ ہم میں سے جو بھی پیچھے رہ گیا، دوسرے احباب اس کا انتظار نہیں کریں گے اور مدینہ کی طرف چل دیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اور عیاش بن ابی ربیعہ مقررہ مقام پر پہنچ گئے۔ ہشام کو روک لیا گیا۔ وہ آزمائش میں مبتلا ہوگیا تھا۔ [2] ہم مدینہ طیبہ پہنچ گئے، یہاں بنوعمرو بن عوف کے محلے میں آئے۔ یہ محلّہ قباء کے پاس تھا۔ ہم نے وہیں قیام کیا۔ اُدھر ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام مکہ سے عیاش بن ابی ربیعہ کے تعاقب میں نکلے۔ عیاش ان کا چچازاد اور اخیافی بھائی تھا۔ وہ دونوں اس کے تعاقب میں مدینہ پہنچ گئے۔ اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے۔ ان دونوں نے عیاش بن ربیعہ سے یہ گفتگو کی: تیری ماں نے نذر مانی ہے کہ وہ اس وقت تک سر میں کنگھی نہیں کرے گی نہ سائے میں آئے گی جب تک وہ تجھے نہ دیکھ لے۔ یہ سُن کر عیاش کا دل موم ہوگیا۔ میں نے اسے سمجھایا: اللہ کی قسم! یہ صرف تمھیں تمھارے دین سے پھسلانے آئے ہیں۔ ان سے بچ کر

---

[1] صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق عمر بن الخطاب، ص: 31. [2] الهجرة النبوية المباركة، عبدالرحمٰن عبد البر، ص: 129.

رہو۔ اللہ کی قسم! تمھاری ماں کو جب سر کی جوئیں تنگ کریں گی اور مکہ کی شدید دھوپ بے قرار کردے گی تو وہ کنگھی بھی کرے گی اور سائے میں بھی آجائے گی لیکن عیاش نے کہا: نہیں، میں اپنی ماں کی قسم پوری کرنا چاہتا ہوں۔ میرا مکہ میں بہت سا مال بھی رہ گیا ہے وہ بھی لیتا آؤں گا۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھ! تجھے علم ہے کہ میرے پاس بہت زیادہ مال ہے تو ان کے ساتھ نہ جا۔ میں تجھے اپنا آدھا مال دے دوں گا لیکن عیاش نہ مانا۔ اس نے واپس جانے ہی پر اصرار کیا۔ آخر کار میں نے اس سے کہا: دیکھ! اگر تو نے ان کے ساتھ واپس جانے کا مصمم ارادہ کر ہی لیا ہے تو یہ میری اونٹنی لے جا۔ یہ بڑی اچھی اور تجربہ کار ہے اس سے نیچے نہ اُترنا۔ اگر تجھے ان سے دھوکے کے آثار نظر آئیں تو اِسی اونٹنی پر نکل بھاگنا۔ عیاش اس اونٹنی پر سوار ہوکر ابوجہل اور حارث کے ساتھ واپس چل دیا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے، ابوجہل نے اُس سے کہا: اے میرے بھائی! اللہ کی قسم! میرا اونٹ تنگ کرنے لگا ہے کیا تو مجھے اپنے ساتھ سوار نہیں کرسکتا؟ عیاش نے کہا: کیوں نہیں، اُس نے اونٹنی کو بٹھا دیا۔ ابوجہل نے بھی اپنا اونٹ بٹھا دیا تاکہ وہ اتر سکے اور عیاش کی اونٹنی پر سوار ہوسکے لیکن اچانک اسی اثنا میں دونوں نے عیاش پر حملہ کردیا اور اُسے رسیوں سے جکڑ دیا۔ اسی حالت میں وہ اسے لے کر مکہ پہنچ گئے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسے افراد سے نہ کوئی عوض قبول فرمائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جنھوں نے اپنے اللہ کو پہچان لیا، پھر واپس کفر کی سرزمین پر چلے گئے اور مصائب میں گرفتار ہوگئے حتی کہ خود واپس جانے والے بھی یہی کہا کرتے تھے۔ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں آیات نازل فرمائیں:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

[1] السيرة النبوية الصحيحة: 205/1.

الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾

''کہہ دیجیے: اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہی تو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے اور اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ اور اس کے مطیع ہو جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے، پھر تمھاری مدد نہیں کی جائے گی۔ اور اس سب سے اچھی بات کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی جانب سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمھیں شعور بھی نہ ہو۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ آیات اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر لکھیں اور اسے ہشام بن عاص کی طرف ارسال کر دیا۔ ہشام کہتے ہیں: جب میرے پاس وہ کاغذ پہنچا تو میں ذی طویٰ میں تھا۔[2] میں ان آیات کو پڑھ رہا تھا اور ان پر غور کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! مجھے ان آیات کا مطلب اور مصداق سمجھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ آیات تو ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہیں اور یہ وہی باتیں ہیں جو ہم اپنے بارے میں کہتے تھے اور دیگر لوگ بھی کہا کرتے تھے۔ ہشام کہتے ہیں: میں فوراً اپنے اونٹ کے پاس پہنچا، اس پر سوار ہوا اور سوئے مدینہ چل پڑا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچا۔[3]

مندرجہ بالا واقعۂ ہجرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ذہانت کا آئینہ دار ہے۔ انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص بن وائل سہمی کے ساتھ مل کر کتنا کامیاب پروگرام بنایا۔ یہ تینوں فرد جدا جدا قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور جس مقام پر اکٹھا

---

[1] الزمر 39:53-55. [2] ذی طویٰ مکہ کی ایک وادی کا نام ہے۔ [3] الهجرة النبوية المباركة، ص: 131.

ہونا طے پایا وہ مکہ سے بہت دور طریقِ مدینہ پر حرم کی حدود سے باہر تھا۔ انھوں نے وقت اور جگہ کا تعین کیا اور کہا کہ اگر کوئی فرد وہاں نہ پہنچ پائے تو باقی دونوں ساتھی بلا انتظار روانہ ہو جائیں کیونکہ نہ آنے والا ساتھی ضرور روک لیا گیا ہوگا۔ حسب توقع ہشام کو روک لیا گیا تھا، لہٰذا سیدنا عمر اور عیاش رضی اللہ عنہما اپنے کامیاب پروگرام کے مطابق صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئے۔[1] لیکن دوسری طرف قریش مہاجرین کا پیچھا کرنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ انھوں نے مکمل منصوبہ بندی کی جسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے عیاش کے اخیافی بھائی ابوجہل اور حارث میدانِ عمل میں آئے۔ عیاش بن ابی ربیعہ کو اس لحاظ سے اطمینان دلایا جاسکتا تھا کہ معاملہ اس کی ماں کا ہے اور وہ دونوں ماں کی طرف سے اُس کے بھائی ہیں۔ ابوجہل نے اس رشتے کے اعتبار سے بھرپور منصوبہ بندی کی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی چھٹی حس فوراً پہچان گئی کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوگا اور اسے قید کرلیا جائے گا۔ یہ واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بے خطا فراست کا روشن ثبوت ہے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اخوت اسلامی کے عظیم پیکر نظر آتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے بھائی عیاش رضی اللہ عنہ کے لیے اپنے مال کی قربانی پر بھی رضامند تھے تاکہ ان کا بھائی ابوجہل کے چنگل سے بچ جائے اور کسی فتنے میں مبتلا ہوکر اپنے دین کو نقصان نہ پہنچا بیٹھے۔ لیکن عیاش اپنی ماں کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔ ماں کا نام سنتے ہی پگھل گیا۔ وہ مکہ جاکر اپنی ماں کی قسم پوری کرنے کے لیے تیار ہوگیا اور اپنا مال لانے کا منصوبہ بھی سوچنے لگا۔ اس کی غیرت نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا آدھا مال لینے سے بھی انکار کر دیا کیونکہ خود اس کا مال مکہ میں موجود تھا۔ بہرحال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بڑے دور اندیش تھے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ اُن کے بھائی کا کیسا منحوس انجام ہونے والا تھا اور اس کے ساتھ مکہ میں کیا بیتنے والی تھی۔ وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود عیاش کو مطمئن نہ کر سکے تو اسے اپنی

[1] التربية القيادية: 2/159. [2] السيرة النبوية عرض وقائع وتحليل أحداث للصلابي، ص: 512.

عمدہ اور وفادار اونٹنی عطا کر دی۔ اور حسب توقع ایسا ہی ہوا کہ مشرک غدار نکلا۔ [1]

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ ایسے لوگوں سے اللہ کوئی عوض اور توبہ تک قبول نہیں کرے گا کیونکہ انھوں نے خود اپنی جانوں کو فتنے میں ڈالا اور جاہلی معاشرے میں ٹھہرے رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط﴾ [2]

ابھی یہ آیات نازل ہی ہوئی تھیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جلد از جلد اپنے دونوں جگری دوستوں عیاش اور ہشام کی طرف لکھ بھیجیں تا کہ وہ ایک دفعہ پھر کفر کی سرزمین سے نکلنے کی کوشش کریں۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کتنے عظیم وجلیل انسان تھے۔ اور کتنی بلندی پر فائز تھے کہ عیاش کو آدھے مال کی پیشکش بھی کر ڈالی، اسے اپنی اونٹنی عنایت کی اور اُسے کوئی عار نہیں دلائی، برا بھلا بھی نہیں کہا کہ تو نے میری بات تسلیم نہ کی۔ ان پر تو جذبۂ وفاو محبت چھایا ہوا تھا، پھر جب آیات نازل ہوئیں تو ایک دفعہ پھر اُسی جذبۂ خیر خواہی سے آیات لکھ کر ان کی طرف اور وہاں موجود تمام کمزور مسلمانوں کی طرف ارسال فرمائیں تا کہ سب مل کر اسلامی لشکر میں شمولیت کی بھرپور کوشش شروع کر دیں۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وزیر بنے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عویم بن [4] ساعدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور ایک روایت کے مطابق عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھائی چارہ قائم فرما دیا۔ [5] یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بھائی چارہ معاذ بن عفراء کے ساتھ قائم ہوا۔ [6] علامہ ابن عبدالہادی فرماتے ہیں: ان تمام روایات میں

---

[1] التربية القيادية: 160/2. [2] الزمر 53:39. [3] التربية القيادية: 160/2. [4] مناقب أمير المومنين عمر بن الخطاب لابن الجوزي، ص:31. [5] الطبقات لابن سعد: 272/3. [6] مناقب أمير المومنين عمر بن الخطاب لابن الجوزي، ص:31.

کوئی تناقض نہیں۔ ہوسکتا ہے مختلف اوقات میں ان تینوں ہی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بھائی چارہ قائم ہوا ہو۔ یہ ناممکن بات نہیں ہے۔[1]

[1] محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب: 184/1.

باب
2

بعد از ہجرت تا عہدِ خلافت

اسلامی تعلیمات کے اثرات، مناقب اور
خلافتِ صدیقی میں کردار

- قرآن کریم سے تعلق
- رسول ﷺ کی مصاحبت
- فضائل ومناقب
- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور خلافتِ صدیق

اسلامی تعلیمات کے اثرات

قرآن کریم سے تعلق

قرآنی عقائد کی عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی پر اثر آفرینی

سیدنا عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جس تربیتی نہج پر نشوونما ہوئی وہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ اللہ کی کتاب قرآن کریم تھی۔ یہی وہ واحد سرچشمہ تھا جہاں سے ہدایت کی روشنی اخذ کی جاسکتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہی تلقین تھی کہ وہ صرف کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں اور قرآن ہی کو زندگی کا منہج قرار دیں۔ یہی وہ مرکزی خیال ہونا چاہیے جس کے تابع رہ کر معاشرے کے تمام افراد اور گروہوں کو تربیت حاصل کرنی چاہیے۔

وہ آیات جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے بلاواسطہ سنیں، اُن کا اُن کی شخصیت پر بڑا گہرا اثر نظر آتا تھا۔ ان آیات نے ان کے دل کی طہارت، رُوح کی پاکیزگی اور کردار کی عظمت میں اہم رول ادا کیا۔ ان کی کایا ہی پلٹ گئی۔ اُن کی اقدار، احساسات، مقاصد، کردار اور علم و ہنر کا کوئی ثانی نہیں تھا۔[1]

[1] السيرة النبوية للصلابي: 1/145.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم ہی کی روشنی میں پہچانا کہ کون سا الٰہ صرف اور صرف عبادت کے لائق ہوسکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں قرآنی آیات کے مفاہیم کوٹ کوٹ کر بھر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے رب کا صحیح صحیح تصور حاصل کرلیں اور اس کا حق ادا کریں تاکہ ان کا دل صاف اور فطرت مستقیم ہوجائے۔ اللہ پر اٹل ایمان اور یقین کامل صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سوچ اللہ کی طرف ہی متوجہ رہتی تھی۔ ان کا کائنات، زندگی، جنت، جہنم، قضا، قدر، انسان کی حقیقت اور شیطان سے جنگ سب کچھ قرآن کریم اور ارشادات نبویہ کا مرہون منت تھا۔

قرآنی تعلیمات سے اخذ شدہ حقائق یہ تھے:

① اللہ جل جلالہ ہر قسم کے نقص وعیب سے مبرا ہے۔ وہ ہر قسم کے کمالات سے متصف ہے۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی کوئی بیوی ہے نہ اولاد۔

② اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز کا خالق، مالک اور مدبر ہے۔

﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا لا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِأَمْرِهٖ ط أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

''بلاشبہ تمھارا رب وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر برقرار ہوا، رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے، جو تیز چلتا ہوا اس کے پیچھے چلا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے پیدا کیے، اس حال میں کہ اس کے حکم سے تابع کیے ہوئے ہیں، سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے، بہت برکت

والا ہے اللہ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''[1]

③ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہر نعمت عطا فرمانے والا ہے۔ چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی، ظاہری ہو یا باطنی۔

﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝﴾

''اور تمھارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی طرف تم گڑگڑاتے ہو۔''[2]

④ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے زمین و آسمان کی ہر چیز اور انسان کا ظاہر و باطن اس پر عیاں ہے۔

⑤ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ملائکہ کے ذریعے سے انسان کا ریکارڈ محفوظ کر رہا ہے۔ جو لوح محفوظ میں بحفاظت ہے۔ وہاں چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا عمل بھی محفوظ رہتا ہے۔ اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک مناسب وقت میں اسے ظاہر فرمادے گا۔

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝﴾

''نہیں بولتا انسان کوئی بھی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار ہوتا ہے۔''[3]

⑥ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کی طبائع کے خلاف مختلف امور اور ناپسندیدہ حالات کے ذریعے سے آزمائش فرماتا ہے تاکہ ان کا امتحان لیا جاسکے کہ کون ان میں سے اللہ کی رضا وقدر پر راضی اور ظاہراً وباطناً اس کے سامنے سرنگوں رہتا ہے تاکہ ایسے افراد کو اللہ تعالیٰ خلافت، امامت اور سرداری عطا فرمائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ بھی جانچتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کون ناراضی کا اظہار کرتا ہے اور اپنے مقدر پر لعن طعن کرتا ہے۔

---

[1] الأعراف 54:7. [2] النحل 53:16. [3] ق 18:50.

ایسے لوگ ناکارہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں سونپتا۔

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝﴾

”وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہی سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔“[1]

⑦ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر اس بندے کو توفیق دیتا ہے اور اپنی تائید اور نصرت عطا فرماتا ہے جو اللہ کی پناہ میں آتا ہے اور ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کرتا ہے۔

﴿اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ۝﴾

”بے شک میرا یار و مددگار اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہی نیکوں کا یارومددگار بنتا ہے۔“[2]

⑧ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اسے وحدہ لاشریک سمجھیں۔

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝﴾

”صرف اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔“[3]

⑨ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عبودیت اور وحدانیت کی حدود قرآن کریم میں متعین فرما دی ہیں۔[4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کائنات کے بارے میں جو عقیدہ قائم کیا تھا اس کا مرکز و مصدر قرآن کریم تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ

[1] الملك 2:67. [2] الأعراف 196:7. [3] الزمر 66:39. [4] منهج الرسول في غرس الروح الجهادية، ص: 10-16.

اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝﴾

''کہہ دیجیے: کیا بے شک تم واقعی اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور اس کے لیے شریک بناتے ہو؟ وہی سب جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے اس کے اوپر سے گڑے ہوئے پہاڑ بنائے اور اس میں بہت برکت رکھی اور اس میں اس کی غذائیں اندازے کے ساتھ رکھ دیں، (سب) چار دن میں، اس حال میں کہ سوال کرنے والوں کے لیے (جواب میں) برابر ہے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جبکہ وہ (آسمان) ایک دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے کہا کہ آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے، دونوں نے کہا: ہم خوشی سے آ گئے۔ تو اس نے انھیں دو دنوں میں سات آسمان پورے بنا دیا اور ہر آسمان میں اس کے کام کی وحی فرمائی اور ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں کے ساتھ زینت دی اور خوب محفوظ کر دیا۔ یہ اس کا اندازہ ہے جو سب پر غالب، سب کچھ جاننے والا ہے۔''[1]

زندگی کا فلسفہ بھی انھوں نے قرآن کریم ہی سے سمجھا کہ یہ زندگی بہت لمبی ہو جائے، تب بھی آخر کار ختم ہونے والی ہے اور اس کا فائدہ چاہے بہت زیادہ ہو آخرت کے مقابلے میں نہایت قلیل وحقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] حٰمٓ السجدۃ 41:9-12.

﴿ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ط حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ لا اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

''بے شک دنیاوی زندگی کی مثال تو اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کی نباتات مل جل گئیں جس میں سے انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، حتی کہ جب زمین نے اپنی رونق پکڑی اور مزین ہوگئی اور زمین والوں نے سمجھا کہ بے شک وہ اس (فصل کاٹنے) پر قادر ہیں تو ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کو (اچانک) آ گیا، چنانچہ ہم نے اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا، گویا کل وہ تھی ہی نہیں، اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''[1]

جنت کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ قرآن کریم ہی سے اخذ کردہ تھا۔ وہ آیات جن میں جنت کا تذکرہ ملتا ہے ان آیات کی وجہ سے جنت کے حصول کا شوق ان کے رگ و ریشے میں سما چکا تھا۔ ان کا حال ایسا ہوگیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ج جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

''ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے

[1] یونس 24:10.

ہیں۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے بدلے میں ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کی کون کون سی چیزیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آگ اور جہنم کے بارے میں جو نظریہ قائم کیا تھا وہ بھی قرآن کریم ہی سے حاصل کیا تھا۔ اسی تصور کی بدولت وہ اللہ کی شریعت سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا شخص واضح طور پر یہ محسوس کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے کا انھیں کتنی شدت سے احساس تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے وہ کس قدر خائف رہتے تھے۔ وہ اپنے دور خلافت میں ایک دفعہ رات کو گشت پر نکلے۔ ایک گھر سے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ وہیں ٹھہر گئے۔ کوئی نماز پڑھ رہا تھا اور قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف تھا۔ آپ وہیں جم کر کھڑے ہو گئے اور تلاوت قرآن سننے لگے۔ صاحب خانہ سورۂ طور کی تلاوت کر رہا تھا:

﴿وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴾

''قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور ایک کتاب کی (قسم) جو لکھی ہوئی ہے کھلے کاغذ میں اور بیتِ معمور کی (قسم) اور اونچی چھت کی (قسم) اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی (قسم) بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ آیات سن کر فوراً بول اٹھے: «قَسَمٌ وَّ رَبِّ الْكَعْبَةِ حَقٌّ» ''رب کعبہ کی قسم! یہ قسم برحق ہے۔'' وہ جس گدھے پر سوار تھے اُس سے نیچے اتر آئے اور ایک باغ کی طرف چل دیے۔ وہاں دیر تک رکے رہے، پھر واپس گھر تشریف لائے۔ بعدازاں ایک مہینے تک ان کی طبیعت نہ سنبھل سکی۔ لوگ ان کی عیادت کے لیے آتے تھے

[1] السجدة 32:16، 17. [2] الطور 52:1-7.

لیکن کسی کو علم نہ ہوسکا کہ انھیں کون سا روگ لاحق ہوا ہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قضاوقدر کا مفہوم بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے اخذ فرمایا تھا۔ ان کے دل میں قضا وقدر کا مفہوم پورے وثوق سے بیٹھ چکا تھا۔ انھوں نے اس کے تمام تر مراتب قرآن کریم سے حاصل کیے تھے۔ انھیں پورا یقین تھا کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے علم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔

﴿وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

''اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھتے ہیں، اور تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو، اس وقت ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے ذرہ بھر کوئی چیز بھی چھپی نہیں ہوتی، زمین میں اور نہ آسمان میں، اور نہ کوئی اس سے چھوٹی (چیز) اور نہ بڑی، مگر (وہ) واضح کتاب میں (درج) ہے۔''[2]

وہ جانتے تھے کہ اللہ جل جلالہ نے قیامت تک پیش آنے والے تمام امور لکھ دیے ہیں۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝﴾

''اور اللہ (ایسا) نہیں کہ اسے کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں عاجز کردے،

---

[1] الرقة والبكاء لعبد الله بن أحمد المقدسي، ص: 166. [2] يونس 61:10.

بلاشبہ وہ خوب جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔''①

اور اللہ ہر چیز کا خالق ہے:

﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○﴾

''یہ ہے اللہ، تمھارا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔''②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قضا وقدر کے بارے میں جو صحیح اور مضبوط عقیدہ قائم کیا، اس کے نہایت مفید اثرات سامنے آئے جو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

انھوں نے قرآن کے مطالعے سے جانا کہ خود ان کی اور تمام بنی نوع انسان کی کیا حقیقت ہے۔ یہ حقیقت دو بنیادوں کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک تو اس کی پہلی خلقت ہے جس کی بنا مٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو بنایا اور اس میں روح پھونکی ۔ اور دوسری خلقت وہ تسلسل ہے جو نطفے سے چل رہا ہے۔③

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○﴾

''جس نے ہر چیز کو اچھے طریقے سے پیدا کیا، اور اس نے تخلیقِ انسان کی ابتدا مٹی سے کی، پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی کے جوہر (نطفے) سے چلائی، پھر اس (کے اعضاء) کو درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی، اور اس نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تم کم ہی شکر کرتے ہو۔''④

---

① فاطر 44:35. ② الأنعام 102:6. ③ أصول التربية للخلاوي، ص: 31. ④ السجدة 7:32-9.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قرآنی آیات ہی سے یہ معرفت بھی حاصل کی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور اسے اچھی صورت اور معتدل قد عطا فرمایا ہے۔ اسے عقل، نطق اور خیر و شر میں تمیز کرنا سکھایا ہے۔ علاوہ ازیں آسمان، زمین اور اس کے مابین ہر چیز انسان ہی کے فائدے کے لیے بنائی ہے۔ اس کی ہدایت کے لیے رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان و کرم ہے کہ اس نے انسان کو اپنی محبت کا اہل بنایا ہے۔ اور ایسا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی سے ممکن ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تاکہ وہ دنیا میں پاکیزہ زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ آخرت میں ہمیشگی کی نعمتوں سے فیض یاب ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

”جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ہم انھیں ضرور ان کا اجر و ثواب ان بہترین اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کرتے تھے۔“[1]

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کلام الٰہی ہی کے مطالعے سے انسان اور شیطان کے درمیان پائی جانے والی جنگ کی حقیقت کو بھی سمجھا اور جان لیا کہ یہ ازلی و ابدی دشمن انسان پر آگے پیچھے، دائیں اور بائیں ہر طرف سے حملہ آور ہوتا ہے۔ شیطان ہی ہے جو برائی کے وسوسے ڈالتا ہے اور چھپی ہوئی شہوات کو بھڑکاتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے دشمن ابلیس کے خلاف منجانب اللہ خصوصی مدد حاصل تھی۔ ان کی سیرت بتاتی ہے کہ وہ ازلی دشمن پر غالب آ گئے تھے۔

---

[1] النحل 97:16۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم میں بیان کردہ آدم اور شیطان کے قصے سے یہ علم حاصل کیا کہ آدم بشریت کی بنیاد ہے اور اسلام کی رُو سے لازم ہے کہ انسان اللہ کا ہر حکم بے چون و چرا مانے۔ مگر انسان خطا کا پتلا ہے، اس لیے مسلمانوں کو ہر دم اپنے اللہ پر بھروسا رکھنا چاہیے اور پابندی سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔ مومن کی زندگی میں توبہ و استغفار کی بڑی زبردست اہمیت ہے۔ مومن کو حسد اور تکبر سے اجتناب کرنا چاہیے۔ گفتگو میں اعلیٰ اقدار اختیار کرنی چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝﴾

’’اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بات کہیں جو احسن ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے، بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔‘‘[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عزیز واقارب اور احباب کی ارواح وقلوب کو پاکیزہ بنانے کے لیے نبی ﷺ کے مبارک اسوہ پر چلتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ قرآنی تعلیمات کے مطابق عادات اختیار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اپنا خاص کرم فرمایا۔ ایسے دین کی طرف ان کی رہنمائی عطا فرمائی جس میں بڑا سچا، کھرا اور صاف ستھرا عقیدہ پایا جاتا ہے جس نے ان کے سابقہ عقیدے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ وثنیت کے سارے ستون گرادیے۔ اب نہ کسی بت کے بارے میں یہ عقیدہ باقی رہا کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کرسکتا ہے، نہ ہی اللہ کی بیٹیوں کا تصور، نہ ہی جنّوں اور اللہ عزوجل کے درمیان رشتۂ مصاہرت، نہ کوئی ایسی کہانت باقی رہی جو لوگوں کو مستقبل کی خبریں دے اور انھیں بدفالی اور نحوست کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا

[1] بني إسرآءيل 53:17.

دے، نہ مرنے کے بعد دوبارہ کبھی نہ جی اٹھنے جیسے باطل عقائد ان کے دل میں باقی رہے۔[1] بلکہ یہ سارے فاسد امور وعقائد ختم ہوگئے اور ان کی جگہ ایک ایسے پاک صاف عقیدے نے لے لی جو شرک سے پاک اور خالص توحید پر مبنی ہے۔ یہ دین حنیف ان کے رگ وپے میں سرایت کر گیا۔ اور یہ حقیقت ان کے دل میں ثبت ہوگئی کہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہے اور اپنے کیے ہوئے اعمال کی جزا یا سزا پانی ہے۔

جاہلیت کی لا حاصل زندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ وہ ایسی زندگی تھی جس میں کسی کے سامنے جوابدہ ہونے کا کوئی عقیدہ موجود نہ تھا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یوم آخرت پر ایمان مضبوط سے مضبوط تر تھا۔ وہ مکمل طور پر دینِ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھے۔ وہ اپنے اللہ کی اس طرح عبادت کرتے تھے جیسے وہ اپنے اللہ کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہوں۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مکمل طور پر قرآنی اصولوں کے مطابق تربیت پائی اور اس مقدس کتاب میں بتائے گئے آداب اور فرائض دل وجان سے اپنائے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی نوازش اور توفیق تھی کہ وہ ہر آن، ہر گھڑی قرآن ہی کو اپنا امام مانتے تھے۔ قرآن نے ان کی عقل، دل، روح اور جان پر بڑے گہرے اور انمٹ اثرات مرتب کیے۔ حق کا پرتو ان کی پوری زندگی میں جھلکتا رہا۔ ان تمام تبدیلیوں کا باعث یہ تھا کہ انھوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر دین کی تربیت پائی تھی۔[3]

قرآن کریم سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ جرأت منداور بہادر انسان تھے۔ بعض اوقات وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے امور کے بارے میں سوالات کرتے جن کا حکم ابھی نازل نہ

[1] عمر بن الخطاب للدكتور علي الخطيب، ص:51. [2] عمر بن الخطاب، حياته، علمه، أدبه، ص:51. [3] عمر بن الخطاب، حياته، علمه، أدبه، ص:52.

ہوا ہوتا۔ وہ ان معاملات میں خلوص دل اور سچائی کے جذبے سے اپنی رائے کا اظہار بھی فرما دیتے تھے۔ ان کی فراست اور قرآن کریم کے مقاصد بالا ستیعاب جاننے کی وجہ سے قرآن اُن کی رائے کے مطابق نازل ہو جاتا تھا۔

مقامِ ابراہیم، پردہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے بارے میں موافقت: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''میں نے اپنے رب سے تین امور میں موافقت اختیار کی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کاش ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں تو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کا حکم نازل فرما دیا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس نیک اور بد ہر طرح کے لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دے دیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پردے کی آیات نازل فرما دیں۔ ایک دفعہ مجھے خبر ملی کہ اللہ کے رسول اپنی بعض بیویوں سے ناراض ہو گئے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا اور کہا: تم اللہ کے رسول کو ناراض کرنے سے باز آجاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو تم سے بہتر بیویاں عطا کرنے پر قادر ہے حتی کہ ایک بیوی نے کہہ دیا: اے عمر! اللہ کے رسول ﷺ تو اپنی بیویوں کو اس طرح انتباہ نہیں کرتے۔ بھلا تم نے یہ کام کب سے اپنے ذمے لے لیا ہے؟''[1]

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝﴾

''بعید نہیں اگر وہ (نبی) تمھیں طلاق دے دیں تو ان کا رب انھیں تم سے بہتر بیویاں بدلے میں دے، مسلمان، مومن، فرمانبردار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواری عورتیں۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، حديث:4483. [2] التحريم 66:5.

منافقین کا جنازہ نہ پڑھنے میں موافقت: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب عبد اللہ بن ابی فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو جنازہ پڑھانے کے لیے بلایا گیا۔ آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ جب آپ ﷺ جنازہ پڑھانے کے ارادے سے کھڑے ہوئے تو میں گھوم کر سامنے آ گیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اللہ کے اس دشمن کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جس نے فلاں فلاں دن اسلام اور آپ کے خلاف ایسے شر انگیز الفاظ کہے تھے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بہت سے دنوں اور مواقع کا تذکرہ کیا اور جناب رسالت مآب ﷺ کو عبد اللہ بن ابی کا پرفتن ماضی یاد دلایا لیکن اللہ کے رسول ﷺ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر مسلسل مسکراتے رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَخِّرْ عَنِّي يَا عُمَرُ، إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ، قَدْ قِيلَ لِي: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝﴾

''اے عمر! ہٹ جاؤ مجھے اللہ کی طرف سے جنازہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کا اختیار حاصل ہے مجھ سے کہا گیا ہے: ''(اے نبی!) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (برابر ہے۔) اگر آپ ان کے لیے ستر بار (بھی) بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[1]

پس اگر مجھے یقین ہو کہ میرے ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنے سے اس کی بخشش ہو سکتی ہے تو میں ستر سے زیادہ مرتبہ اس کے لیے بخشش کی دعا کر سکتا ہوں۔

بعد ازاں نبی ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کا جنازہ پڑھایا اور اس کی قبر پر تشریف لے گئے

[1] التوبۃ 9:80.

یہاں تک کہ فارغ ہو گئے۔ بعد میں مجھے خود حیرانی ہوئی کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کتنی جرأت کا مظاہرہ کر دیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ یہ دو آیات نازل ہوئیں:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ط......﴾

"اور ان میں سے کوئی بھی مرجائے تو آپ اس کا کبھی بھی جنازہ نہ پڑھائیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں......۔" ①

اس کے بعد ساری زندگی اللہ کے رسول ﷺ نے کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھایا۔ نہ کسی منافق کی قبر پر تشریف لے گئے۔" ②

بدر کے قیدیوں کے بارے میں موافقت: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بدر کے دن جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست فاش دی اور ان میں سے ستر مارے گئے۔ اور ستر قید ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا اور مجھ سے بھی پوچھا: «مَا تَرٰى يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟» "اے خطاب کے بیٹے! تیری کیا رائے ہے؟" میں نے عرض کیا: میری رائے یہ ہے کہ ان میں سے جو میرا قریبی رشتہ دار ہے آپ اسے میرے حوالے کر دیں تا کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں۔ اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کو عقیل اور حمزہ رضی اللہ عنہ کو اُن کا فلاں رشتہ دار عنایت کر دیں، پھر ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے رشتہ دار قیدی کو قتل کر دے تا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ ہمیں ان مشرکین سے قطعاً کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اللہ کے رسول! یہ کفر کے سرغنے اور مشرکین کے لیڈر ہیں۔

بہر حال اللہ کے رسول ﷺ نے میرا مشورہ قبول نہیں فرمایا اور ان قیدیوں سے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیا۔ اگلے دن میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں

① التوبة 84:10. ② صحيح مسلم، حديث:2400، وأخبار عمر الطنطاويات، ص:381,380.

کہ اللہ کے رسول ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟ اگر مجھے بھی رونا آیا تو رو پڑوں گا ورنہ کم سے کم رونے کی کوشش تو ضرور کروں گا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''تیرے ساتھیوں نے مجھے قیدیوں سے فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا اور میں نے اس پر عمل کیا تھا۔ اس کے سبب مجھے اس قریبی درخت سے بھی زیادہ قریب عذاب دکھایا گیا۔'' اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○﴾

''کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی (انھیں قتل) کرے۔ (مسلمانو!) تم سامان دنیا چاہتے ہو اور اللہ (تمھاری) آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی (ایک بات) لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم نے (بدر کے قیدیوں سے) جو (فدیہ) لیا اس کے بدلے تمھیں بڑا عذاب آ پکڑتا۔''[1]

جب اگلا سال آیا تو غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ باقی بھاگ نکلے۔ آپ ﷺ کا رباعی دانت بھی ٹوٹ گیا۔ آپ کا 'خود' بھی ٹوٹ گیا اور خون بہہ کر چہرۂ مبارک پر آ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ﴾

[1] الأنفال 8:67,68.

”بھلا تمھارا کیا حال ہے جب (احد میں) تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ حالانکہ (بدر میں) تم نے اس سے دگنی مصیبت (کافروں کو) پہنچائی تھی۔ کہہ دیجیے کہ یہ مصیبت تمھاری اپنی لائی ہوئی ہے۔“ [1]

اور یہ سب کچھ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے ہوا۔“ [2]

مسئلۂ استیذان میں موافقت: ایک دفعہ نبی ﷺ نے ایک انصاری لڑکے کو دوپہر کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بُلانے بھیجا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت سو رہے تھے اُن کے کچھ جسم سے کپڑا ابھی ہٹا ہوا تھا۔ اس وقت انھوں نے دعا کی: اے اللہ! ہماری نیند کے وقت کسی کو بھی بغیر اجازت ہمارے پاس آنا حرام قرار دے دے۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ استیذان کا حکم نازل فرمائیں۔ [3] اس پر یہ آیت اُتری:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ﴾

”اے ایمان والو! جن (غلاموں اور لونڈیوں) کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں اور (ان لڑکوں اور لڑکیوں کو) جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، (انھیں) چاہیے کہ تم سے تین بار اجازت مانگیں (پھر گھر میں داخل ہوں)، نماز فجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتارتے ہو اور نماز عشاء کے بعد۔“ [4][5]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور شراب کی حرمت: جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

---

[1] آل عمرٰن 165:3. [2] مسند أحمد: 33/1، حديث: 221 وصححه أحمد شاكر، وصحيح مسلم بنحوه، حديث: 1763. [3] الرياض النضرة، ص: 332، اس روایت کی سند ضعیف ہے، علامہ واقدی نے اس قصے کو بغیر سند کے روایت کیا ہے۔ [4] النور 58:24. [5] الفتاوىٰ: 10/28.

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾

''لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔''[1]

اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ! شراب کی حُرمت کے بارے میں کوئی تسلی بخش حکم نازل فرما دے تو سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ﴾

''اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ، اس حال میں کہ تم نشے میں ہو۔''[2]

اس کے بعد ہوتا یہ تھا کہ نماز سے پہلے ایک آدمی آواز لگاتا تھا کہ کوئی نشہ کرنے والا نماز کے قریب نہ آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت سنائی گئی تو انھوں نے عرض کیا: اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے بارے میں کوئی تسلی بخش حکم نازل فرما، چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیات نازل ہوئیں۔ یہ آیات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سنائی گئیں اور (جب آیت کے اختتام): ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ﴾ ''کیا تم اس سے باز آنے والے ہو۔''[3] تک پہنچے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے: ''ہم باز آئے، ہم باز آئے۔''[4]

شراب کی حُرمت بتدریج عمل میں آئی۔ آیت کے ان اختتامی کلمات سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شراب کی حرمت سمجھ گئے کیونکہ عربی قاعدے کے مطابق استفہام انکاری عموماً نہی سے بھی زیادہ حُرمت پر دلالت کرنے والا ہوتا ہے۔

ان آیات کے معانی، الفاظ اور انداز بیان میں بڑی سخت وعید پائی جاتی ہے جو شراب کی حُرمت پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔[5]

---

[1] البقرة 2:219. [2] النسآء 4:43. [3] المآئدة 5:91. [4] مسند أحمد: 53/1، و صححه أحمد شاكر، حديث: 378. [5] شهيد المحراب للتلمساني، ص:101.

اسبابِ نزول سے بھرپور واقفیت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عرصے کے دوران میں سارا قرآن کریم حفظ کرلیا[1] جس کا آغاز ان کے قبول اسلام سے ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات تک جاری رہا۔

اس بات میں قطعاً کوئی مبالغہ آمیزی نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسبابِ نزول کے بارے میں بہت سی معلومات رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے اسلامی دور کے اسباب نزول کے علاوہ نبی علیہ السلام کے ساتھ خصوصی لگاؤ اور قرب کی وجہ سے بہت سے دیگر اسباب نزول بھی معلوم کر لیے یا قرآن کا جو حصہ حفظ نہ کرسکے تھے اسے بھی مکمل کرلیا۔ ان کی عادت تھی کہ جیسے ہی نزولِ قرآن کا کوئی سبب واقع ہوتا، اسے جلد از جلد یاد کر لیتے۔ حوادث کے مسلسل پیش آنے کے باعث یہ طریقہ بڑا مؤثر تھا۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بذات خود بہت سی آیات کے نزول کا سبب تھے۔ ان آیات میں سے بعض مکی اور بعض مدنی تھیں۔ بعض آیات کے مکی یا مدنی ہونے کے تعین میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ، ان کے قول یا تفسیر سے مدد ملتی تھی، مثلاً: انھوں نے اس آیت کریمہ: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المآئدة 3:5)

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کرلیا۔'' کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اس دن کو خوب جانتا ہوں جس دن یہ آیت اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوئی۔ جمعہ کا دن اور یوم عرفہ کی شام تھی، اُس وقت اللہ کے رسول ﷺ پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔''[3]

---

[1] الإتقان في علوم القرآن للسيوطي: 72/1. [2] عمر بن الخطاب للدكتور علي الخطيب، ص:90-92. [3] صحيح البخاري، حديث: 45، وصحيح مسلم، حديث: 3017، ومسند أحمد: 28/1.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اکیلے یا کسی اور کے ساتھ مل کر کسی آیت کا سبب نزول بننے کی مثال

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس شخص کے (اعمال کے) مانند قرار دے رکھا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اللہ کے ہاں درجے میں (وہ) سب سے بڑھ کر ہیں اور وہی مراد پانے والے ہیں۔ ان کا رب انھیں اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک۔ بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔''[1]

صحیح روایت میں ہے: ایک آدمی نے کہا: مجھے اسلام لانے کے بعد اگر کسی عمل کی فکر رہتی ہے تو وہ مسجد حرام کی آباد کاری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سُنی تو فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ اس سے کہیں بہتر عمل ہے۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ حضرات اللہ کے

[1] التوبة 9:19-22.

رسول ﷺ کے منبر کے پاس شور نہ کریں، جب میں نماز پوری کرلوں گا تو اس بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروں گا، پھر انھوں نے سوال کیا تو سورۂ توبہ کی مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور انھوں نے بتایا کہ ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ مسجد حرام کی آبادکاری، حج، عمرہ، طواف اور حجاج کو پانی پلانے سے بدر جہا بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی لیے فرمایا کرتے تھے:

«لَأَنْ أُرَابِطَ لَيْلَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ عِنْدَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ»

''مجھے ایک رات اللہ کے راستے میں اسلامی سرحدوں پر پہرہ دینا حجرِ اسود کے پاس لیلۃ القدر میں قیام کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ سے بعض آیات کی تفہیم

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے آیات کے بارے میں سوال فرمایا کرتے تھے اور پھر کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ نبی ﷺ کی بتائی ہوئی تفسیر کسی اور طالب علم صحابی کو بھی بتا دیتے تھے۔ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ: ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ ﴾ (النسآء 4:101) ''تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز کچھ کم کرلو، اگر ڈرو کہ تمھیں وہ لوگ فتنے میں ڈال دیں گے جو کافر ہیں۔'' کے بارے میں پوچھا کہ آج کل تو راستے پر امن ہیں، اس لیے نماز کی قصر کا کیا حکم ہوگا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بھی اس بات پر تعجب ہوا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں سوال کیا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

[1] الفتاوٰی: 10/28.

«صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ»

''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے لیے صدقہ ہے، لہٰذا تم اللہ کی مہربانی قبول کرو۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے آیت: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ (الأعراف 173:7) ''اور جب پکڑا (نکالا) آپ کے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو۔'' کے بارے میں بھی سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سُنا کہ انھوں نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی تخلیق فرمائی، پھر ان کی پشت پر دایاں ہاتھ پھیرا اور اس کی کچھ ذریت نکالی اور فرمایا: ان لوگوں کو میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ جنت والے ہی عمل کریں گے، پھر دوسری مرتبہ ہاتھ پھیرا اور مزید ذریت نکالی، پھر فرمایا: انھیں میں نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ جہنم والے ہی عمل کریں گے۔'' عین اس وقت ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ؟ یہ سن کر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو جنت کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اُسے جنتیوں والے اعمال کی توفیق بھی عطا فرماتا ہے اور وہ جنتی لوگوں کے عمل پر مرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کی وجہ سے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو آگ کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اسے جہنمیوں والے اعمال کی راہ پر ڈال دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جہنمیوں والے عمل پر مرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس برے عمل کی وجہ سے آگ میں داخل کر دیتا ہے۔''[2]

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝﴾ ''عنقریب لشکر شکست کھا جائیں گے اور پیٹھ پھیر جائیں گے۔''[3] تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سوچنے لگے کہ اس آیت میں کون سے لشکر کے غالب اور کون سے لشکر کے مغلوب ہونے کا تذکرہ

[1] (إسناده صحيح على شرط مسلم) الموسوعة الحديثية مسند أحمد: 25/1، حديث: 174.
[2] (صحيح لغيره) الموسوعة الحديثية مسند أحمد: 45/1، حديث: 311. [3] القمر 45:54.

ہے؟ وہ خود فرماتے ہیں: میں نے بدر کے دن اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا وہ درع پہن کر ڈٹے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے: ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝﴾ تو اس وقت میں نے اس آیت کی تفسیر سمجھ لی تھی۔ ①

بعض آیات کی تفسیر اور بعض کی حاشیہ آرائی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رائے کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر کے قائل نہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ﴿ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝﴾ سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا: اس سے مُراد ہوائیں ہیں۔ اگر میں نے یہ تفسیر اللہ کے رسول ﷺ کی زبانی نہ سنی ہوتی تو یہ بات کبھی نہ بتاتا، پھر پوچھا گیا: ﴿ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝﴾ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اس سے مراد بادل ہیں۔ اگر میں نے یہ بات اللہ کے رسول ﷺ کی زبانی نہ سنی ہوتی تو اس طرح ہرگز تفسیر نہ کرتا، پھر پوچھا گیا کہ ﴿ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝﴾ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: کشتیاں......، اگر میں نے نبی ﷺ کی زبان اطہر سے یہ تفسیر نہ سنی ہوتی تو یہ تفسیر ہرگز بیان نہ کرتا، پھر پوچھا گیا: ﴿ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝﴾ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: اس سے مراد فرشتے ہیں۔ اگر اللہ کے رسول کی زبانی میں نے خود یہ تفسیر نہ سنی ہوتی تو کبھی یہ تفسیر نہ کرتا۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں خاص منہج تھا۔ وہ سب سے پہلے نبی ﷺ کے ارشادات سے قرآنی مطالب تلاش کرتے تھے۔ نہ ملنے پر بعض مخصوص صحابہ، مثلاً: ابن عباس، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور معاذ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مفاہیم قرآن سمجھنے کی کوشش فرماتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ آپ حضرات اس آیت: ﴿ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

---

① تفسير ابن كثير: 341/4. ② أخبار عمر بن الخطاب الطنطاويات، ص: 308 نقلا عن الرياض النضرة.

الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ○﴾

''کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس باغ میں اس کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں اور اسے بڑھاپا آجائے جبکہ اس کی اولاد کمزور ہو، پھر (اچانک) اس باغ پر ایسا بگولا آپڑے جس میں آگ ہو اور وہ اسے جلا کر رکھ دے؟ اس طرح اللہ تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غوروفکر کرو۔''[1] کی شان نزول کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔ یہ جواب سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رنجیدہ خاطر ہوگئے۔ فرمایا: یا تو یہ کہو کہ ہم جانتے ہیں یا کہو کہ ہم نہیں جانتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے امیر المومنین! اس آیت کے بارے میں میرے دل میں ایک بات ہے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! بول احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ان آیات میں کسی عمل کی ایک مثل بیان کی گئی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: کس عمل کی؟ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کسی بھی عمل کی ہوسکتی ہے۔ یہ سُن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس میں ایک مالدار آدمی کی مثال بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں زندگی بسر کرتا ہے لیکن پھر اچانک اللہ تعالیٰ اس کی طرف شیطان کو بھیج دیتا ہے تو وہ نافرمانی کی روش پر چل نکلتا ہے اور سارے نیک اعمال اکارت کر بیٹھتا ہے۔[2]

ایک اور روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس میں اعمال کا تذکرہ ہے۔ ابنِ آدم سب سے زیادہ اپنے باغ کا اس وقت حاجت مند ہوتا ہے جب اس کی عمر زیادہ اور عیال داری کثرت سے ہو اسی طرح ابن آدم سب سے زیادہ عمل کا ضرورت مند اس

[1] البقرة 2:266. [2] فتح الباري:8/254,253.

وقت ہوگا، جب قیامت کا دن ہوگا۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے! تو نے سچ کہا۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بعض آیات کی تفسیر میں کچھ حاشیہ آرائی بھی فرماتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝﴾ ''وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔''② اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کیا خوب ہیں یہ دو وزنی چیزیں اور یہ بلندی کتنی عظیم ہے۔③ وہ وزنی چیزوں سے مراد درود اور رحمت اور بلندی سے مراد ''ہدایت'' لیتے تھے۔④

ایک دفعہ انھوں نے سُنا کہ کوئی پڑھ رہا تھا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝﴾

''انسان! تجھے تیرے رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا؟''⑤

اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جہالت نے!⑥

ایک موقع پر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ ۙ﴾ ''اور جب جانیں ملادی جائیں گی۔''⑦ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: فاجر کو فاجر اور برے کو برے کے ساتھ۔⑧

﴿تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ﴾ ''تم اللہ سے خالص توبہ کرو۔''⑨ اس

---

① الخلافة الراشدة والدولة الأموية للدكتور يحيى اليحيىٰ، ص: 305. ② البقرة 2:156,157.
③ المستدرك للحاكم: 2/270. ④ الخلافة الراشدة والدولة الأموية، ص: 305. ⑤ الانفطار 82:6. ⑥ تفسير ابن كثير: 4/619. ⑦ التكوير 81:7. ⑧ الفتاوىٰ: 7/44. ⑨ التحريم 66:8.

آیت کی تفسیر اس طرح بیان فرمائی کہ بندہ توبہ کرے، پھر دوبارہ جرم نہ کرے۔ یہی مکمل اور قابلِ قبول توبہ ہے۔[1]

ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک راہب کے عبادت خانے کے قریب سے گزرے اور اُسے پکارا: اے راہب! آواز سن کر راہب بالا خانے سے جھانکنے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھ کر رونے لگے۔ پوچھا گیا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے دیکھ کر مجھے اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد آ گیا: ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝﴾ ''(کچھ چہرے اس دن) عمل کی وجہ سے تھکے ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔''[2] اس لیے مجھے رونا آ گیا۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾ ''وہ بتوں اور باطل معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں''[4] میں جبت کی تفسیر جادو اور طاغوت کی تفسیر شیطان سے کی۔[5]

[1] الفتاوٰی: 382/11. [2] الغاشية 4,3:88. [3] تفسیر ابن کثیر: 648/4. [4] النسآء 51:4.
[5] تفسیر ابن کثیر: 682/1.

رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مکہ کے واحد باشندے تھے جنھوں نے جاہلی دور ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ یہ ان کے بچپن ہی سے علم سے شغف رکھنے کا ثبوت تھا۔ ان کی یہ کوشش رہی کہ وہ بھی اس مختصر جماعت کا حصہ بن جائیں جس نے عرب کی ناخواندگی کو مٹانے اور ان کے اخلاق سنوارنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ اور عہد رسالت میں بہت سی خوبیوں کی وجہ سے انھیں قابل رشک مقام حاصل ہوا۔ ان میں لکھنا پڑھنا نمایاں خوبی تھی۔ اس خوبی نے انھیں انتہائی اہمیت کا حامل بنا دیا تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم ابوسفیان کے والد حرب بن امیہ سے حاصل کی۔[1]

ان کی علمی خوبی ہی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی قوم کی ثقافت کے شانہ بشانہ چلتے نظر آتے تھے، تاہم ہمیں یقین ہے کہ وہ اصل مضبوط ترین سبب جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت نکھاری، ان کی خوبیاں اُجاگر کیں اور اُن کے اخلاق عالیہ کو معراج تک پہنچا کر فاروق اعظم بنا دیا وہ ان کی یہ خوش بختی تھی کہ وہ بارگاہ رسالت ﷺ میں ایمان کی طلب لے کر پہنچے اور اوجِ کمال کے سبق سیکھنے لگے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مکی اور مدنی دونوں ادوار میں نبی ﷺ کا بہت قرب اور اعتماد پایا۔

[1] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أحمد أبو النصر، ص: 87.

مدینہ طیبہ میں ان کی رہائش عوالیٔ مدینہ میں تھی جو مدینہ سے باہر کھلی جگہ پر واقع تھی اور آج کل مدینہ میں شامل ہوچکی ہے بلکہ مسجد نبوی کے ساتھ متصل ہے کیونکہ مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ گئی، حدودِ مدینہ میں وسعت آ گئی یوں آہستہ آہستہ مدینہ تمام عوالیٔ مدینہ تک پھیل گیا، نتیجتاً اردگرد کے سب علاقے مسجد نبوی میں شامل ہوگئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عوالیٔ مدینہ ہی میں رہائش اختیار کی۔ وہ نبی ﷺ کی مسجد میں قائم درسگاہ سے مختلف علوم ومعارف کا درس حاصل کرنے کے لیے نبی ﷺ کے حلقاتِ دروس میں حاضر ہوتے تھے۔ بلاشبہ نبی ﷺ ہی وہ عظیم ہستی ہیں جن کے اخلاق وسیرت خود اللہ نے سنوارے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث کی تعلیم، خیرخواہی، رہنمائی یا کسی بھی علم کے حصول کے موقع پر کبھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

''میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی جو میرے ساتھ عوالیٔ مدینہ میں رہتا تھا۔ ہم دونوں، باری باری ایک ایک دن رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ جب میری باری ہوتی تو میں اس دن کی تمام دینی معلومات حاصل کرتا اور جب اس کی باری ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتا تھا، پھر ہم تبادلۂ خیالات کر لیتے تھے۔''[1]

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جس چشمۂ رواں سے علم، تربیت اور تہذیب وثقافت کے موتی سمیٹتے تھے وہ اللہ کی کتاب قرآن حکیم تھی جو اللہ کے رسول ﷺ پر حسب موقع تھوڑی تھوڑی نازل ہوتی تھی، پھر نبی ﷺ کلام ربانی صحابہ کو پڑھ کر سناتے تھے اور صحابۂ کرام اس کے معانی پر غوروفکر کرتے، قرآنی الفاظ کی گہرائی ماپتے اور اس کے قوانین پر عمل کرتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام کے دل، عقلیں، ارواح اور جسم قرآن کریم کی تعلیمات

---

[1] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أحمد أبوالنصر، ص: 87. اور دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 89.

سے منور و معمور ہو چکے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ وسیرت کا مطالعہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری اس خالص ربانی چشمے سے ضرور سیراب ہو۔ کیونکہ یہی سرچشمہ ہے جس نے لوگوں میں خوبیاں بھر دیں۔ ان کی صلاحیتوں کو اُجاگر کیا اور من حیث القوم مسلمانوں کو مخصوص ثقافت عطا فرمائی۔ یہی سرچشمہ ہے جسے ہم قرآن کریم، یعنی اللہ کا کلام کہتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب سے مسلمان ہوئے، قرآن کریم کے حفظ، اس کی سمجھ اور اس کے معانی میں غور وفکر کے لیے کوشاں رہے اور انھیں ہمیشہ نبی ﷺ کا ساتھ نصیب ہوا۔ جیسے ہی کسی آیت کا نزول ہوتا وہ فوراً اسے یاد کر لیتے حتی کہ بعض آیات نبی ﷺ نے انھیں خود یاد کرائیں۔ ان کی ہمیشہ یہ خواہش اور کوشش ہوتی تھی کہ ان آیات کو اسی لہجے اور قراءت کے مطابق پڑھیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے انھیں پڑھایا تھا۔ [1]

بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے نزول کے معًا بعد انھیں سب سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے سُننے کا شرف حاصل کیا اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان آیات کے حصول کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے رجوع کیا۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قرآنی منہج کے مطابق تربیت پائی۔ ان کے مربی خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ اُن کی تربیت کا پہلا قدم رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت وملازمت تھی جس سے ان کی شخصیت میں انوکھی شان پیدا ہوگئی۔ وہ ہدایت کی بلندیوں پر فائز ہوگئے۔ وہ اندھیروں سے نکل کر روشنی کے دائرے میں آگئے۔ انھوں نے ایمان اپنایا اور کفر کو یک قلم ترک کر دیا۔ وہ دین حنیف کے لیے تمام سختیاں اور مصائب جھیلنے کے لیے تیار ہوگئے۔ نبی ﷺ ہی کی شخصیت تھی جس نے سب سے پہلے انھیں اسلام کی طرف کھینچا کیونکہ آپ

[1] عمر بن الخطاب للدكتور لمحمد أحمد أبو النصر، ص: 88. [2] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أحمد أبو النصر، ص: 88.

کی شخصیت ہر کسی کو اپنی طرف کھینچے چلی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبر کی تربیت فرمائی تھی۔ انھیں ساری انسانیت کے لیے کامل اسوۂ حسنہ بنایا تھا۔ انھیں ایسی عظمت سے نوازا تھا کہ لوگ اس عظمت کے سبب ہی آپ سے محبت کرتے رہیں گے اور حیرت زدہ بھی رہیں گے۔ اور آپ ﷺ کی سیرت کی کشش کے باعث تعجب سے لپکتے چلے آئیں گے۔

نبی ﷺ کی شان اتنی عظمت کی مالک تھی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اللہ کے آخری نبی ﷺ تھے۔ اللہ کی طرف سے ان پر وحی آتی تھی اور وہ یہ پیغام لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ یہی وہ خاص سبب تھا جس نے اہلِ ایمان کے احساسات کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی بے پایاں عظمت اور قدر و منزلت لوگوں کے دل و دماغ میں جاگزین ہوگئی تھی۔ وہ نبی ﷺ کی اس طرح رسمی عزت نہیں کرتے تھے جس طرح اس دور کے دوسرے سرداروں کی عزت کی جاتی تھی بلکہ وہ تو اس ربانی خوشبو کے جھونکوں پر فدا ہوتے جاتے تھے جو اللہ رب العزت کی طرف سے آپ ﷺ کو عطا ہوئے تھے۔ اور یہ خوشبو ہر وقت آپ کے ساتھ ہوتی تھی، لہٰذا آپ بیک وقت ایک عظیم بشر بھی تھے اور رسول ﷺ بھی۔ یہ دونوں عہدے یک جا ہیں اور ان کے بارے میں ایک گہری محبت کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے جو رسول اور بشر کے مناصب کو یکجا کرتا ہے جہاں ان کی محبت سے اللہ تعالیٰ کی محبت جُڑ جاتی ہے اور آخرکار وہ تمام احساسات کا مرکز ومحور بن کر عقل وفہم پر چھا جاتی ہے اور مومن اسی کے زیر اثر زندگی گزارتا ہے۔

یہی وہ بنیادی نکتہ تھا جس کی بنیاد پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلامی تربیت کے حصول کی ابتدا کی اور یہی وہ راستہ تھا جس پر وہ گامزن ہوئے۔ [1]

[1] منهج التربية الإسلامية لمحمد قطب، ص:35,34.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ کی مصاحبت کی برکت اور بلاواسطہ پیغمبرانہ تربیت سے ایمان کی اعلیٰ اقدار نصیب ہوئیں۔ سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ایسی پاکیزگی اور ایسی نفاست تھی جس نے ان کے ضمیر اور شعور کو پاکیزہ کر دیا۔ ان کے عمل اور سلوک کو جلا بخشی۔ ان کی ازدواجی اور معاشرتی زندگی کو پاک صاف کردیا۔ انھیں شرکیہ عقائد سے پاک کرکے عقیدۂ توحید کی راہ دکھلائی۔ جاہلیت کے باطل تصورات سے نکال کر درست عقیدے کی طرف گامزن کیا۔ پرانے قصے کہانیوں سے جان چھڑا کر ایک واضح یقین کا راستہ دکھلایا۔ نہ سمجھ آنے والی اخلاقی گندگیوں سے نکال کر صاف ستھرا ایمانی خُلق عطا فرمایا۔ سود اور حرام کی کمائی کے بجائے کسب حلال کے گر سکھلائے۔ یہ ایک ایسی پاکیزگی تھی جس نے انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے مسلمانوں کو طہارت بخشی جو انسان کے ظاہر اور باطن دونوں میں مؤثر نظر آتی ہے۔ یہ انسان کو دنیا کی لذتوں اور خواہشات سے اتنا بلند کر دیتی ہے کہ وہ ایسے نورانی آفاق کو چھولیتا ہے جس میں وہ اپنے رب سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اور ملأ اعلیٰ سے اس کا تعامل ہوجاتا ہے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ ان سے قرآن کریم اور سنت کا علم سیکھنے کے ساتھ ساتھ تلاوت کے احکام بھی سیکھے اور تزکیۂ نفس بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

”بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں

[1] الظلال: 6/3565.

کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبردست خواہش ہوتی تھی کہ وہ حضر وسفر دونوں میں اللہ کے رسول کی سیرت سے باخبر رہیں۔ اس وجہ سے ان کے پاس وسیع علم اور سنت مطہرہ کا وافر ذخیرہ جمع ہوگیا جس نے آپ کی شخصیت اور سمجھ بوجھ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ وہ نبی ﷺ کے قریب رہتے تھے اور آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے مستفید ہوتے اور دین سیکھتے تھے۔ وہ جب بھی آنحضرت ﷺ کی کسی مجلس میں بیٹھتے تو اُس وقت تک کہیں اٹھ کر نہ جاتے جب تک کہ مجلس برخاست نہ ہو جاتی۔ دوران مجلس میں وہ اپنے دل میں اٹھنے والے ہر سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے علم و تربیت حاصل کرنے کے ساتھ دین کے بنیادی مقاصد کا علم بھی حاصل کیا۔ نبی ﷺ عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ دین کی حفاظت اور اس کا شیرازہ سمیٹ کر رکھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو وسیع علم عطا ہونے کی گواہی دی تھی۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ، فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتّٰى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظَافِيرِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي - يَعْنِي عُمَرَ - قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلْعِلْمَ»

”میں ایک دفعہ سورہا تھا کہ خواب میں میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا۔ میں نے اس پیالے سے دودھ پیا حتی کہ محسوس کیا کہ سیرابی میرے ناخنوں تک پہنچ گئی ہے، پھر میں نے باقی ماندہ دودھ عمر کو دے دیا۔ لوگوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا: اللہ کے رسول! آپ نے اپنے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی؟ نبی ﷺ

[1] آل عمرٰن 164:3۔ [2] عمر بن الخطاب للدکتور محمد أبو النصر، ص: 91۔

نے فرمایا: ''علم!''[1]

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم سے مراد سیاست کا طریقۂ کار ہے جو وہ قرآن وسنت کی روشنی میں بروئے کار لاتے تھے۔[2]

یہ ایک ایسا علم اور ایسی معرفت تھی جو صرف ایسے انسان کو حاصل ہوسکتی تھی جو اُن علوم وفنون سے آراستہ ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول کے فہم کے لیے ضروری ہیں۔ یہ علوم لغت اور آداب لغت کو گہرائی سے جاننے، لغت کے اسالیب میں مہارت رکھنے اور اس سے متعلقہ تمام معارف اور تجربات سے گزرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں یہ تمام خوبیاں جمع تھیں۔[3]

نبی ﷺ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انتہائی محبت کا تعلق تھا۔ یہی وہ محبت ہے جس کے سبب استاد اور شاگرد کے درمیان ممتاز علمی مقام پیدا ہوتا ہے جس سے بہتر علمی اور ثقافتی نتائج سامنے آتے ہیں کیونکہ اس علمی مقام کو ایک نئی جہت عطا ہوتی ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ سے اعلیٰ درجے کی محبت رکھتے تھے۔ ان کا دل ہمیشہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے وابستہ رہتا تھا۔ وہ ہر وقت رسول اللہ ﷺ پر قربان ہونے کے لیے تیار اور اسلامی دعوت کے میدان میں قربانیاں پیش کرنے کے لیے موقع کے منتظر رہتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»

''تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک میں اُسے اس کے باپ اور اولاد حتی کہ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 7006،7007. [2] فتح الباري: 7/36. [3] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبوالنصر، ص: 93. [4] صحيح البخاري، حديث: 15.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ» ”نہیں، اس ذات کی قسم جس کی ہاتھ میں میری جان ہے! (اے عمر!) جب تک میں تجھے تیری جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں تیرا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔“ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: «اَلْآنَ يَا عُمَرُ!» ”اے عمر! اب بات بنی ہے۔“[1]

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عمرہ ادا کرنے کے لیے جانے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَنْسَانَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ»

”اے میرے پیارے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا!“[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے دنیا کی وہ تمام قیمتی سے قیمتی چیزیں، جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے اس ملفوظ مبارک «يَا أُخَيَّ!» کے مقابلے میں ہیچ نظر آتی ہیں۔[3]

یہی وہ ناقابل شکست محبت تھی جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تمام غزوات میں نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ رہنے پر مجبور کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جنگی اُمور کے تجربہ کار اور فنون حرب کے ماہر بھی تھے۔ وہ لوگوں کی طبائع سے بخوبی واقف تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے قریب رہنے اور گفتگو کرنے کا یہ فائدہ بھی ہوا کہ وہ عربی کے ایک فصیح، بلیغ اور ماہر زبان دان بن گئے۔[4]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6632. [2] سنن أبي داود، حديث: 1498، وجامع الترمذي، حديث: 3562 وقال هذا حديث حسن صحيح، و سنن ابن ماجه، حديث: 2894، سب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بیان فرماتے ہیں۔ بعض نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [3] سنن أبي داود، حديث: 1498، وجامع الترمذي، حديث: 3562، وسنن ابن ماجه، حديث: 2894. [4] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبو النصر، ص: 94.

آئندہ صفحات میں ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وہ سرگرمیاں جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان جہاد میں دکھائیں، انھیں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مدنی معاشرے میں کردار بھی بیان کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے میدانوں میں

تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ بدر، احد اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے اور کسی غزوے سے کبھی پیچھے نہ رہے۔ [1]

غزوۂ بدر: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بدر میں شریک ہوئے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے معرکہ سے پہلے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا تو پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو فرمائی اور بہت اچھی باتیں کیں اور کفار کے ساتھ قتال کی دعوت دی۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عمدہ گفتگو کی اور قتال کی طرف بلایا۔ [2] اس معرکے میں سب سے پہلے شہید ہونے والے شخص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غلام مِہجع تھے۔ [3] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عقیدۂ توحید سے وفاداری کرتے ہوئے رشتہ داری کی حمیت کو دیوار پر دے مارا اور اپنے ماموں عاص بن ہشام کو تہہ تیغ کیا۔ [4] وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ انھوں نے بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا جس میں نہایت قیمتی اسباق جلوہ گر ہیں۔ انھیں میں نے اپنی کتاب ''السيرة النبوية'' [5] میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔

جب نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ قید ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام لانے کی ترغیب دی اور فرمایا: اے عباس! مسلمان ہو جاؤ، تمھارا مسلمان ہونا اللہ کی قسم! مجھے اپنے

---

[1] مناقب أمير المؤمنين عمر بن الخطاب لابن الجوزي، ص: 89. [2] الفاروق مع النبي ﷺ للدكتور عاطف لماضه، ص: 32. [3] الطبقات لابن سعد: 392,391/3. منقطع ضعيف، والسيرة النبوية لابن هشام: 388/2، وصحيح التوثيق، ص: 187. [4] الخلافة والخلفاء الراشدين للبهنساوي، ص: 154. [5] مؤلف کی یہ کتاب بھی دارالسلام سے شائع ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ۔

باپ کے اسلام لانے سے زیادہ عزیز ہے، صرف اس لیے کہ نبی ﷺ کو آپ کا اسلام لانا بے حد عزیز ہے۔ [1]

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بھی تھا جو قریش کا خطیب تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت مرحمت فرمائیں، میں اس کے اگلے دونوں دانت توڑ ڈالوں تو اس کی زبان باہر نکل آئے گی اور یہ آپ ﷺ کے خلاف کبھی ہرزہ سرائی نہ کر سکے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا أُمَثِّلُ بِهِ فَيُمَثِّلَ اللّٰهُ بِي وَ إِنْ كُنْتُ نَبِيًّا، وَ أَنْ عَسٰى أَنْ يَّقُومَ مَقَامًا لَّا تَذُمُّهُ»

''میں اس کا مثلہ نہیں کروں گا۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ پاک میرا بھی اسی طرح مثلہ کر دے، چاہے میں نبی ہوں۔ اور ممکن ہے آج کے بعد وہ ایسے مقام پر فائز ہو جائے (مسلمان ہو جائے) کہ پھر آپ اس کی مذمت نہیں کریں گے۔'' [2]

ایسا ہی ہوا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ وفات پا گئے تو چند مکی افراد نے اسلام سے برگشتہ ہونے کا ارادہ کیا۔ مکہ کے گورنر عتاب بن اسید ان لوگوں سے خائف ہو گئے اور چھپ گئے تو سہیل بن عمرو کھڑا ہو گیا۔ اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر نبی ﷺ کی وفات کا تذکرہ کیا اور کہا: آپ ﷺ کی وفات سے اسلام کمزور نہیں ہوا بلکہ مزید طاقتور ہوا ہے۔ جس نے ہمارے دین میں شک کیا، ہم اس کی گردن اڑا دیں گے۔ یہ سن کر لوگوں نے اپنی رائے بدل دی۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ بدر کے مشرک مقتولین سے نبی ﷺ کے کلام کا قصہ بیان

---

[1] البداية والنهاية: 298/3. [2] البداية والنهاية: 311/3. [3] التاريخ الإسلامي للحميدي: 181/4.

کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے۔ ہم نے چاند دیکھنے کی کوشش کی۔ میں نظر کا تیز تھا۔ میں نے چاند دیکھ لیا۔ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ نے چاند نہیں دیکھا؟ انھوں نے کہا کہ عنقریب میں بھی دیکھ لوں گا۔ میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اہل بدر کے بارے میں گفتگو فرمانے لگے: نبی ﷺ نے ہمیں ایک دن پہلے ہی سب مقتولین کی قتل گاہوں کی نشاندہی فرمادی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَهٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''کل یہ فلاں آدمی کی قتل گاہ ہوگی اور کل یہ فلاں آدمی کی قتل گاہ ہوگی ان شاء اللہ۔''

اگلے دن ایسا ہی ہوا ہر مقتول نشان زدہ جگہ پر گر رہا تھا۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا! یہ لوگ ذرہ برابر بھی ادھر اُدھر نہیں گرے، پھر اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق سب کو ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اس کنویں کے پاس آئے اور آواز دی:

«يَا فُلَانُ! يَا فُلَانُ! هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ حَقًّا، فَإِنِّي وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِيَ اللّٰهُ حَقًّا؟ قَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَتُكَلِّمُ قَوْمًا قَدْ جَيَّفُوا؟ قَالَ: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ، وَلٰكِنْ لَّا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يُّجِيبُوا»

''اے فلاں! اے فلاں! تمھارے رب نے جو وعدہ تم سے کیا تھا کیا اسے تم نے برحق پایا؟ میرے اللہ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا میں نے اسے برحق پایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ

ایسی قوم سے گفتگو کر رہے ہیں جو مردہ ہو کر بدبودار ہو چکی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت وہ میری گفتگو تم سے زیادہ سن رہے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔" [1]

عمیر بن وہب معرکۂ بدر کے بعد اسلام لانے سے پہلے مدینہ آیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ اس وقت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ چند لوگوں کے ساتھ بیٹھے بدر کے دن کی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس دن انھیں جو عزت عطا فرمائی اس کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اچانک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمیر بن وہب کو دیکھا۔ اُس نے مسجد کے دروازے پر اپنی سواری بٹھائی۔ اُس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کتا تو اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ہے۔ ہو نہ ہو یہ کسی بُرے ارادے سے آیا ہے۔ یہی وہ آدمی ہے جس نے ہماری جنگ کرائی۔ ہمیں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ننگی تلوار لیے آ رہا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اسے میرے پاس لاؤ۔" تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس کی تلوار کی ڈوری سے، جو اس کی گردن میں حمائل تھی، پکڑا اور اسی کے ساتھ جکڑ کر انصاری ساتھیوں سے کہا: اسے اسی حالت میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے چلو اور وہاں بٹھا دو۔ اور اس خبیث کا خیال رکھنا کیونکہ اس کا کوئی اعتبار نہیں، پھر اسے اپنی گرفت میں لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ جب نبی ﷺ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو فرمایا: عمر! اسے چھوڑ دو۔ اور عمیر سے کہا: میرے قریب آؤ۔ وہ قریب آیا تو اس نے اِنْعَمُوا صَبَاحًا (صبح بخیر) کہا یہ اہل جاہلیت کا آپس میں سلام کرنے کا طریقہ تھا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

«أَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِتَحِيَّةٍ خَيْرٍ مِّنْ تَحِيَّتِكَ يَا عُمَيْرُ! بِالسَّلَامِ، تَحِيَّةُ أَهْلِ

[1] مسند أحمد: 1/27,26، حديث: 182، اس کی سند صحیح ہے۔

الْجَنَّةِ. فَقَالَ: فَمَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَيْرُ؟»

''اے عمیر! ہمیں اللہ تعالیٰ نے تم سے بہتر سلام عطا فرمایا ہے جو اہل جنت کا سلام ہے۔[1] پھر آپ ﷺ نے پوچھا: عمیر! تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

عمیر نے کہا: میں اس قیدی کے سلسلے میں آیا ہوں جو آپ کے پاس ہے۔ اس سے اچھا سلوک کیجیے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: ''اس تلوار کا تمھاری گردن میں کیا کام؟'' وہ بولا: اللہ ان تلواروں کا برا کرے جنھوں نے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ نبی ﷺ نے پھر پوچھا: ''سچ بتاؤ، تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' اس نے دوبارہ کہا: میں تو اسی کام کے لیے آیا ہوں۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: تمھاری بات صحیح نہیں۔ تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھے تھے۔ تم نے کنویں میں پھینکے جانے والے مقتول مکی سرداروں کا تذکرہ کیا، پھر تم نے کہا: اگر مجھے اپنے قرضے اور اہل و عیال کا ڈر نہ ہو تو میں جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر سکتا ہوں۔ صفوان بن امیہ نے اس شرط پر تمھاری طرف سے تمھارا قرضہ ادا کرنے اور تمھارے بچوں کی پرورش کا ذمہ لیا کہ تم مجھے قتل کر دو۔ اور اللہ میرے اور تمھارے درمیان حائل ہے۔''

یہ سن کر عمیر فوراً بول اُٹھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ہم آپ ﷺ کو اس امر کی وجہ سے جھٹلاتے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اور یہ معاملہ ایسا تھا جس میں میرے اور صفوان کے سوا کوئی شامل ہی نہیں تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کے پاس یہ خبر آسمان ہی سے آئی ہے۔ پس یقیناً تعریف کے لائق ہے وہ ذات جس نے مجھے ہدایت عطا فرمائی اور سیدھے راستے پر چلا دیا اور اس کے اسباب بھی فراہم فرما دیے، پھر اس نے حق کی شہادت دی۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو، اسے قرآن سکھلاؤ اور اس کا قیدی بھی چھوڑ دو۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی طرح کیا۔[2]

[1] صحيح السيرة النبوية للعلي، ص:259. [2] صحيح السيرة النبوية للعلي، ص:260.

اس قصے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی محتاط ترین چھٹی حس کا پتہ چلتا ہے جو اُنھی کا خاصہ تھی۔ جب عمیر آئے تو فوراً خبردار ہوگئے، اس سے محتاط رہنے کی تلقین کی اور اعلان کردیا کہ یہ شیطان ہے۔ یہ کسی بُرے ارادے سے آیا ہے کیونکہ اس کی سابقہ زندگی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ واقف تھے۔ وہ مکہ میں مسلمانوں کے درپے آزار رہتا تھا۔ اسی نے قریش کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اکسایا تھا اور معرکۂ بدر پیش آیا تھا۔ اس دن مسلمانوں کی تعداد جاننے کی ذمہ داری بھی اسی نے نبھائی تھی۔ اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے بچاؤ کی فوراً تدبیر کی اور اس کے گلے میں موجود تلوار کی ڈوری کو مضبوطی سے قابو کر کے اُسے بے بس کردیا کہ کہیں یہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف تلوار نہ اُٹھالے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دیگر ساتھیوں کو بھی نبی ﷺ کی حفاظت پر مامور کیا۔[1]

غزوۂ احد: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ جہاد کے میدانوں میں ہمت نہیں ہارتے تھے۔ وہ نہایت بلند ہمت تھے۔ ذلت ورسوائی کا راستہ ہرگز اختیار نہیں کرتے تھے، چاہے انھیں شکست کے واضح آثار ہی نظر آنے لگیں۔ اس کے باوجود وہ ثابت قدم رہتے تھے۔

احد کے دن ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ یہ وہ دوسرا بڑا معرکہ تھا جس میں خود رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس شریک تھے۔ معرکے کے اختتام پر ابوسفیان ایک جگہ کھڑا ہوگیا۔ اور بولا: کیا لوگوں میں محمد (ﷺ) موجود ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے جواب نہ دینا۔'' پھر وہ بولا: کیا لوگوں میں ابوقحافہ کا بیٹا موجود ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا جواب نہ دو۔'' پھر اس نے سوال کیا: کیا تم لوگوں میں خطاب کا بیٹا ہے؟ پھر وہ بولا: یہ سب قتل ہوگئے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کرسکے اور کڑک کر بولے: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ نے اُس چیز کو باقی رکھا ہے جس سے تیری رسوائی

[1] السيرة النبوية، عرض وقائع وتحليل أحداث للصلابي، ص: 868.

ہوگی۔ ابوسفیان نے کہا: اے ہبل! تو بلند ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے جواب دو۔'' لوگوں نے پوچھا: کیا جواب دیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: «قُولُوا: اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ» ''کہو کہ اللہ سب سے بلند اور بزرگ تر ہے۔'' ابوسفیان نے کہا: ہمارے پاس عزّیٰ ہے اور تمھارے پاس عزّیٰ نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «أَجِيبُوهُ» ''اس کا جواب دو۔'' صحابہ نے پوچھا: کیا جواب دیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: «قُولُوا: اَللّٰهُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ» ''تم جواب دو کہ اللہ ہمارا کارساز ہے اور تمھارا کوئی کارساز نہیں۔'' ابوسفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور لڑائی تو ڈول کی مانند ہوتی ہے۔ تم اپنے مقتولین کا مثلہ پاؤ گے، جس کا میں نے حکم نہیں دیا لیکن یہ امر مجھے بُرا بھی نہیں لگا۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں معاملہ برابر نہیں ہے۔ ہمارے مقتولین جنت میں اور تمھارے آگ میں ہیں۔ [2]

پھر ابوسفیان آگے بڑھا اور پوچھا: اے عمر! میں تمھیں قسم دیتا ہوں! بتاؤ کیا ہم نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں، بلاشبہ وہ اس وقت تیری باتیں سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: تو میرے نزدیک ابن قمئہ سے زیادہ سچا اور قابل اعتبار ہے۔ ابن قمئہ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا ہے۔ [3]

ابوسفیان کے سوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی توجہ سب سے زیادہ نبی ﷺ، ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی طرف تھی۔ اور کفار انھی شخصیتوں کو سب سے زیادہ اہمیت کا حامل سمجھتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ درحقیقت یہی افراد اسلام کے سرکردہ ہیں اور انھی کی وجہ سے اسلام کی عمارت، ارکان اور اسلامی ریاست قائم اور اسلامی نظام کی جڑیں مضبوط ہیں۔ انھیں یقین تھا کہ ان کی موت سے اسلام باقی نہیں رہے گا۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 4043، والسيرة النبوية الصحيحة: 392/2. [2] السيرة النبوية الصحيحة: 392/2. [3] صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 189.

ابوسفیان کو پہلے پہل جواب نہ دینے میں اس کی ذلت مقصود تھی۔ یہاں تک کہ جب وہ ان کی موت کا یقین کر کے جھوم اُٹھا اور تکبر سے لبریز ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حقیقت سے آگاہ کیا اور پورے زور سے اسے جواب دیا۔ [1]

غزوۂ بنو مصطلق: غزوۂ بنو مصطلق میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار امتیازی تھا۔ یہ قصہ ہم اس واقعہ کے شاہد سے سنتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ہم ایک غزوہ میں تھے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو پاؤں سے ضرب لگائی۔ انصاری نے انصار قبیلے کو اور مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لیے آواز لگائی۔ نبی ﷺ نے سنا تو فرمایا: «دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ» ''اس پکار کو چھوڑ دو یہ متعفن آواز ہے۔'' عبد اللہ بن ابی نے سنا تو بولا: کیا واقعی اس مہاجر نے ایسا کیا ہے؟ خبردار! اللہ کی قسم! جب ہم واپس مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے عزت والا ذلت والے کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سن لی۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں اس منافق کی گردن اتار دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگا ہے۔'' [2]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ عباد بن بشر کو حکم دیجیے کہ اسے قتل کر ڈالے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس صورت میں لوگ باتیں کریں گے کہ کیا محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرنے لگا؟ نہیں (ایسا نہیں ہوگا)۔'' پھر نبی ﷺ نے کوچ کا حکم دیا اور یہ کوچ ایسے وقت میں تھا کہ عموماً ایسے وقت میں نبی ﷺ کوچ کا حکم نہیں دیا کرتے تھے بہر حال لوگوں نے اسی وقت کوچ کیا۔ [3]

[1] السيرة النبوية الصحيحة: 392/2. [2] السيرة النبوية الصحيحة: 409/2. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 319/3.

اس قسم کے نبوی کردار اور ارشادات نبویہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحت اور فساد کے مواقع کی شناخت حاصل کی جو کہ نبی ﷺ کے فرمان:

«فَكَيْفَ يَا عُمَرُ! إِذَا تَحَدَّثَ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»

سے صاف ظاہر ہو رہا تھا۔[1]

یہی وقت تھا کہ اسلام کے سیاسی اثر و رسوخ کی مکمل حفاظت کرنا اور داخلی صفوں میں اتحاد و یگانگت کی فضا برقرار رکھنا نہایت ضروری تھا، ورنہ ایک بہت بڑا فرق اور فاصلہ آ جاتا کہ ایک طرف تو لوگ اصحابِ محمد ﷺ کی محمد ﷺ سے محبت کے چرچے کرتے۔ خود ابوسفیان نے کہا تھا کہ میں نے کسی کو محمد ﷺ کے ساتھ اصحاب محمد ﷺ جیسی محبت کرتا نہیں پایا۔[2] اور دوسری طرف لوگ یہ باتیں کرتے کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ بلاشبہ اس طرح دشمن کو مسلمانوں کی صفوں میں گھس آنے کے مواقع ہاتھ آ جاتے۔ جبکہ ابھی تک وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے انداز محبت اور جان نثاری کے جذبات کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتے تھے۔[3]

غزوۂ خندق: غزوۂ خندق کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور نبی ﷺ سے عرض پرداز ہوئے: اے اللہ کے رسول! سورج غروب ہونے کے قریب تھا، تب میں نے نماز عصر پڑھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «وَاللّٰهِ! مَا صَلَّيْتُهَا» ''اللہ کی قسم! میں نے تو ابھی تک ادا ہی نہیں کی۔'' پھر ہم وادئ بطحان میں اترے۔ نبی ﷺ اور ہم سب نے وضو کیا، پھر نبی ﷺ نے پہلے عصر پھر مغرب کی نماز ادا فرمائی۔[4]

---

[1] السيرة النبوية الصحيحة: 2/409. [2] التربية القيادية: 3/463. [3] التربية القيادية: 3/463. [4] صحيح البخاري، حديث: 596.

صلح حدیبیہ: صلح حدیبیہ کے دن نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں مکہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ مقصد یہ تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی طرف سے سفارت کے فرائض انجام دیں اور انھیں بتائیں کہ نبی ﷺ کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے قریش کی طرف سے جان کا خطرہ ہے اور بنو عدی بن کعب کا بھی کوئی آدمی میری حفاظت نہیں کرے گا۔ اور قریش میری دشمنی اور سختی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ میں آپ کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا مشورہ دیتا ہوں۔ وہ ان کے ہاں زیادہ قابل قدر سمجھے جاتے ہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ فرمایا تاکہ وہ ابوسفیان اور دیگر سرداران قریش سے مسلمانوں کی آمد کا مقصد بیان کریں اور بتائیں کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ [1]

اسی طرح جب صلح نامہ طے ہوگیا لیکن ابھی دفعات کو تحریری شکل دینے کا مرحلہ باقی تھا تو مسلمانوں کے درمیان اس صلح نامے کے خلاف سخت ردعمل سامنے آیا۔ خاص طور پر وہ دو آخری دفعات مسلمانوں پر شاق گزریں جن میں کہا گیا تھا کہ مسلمان پناہ گزینوں کو واپس بھیج دیا جائے گا۔ اور جو مسلمانوں میں سے مرتد ہوکر واپس چلا جائے گا اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ مزید برآں وہ شق بھی سخت غم و غصے کا باعث بنی جس میں اس سال مسلمانوں کو مکہ جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ وہ واپس مدینہ چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ ادا کریں۔

ان دفعات کی سب سے زیادہ مخالفت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، اسید بن حضیر (جو اوس کے سردار تھے) اور سعد بن عبادہ (جو خزرج کے سردار تھے) کی طرف سے سامنے آئی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس موقع پر اس معاہدہ کے خلاف کھل کر سامنے آئے۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا: کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 228/2، وأخبار عمر، ص: 34.

آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں!'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں!'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''کیوں نہیں!'' اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر مجھے بتایئے کہ ہمیں اپنے دین کے سلسلے میں اتنی ذلت کیوں اٹھانی پڑ رہی ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَلَسْتُ أَعْصِيهِ»

''بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔''[1]

ایک روایت میں ہے:

«أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، لَنْ أُخَالِفَ أَمْرَهُ وَلَنْ يُّضَيِّعَنِي»

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اللہ کے حکم کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرسکتا اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا آپ نے ہمیں یہ خبر نہیں دی تھی کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تمھیں یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ کا طواف کریں گے؟'' تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّكَ آتِيهِ وَمُطَوِّفٌ بِهِ» ''اے عمر! تو ضرور بیت اللہ جائے گا اور طواف کرے گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ کیا محمد ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر ہمیں اس طرح رسوا کیوں کیا جارہا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

[1] صحيح البخاري، حديث: 2731. [2] مسند أحمد: 325/4، حديث: 8910، وتاريخ الطبري: 634/2.

کو نصیحت فرمائی اور زور دیا کہ اے عمر! احتجاج اور اختلاف ختم کر دو اور نبی ﷺ کی ہر معاملے میں مکمل اطاعت کرو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہی برحق ہے اور ہم اللہ کے حکم کی ہرگز مخالفت نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا۔ [1]

ابو جندل رضی اللہ عنہ کے درد ناک اور اثر انگیز واقعے کے بعد ایک دفعہ پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے معاہدے پر نظر ثانی کی ضرورت پر زور دیا۔ کچھ صحابہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ از سرِ نو مرتب کرنے کا مشورہ دیا لیکن نبی ﷺ نے بڑے تحمل، صبر، دانائی اور فہم و فراست سے تمام معترض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس صلح نامہ کی مخالفت سے باز رکھا اور انھیں مطمئن فرمایا کہ یہ صلح نامہ مسلمانوں کے لیے بہتر اور نصرتِ ربانی کا آئینہ دار ہے۔ [2]

مزید فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ سَيَجْعَلُ لِلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنْ أَمْثَالِ أَبِي جَنْدَلٍ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا» ''اللہ تعالیٰ عنقریب ابوجندل رضی اللہ عنہ اور اس جیسے بہت سے مجبور مسلمانوں کی ضرور مدد فرما کر کوئی سبیل نکال دے گا......'' اور پھر حرف بحرف ایسا ہی ہوا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی جناب سے پاک صاف اور مثبت تنقید کا انداز سیکھا۔ اسی لیے ہم اُن کے دور خلافت میں دیکھتے ہیں کہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اظہار رائے کا حکم دیتے تھے، پھر ان کی تجاویز کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ [3]

اسلامی معاشرے میں آزادئ فکر کا بڑا مقام اور احترام ہے۔ ہر مسلمان اپنی رائے کا پوری آزادی سے اظہار کر سکتا ہے، چاہے اس کی رائے میں کسی بڑے سے بڑے حکمران پر تنقید کی گئی ہو۔ الغرض کوئی بھی مسلمان اپنا نقطۂ نظر بلا خوف و خطر پیش کرنے کا حق رکھتا

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 346/3. [2] صلح الحديبية، با شميل، ص: 270. [3] القيادة العسكرية في عهد رسول الله، ص: 495.

ہے۔ اسلامی معاشرے میں کسی قسم کے انجانے خوف اور زبردستی کا کوئی امکان یا جواز نہیں ہوتا جو انسان سے آزادیٔ فکر چھین لے۔ ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ کے سامنے جرأتِ سوال سے یہ حقیقت اخذ کر سکتے ہیں کہ کسی معاملے کے بارے میں حاکم کی رائے کے علاوہ کوئی دوسری رائے رکھنا کوئی جرم نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے عہد نامے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سرعام کھلی بحث اور تنقید کی اور رسالت مآب ﷺ نے سیدنا عمر کو نہایت خندہ پیشانی سے اظہار رائے کا پورا موقع مرحمت فرمایا اور سیدنا عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقید کا نہایت نرمی اور نوازش سے مدلّل جواب دیا...... دورِ حاضر میں جمہوریت کا کیسا زبردست ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے مگر کیا آج دنیا کی بڑی سے بڑی جمہوری حکومت کا سربراہ اختلاف رائے کو اُسی صبر وتحمل اور خندہ پیشانی سے سنتا اور برداشت کرتا ہے جس کا مظاہرہ عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت نے اپنے عمل سے فرمایا ہے۔ آج کل تو یہ حالت ہے کہ تنقید کرنے والے آدمی کو ڈیفنس رولز کے تحت فوراً جیل کی سلاخوں کے پیچھے اندھیری کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس بے قراری کے اظہار کا ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ اُن کے دل میں کسی قسم کا شک یا تردد تھا۔ وہ تو صرف اس معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے جو ان پر واضح نہ تھا۔ وہ اپنی فطرت کے مطابق کفر کو ذلیل ورسوا ہوتا دیکھنا چاہتے تھے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر جب اس صلح نامہ کی حقیقت آشکارا ہوئی تو اپنے فعل پر انتہائی نادم ہوئے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے حدیبیہ کے موقع پر جو طرزِ تکلم اختیار کیا تھا اس بنا پر میں ہمیشہ صدقہ وخیرات کرتا رہا، روزے رکھتا رہا، نفل پڑھتا رہا اور غلام بھی آزاد کرتا رہا یہاں تک کہ میرا دل مطمئن ہوگیا کہ اب شر کا کوئی پہلو باقی نہیں رہا۔ [3]

[1] غزوة الحديبية لأبي فارس، ص: 135,134. [2] صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 191. [3] مختصر منهاج القاصدين، ص: 293، وفرائد الكلام، ص: 139.

غزوۂ ہوازن: نبی ﷺ نے ہجرت کے ساتویں سال شعبان میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تیس (30) آدمیوں کی معیت میں ہوازن کی پشت کی جانب تربۃ کی طرف روانہ فرمایا جو قبلاء کی طرف مکہ سے چار مراحل پر واقع تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بنو ہلال قبیلہ سے تعلق رکھنے والے راستوں کی جان پہچان کے ایک ماہر کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو سفر کرتے تھے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ ہوازن والوں کو جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اچانک آمد کی خبر ملی تو وہ سب بھاگ نکلے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے ہوئے ان کے گھروں تک جا پہنچے۔ مگر جب وہاں کسی کو نہ پایا تو واپس مدینہ چلے آئے۔ [1]

ایک روایت کے مطابق بنو ہلال کے آدمی نے مشورہ دیا کہ اگر یہ لوگ بھاگ ہی گئے ہیں تو کیا ہوا؟ آپ چلتے رہیں اور خثعم قبیلے کی طرف پیش قدمی کریں۔ وہ لوگ ویسے بھی قحط سالی کی وجہ سے بدحالی کا شکار ہیں۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ان لوگوں کی طرف پیش قدمی کا حکم نہیں ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے صرف تربۃ میں ہوازن پر لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔ [2]

اس لشکر کشی سے تین نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں:

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قیادت کے اہل تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی ﷺ انھیں مسلمانوں کے لشکر کا قائد بنا کر اتنے خطرناک علاقے اور ایسے سخت قبیلے کی طرف ہرگز نہ بھیجتے جو بہت طاقتور، ظالم اور متکبر سمجھا جاتا تھا۔

② سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رات کو سفر اور دن کو پڑاؤ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچانک حملے کو بہترین جنگی حکمت عملی سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اچانک دشمن کے سر پر جا پہنچے اور دشمن ہیبت زدہ ہو کر فرار ہو گیا۔ اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے مختصر دستے کے ساتھ مشرکین کے بہت بڑے لشکر کو شکست دینے میں کامیاب ہوئے۔

[1] الطبقات لابن سعد:3/272. [2] السيرة النبوية لابن هشام:2/228، وأخبار عمر، ص:340.

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے قائد ﷺ کے احکام پر دل وجان سے ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ مکمل طور پر عمل کرنے والے تھے۔ وہ اپنے فقید المثال قائد کے حکم سے سرِ موانحراف نہیں کرتے تھے۔

آج کل پورے عالم میں اسی نظریے کو بنیادی فوجی قانون کی حیثیت حاصل ہے۔[1]

غزوۂ خیبر: غزوۂ خیبر کے موقع پر جب اللہ کے رسول ﷺ سرزمینِ خیبر پہنچے تو جھنڈا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ وہ چند افراد کی معیت میں آگے بڑھے۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَّجُلًا يَّفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ»

''میں کل یہ جھنڈا ضرور ایسے آدمی کے حوالے کروں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہے اور اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ محبت کرتے ہیں۔''

اگلے دن نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا، حالانکہ ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما جیسے افراد بھی اس جھنڈے کے طلب گار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے۔ انھیں آشوب چشم تھا۔ نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر اپنا لعاب مبارک لگایا اور جھنڈا عطا فرمایا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آگے بڑھی۔ ''مرحب'' سے آمنا سامنا ہوا تو اس نے کہا: سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ مسلح ہوں، تجربہ کار اور بہادر ہوں۔ کبھی میں نیزہ بازی اور کبھی شمشیر زنی کرتا ہوں۔ اس وقت جب جنگجو شیر غیظ وغضب میں آگے بڑھتے ہیں۔

پھر علی رضی اللہ عنہ اور مرحب کے مابین مقابلہ ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر وار کیا۔

[1] الفاروق القائد، شیت خطاب، ص: 118,117۔

مرحب کی زرہ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ تمام اہل لشکر نے اس کی آواز سنی۔ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قریب بھی نہ پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی۔ [1]

خیبر کے دن مسلمانوں کے ایک گروہ نے ایک آدمی کا تذکرہ کیا کہ وہ شہید ہو گیا ہے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كَلَّا، إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا، أَوْ عَبَاءَةٍ»

''ہرگز نہیں! بے شک میں نے اسے ایک چادر یا عبا کی خیانت کی وجہ سے آگ میں جلتے دیکھا ہے۔''

پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! اِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ: إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ»

''اے خطاب کے بیٹے! لوگوں میں اعلان کر دے کہ جنت میں صرف اہل ایمان ہی داخل ہوں گے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اسی وقت باہر نکلا اور اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف اہل ایمان ہی جائیں گے۔ [2]

فتح مکہ: قریش مکہ نے مسلمانوں سے غداری کی۔ حدیبیہ کا صلح نامہ توڑ دیا۔ اس کے بعد انھیں یہ خوف لاحق ہو گیا کہ اب مدینہ سے اس کا ردعمل سامنے آئے گا۔ انھوں نے ابوسفیان کو مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ اس معاہدے کی تجدید اور اس میں مزید توسیع کرا سکے۔ ابوسفیان مدینہ میں اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گیا۔ آپ کے سامنے اپنی گزارشات پیش کیں لیکن کوئی نتیجہ نہ

[1] صحيح البخاري، حديث: 4210، وصحيح مسلم، حديث: 1807. [2] مسند أحمد: 30/1، حديث: 203.

نکلا، پھر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور نبی ﷺ سے سفارش کی درخواست کی۔ انھوں نے صاف انکار کر دیا، پھر وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا: کیا تم مجھ سے سفارش کی اُمید رکھتے ہو؟ میرے پاس تو اگر چیونٹیوں کی ایک جماعت بھی ہو تب بھی میں تمھارے خلاف جہاد کروں۔[1] بہرحال نبی ﷺ نے فتح مکہ کی تیاری مکمل فرمالی تو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کی طرف ایک خط لکھ دیا۔ اس میں اس تیاری کا راز فاش کیا گیا تھا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے پیغمبر علیہ السلام پر آشکارا کر دی۔ نبی ﷺ نے فوری اقدام فرمایا اور یہ راز فاش ہوجانے سے پہلے ہی پکڑا گیا۔ نبی ﷺ نے حضرت مقداد اور علی رضی اللہ عنہما کو اس خصوصی مہم پر مامور فرمایا۔ انھوں نے تیزی سے تعاقب کیا۔ وہ مدینہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر خفیہ خط لے جانے والی عورت کو جا ملے اور اس سے کہا کہ اگر تم خط ہمارے حوالے نہیں کرو گی تو تمھاری مکمل جامہ تلاشی لی جائے گی۔ یہ سُن کر اس نے وہ خط اُن کے سپرد کر دیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے حضور طلب کیا گیا۔ حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھ پر فردِ جرم عائد کرنے میں جلدی نہ فرمائیے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں قریش میں سے نہیں ہوں۔ میں تو ان کا حلیف تھا۔ میرے علاوہ سب مہاجر بھائیوں کی وہاں رشتہ داریاں ہیں جس کے سبب وہاں اُن کے عزیز اور اموال محفوظ ہیں۔

میری صرف یہ خواہش تھی کہ میرا ان پر کوئی ایسا احسان ہوجائے جس کے باعث میرے رشتہ داروں کو تحفظ مل جائے۔ میں نے کوئی جرمِ ارتداد نہیں کیا کہ میں اسلام لانے کے بعد کفر سے راضی ہوا ہوں۔ نبی ﷺ نے حاطب کی بات سن کر فرمایا: ''تمھارا ساتھی سچ کہہ رہا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں، نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 265/2، وأخبار عمر، ص: 37.

«إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى مَنْ شَهِدَ بَدْرًا فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

''حاطب بدری صحابی ہے اور تجھے کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر سے فرما دیا ہو: ''اے اہل بدر! جو جی میں آئے کرو۔ میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔''[1]

حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ماخوذ سیرت عمر رضی اللہ عنہ کے چند گوشے:

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی استقامت: کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایمانی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حاطب کی گردن اُڑانے کی اجازت مانگی۔

② کبیرہ گناہ سے ایمان ختم نہیں ہوتا: حاطب نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔ اسلامی افواج کی جاسوسی کی تھی لیکن اس کے باوجود انھیں مسلمان سمجھا گیا۔

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب رضی اللہ عنہ پر نفاق کا لفظ لغوی معنوں میں استعمال کیا تھا، اصطلاحی معنوں میں نہیں: نفاق بناوٹی اسلام کو کہتے ہیں جس میں انسان باطن میں بدستور کافر رہتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اس کا باطن ظاہر کے مطابق نہ تھا کیونکہ اُس کا خط ارسال کرنا اس کے اُس ایمان کے منافی تھا جس کے سبب وہ بدر کے میدانِ جہاد میں نکلا تھا اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر سرفروشی کا مظاہرہ کیا تھا۔[2]

④ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فوراً اپنے آپ پر قابو پانا: جب نبی ﷺ نے انھیں حاطب کے قتل کی اجازت نہیں دی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اُس جوشِ غضب پر فوراً قابو پالیا جس کے زیر اثر وہ حاطب کو قتل کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ اب نبی ﷺ کی ممانعت کے بعد وہ جذبۂ انفعال اور خشیت الٰہی کی وجہ سے اشکبار ہوگئے۔ وہ فرماتے ہیں: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں کہ حاطب پر میری خفگی اللہ اور اس کے رسول کے لیے تھی۔ جب میں

[1] صحيح البخاري، حديث:4274. [2] السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 404.

نے دیکھا کہ اللہ اور رسول کی رضا کسی اور امر میں ہے تو میں نے فوراً اپنی غلطی کا احساس کرلیا۔ اور اپنے بدری بھائی سے حسن سلوک کی طرف متوجہ ہو گیا کہ وہ تو میرا مجاہد بھائی ہے جو ہر وقت جہاد کا خواہش مند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے جہاد کا موقع بھی عطا فرماتا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ مکہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ جب آپ ﷺ مر الظھران نامی جگہ تشریف لائے تو ابوسفیان کو اپنی جان کا ڈر پیدا ہوگیا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امان نامہ دلوانے کی پیشکش کی تو ابوسفیان اس پر آمادہ ہوگیا۔ عباس رضی اللہ عنہ اس قصے کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں نے ابوسفیان سے کہا: تیرا ستیاناس! اللہ کے رسول ﷺ تو اب سر پر آن پہنچے۔ اللہ کی قسم، قریشیو! اپنی جانیں بچاؤ۔ ابوسفیان بولا: تم پر میرے ماں باپ قربان! اب کونسا حیلہ اختیار کرنا ہوگا؟ میں نے جواب دیا: اگر تو پکڑا گیا تو رسول اللہ ﷺ تجھے ضرور قتل کر دیں گے۔ بس تو اس خچر پر سوار ہوجا! میں تجھے رسول اللہ ﷺ سے امان لے دیتا ہوں۔ ابوسفیان میرے پیچھے سوار ہوگیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔ میں اسے لے کر چلا۔ راستے میں جب ہم مسلمانوں کے روشن الاؤ کے قریب سے گزرے تو انھوں نے کہا: یہ کون ہے؟ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر مجھے دیکھتے تو صرف اتنا کہتے: اللہ کے رسول کے خچر پر آپ ﷺ کے چچا ہیں، پھر وہ راستے سے ہٹ جاتے تھے۔ جب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرا تو انھوں نے کہا: یہ کون ہے؟ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوراً میری طرف بڑھے۔ ابوسفیان کو میرے پیچھے سوار دیکھا تو چیخ اٹھے: اللہ کا دشمن ابوسفیان! اللہ کا شکر ہے کہ تو کسی پیشگی عہد اور امان کے بغیر ہی قابو آ گیا۔ یہ سُن کر ابوسفیان بھاگ کھڑا ہوا اور جلدی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کا پیچھا کرتے ہوئے آئے۔

[1] التاریخ الإسلامي: 7/176، 177.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! ابوسفیان کسی عہد کے بغیر ہی قابو آ گیا ہے۔ مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن اُڑا دوں۔

عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ کے رسول! ابوسفیان کو میں نے پناہ دی ہے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زیادہ جذباتی ہوگئے تو میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ٹھہر جا عمر! اگر بنوعدی کا کوئی آدمی ہوتا تو تیرا رویہ اتنا سخت نہ ہوتا تو صرف بنوعبد مناف سے ہونے کی وجہ سے ابوسفیان کے قتل کے درپے ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کیا: ٹھہر و اے عباس! سن لو! تمھارا اسلام لانا، جس دن تم اسلام لائے تھے، مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہوتا اگر وہ اسلام لے آتا کیونکہ مجھے علم تھا کہ تمھارا اسلام لانا پیغمبر ﷺ کو خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب تھا۔ نبی ﷺ نے یہ بحث سن کر فرمایا:

«اِذْهَبْ بِهٖ يَا عَبَّاسُ! إِلٰى رَحْلِكَ فَإِذَا أَصْبَحْتَ فَأْتِنِي بِهٖ»

''عباس! اب اسے اپنے گھر لے جاؤ صبح کو میرے پاس لے آنا۔''[1]

اس قصے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کا ایک دشمن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آڑ میں مجاہدین اسلام کے قریب سے ذلت ورسوائی کی حالت میں گزر رہا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی رضا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی گردن اُڑا دینا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کی قسمت میں بھلائی رکھی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی توفیق عنایت فرمائی اور اُس کا خون اور مال محفوظ کردیا۔[2]

غزوۂ حنین: غزوۂ حنین میں مشرکین نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کردیا۔ لوگ تیزی سے پلٹے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ نبی ﷺ دائیں جانب ہٹے اور پکارا:

---

[1] السيرة النبوية، ص: 518-520. [2] الفاروق مع النبي للدكتور عاطف لماضة، ص: 42.

«أَيْنَ أَيُّهَا النَّاسُ؟ هَلُمُّوا إِلَيَّ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ»

''اے لوگو! تم کہاں ہو؟ میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد (ﷺ) بن عبد اللہ ہوں......''

یہ صدائے مقدس کوئی نہ سن سکا۔ اونٹ آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ لوگ بکھر گئے۔ صرف انصار اور مہاجرین کے چند افراد اور آپ کے اہل بیت آپ کے ساتھ رہ گئے۔ مہاجرین میں سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور اہل بیت میں سے علی رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ ان کا بیٹا فضل رضی اللہ عنہ، ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور اس کا بیٹا اور ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ وغیرہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔''[1]

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اس غزوے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار بیان فرماتے ہیں: ہم حنین کے دن اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نکلے۔ معرکہ شروع ہوا۔ مسلمانوں پر پریشانی کے آثار دکھائی دیے۔ میں نے ایک مشرک کو ایک مسلمان پر چڑھائی کرتے دیکھا۔ میں نے پیچھے سے اس کے کندھے پر وار کیا۔ اس کی زرہ کٹ گئی۔ اسی اثنا میں وہ مڑا۔ اُس نے مجھے پکڑ کر دبایا، مجھے موت نظر آنے لگی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملا۔ میں نے دریافت کیا: لوگ کس حالت میں ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کا حکم!......، پھر وہ واپس چلے گئے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اس غزوے کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝﴾

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 289/2، وأخبار عمر، ص: 41. [2] صحيح البخاري، حديث: 4321، 4322.

”یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔“[1]

اس عارضی شکست کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی فرمائی۔ اپنے اولیاء کی مدد فرمائی۔ لوگ نبی ﷺ کی طرف پلٹے اور آپ کے گرد جمع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور اپنے لشکروں سے مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

”پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور جن لوگوں نے کفر کیا انھیں عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔“[2]

معرکۂ حنین کے بعد نبی ﷺ واپس ہوئے۔ جعرانہ نامی جگہ پہنچے۔ یہاں آپ ﷺ بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں جمع شدہ چاندی لوگوں میں تقسیم فرمانے لگے۔ اس دوران ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول (ﷺ)! انصاف کیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَيْلَكَ! وَمَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ؟ لَقَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ إِنْ لَّمْ أَكُنْ أَعْدِلُ»

”تیری ہلاکت ہو۔ اگر میں عدل نہ کروں تو پھر کون عدل کرے گا؟ میں اگر ایسا کروں تو اس وقت میں ناکام ونامراد ہوں گا۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے۔ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ مجھے اجازت دیجیے، میں اس منافق کی گردن اتار دوں، نبی ﷺ نے فرمایا:

[1] التوبۃ 9:25. [2] التوبۃ 9:26.

«مَعَاذَ اللّٰهِ! أَنْ يَتَحَدَّثَ النَّاسُ أَنِّي أَقْتُلُ أَصْحَابِي، إِنَّ هٰذَا وَأَصْحَابَهُ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنْهُ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»

''اللہ کی پناہ! لوگ باتیں بنائیں گے کہ میں اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں۔ بلاشبہ یہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔[1] یہ قرآن سے اس طرح گزر جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس کردار سے ان کی عظیم منقبت ظاہر ہوتی ہے، یعنی جب ان کے سامنے حرمتوں کی پامالی ہوتی تو اسے ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس شخص نے نبوت و رسالت پر حملہ کیا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اسے قتل کردوں۔ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کا ہر اُس آدمی کے خلاف یہی اقدام ہوگا جو نبوت ورسالت کا تقدس پامال کرنے کی کوشش کرے گا۔[3]

جعرانہ ہی میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کی یہ دیرینہ خواہش کہ وہ اللہ کے رسول کو نزول وحی کے وقت دیکھنا چاہتے ہیں، پوری کردی۔

صفوان بن یعلیٰ سے روایت ہے کہ ان کے باپ یعلیٰ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: کاش! میں نزول وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ کو دیکھ سکوں۔[4]

---

[1] اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے دل قرآن کو نہ سمجھیں گے، نہ وہ تلاوت قرآن سے مستفید ہوں گے اور وہ زبان اور گلے کی تلاوت سے آگے نہیں بڑھیں گے...... دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی بھی عمل بشمول تلاوت قبول نہیں ہوگا۔ [2] صحيح البخاري، حديث: 3138، وصحيح مسلم، حديث: 1063. [3] صحيح التوثيق في سيرة وحياة الفاروق، ص: 200. [4] محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب: 408/2.

صفوان کہتے ہیں: جب نبی ﷺ جعرانہ نامی جگہ پر تشریف فرما تھے، آپ ﷺ پر ایک کپڑے کے ذریعے سے سائے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جُھرمٹ میں فروکش تھے کہ ایک بدو آیا۔ اُس نے خوشبو میں بسا ہوا ایک جبہ پہن رکھا تھا۔ اس نے نبی علیہ السلام سے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی اپنے جُبے کو خوشبو سے معطر کرنے کے بعد عمرے کا احرام باندھ لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی رضی اللہ عنہ کو اشارے سے بلایا۔ یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ نبی ﷺ کا چہرۂ اقدس سرخ ہو رہا ہے اور خراٹے جیسی آواز آ رہی ہے، پھر تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ اب آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: وہ سائل کہاں ہے؟ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَمَّا الطِّيبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا، ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ»

''جو خوشبو تیرے بدن کو لگی ہے، اسے تین بار دھو ڈال اور جُبہ اتار دے، پھر اپنے عمرے میں اسی طرح عمل کر جس طرح حج میں کرتے ہو۔''[1]

غزوۂ تبوک: غزوۂ تبوک میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال اللہ کی راہ میں دے دیا اور جس وقت لوگوں کو بھوک لگی تو نبی علیہ السلام سے برکت کی دعا کی درخواست کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ تبوک کے دن خوراک کی قِلت ہو گئی۔ لوگوں نے نبی ﷺ سے سواری اور بار برداری والی اونٹنیوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی اور کہا کہ ہم ان کا گوشت بھی کھا سکیں گے۔ اور چربی بھی استعمال کر لیں گے۔ نبی علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اگر یہ لوگ ایسا کریں گے تو سواریاں کم پڑ جائیں گی۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ سب لوگ اپنی باقی ماندہ خوراک یکجا کر لیں اور آپ برکت کی دعا فرمائیں، چنانچہ لوگ مٹھی بھر گندم، کھجور یا

[1] صحيح البخاري، حديث:4985، وصحيح مسلم، حديث: 1180.

روٹی کا ایک ٹکڑا لانے لگے۔ اس طرح دسترخوان پر تھوڑا سا کھانا جمع ہو گیا۔ نبی ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ نے فرمایا: «خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ» ''اپنے برتن بھر لو۔'' سب نے اپنے برتن بھر لیے۔ پورے لشکر میں کوئی برتن خالی نہ رہا، پھر انھوں نے کھایا اور خوب سیر ہو گئے مگر کھانا پھر بھی باقی بچ گیا۔'' نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ»

''میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو بندہ صدق دل سے اس کا اقرار کرے گا، اللہ اُسے ضرور جنت میں داخل فرمائے گا اور کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔''[1]

یہ وہ چند کردار تھے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ کر ادا کیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ساتھ غزوات میں شرکت کر کے بہت سے نصائح اور فوائد حاصل کیے۔ انھی فوائد کے ذریعے وہ اپنے دورِ خلافت میں اللہ کے حکموں کی روشنی لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

رسول اللہ ﷺ سے کسبِ فیض کا والہانہ شوق اور اس کی اشاعت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر باشی کا انتہائی شوق رکھتے تھے۔ جب تک مجلس برخاست نہ ہو جاتی، وہ مجلس سے ہرگز نہ اٹھتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان گنے چُنے افراد میں سے تھے جنھوں نے نبی ﷺ کی مصاحبت اس وقت بھی ترک نہ کی جب لوگ مدینہ میں تجارتی قافلے کی آمد کی خبر سن کر آپ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے ہی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔[2]

[1] صحيح مسلم، حديث: 27. [2] الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان: 300/15، وصحيح مسلم، حديث: 863.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی مجلس میں بڑے ادب اور دھیان سے بیٹھتے تھے۔ مسائل کی وضاحت طلب فرماتے تھے اور ہر خاص وعام معاملات کی اچھی طرح تحقیق کرتے تھے۔ [1] انھوں نے نبی ﷺ سے پانچ سوانتالیس (539) احادیث روایت فرمائیں۔ [2] ایک روایت کے مطابق پانچ سوسینتیس (537) احادیث روایت فرمائیں۔ [3] ان میں سے چھبیس (26) روایات پر امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کا اتفاق ہے، جبکہ بخاری میں چونتیس (34) اور مسلم میں اکیس (21) روایات موجود ہیں۔ [4] اور بقیہ روایات دیگر کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ [5]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن کا تعلق ایمان، اسلام، احسان، قضاو قدر جیسے اہم موضوعات سے ہے۔ ایمانیات کے علاوہ انھوں نے علم، ذکر، دُعا، طہارت، نماز جنازہ، زکاۃ، صدقات، صیام، حج، نکاح، طلاق، نسب، فرائض، وصیت، معاشرت، معاملات، حدود، لباس، اکل و شرب، ذبائح، اخلاق، زہد، رقاق، مناقب، فتن، قیامت، خلافت و امارت اور قضا جیسے اُمور میں اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین نقل فرمائے ہیں۔ ان تمام احادیث کا علوم اسلامیہ میں ایک خاص مقام ہے جو ہمیشہ علوم اسلامیہ کی بنیاد اور سند تصور کی جاتی رہیں گی۔ [6]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مدنی معاشرے میں نبی ﷺ کی معیت میں بہت سی تعلیمی، تربیتی اور معاشرتی خدمات تھیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا عمر رضی اللہ عنہ سے سائل کے بارے میں سوال: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا:

---

① عمر بن الخطاب للدكتور علي الخطيب، ص: 108. ② تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص: 133. ③ عمر بن الخطاب للدكتور علي الخطيب، ص: 109. ④ دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين: 40/1. ⑤ عمر بن الخطاب للدكتور علي الخطيب، ص: 109. ⑥ عمر بن الخطاب للدكتور علي الخطيب، ص: 112.

''ایک دن وہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ خوبصورت بالوں والا ایک خوبصورت شخص آیا۔ اس نے سفید رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ لوگوں نے تعجب سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ہم نے اسے نہیں پہچانا۔ وہ شکل وصورت سے کوئی مسافر بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ اس نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی۔ اجازت عطا کی گئی تو وہ آگے بڑھا۔ اس نے اپنے گھٹنے نبی ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیے اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ لیے، پھر سوال کیا: اسلام کیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ مزید یہ کہ تو نماز قائم کرے، زکاۃ ادا کرے، روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے۔''

اس نے دوسرا سوال کیا: ایمان کیا ہے؟ نبی ﷺ نے جواب دیا: ''تو اللہ، فرشتوں، جنت، جہنم، موت کے بعد جی اٹھنے اور قضا وقدر پر ایمان لائے۔'' پھر اس نے سوال کیا: احسان کیا ہے؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو اللہ کے لیے اس طرح عمل کرے گویا اپنے رب کو دیکھ رہا ہے ورنہ کم از کم یہ خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

اس نے سوال کیا: قیامت کب قائم ہوگی؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس سلسلے میں مسئول (میں) سائل (تجھ) سے زیادہ نہیں جانتا۔'' اس نے سوال کیا: قیامت کی نشانیاں بتا دیجیے۔ آپ نے فرمایا: ''جس وقت ننگے بدن، ننگے پاؤں، فقیر لوگ جو بکریوں کے چرواہے ہوں گے عمارتیں بنانے کا باہم مقابلہ کریں گے اور لونڈیاں اپنے ہی مالکوں کو جنم دیں گی۔''

جب وہ آدمی چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اسے تلاش کرو لیکن وہ نہ مل سکا۔ دو یا تین دن کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے خطاب کے بیٹے! کیا تجھے علم ہے کہ وہ کون تھا جو یہ باتیں پوچھ رہا تھا؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھلانے آئے تھے۔''[1]

[1] (إسناده صحيح على شرط الشيخين) مسند أحمد: 27/1، حديث: 184.

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سید الرسل اور سید الملائکہ کے سوال و جواب کی روشنی میں اسلام، ایمان اور احسان کے مطالب انتہائی بہترین اسلوب میں سیکھے تھے۔

نبی ﷺ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یکساں رائے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم اللہ کے رسول کے گرد جمع تھے۔ مجمع میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ نبی ﷺ اچانک مجلس سے اٹھے اور کہیں چلے گئے۔ دیر تک جب واپسی نہ ہوئی تو ہمیں بڑی فکر دامن گیر ہوئی۔ ہم ڈر گئے کہ کہیں نبی ﷺ کے ساتھ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا۔ ہم سب فوری طور پر آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ میں سب سے پہلے گھبرا کر آپ ﷺ کی تلاش میں نکلا۔ ایک باغ کے قریب پہنچا۔ یہ باغ انصار کے قبیلے بنونجار کا تھا۔ میں نے باغ کے گرد چکر لگایا لیکن اندر داخلے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ پانی کا ایک نالہ باہر سے باغ کے اندر جا رہا ہے۔ میں نے اپنا جسم سکیڑا اور اندر داخل ہو گیا تو سامنے اللہ کے رسول ﷺ کو پایا۔ نبی ﷺ نے سوال کیا: ''کیا ابو ہریرہ ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں، اللہ کے رسول! نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' میں نے بتایا کہ آپ ہمارے ساتھ تھے، پھر آپ اٹھ کر چل دیے، دیر تک واپس نہ آئے، ہم گھبرا گئے، مبادا آپ کو کوئی حادثہ پیش آیا ہو۔ میں سب سے پہلے آپ کی تلاش میں نکلا۔ اس باغ تک آ پہنچا اور لومڑی کی طرح سکڑ کر اس نالے سے رینگتا ہوا اندر آ گیا۔ دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ؛ فَمَنْ لَقِيتَهُ مِنْ وَّرَآءِ الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ»

''(ابو ہریرہ!) میرے یہ جوتے لے جاؤ اور اس باغ سے باہر ملنے والے ہر اُس شخص کو جو یقین کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اسے

جنت کی بشارت دے دو۔“

چنانچہ مجھے سب سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ اور پوچھنے لگے: یہ نعلین کیسے ہیں؟ میں نے کہا: یہ اللہ کے رسول ﷺ کے نعلین مبارک ہیں۔ آپ ﷺ نے بنفس نفیس مجھے عطا فرمائے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھی مجھے ایسا ملے جو دل کے یقین سے یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسے میں جنت کی بشارت دوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا۔ میں پشت کے بل زمین پر گر پڑا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوہریرہ! واپس چلو۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا اور رونے ہی لگا تھا کہ پیچھے سے عمر بھی آگئے۔ مجھے دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”کیا ہوا ابوہریرہ؟“ میں نے عرض کیا کہ میری ملاقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے انھیں آپ ﷺ کا پیغام سنایا تو انھوں نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ میں پشت کے بل زمین پر گر پڑا۔ نبی ﷺ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وجہ دریافت فرمائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا آپ نے ابوہریرہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا تھا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہاں!“ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! ایسا نہ کیجیے۔ مجھے ڈر ہے کہ ایسی باتیں سن کر لوگ عمل میں سستی کریں گے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو منع فرما دیا۔[1]

اتباعِ رسول ﷺ ہی پر اکتفا کا درس: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا ایک ورق دیکھا تو فرمایا:

«أَمُتَهَوِّكُونَ فِيهَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا مَّا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي، وَفِي رِوَايَةٍ: أَنْ لَّوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ»

[1] صحيح مسلم، حديث: 31، و محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين: 258/1.

''اے خطاب کے بیٹے! کیا تم اس کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہو؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تحقیق میں تمھارے پاس صاف ستھرا اور روشن دین لے کر آیا ہوں۔ اگر صاحب کتاب موسیٰ علیہ السلام بھی (آج) زندہ ہوتے تو میری اتباع کیے بغیر ان کی نجات ممکن نہ ہوتی۔ ایک اور روایت میں ہے: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے، پھر تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو گمراہ ہوجاتے۔''[1]

زندگی کے آغاز اور جنت وجہنم کا تذکرہ: طارق بن شہاب فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: ''ایک دفعہ نبی ﷺ ہمارے ساتھ تھے۔ آپ نے ہمیں موجودات عالم کی ابتدا سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے تک کے تمام مراحل کی تفصیل بتائی۔ جس نے یاد رکھا سو یاد رکھا اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔''[2]

یہ حدیث اُن جملہ احادیث سے ہے جن سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا نظریہ اخذ فرمایا۔

آباء واجداد کی قسمیں کھانے کی ممانعت اور توکل علی اللہ کی ترغیب: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے آباء واجداد کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعد ازاں میں نے کبھی ایسی قسم نہیں کھائی۔ نہ کسی سے ایسی بات نقل کی جس میں قسم موجود ہو۔[3]

---

[1] مسند أحمد: 387/3، و الفتاوٰی: 232/11. (إسناده ضعيف) [2] صحيح البخاري، حديث: 3192. [3] الموسوعة الحديثية مسند أحمد: 18/1، حديث: 112، (إسناده صحيح على شرط البخاري)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے سنا:

«لَوْأَنَّكُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرَزَقَكُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ، تَغْدُو خِمَاصًا وَّتَرُوحُ بِطَانًا»

''اگر تم اپنے اللہ پر پوری طرح توکل کرلو تو وہ تمھیں پرندوں کی طرح رزق عطا فرمائے جو صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے لوٹتے ہیں۔''[1]

معذرت کا بہترین انداز: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ نبی ﷺ سے لوگوں نے اتنے سوالات کیے کہ آپ ﷺ کو غصہ آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ» ''جو چاہو مجھ سے سوال کرو۔''

ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اُس نے سوال کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا باپ حذافہ ہے۔'' پھر دوسرا شخص کھڑا ہوگیا اور پوچھنے لگا: میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ شیبہ کا غلام سالم ہے۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کے آثار دیکھے تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے اسی حالت میں «سَلُونِي» ''مجھ سے سوال کرو'' بار بار دہرانا شروع کر دیا تو) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہا: ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ خاموش ہوگئے۔[4]

استدلالِ عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ رسالت سے تصدیق: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

---

[1] الموسوعة الحديثية مسند أحمد :30/1، حديث :205 (إسناده قوي) [2] محض الصواب : 700/2. [3] صحيح البخاري، حديث : 92، وصحيح مسلم، حديث: 2360. [4] صحيح البخاري، حديث : 93، وصحيح مسلم : 2359.

ایک آدمی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ایک عورت میرے پاس سودا سلف خریدنے آئی۔ میں اسے گھر میں لے گیا اور اس کے ساتھ سوائے جماع کے سب کچھ کیا۔ یہ سُن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو ہلاک ہو، شاید اُس کا خاوند گھر سے دور جہاد کے لیے گیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! پھر وہ آدمی ابوبکر اور بعد ازاں نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ انھوں نے بھی اسی طرح فرمایا، پھر اس کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ۝﴾

''اور آپ نماز قائم کریں دن کی دونوں طرفوں (صبح و شام) اور رات کی کچھ گھڑیوں میں، بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ یہ (اللہ کا) ذکر کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔''[1]

اس آدمی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ حکم میرے لیے خاص ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: نہیں، یہ صرف آپ کے لیے نہیں بلکہ سب لوگوں کے لیے عام ہے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ''عمر سچے ہیں۔''[2]

صدقہ واپس لینے کا حکم؟ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے ایک دفعہ ایک گھوڑا اللہ کے راستے میں صدقہ کیا۔ اس کے مالک نے اسے بے کار بنادیا۔ میں نے اسے خریدنے کا ارادہ کرلیا اور اس بارے میں نبی ﷺ سے اجازت طلب کی تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَبْتَعْهُ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ، فَإِنَّ الَّذِي يَعُودُ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ»

''اسے مت خریدو۔ خواہ وہ اسے تمھارے ہاتھ ایک درہم میں بیچ ڈالے۔ بلاشبہ

[1] هود 11:114. [2] مسند أحمد: 245/1، حديث: 2206، قال أحمد شاكر: إسناده صحيح.

جو شخص اپنے کیے ہوئے صدقہ کو دوبارہ حاصل کرتا ہے وہ اُس کتے کی مانند ہے جو اپنی ہی قے کو چاٹ لیتا ہے۔‘‘ ①

صدقات وخیرات اور وقفِ املاک: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ’’سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے دور میں اپنی ’’ثمغ‘‘ نامی جگہ صدقہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس میں کھجور کے درخت بھی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے پاس عمدہ قسم کا مال ہے، میں اسے صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«تَصَدَّقْ بِأَصْلِهِ، لَايُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ، وَلَا يُورَثُ، وَلٰكِنْ يُّنْفَقُ ثَمَرُهُ»

’’(اے عمر!) اسے اس طرح وقف کرو کہ نہ اسے بیچا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ بطور وراثت کسی کو دیا جائے۔ صرف اس کی پیداوار (مستحقوں پر) خرچ کی جائے۔‘‘

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور اسے مساکین، غرباء، غلاموں، مسافروں اور رشتہ داروں کے لیے وقف کر دیا۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے نگران کو معروف طریقے سے اس کا میوہ کھانے کی اجازت بھی دی۔ اس کی بھی اجازت دی کہ وہ اپنے کسی دوست کو کھلائے لیکن اس کے لیے اسے سرمایہ بنانا یا ذخیرہ کرنا درست نہیں۔ ②

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر سے ایک قطعۂ اراضی حصہ میں ملا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! مجھے ایسا مال ملا ہے کہ پہلے کبھی ایسا مال نہیں ملا۔ آپ ﷺ مجھے اس بارے میں کیا مشورہ دیں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

① مسند أحمد: 40/1، حديث: 281 (إسناده صحيح على شرط الشيخين) وسنن أبي داود، حديث: 1593. ② صحيح البخاري، حديث: 2764.

«إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا»

''اگر تو چاہے تو زمین کو وقف کرکے اپنے پاس رکھ مگر اس کی پیداوار کو صدقہ کردے۔''

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا پھل فقراء، غلاموں، عزیز و اقارب، مسافروں اور مہمانوں کے لیے صدقہ کردیا، جبکہ اس کی زمین نہ فروخت ہوگی، نہ ہبہ کی جاسکے گی اور نہ وراثت میں دی جاسکے گی۔ اس کا نگران اس کا پھل ضرورت کے مطابق کھالے یا اپنے کسی دوست کو کھلا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ذخیرہ اندوزی کی اجازت نہیں ہوگی۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس کردار سے ان کی فضیلت کے ساتھ ساتھ بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ دنیائے فانی پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے تحائف:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو ریشم کا حلہ بیچتے ہوئے دیکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! اسے خرید لیجیے تاکہ وفود کی آمد کے وقت آپ ﷺ اسے پہن سکیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ»

''ریشم تو وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔''

کچھ عرصہ بعد نبی ﷺ نے اس جیسا حلہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے اٹھائے ہوئے نبی ﷺ کے حضور پیش ہوئے اور عرض کیا: «بَعَثْتَ إِلَيَّ بِهٰذِهِ،

---

[1] صحيح البخاري، حديث:2772.

وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَّا قُلْتَ؟» ''آپ نے یہ لباس مجھے بھیج دیا، حالانکہ آپ نے عطاردی حلے کے بارے میں یہ یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا بَعَثْتُ إِلَيْكَ لِتُصِيبَ بِهَا مَالًا» ''میں نے اس لیے یہ بھیجا کہ تم اس قیمتی چیز کو بطور مال رکھ لو۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ایک غیر مسلم بھائی کو مکہ ارسال کر دیا۔[2]

نبی ﷺ نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی تحفہ عطا فرمایا، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں اکٹھے تھے۔ میں اپنے باپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک سرکش اونٹ پر سوار تھا۔ وہ جوان اونٹ تھا۔ سرکشی کرتا تھا۔ اور آگے نکل جاتا تھا۔ اسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ڈانٹتے تھے اور واپس پیچھے دھکیل دیتے تھے۔ نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «بِعْنِيهِ» ''یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: «هُوَ لَكَ يَارَسُولَ اللّٰهِ!» ''اونٹ بلا قیمت آپ کی نذر ہے۔'' نبی ﷺ نے پھر فرمایا: «بِعْنِيهِ» ''اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ بیچ دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ! تَصْنَعُ بِهِ مَا شِئْتَ» ''اے عبداللہ! یہ اونٹ تیرے لیے ہے تو اس کا جو چاہے کر۔''[3]

بیٹے کی حوصلہ افزائی: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَّا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَهِيَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ، حَدِّثُونِي مَا هِيَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَادِيَةِ، وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: فَاسْتَحْيَيْتُ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ،

[1] صحيح مسلم، حديث:2068. [2] صحيح البخاري، حديث:5981. [3] صحيح البخاري، حديث:2115.

أَخْبِرْنَا بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هِيَ النَّخْلَةُ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَحَدَّثْتُ أَبِي بِمَا وَقَعَ فِي نَفْسِي، فَقَالَ: لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَّكُونَ لِي كَذَا وَكَذَا»

''ایک درخت ہے اس کی مثال مومن کی سی ہے۔ اس کے پتے نہیں گرتے۔ بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگ جنگل کے درختوں کے بارے میں سوچنے لگے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں حیا کی وجہ سے خاموش رہا۔ لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ ہی فرمائیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔ عبداللہ فرماتے ہیں: میرے دل میں کھجور کے درخت کا جو خیال آیا تھا اس کا تذکرہ میں نے اپنے باپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تو انھوں نے فرمایا: اگر تو جواب دے دیتا تو یہ میرے لیے ایسے ایسے بڑے خزانوں سے بھی بہتر ہوتا۔''[1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بشارت پہنچانے کی کوشش: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خوشخبری کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ''ایک دفعہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے چند معاملات کے بارے میں رات دیر تک گفتگو کی، پھر ہم وہاں سے باہر نکل آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں نماز ادا کرنے میں مصروف ہے۔ نبی ﷺ وہاں رک گئے۔ اس کی تلاوت سننے لگے۔ قریب تھا کہ ہم اسے پہچان لیتے کہ اچانک نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّقْرَأَ الْقُرْآنَ رَطْبًا كَمَا أُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَائَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ» ''جو آدمی قرآن کریم کو اسی طرح تروتازہ پڑھنا چاہتا ہو جس طرح نازل ہوا تو وہ ابن ام عبد کا لہجہ اختیار کرے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر وہ آدمی بیٹھ کر دُعا میں مصروف ہوگیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «سَلْ تُعطَهُ، سَلْ

[1] صحيح البخاري، حديث: 131.

تُعْطَهُ» ''مانگ! تجھے دیا جائے گا، مانگ! تجھے دیا جائے گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اللہ کی قسم! میں صبح اسے یہ خوشخبری ضرور سناؤں گا۔ جب صبح میں اس کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے پہلے وہاں موجود تھے۔ اللہ کی قسم! میں نے جب بھی کسی نیکی میں آگے بڑھنے کی کوشش کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ اپنے سے آگے ہی پایا۔''[1]

بدعت کی مخالفت: مسور بن مخرمہ اور قبیلہ قارہ کے ایک شخص عبدالرحمان بن عبد فرماتے ہیں کہ ہم نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا انھوں نے فرمایا: ''میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو ایک دفعہ آپ ﷺ کی زندگی میں سورۂ فرقان پڑھتے سنا۔ وہ ایسے لہجے میں قرآن پڑھ رہے تھے جو میرے اس لہجے کے سراسر خلاف تھا جس لہجے میں اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے پڑھایا تھا۔ قریب تھا کہ میں دوران نماز ہی میں اسے دبوچ لیتا لیکن میں نے بمشکل صبر کیا۔ نماز مکمل ہوئی۔ میں نے اسے اس کی چادر سمیت ہی دبوچ لیا اور کہا: جس لہجے اور قراءت میں تو قرآن پڑھ رہا تھا، وہ تجھے کس نے پڑھایا ہے؟ اس نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح تعلیم دی ہے۔ میں نے کہا: تُو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ کی قسم! یہی سورت مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے کسی اور لہجے میں پڑھائی ہے۔ میں اُسے ساتھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ سورۂ فرقان ایسے لہجے اور قراءت میں پڑھ رہا ہے، حالانکہ آپ نے مجھے تو اس طرح یہ سورت نہیں پڑھائی۔ نبی ﷺ نے ہشام سے فرمایا: «يَا هِشَامُ اقْرَأْهَا» ''ہشام! پڑھو۔'' جب ہشام نے اپنے یاد کیے ہوئے طریقے پر سورت پڑھی تو نبی ﷺ نے فرمایا: «هٰكَذَا أُنْزِلَتْ» ''یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔'' پھر فرمایا: «اِقْرَأْ يَا عُمَرُ» ''عمر آپ پڑھو۔'' میں نے اس طرح پڑھی جس طرح نبی ﷺ نے مجھے پڑھائی

[1] الموسوعة الحديثية مسند أحمد: 27/1، حديث: 175. (إسناده صحيح)

تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «هٰكَذَا أُنْزِلَتْ» ''یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔'' پھر فرمایا: «إِنَّ هٰذَاالْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ» ''قرآن کریم سات لہجوں میں نازل ہوا ہے جو آسان لگے اسی میں پڑھ لو۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خود داری: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا: ''نبی ﷺ نے ایک دفعہ مجھے مال عطا فرمایا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھ سے زیادہ جو محتاج ہو اسے عطا کیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «خُذْهُ، وَمَا جَائَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ، وَمَا لَا، فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ» ''یہ مال لے لو۔ اسی طرح جو مال خود بخود بغیر طمع اور سوال کے حاصل ہو اس کا انکار نہ کرو۔ اور ایسی صورت نہ ہو تو اس کے پیچھے نہ پڑو۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعا: نبی ﷺ نے ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بدن پر قمیص یا ایک روایت کے مطابق کوئی لباس دیکھا تو فرمایا:

«أَجَدِيدٌ ثَوْبُكَ أَمْ غَسِيلٌ؟ فَقَالَ: بَلْ غَسِيلٌ، فَقَالَ: إِلْبَسْ جَدِيدًا، وَّعِشْ حَمِيدًا، وَّمُتْ شَهِيدًا»

''تیرا یہ لباس نیا ہے یا دھویا ہُوا (پرانا) ہے؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو دھویا ہُوا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تو نیا کپڑا پہنے، عزت کی زندگی گزارے اور تجھے شہادت کی موت نصیب ہو۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کی ذات سے برکت کے حصول پر یقین: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میرا باپ فوت ہوگیا۔ اس پر ایک یہودی کا تیس (30) وسق کھجور قرضہ تھا۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4992، وصحيح مسلم، حديث: 818. [2] صحيح مسلم، حديث: 1045. [3] حسنه الألباني في السلسلة الصحيحة، حديث: 352، وصحيح الجامع، حديث: 1234.

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے مہلت مانگی اس نے انکار کر دیا۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں گیا تاکہ آپ ﷺ میری کوئی سفارش فرمائیں۔ نبی ﷺ نے یہودی سے گفتگو فرمائی اور کہا کہ تم جابر کے باغ کا سارا پھل اس قرضے کے عوض لے لو لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا، پھر نبی ﷺ آئے اور کھجور کے باغ کا چکر لگایا، پھر فرمایا: «جُدَّ لَهٗ فَأَوْفِ لَهُ الَّذِي لَهٗ» ''اے جابر! اب کھجور اتارو اور اس کا قرضہ ادا کرو۔'' نبی ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے کھجوریں اتاریں تو تیس (30) وسق قرض ادا کرنے کے بعد بھی سترہ (17) وسق کھجوریں بچ گئیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کو خبر دینے آئے۔ آپ ﷺ عصر کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ فارغ ہوئے تو جابر رضی اللہ عنہ نے خبر دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «أَخْبِرْ بِذٰلِكَ ابْنَ الْخَطَّابِ» ''جاؤ ابن خطاب کو بھی اس کی خبر دو۔'' جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں بھی برکت کا قصہ سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: «لَقَدْ عَلِمْتُ حِينَ مَشٰى فِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيُبَارَكَنَّ فِيهَا» ''جب اللہ کے رسول ﷺ نے تیرے باغ کا چکر لگایا تھا مجھے علم ہو گیا تھا کہ اس باغ میں ضرور برکت ہوگی۔''[1]

حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کا رسول اللہ ﷺ سے نکاح

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب حفصہ کا خاوند خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ مدینہ میں فوت ہو گیا تو میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں حفصہ سے نکاح کرنے کا کہا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے سوچنے کا وقت مانگا۔ چند دنوں کے بعد دوبارہ عثمان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی۔ انھوں نے معذرت کر لی اور کہا کہ میں ان دنوں نکاح کا خواہش مند نہیں، پھر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کردوں؟ وہ خاموش رہے۔ مجھے عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رنج ہوا۔ چند دنوں کے

[1] صحيح البخاري، حديث:2396.

بعد رسول اللہ ﷺ نے حفصہ سے نکاح کا پیغام بھیجا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حفصہ کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: عمر! جس دن میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تمھیں کوئی جواب نہیں دیا تھا، شاید تمھیں مجھ پر رنج ہُوا ہوگا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر! ایسی بات اس لیے تھی کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے (اپنے لیے) حفصہ کے بارے میں بات کی تھی۔ میں رسول اللہ ﷺ کا راز افشا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر آپ ﷺ انکار فرماتے تو میں ضرور حفصہ سے نکاح کر لیتا۔''[1]

ازواج مطہرات کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میری کوشش تھی کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی ان دو ازواج مطہرات کا قصہ سنوں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا:

﴿اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ۚ﴾

''اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ کرو (تو تمھارے لیے بہتر ہے) پس یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں۔''[2]

چنانچہ حج کا موسم آگیا۔ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ راستے میں ایک جگہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لیے مڑ گئے۔ میں بھی ہاتھ میں پانی کا برتن لیے مُڑ گیا۔ وہ قضائے حاجت سے فراغت کے بعد آئے تو میں نے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ انھوں نے وضو کیا۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! ازواجِ مطہرات میں سے وہ کون سی دو خواتین تھیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ۚ﴾؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تعجب کی بات ہے اے ابن عباس!......

[1] صحيح البخاري، حديث: 5122. [2] التحريم 66:4.

علامہ زہری فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ ناگواری کا اظہار فرمایا لیکن ان سے کوئی سوال کیا نہ کچھ چھپایا اور فرمایا: وہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ فرمایا: ہم قریش اپنی عورتوں پر رعب و غلبہ رکھتے تھے۔ جب مدینہ آئے تو دیکھا کہ عورتیں مردوں پر حاوی ہیں۔ ہماری عورتیں بھی یہی رنگ پکڑنے لگیں۔ میرا گھر بنو امیہ بن زید کے محلے میں عوالی میں تھا۔ مین ایک دن اپنی بیوی سے ناراض ہوگیا۔ اس نے مجھ سے تکرار کی۔ میں نے اس سے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا: اللہ کی قسم! نبی کی بیویاں بھی ایسا ہی کرتی ہیں حتی کہ سارا سارا دن قطع کلامی کیے رہتی ہیں۔ میں فوراً حفصہ کے پاس پہنچا اور پوچھا: کیا تو اللہ کے رسول ﷺ سے تکرار اور بحث کرتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا تم ان سے دن بھر قطع تعلقی بھی کرتی ہو؟ حفصہ نے کہا: ہاں! تو میں نے کہا: تم میں سے جو بھی اس طرح کرے وہ ناکام ہوئی اور گھاٹے میں رہی۔ کیا تمھیں احساس نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کے سبب اللہ تعالیٰ تم پر ناراض ہوسکتا ہے۔ آئندہ رسول اللہ ﷺ سے بحث و تکرار اور قطع تعلقی نہ کرنا، نہ اُن سے کچھ طلب کرنا۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لینا۔ تمھیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ تمھاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ ان کا اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرا ایک انصاری پڑوسی تھا۔ ہم باری باری رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن وہ جاتے اور ایک دن میں جاتا۔ اور وحی کا علم حاصل کرتے اور ایک دوسرے کو بتاتے تھے۔ ہم ان دنوں شاہِ غسان کے بارے میں باتیں کرتے تھے کہ وہ ہم سے جنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ ایک دن میرے انصاری بھائی کی باری تھی۔ اس نے واپسی پر شام کے وقت میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھے آواز دی۔ میں باہر نکلا تو اس نے کہا: بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا غسان نے حملہ

کر دیا؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑا حادثہ رُونما ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا: حفصہ ناکام اور گھاٹے میں رہی۔ مجھے یہی ڈر تھا۔ میں نے صبح کی نماز پڑھی۔ تیاری کی اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا۔ وہ بیٹھی رو رہی تھی۔ میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تمھیں طلاق دے دی ہے؟ اُس نے کہا: مجھے علم نہیں۔ وہ ہم سے الگ ہیں اور بالا خانے میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کے ایک سیاہ فام غلام سے حاضری کی اجازت کے لیے کہا۔ غلام گیا اس نے واپس آ کر بتایا کہ میں نے خبر دے دی ہے مگر آپ ﷺ خاموش رہے۔ کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا۔ میں منبر کے پاس آ گیا۔ وہاں کچھ لوگ افسردہ بیٹھے تھے۔ بعض تو رو بھی رہے تھے۔ میں تھوڑی دیر وہاں رکا، پھر بے تاب ہو گیا۔

اُس سیاہ فام کے پاس دوبارہ آیا اور اجازت طلب کرنے کے لیے اندر بھیجا۔ وہ پھر واپس آیا تو بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ خاموش ہیں۔ کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا تو میں جلدی سے پلٹا۔ اچانک غلام کی آواز آئی کہ آپ اندر جا سکتے ہیں۔ میں نے پوچھا: کیا اجازت مل گئی ہے؟ اُس نے کہا: ہاں، میں اندر داخل ہوا۔ سلام عرض کیا۔ نبی ﷺ ایک باریک بُنی ہوئی چٹائی پر ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔ چٹائی کے نشان نبی ﷺ کے جسم مبارک پر صاف نظر آ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے سر اُٹھایا اور فرمایا: نہیں، میں نے اللہ اکبر کہا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے۔ اب ہم مدینہ میں ایسے لوگوں کے پاس آئے ہیں جن پر عورتوں کا غلبہ ہے۔ ہماری عورتیں بھی ان سے یہی کچھ سیکھ رہی ہیں۔ میں ایک دن اپنی بیوی سے ناراض ہوا تو وہ مجھ سے بحث و تکرار کرنے لگی۔ مجھے اچھا نہ لگا۔ اس نے کہا: کیا میری تکرار پسند نہیں؟ اللہ کی قسم! ازواج مطہرات بھی نبی ﷺ سے تکرار کرتی ہیں۔ بسا اوقات سارا سارا دن قطع تعلقی بھی کر لیتی ہیں۔ میں نے کہا: ایسا

کرنے والی ناکام اور خسارے میں ہے۔ کیا انھیں ڈر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کے باعث ان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ ایسا ہوا تو وہ ہلاک ہو گئیں۔ نبی ﷺ یہ یہ گفتگو سن کر مسکرائے۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں حفصہ کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ تجھے کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے۔ تیری سوکن تجھ سے زیادہ خوبصورت اور رسول اللہ ﷺ کو تجھ سے زیادہ محبوب ہے۔ نبی ﷺ پھر مسکرائے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ کیا میں آپ ﷺ کا دل بہلانے کے لیے یہاں ٹھہر سکتا ہوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' میں وہاں بیٹھ گیا۔ میں نے سارے گھر میں نظر دوڑائی۔ مجھے سوائے چمڑے کے تین ٹکڑوں کے کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ اللہ آپ کی اُمت پر آسانیاں فرمائے۔ فارس اور روم والوں کو دیکھیے کس قدر آسودہ حال لوگ ہیں، حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر فرمایا:

«أَفِي شَكٍّ أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ أُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا»

''اے ابن خطاب! کیا تو کسی شک میں مبتلا ہے؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جنھیں ان کی عمدہ چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں۔''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیے۔ اصل بات یہ تھی کہ نبی ﷺ نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنی بیویوں کے پاس ایک مہینے تک نہیں جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو ازواج مطہرات کی طرف سے کچھ رنج پہنچا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تنبیہ فرمائی۔''[1]

[1] الموسوعة الحديثية مسند أحمد:33/1، حديث:222. (إسناده صحيح على شرط الشيخين)

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ وہ کردار تھا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی معاشرے میں ادا کیا۔ ہم نے اسے یہاں یکجا کر دیا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بہت سے تمغے حاصل کیے جن سے ان کا فضل و کمال، دین اور علم کی گہرائی عیاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ اب ہم اللہ کے فضل سے ان کے مناقب بیان کریں گے۔

فضائل ومناقب

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فضیلت ومنقبت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرا نمبر ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ مطلق طور پر سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔ ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی موقف ہے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جو ان کے فضل وکمال پر دلالت کرتی ہیں۔ چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

ایمان، علم اور دین

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایمانی مرتبے کے بارے میں عبداللہ بن ہشام فرماتے ہیں:

«كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَّفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَّفْسِكَ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللّٰهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَّفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَلْآنَ يَا عُمَرُ»

---

[1] عقيدة أهل السنة والجماعة في الصحابة الكرام للدكتور ناصر بن علي عائض حسن الشيخ: 243/1.

''ہم ایک دفعہ نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ نبی ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایسے تو بات نہیں بنے گی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب تک کہ تم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ سمجھو'' پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! اب بات بنی ہے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ شَرِبْتُ، يَعْنِي اللَّبَنَ، حَتّٰى أَنْظُرَ إِلَى الرَّيِّ يَجْرِي فِي ظُفُرِي، أَوْ فِي أَظْفَارِي، ثُمَّ نَاوَلْتُ عُمَرَ، فَقَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ؟ قَالَ: اَلْعِلْمَ»

''میں ایک دفعہ سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب دیکھا۔ بحالت خواب میں نے دودھ پیا حتی کہ میں نے اپنے ناخنوں تک سیرابی محسوس کی، پھر باقی دودھ میں نے عمر کو دے دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''(اس کی تعبیر) علم کے ساتھ (ہے)۔''[2]

دودھ کو علم سے تشبیہ دینے میں بہت سی وجوہ کارفرما ہیں۔ علم اور دودھ دونوں صلاحیت کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں۔ دودھ جسم کی اور علم روح کی غذا ہے، بہرحال اس حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی انتہائی منقبت اور فضیلت پائی جاتی ہے۔

خواب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ہر قسم کے خواب کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6632، و الصحيح المسند في فضائل الصحابة، ص: 66.

[2] صحيح البخاري، حديث: 3681.

چاہے وہ انبیاء کے خواب ہی کیوں نہ ہوں۔ ان میں بعض قابل تعبیر اور بعض حقیقت پر محمول کیے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا فرمانِ رسول ﷺ میں ذکر کردہ علم سے مراد کتاب اللہ اور سنت رسول کے ذریعے سے لوگوں کے معاملات ومسائل کی تدبیر کا علم ہے ۔ اس خواب کی تعبیر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں اس لیے ارشاد فرمائی گئی کہ ان کا زمانہ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ طویل تھا۔ ان کی خلافت پر سب کا اتفاق تھا جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بعض تحفظات اور اختلافات پائے جاتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ نسبتاً کم تھا۔ اس میں فتوحات بھی بہت کم ہوئی تھیں۔ بنابریں باہمی اختلافات کی کوئی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت طویل تھا اس کے باوجود اس میں یگانگت پائی جاتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی حدود اربعہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ مختلف قسم کے اقوال و آراء معرض وجود میں آئے۔ جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دور رعایا کی یگانگت میں منفرد تھا عثمان رضی اللہ عنہ کا دور اس طرح نہ رہا۔ یہی سبب تھا کہ فتنے ظاہر ہوئے اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ بعد ازاں علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مزید اختلافات اور فتنوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دین کے بارے میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَ عَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِّنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ دُونَ ذٰلِكَ، وَمَرَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَّجُرُّهُ، قَالُوا: مَاذَا أَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الدِّينَ»

”ایک دفعہ میں سویا ہوا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے۔ اور ان (کے بدن) پر قمیصیں تھیں۔ بعض لوگوں کی قمیصیں صرف سینے

تک تھیں اور بعض کی اس سے بڑی تھیں۔ جب سیدنا عمر گزرے تو ان کی قمیص زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”(اس کی تعبیر) دین کے ساتھ (ہے)۔“[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا رعب اور شیطان کی مرعوبیت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت نبی ﷺ کے پاس کچھ قریشی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اتنی اونچی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں کہ ان کی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند ہو رہی تھیں۔ جب ان عورتوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو وہ جلدی سے حجاب میں چلی گئیں۔ نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حاضری کی اجازت عطا فرمائی۔ وہ آئے تو نبی ﷺ مسکرا رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ آپ ﷺ کو اسی طرح خوش و خرم رکھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِي كُنَّ عِنْدِي فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ، اِبْتَدَرْنَ الْحِجَابَ» ”مجھے ان عورتوں پر تعجب ہے جو ابھی میرے پاس بیٹھی تھیں۔ جب انھوں نے تمھاری آواز سنی تو جلدی سے پردے میں چلی گئیں۔“ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ زیادہ مستحق ہیں کہ آپ سے ڈرا جائے، پھر وہ عورتوں سے مخاطب ہوئے اور کہا: کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتی؟ عورتوں نے جواب دیا: ہاں، اس لیے کہ آپ تندخو اور سخت غصے والے ہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: «إِيهًا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ» ”خطاب کے بیٹے! کوئی اور بات کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! شیطان اس راستے پر

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2390.

ہرگز نہیں چلتا جس راستے پر تم چلتے ہو (تمھیں دیکھ کر شیطان اپنا راستہ بدل لیتا ہے)۔"[1]

اس حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مبنی برحق اقدامات کی وجہ سے شیطان ان تک رسائی میں ناکام رہتا تھا۔[2]

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا تذکرہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک رسائی کا کوئی راستہ نہیں ملا لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ معصوم عن الخطا ہیں۔ اس میں تو صرف یہ ذکر ہے کہ شیطان کا راستہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے راستے سے الگ ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شیطان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر کبھی وار ہی نہیں کرسکتا تھا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث کے مفہوم سے عصمت فاروق واضح ہوتی ہے کیونکہ جب شیطان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے راستے سے بھی نہیں گزر سکتا تو اس کا وسوسہ تو بدرجۂ اولیٰ ان پر اثر انداز نہیں ہوسکتا تھا، یعنی وہ شیطان کی وسوسہ کاریوں سے بالکل محفوظ ہوگئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عصمت صرف نبی کو حاصل ہوتی ہے جبکہ کسی اور کے حق میں (بسا اوقات) صرف ممکن ہوتی ہے۔

طبرانی اوسط کی ایک روایت میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَلْقٰى عُمَرَ مُنْذُ أَسْلَمَ إِلَّا خَرَّ لِوَجْهِهٖ»

"بلاشبہ جب سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے شیطان انھیں دیکھ کر بے اختیار گر پڑتا تھا۔"[3]

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دین کے معاملے میں بڑے مضبوط تھے اور ہمیشہ خالص حق پر کاربند رہتے تھے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ شیطان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر واقعی بھاگ جاتا تھا۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث:3683، وصحيح مسلم:2396. [2] عقيدة أهل السنة والجماعة: 348/1. [3] المعجم الأوسط للطبراني:86/3، حديث:3943.

عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے یہ بطور مثال ہو اور اس کا مطلب یہ ہو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شیطانی راستہ چھوڑ کر ہمیشہ راہِ حق پر چلتے تھے اور ہر شیطانی امر کے مخالف تھے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا معنیٰ مُراد لینا بہتر ہے۔[1]

صاحبِ الہام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِّنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ، فَإِنْ يَّكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ»

''تحقیق تم سے پہلی امتوں میں الہام یافتہ لوگ ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی الہام یافتہ شخص ہے تو وہ عمر ہے۔''[2]

اس حدیث میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت بیان کی گئی ہے۔ علمائے کرام نے ''محدَّث'' کی مراد متعین کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ ''محدث'' کے معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ انھیں الہام ہوتا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الہام سے مراد ہے کہ ان کی زبان پر بلاقصد حق جاری ہو جاتا تھا۔ تیسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے، اس کے باوجود فرشتے ان سے کلام کرتے تھے لیکن نظر نہیں آتے تھے، چنانچہ اسے الہام سے تعبیر کر دیا گیا۔ بعض لوگوں نے ''محدث'' سے مراد سمجھداری لی ہے۔[3]

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے الہام منسوب کرنے کا سبب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کی رائے قرآن کریم کے موافق و مطابق ہوتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی ان کے فیصلے دُرست ثابت ہوئے۔[4]

---

[1] فتح الباري:7/48,47، وشرح صحيح مسلم للنووي :15/236,235. [2] صحيح البخاري، حديث:3689، وصحيح مسلم، حديث:2398. [3] فتح الباري: 7/50، وشرح صحيح مسلم للنووي:15/237,236. [4] فتح الباري: 7/51.

خیال رہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس عظیم قدر و منزلت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ ①

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ اس حدیث رسول کے پیش نظر اس مغالطے میں نہ رہیں کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل تھے بلکہ یہ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عظمت کی اعلیٰ ترین دلیل ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب اور ان سے اس قدر فیض یاب تھے کہ ان کے لیے کسی علیحدہ فرمان کی ضرورت ہی نہ تھی۔ انھوں نے چراغ نبوت سے روشنی حاصل کی اور اس قدر منور اور ممتاز ہوگئے کہ تمام صحابہ سے افضل قرار پائے، یہاں آپ کو باریک بینی سے کام لے کر اللہ کی حکمت کاملہ کا معترف ہونا چاہیے کیونکہ وہ حکیم اور خبیر ہے۔ ②

زبان نبوت سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ''عبقریت'' کا اعزاز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«رَأَيْتُ كَأَنِّي أَنْزِعُ بِدَلْوِ بَكْرَةٍ عَلٰى قَلِيبٍ فَجَاءَ أَبُوبَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ فَنَزَعَ نَزْعًا ضَعِيفًا وَّاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَاسْتَقٰى فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِّنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرْيَهُ حَتّٰى رَوِيَ النَّاسُ وَ ضَرَبُوا الْعَطَنَ»

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بغیر منڈیر کے ایک کنویں سے چرخی کے ذریعے سے پانی کے ڈول نکال رہا ہوں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے۔ ایک یا دو ڈول نکالے۔ ان کے پانی کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی۔ اللہ انھیں معاف فرمائے، پھر عمر رضی اللہ عنہ آگئے، انھوں نے پانی نکالا تو وہی ڈول ایک بڑے ڈول میں تبدیل ہوگیا۔ میں نے کسی ایسے قوی شخص کو نہیں دیکھا جو عمر رضی اللہ عنہ جیسا عمل کرتا ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ

① عقيدة أهل السنة والجماعة: 251/1۔ ② مفتاح دار السعادة: 255/1.

نے اتنے ڈول نکالے کہ لوگ سیراب ہو گئے اور اپنے جانور سیراب کر کے باڑے میں بند کر دیے۔‘‘[1]

اس حدیث میں رسول ﷺ کے اس فرمانِ عالی: «ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَاسْتَقٰی فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا» سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت صاف ظاہر ہوتی ہے۔ استحالت کے معنی کسی چیز کا چھوٹے درجے سے بڑے درجے میں تبدیل ہونا ہیں اور العبقري نابغہ سردار کے لیے بولا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ العبقري کا اطلاق اس فرد پر ہوتا ہے جس سے زیادہ کوئی اور طاقتور فرد نہ ہو اور «وَضَرَبُوا العَطَنَ» کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں نے اپنے جانوروں کو سیراب کر کے باڑوں میں بند کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس خواب مبارک میں معاشرے پر اس کا اثر بیان کرنے کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عوام الناس ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت سے بہت مستفید ہوں گے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتدین سے جہاد ہوا۔ ان کا قلع قمع ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت بہت تھوڑی تھی۔ اس کے باوجود اسلام اکنافِ عالم میں پھیل گیا۔ ان کی مدت خلافت صرف دو سال اور چند مہینے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی میں برکت ڈال دی۔ اس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلامی حدود میں بڑی وسعت ہوئی اور ایسے جدید اور مفید قوانین بنے جو پہلے کبھی نہ بنے تھے۔ اس دور خلافت میں لوگ آسودہ حال ہوئے۔ آپ کی خلافت طویل ہونے کے سبب بہت سے نئے شہر بسائے گئے۔ سرکاری ادارے قائم ہوئے، فتوحات اور اموال غنیمت حاصل ہوئے۔

نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: «فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِّنَ النَّاسِ يَفرِي فَرْيَهُ» کے معنی یہ

[1] صحيح مسلم، حديث:2393.

ہیں کہ میں نے اس جیسا کوئی سردار اور پیش رو نہیں دیکھا جو اتنی محنت کرتا ہو اور اس میں اتنی کاٹ ہو۔ اسی طرح فرمانِ رسول: «وَ ضَرَبُوا الْعَطَنَ» کے معنی قاضی عیاض یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس جملے میں صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تذکرہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان الفاظ میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما دونوں کی خلافت کا تذکرہ ہے اور اس جملے کا تعلق دونوں حضرات سے ہے کیونکہ ان دونوں خلفاء کی حُسن تدبیر، ذہانت اور مسلمانوں کی خیرخواہی کا نتیجہ تھا کہ یہ معاملہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ لوگوں نے اپنے جانوروں کو بغرضِ استراحت باڑوں میں بند کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کا قلع قمع کیا۔ مسلمانوں کو یکجا کیا۔ ان میں باہمی الفت پیدا کی۔ فتوحات کی ابتدا ہوئی۔ امورِ سلطنت کی بہتری کے لیے نہج متعین ہوئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ان اقدامات کے ثمرات حاصل ہوئے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جنت کے محل کی خوشخبری

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«رَأَيْتُنِي دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ، امْرَأَةِ أَبِي طَلْحَةَ، وَسَمِعْتُ خَشْفَةً فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: هٰذَا بِلَالٌ، وَرَأَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهِ جَارِيَةٌ، فَقُلْتُ: لِمَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: لِعُمَرَ، فَأَرَدْتُّ أَنْ أَدْخُلَهُ فَأَنْظُرَ إِلَيْهِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ»

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوا۔ اچانک میری ملاقات ابوطلحہ کی بیوی رمیصاء سے ہوئی، پھر میں نے پاؤں کی آواز سنی۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ مجھ سے کہا گیا: یہ بلال ہے، پھر میں نے ایک محل دیکھا۔ اس کے صحن

[1] شرح صحيح مسلم للنووي: 15/232,231.

میں ایک لڑکی تھی۔ میں نے پوچھا: یہ کس کا ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا محل ہے۔ میں نے اس محل کو دیکھنے کے لیے اندر جانے کا ارادہ کیا لیکن اے عمر! تیری غیرت نے میرے قدم روک لیے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! کیا میں آپ کے بارے میں غیرت کا اظہار کرسکتا ہوں؟[1]

ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَإِذَا امْرَأَةٌ تَوَضَّأُ إِلٰى جَانِبِ قَصْرٍ فَقُلْتُ: لِمَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوا: لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَذَكَرْتُ غَيْرَةَ عُمَرَ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا»

"میں سویا ہوا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو جنت میں پایا اور اچانک ایک عورت کو دیکھا۔ وہ ایک محل کے کونے میں وضو کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یہ عمر کا ہے۔ اے عمر! پھر مجھے تیری غیرت یاد آئی تو میں پلٹ آیا۔"

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بھلا میں آپ کے بارے میں غیرت کا اظہار کس طرح کرسکتا ہوں؟[2]

یہ دونوں روایات بڑی وضاحت سے امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں ۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کتنی بڑی خوش نصیبی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جنت میں محل دیکھا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بھی عیاں ہوتا ہے۔[3]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3679، وصحيح مسلم، حديث: 2394. [2] صحيح مسلم، حديث: 2395. [3] عقيدة أهل السنة و الجماعة في الصحابة: 245/1.

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد محبوب ترین شخصیت

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی سب سے زیادہ محبوب شخصیت کون ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مَردوں میں سے کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا باپ۔'' میں نے عرض کیا: پھر اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «ثم عمر بن الخطاب» ''پھر عمر بن خطاب۔'' پھر دوسرے بہت سے افراد کا نام لیا۔ [1]

زبانِ نبوت سے جنت کی بشارت

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ فِي حَائِطٍ مِّنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، فَفَتَحْتُ لَهٗ، فَإِذَا أَبُوبَكْرٍ، فَبَشَّرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَحَمِدَ اللّٰهَ، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، فَفَتَحْتُ لَهٗ، فَإِذَا هُوَ عُمَرُ، فَأَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ، فَحَمِدَ اللّٰهَ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ، فَقَالَ لِي: اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، عَلٰى بَلْوٰى تُصِيبُهٗ، فَإِذَا عُثْمَانُ، فَأَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَحَمِدَ اللّٰهَ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ»

''میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں بیٹھا تھا۔ ایک آدمی

[1] صحيح البخاري، حديث: 3662، وصحيح مسلم، حديث: 2384، والإحسان في صحيح ابن حبان: 209/15.

دروازے پر حاضر ہوا۔ اس نے اجازت طلب کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے اندر آنے کی اجازت دو اور جنت کی بشارت بھی سناؤ۔'' میں نے دروازہ کھولا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ میں نے انھیں جنت کی بشارت سُنائی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، پھر ایک اور آدمی آیا۔ اس نے بھی اجازت طلب کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دروازہ کھول دو اور اسے بھی جنت کی بشارت دو۔'' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دروازہ کھولا یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے انھیں بھی جنت کی بشارت سنائی۔ انھوں نے بھی اس بشارت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی، پھر تیسرا آدمی آیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دروازہ کھول دو اور اسے بھی جنت کی بشارت سناؤ لیکن اسے بتادو کہ اسے مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔'' میں نے دروازہ کھولا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سامنے پایا۔ میں نے نبی ﷺ کا مکمل ارشاد دہرایا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ اور ساتھ ہی کہا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر مدد فرمانے والا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی علالت اور رحلت کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار

عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ جب شدید بیمار ہوئے بلال رضی اللہ عنہ آئے۔ نماز کی دعوت دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی کو نماز پڑھانے کا کہو۔'' عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں باہر نکلا۔ لوگوں کے قریب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں نہیں تھے۔ میں نے کہا: اے عمر! نماز پڑھایئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ ''اللہ اکبر'' کہا۔ نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن لی کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز والے تھے۔ آواز سنتے ہی نبی ﷺ نے فرمایا: ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمان ابوبکر کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔'' اسی اثنا میں آپ ﷺ

[1] صحيح البخاري، حديث:3693.

نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا تو وہ آ گئے، جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا چکے تھے، پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وہی نماز پڑھائی۔

عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: زمعہ کے بیٹے! میرے ساتھ تو نے یہ کیا کیا؟ مجھے تو یہ خیال تھا کہ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر بھیجا ہوگا۔ اگر ایسا ہی تھا تو میں ان کی جگہ ہرگز نماز نہ پڑھاتا۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی نہیں فرمایا تھا۔ بات صرف اتنی ہے کہ جب میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہ پایا اور آپ کو موجود دیکھا تو اُن کے بعد آپ ہی کو امامت کا زیادہ حق دار پایا اور نماز پڑھانے کے لیے کہہ دیا۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِئْتُونِي بِكِتَابٍ، أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّا تَضِلُّوا بَعْدَهُ»

''میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ میں تمھیں کچھ تحریر کروادوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے۔ یہ ہمارے لیے کافی ہے۔ لوگ آپس میں بحث وتکرار کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بحث وتکرار ناگوار محسوس ہوئی، فرمایا: «قُومُوا عَنِّي لَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ» ''یہاں سے اٹھ جاؤ۔ جھگڑا نہ کرو۔ ایسی بات میرے پاس مناسب نہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

«إِنَّ الرَّزِيئَةَ كُلَّ الرَّزِيئَةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ بَيْنَ كِتَابِهِ»

[1] سنن أبي داود، حديث:4660، و مسند أحمد:4/322.

"نبی ﷺ اور ان کی طرف سے تحریر کے درمیان حائل ہونا نہایت افسوس ناک بات تھی۔"[1]

اس حدیث کے بارے میں علمائے کرام نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ بطور تمہید فرماتے ہیں: نبی ﷺ بلاشبہ جھوٹ بولنے سے یکسر مبرا تھے۔ وہ حالت صحت یا حالتِ مرض کسی بھی صورت شرعی احکام تبدیل نہ کرسکتے تھے نہ اپنے فرائض (تبلیغ دین) میں کوئی کوتاہی کرسکتے تھے۔ ان کے بیمار ہوجانے سے نہ تو ان کے مرتبے میں کوئی فرق پڑسکتا تھا نہ شریعت میں کوئی نقص پیدا ہوسکتا تھا۔ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ نبی ﷺ پر جادو بھی ہوا تھا حتی کہ آپ ﷺ یہ بھی بھول جاتے تھے کہ فلاں کام کرلیا ہے، حالانکہ وہ نہ کیا ہوتا۔ ایسی حالت میں بھی آپ سے اُن احکام کے خلاف کبھی کوئی بات صادر نہ ہوئی جو پہلے سے ثابت شدہ تھے۔

اتنی تمہید جان لینے کے بعد مان لینا چاہیے کہ علمائے کرام نے اس کتابت کے بارے میں مختلف خیالات ظاہر کیے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ درحقیقت خلافت کے لیے، جس میں فتنہ اور نزاع واقع ہونے کا خطرہ تھا، کسی کا تعین فرمادینا چاہتے تھے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ وہ دراصل مختصر طور پر تمام احکام لکھوادینا چاہتے تھے تاکہ احکام کے بارے میں نزاع ختم ہوجائے اور منصوص علیہ پر اتفاق ہو جائے۔ نبی ﷺ نے پہلے لکھوانے کا ارادہ فرمایا، پھر مصلحت اس میں دیکھی کہ نہ لکھوایا جائے۔ ہوسکتا ہے آپ ﷺ نے نہ لکھوانے کا فیصلہ ازرُوئے وحی کیا ہو اور پہلا حکم منسوخ ہوگیا ہو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو کے بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ گفتگو ان کی فراست، فضیلت اور دِقّتِ نظر کا نمونہ تھی، یعنی ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ کچھ امور قلم بند کروا دیں اگر لوگ ان سے عاجز آجائیں تو وہ سزا کے لائق ٹھہریں گے۔ کیونکہ ایسی صورت میں یہ

[1] صحيح البخاري، حديث: 114.

احکام منصوص ہو جاتے اور اجتہاد کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی، اسی لیے انھوں نے فرمایا تھا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾

''ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔''[1]

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾

''آج کے دن ہم نے مکمل کر دیا تم پر تمھارا دین۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کامل یقین تھا کہ دین مکمل ہو چکا ہے۔ اب امت کے گمراہ ہونے کا ڈر نہیں۔ انھوں نے اس حالت میں رسول اللہ ﷺ کا بوجھ گھٹانے کی کوشش کی۔ بلاشبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دیگر فقہاء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ بڑے فقیہ تھے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جاسکتا کہ وہ اللہ کے رسول کے بارے میں کسی قسم کے غلط گمان کا شکار ہو گئے تھے کہ مبادا رسول اللہ ﷺ کوئی غلط بات لکھوا دیں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایت ملتی ہے کہ وہ ہر معاملے کو فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے اس میں بحث وتکرار کرتے تھے جس طرح حدیبیہ کے دن صلح نامہ کی تحریر کے وقت صورتِ حال پیش آئی۔ لیکن جب آپ ﷺ کوئی فیصلہ کن ارشاد فرما دیتے تھے تو پھر کسی کے لیے کسی بحث کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔[3]

قاضی رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: أَهَجَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ صحیح مسلم میں یہ جملہ اسی طرح استفہام کے ساتھ ہے اور یہ نسخہ اس سے بہتر اور زیادہ قرین صحت ہے جس

---

[1] الأنعام 6:38. [2] المآئدة 5:3. [3] صحيح السيرة النبوية، ص: 750، نقلًا عن شرح مسلم: 11/133.

میں صرف ''ہجر'' کے لفظ ہیں کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کی طرف سے بلا استفہام آپ ﷺ کی شان میں یہ کہنا ناممکن تھا کیونکہ هَجَرَ کے معنی هَذٰی ہیں، یعنی نامعقول بات کرنا۔ یہ جملہ اس کے کہنے والے کی طرف سے اس طرح تھا کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو اس طرح مت سمجھو کہ کوئی شخص نامعقول بات کہہ رہا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ ہرگز نامعقول بات نہیں کہتے۔

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ نبی ﷺ سے تخاطب نہ تھا بلکہ اس شخص کے جواب میں تھا جس نے آپ کی رائے کی مخالفت کی تھی۔[1]

علامہ طنطاوی رحمہ اللہ نے اس پر اپنی رائے دی ہے کہ میرے خیال کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ طویل صحبت و رفاقت کے سبب اپنی رائے کا کھل کر اظہار کرنے کے عادی تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کی طرف سے ان کو اجازت بھی ہے اور آپ ﷺ ان کے اس طرزِ عمل کو بُرا بھی نہیں مانتے اور گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ بہت سے مواقع پر انھوں نے نبی ﷺ کو کھل کر مشورہ دیا، مطالبہ کیا اور بعض معاملات میں بحث و تکرار بھی کی۔ اس کے جواب میں نبی ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ﷺ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح رائے کو برقرار رکھتے تھے اور غلطی کی تصحیح فرما دیتے تھے۔ جب نبی ﷺ نے فرمایا: «اِئْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا» ''میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ میں تمھارے لیے کچھ تحریر کر دوں۔'' تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی عادت کے مطابق جس کے وہ رسول اللہ کی طرف سے اجازت یافتہ تھے کہہ دیا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ نبی ﷺ نے ان کی اس درست رائے کو برقرار رکھا۔ اگر آپ ﷺ کا ارادہ حتمی ہوتا تو آپ ﷺ یقیناً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خاموش کرا دیتے اور جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے وہ ضرور تحریر کراتے۔[2]

---

[1] شرح صحيح مسلم للنووي: 135/11، وفصل الخطاب في مواقف الأصحاب للغرسي، ص:41. [2] أخبار عمر، ص:46.

وفاتِ رسول کے دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

جب نبی ﷺ کی وفات کی خبر لوگوں تک پہنچی تو بڑا شوروغل برپا ہوا۔ یہ بہت بڑا صدمہ تھا، خصوصاً سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے تو یہ انتہائی دل دوز سانحہ تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: جب نبی ﷺ وفات پا گئے تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور کہا: کچھ منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ نہیں، وہ فوت نہیں ہوئے وہ تو موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرح اپنے رب کے پاس گئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام چالیس (40) دن اپنی قوم سے غائب رہے تھے تو لوگوں نے کہنا شروع کردیا تھا کہ وہ فوت ہوگئے ہیں لیکن وہ آگئے تھے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح واپس تشریف لائیں گے اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کے بارے میں یہ گمان کیا ہے کہ وہ فوت ہوگئے ہیں، اُن کی گردنیں اڑا دیں گے۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی وفات کی خبر ہوئی تو فوراً مسجد نبوی پہنچے اور دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے گفتگو کررہے ہیں۔ وہ کسی کی طرف توجہ دیے بغیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوئے۔ نبی ﷺ کو کمرے میں ایک طرف چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ ان پر ایک یمنی چادر ڈال دی گئی تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، چہرے سے کپڑا ہٹایا اور بوسہ دیا، پھر فرمایا: «بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي! أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكَ فَقَدْ ذُقْتَهَا......» ”آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! ایک موت جو اٹل تھی وہ آپ نے چکھ لی۔ اب کوئی دوسری موت آپ پر کبھی وارد نہ ہوگی۔“ پھر چہرۂ انور چادر سے دوبارہ ڈھانپ دیا۔ اور باہر تشریف لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلسل کلام کر رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ رک جاؤ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خاموش ہونے سے انکار کردیا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عمر بے قابو ہورہے ہیں تو وہ

[1] السيرة النبوية لأبي شهبة :2/594.

لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جب لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کھڑے دیکھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا: «أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ» ''لوگو! جو آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ حی وقیوم ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی۔'' پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عالی تلاوت فرمایا:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾

''اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ایسا لگا گویا لوگوں کو اس آیت کے بارے میں کوئی علم ہی نہ تھا یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب تلاوت کی تو پھر معلوم ہوا۔

وہ فرماتے ہیں: لوگوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ آیت سنی تو اسے پڑھنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ آیت سنی تو دہشت زدہ ہو گیا۔ میرے قدموں نے مجھے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ میں لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔[2]

[1] آل عمرٰن 3:144. [2] صحيح البخاري، حديث:4454.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور خلافتِ صدیق رضی اللہ عنہ

سقیفۂ بنوساعدہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انصار سقیفۂ بنوساعدہ میں جمع ہوئے۔ ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہونا چاہیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کرنی چاہی لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں خاموش رہنے کی تاکید کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اس وقت میں نے اپنے دل میں اس موقع کے لیے بہت عمدہ گفتگو سوچ رکھی تھی اور میں چاہتا تھا کہ مجھ سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ گفتگو نہ کریں تاکہ میں اپنی بات کہہ دوں۔

پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت عمدہ باتیں ارشاد فرمائیں کہ اے انصار! ہم امراء کا منصب سنبھالتے ہیں اور تم وزراء کا منصب سنبھالو۔ یہ سن کر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم ایسا نہ کریں گے بلکہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہوگا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فرمایا: نہیں، ایسا نہیں ہوگا بلکہ خلیفہ ہم مہاجرین میں سے ہی ہوگا۔ اور تم منصب وزارت پر فائز رہوگے کیونکہ مہاجرین علاقے کے اعتبار سے بھی سب سے اچھے اور حسب نسب کے لحاظ سے بھی اعلیٰ ترین لوگ ہیں، اس لیے تم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «بَلْ

نُبَايِعُكَ أَنْتَ، أَنْتَ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَأَحَبُّنَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ» ”نہیں، ہم تو آپ ہی کی بیعت کریں گے۔ آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم میں سے افضل ترین ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نبی ﷺ کے سب سے زیادہ محبوب تھے۔“ یہ کہہ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کی، پھر سب حاضرین نے بیعت کر لی۔ ①

اللہ تعالیٰ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے راضی ہو جب انھوں نے دیکھا کہ سقیفۂ بنوساعدہ میں آوازیں بلند ہونے لگی ہیں اور شوروغل ہو گیا ہے تو وہ ڈرے کہ کہیں امت میں انتشار نہ پھیلے۔ سب سے بڑا یہ ڈر تھا کہ کہیں کوئی کسی انصاری کے ہاتھ پر بیعت نہ شروع کر دے۔ اس طرح بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھل سکتا تھا کیونکہ ایک بیعت معرضِ وجود میں آنے کے بعد دوسری بیعت بہت مشکل ہو جاتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فتنے کی ممکنہ آگ جلنے سے پہلے ہی اس کا سدِ باب کر دیا۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انصار سے مخاطب ہوئے: اے انصاریو! کیا اللہ کے رسول ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امام مقرر نہیں کیا تھا؟ پس اب ایسا کون ہے جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم ہو سکے؟ یہ سن کر انصار نے جواب دیا: ہم اللہ کی پناہ پکڑتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ ③

بعد ازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جلدی سے آگے بڑھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد مہاجرین اور انصار نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ④

پھر سوموار کے دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مجمع عام میں آئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور گفتگو کی۔ انھوں نے سب

---

① صحيح البخاري، حديث: 3668. ② الحكمة في الدعوة إلى اللّٰه، سعيد القحطاني، ص: 226. ③ محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب: 280/1. ④ صحيح البخاري، حديث: 3668.

سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر لوگوں سے مخاطب ہوئے: ''اے لوگو! گزشتہ روز میں نے جو کچھ کہا وہ میں نے کتاب اللہ سے بیان نہ کیا تھا، نہ نبی ﷺ نے مجھے اس کی وصیت فرمائی تھی۔ بس میری یہ رائے اور سوچ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے معاملات کی تدبیر فرمایا کرتے تھے۔ وہ ہمارے آخری پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب ہم میں باقی رکھی ہے اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کی رہنمائی فرمائی۔ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو تو تمھیں بھی اسی کتاب ربانی سے رہنمائی حاصل ہوگی۔ اب اللہ تعالیٰ نے خلافت کا معاملہ تم میں سے بہترین آدمی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ کہ ہجرت کے وقت وہ غار میں پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اب تم سب اٹھو اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرو۔ سب لوگ اُٹھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ یہ سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد عامۃ الناس کی بیعت تھی۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ترغیب دیتے رہے یہاں تک کہ سب لوگ متفقہ طور پر خلافت صدیق پر جمع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو فتنہ، فساد اور انتشار سے محفوظ کر دیا۔

نبی ﷺ کی وفات کے بعد لوگوں کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت پر جمع کرنا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وہ لافانی کارنامہ ہے کہ اسے سونے کے پانی سے لکھا جا سکتا ہے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو یکجا رکھا اور فتنوں کی آگ بھڑکنے سے پہلے ہی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے میں جلدی کی اور پھر عمومی بیعت میں بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح امتِ مسلمہ انتشار و اختلاف کے ہر المیے سے محفوظ رہی۔ یہ سب کچھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اللہ کے فضل کے بعد اُن کی خدا داد فہم و فراست کا نتیجہ تھا۔[3]

---

[1] البداية والنهاية: 306,305/6، (إسناده صحيح). [2] الحكمة في الدعوة إلى الله، ص: 227.
[3] الخلفاء الراشدون لعبدالوهاب النجار، ص: 123.

مانعین زکاۃ سے جہاد اور لشکر اسامہ کے بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مباحثہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو گئے تو کچھ عرب والوں نے ارتداد کا راستہ اختیار کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوبکر! کیا آپ ایسے لوگوں سے جہاد کرنا چاہتے ہیں جن کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ،فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، عَصَمَ مِنِّي مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ إِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ»

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال و جہاد کروں جب تک کہ وہ اللہ کو ایک معبود تسلیم نہ کر لیں پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس نے مجھ سے اپنا مال اور جان محفوظ کر لی سوائے اسلام کے کسی حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہو گا۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر جواب دیا: اللہ کی قسم! میں ہر اس فرد سے جہاد کروں گا جو زکاۃ اور نماز کے درمیان فرق ڈالے گا۔ زکاۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر لوگ بکری کا ایک بچہ بھی روکیں گے جبکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زکاۃ کی مد میں دیتے تھے، تب بھی میں ان سے جہاد کروں گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! ابوبکر کی یہ بات سن کر مجھے احساس ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا سینہ جہاد کے لیے کھول دیا ہے۔ میں نے یقین کر لیا کہ یہی حق ہے۔''[1]

اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ جیش اسامہ کی روانگی

[1] صحيح البخاري، حديث:6925,6924.

مؤخر کر دی جائے۔ جب حالات کچھ پرسکون ہو جائیں تو اس لشکر کو روانہ کر دیا جائے۔ اسی دوران اسامہ رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا کہ اجازت ہو تو وہ اس لشکر کو جو جرف میں مقیم ہے واپس مدینہ لے آئیں کیونکہ اس لشکر میں فرزندان اسلام کے سرکردہ لیڈر موجود ہیں۔ مجھے خلیفۃ المسلمین، آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے بارے میں اندیشہ ہے مبادا میرے پیچھے ان پر مشرک اچانک حملہ کر دیں۔[1]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی اور اس لشکر کی واپسی کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے فرمایا: ''حالات کتنے ہی نازک ہوں اور نتائج کتنے ہی بُرے نظر آتے ہوں، میں شام کی طرف جانے والے اس لشکر کو ہرگز نہیں روکوں گا۔ انصار نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی جگہ کسی عمر رسیدہ اور تجربہ کار فرد کو کمان سونپنے کا مطالبہ کیا اور اس سلسلے میں انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام پہنچایا۔ وہ بیٹھے ہوئے تھے مگر یہ پیغام سن کر اچھل پڑے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور فرمایا: «ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! اِسْتَعْمَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ وَتَأْمُرُنِي أَنْ أَعْزِلَهُ» ''اے خطاب کے بیٹے! تمھاری ماں تمھیں گم پائے جس آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان سونپی ہے تم مجھے اُسے معزول کرنے کا مشورہ دے رہے ہو؟''[2]

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا: ''چلے جاؤ! تمھیں تمھاری مائیں گم پائیں تمھاری وجہ سے میرے اور امیر المومنین کے درمیان تلخ کلامی ہوئی ہے۔''[3]

معاذ رضی اللہ عنہ کی یمن سے واپسی پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں یمن میں مقیم رہے۔ انھوں

[1] الكامل لابن الأثير: 226/2. [2] تاريخ الطبري: 46/4. [3] تاريخ الطبري: 46/4.

نے یمن میں بہت سی دعوتی خدمات انجام دیں اور مرتدین کے خلاف جہادی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ وہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ معاذ رضی اللہ عنہ سے اس کی ضرورت کی چیزوں کے سوا باقی سارا مال واپس لے لیں۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے یمن بھیجا تھا تاکہ اس کی ضروریات پوری ہو جائیں۔ اب میں اس سے کچھ نہ لوں گا۔ ہاں اگر وہ اپنی مرضی سے دے دے تو اور بات ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے پر عمل نہیں کیا، مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے درست سمجھتے تھے۔ وہ خود معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تاکہ اس پر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو راضی کر لیں۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے ایک چیز عطا فرمائی ہے۔ اب میں اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ پر کوئی زیادتی کرانے کے خواہش مند نہیں تھے۔ وہ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں کی حقیقی خیر خواہی کے آرزومند تھے۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کو قبول نہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ وہ معاذ رضی اللہ عنہ کو مجبور نہیں کر سکتے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی بات سن کر وہ چپ چاپ واپس آ گئے کیونکہ وہ اپنا فرض پورا کر چکے تھے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پلٹنے کے بعد سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: میں نے آپ کی بات مان لی ہے۔ میں آپ کی رائے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ دراصل میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک گہرے پانی میں غوطے کھا رہا ہوں۔ اے عمر! آپ نے مجھے ڈوبنے سے بچایا، پھر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے اور ایک چیز بھی رکھے بغیر سب کچھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر دیا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو چیز میں تمھیں ہبہ کر چکا ہوں وہ تم سے واپس نہیں لینا چاہتا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ایسا اس وقت ہونا چاہیے جب وہ چیز جائز اور حلال ہو۔''[1]

[1] شهيد المحراب، ص: 69، نقلًا عن الاستيعاب: 338/3.

ایک روایت کے مطابق سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اپنا حساب پیش کرو۔'' معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''کیا مجھے دو حساب دینے پڑیں گے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے اور ایک آپ کے سامنے؟ اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف سے کبھی کوئی منصب قبول نہ کروں گا۔''[1]

ابو مسلم خولانی کے بارے میں بے خطا ذہانت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسی خداداد فراست تھی کہ کسی کو شاذ و نادر ہی نصیب ہوتی ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب اسود عنسی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا تو ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کو گرفتار کر لیا۔ آگ کی ایک بڑی خندق تیار کی گئی اور ابو مسلم کو اس میں ڈال دیا گیا۔ لیکن آگ نے ابو مسلم کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ لوگوں نے اسود عنسی کو مشورہ دیا کہ آپ اس شخص کو جلاوطن کر دیں ورنہ آپ کے پیروکار آپ سے متنفر ہو جائیں گے، چنانچہ ابو مسلم خولانی چھوڑ دیے گئے اور وہ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ اپنا اونٹ بٹھایا، پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ لیا۔ وہ آگے بڑھے اور پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ ابو مسلم نے جواب دیا: میں یمن سے آیا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ شخص کون ہے جسے عنسی نے آگ میں پھینکا تھا؟ ابو مسلم نے کہا: وہ عبداللہ بن ثوب تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم سے کہا: میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا وہ تو ہے؟ تو ابو مسلم نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہی ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم سے معانقہ کیا اور رو پڑے، پھر انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بٹھایا اور کہا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يُمِتْنِي حَتّٰى أَرَانِي فِي أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَنْ صُنِعَ بِهِ كَمَا صُنِعَ بِإِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلِ» ''اس اللہ کی تعریف ہے جس نے مجھے اپنی زندگی ہی

[1] عیون الأخبار: 125/1.

میں رسول اللہ ﷺ کی امت کے ایسے فرد سے ملاقات کرا دی جس کے ساتھ ویسا ہی حادثہ پیش آیا جیسا خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔''[1]

ابان بن سعید کو بحرین کا گورنر بنانے کا عندیہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے گورنروں کے تقرر کے سلسلے میں شورائی نظام قائم فرمایا۔ ایک دفعہ انھوں نے بحرین کے گورنر کے تقرر کے لیے مشورہ طلب کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ بحرین کا گورنر اس آدمی کو مقرر فرمائیں جسے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے بھیجا تھا، پھر وہ تمام اہل بحرین کے اسلام اور فرماں برداری کی خبر لایا تھا۔[2] وہ اہل علاقہ کو اور اہل علاقہ اسے خوب جانتے ہیں، یعنی علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے تقرر کی مخالفت کی اور مشورہ دیا کہ آپ ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بحرین کا حاکم مقرر فرما دیں، یہ ان کے حلیف ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں ایسے آدمی کو کیسے مجبور کر سکتا ہوں جس نے کہا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کی ولایت قبول نہ کروں گا، پھر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر بنا دیا۔''[3]

شہداء کی دیت کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ

مرتدین کے خلاف جنگوں میں شہید ہونے والوں کی دیت قبول نہ کرنے کی رائے یوں بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس اسد اور غطفان قبائل سے ایک وفدِ بزاخہ حاضر ہوا اور صلح کی پیشکش کی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا کہ یا تو ایسی جنگ اختیار کر لو جس میں جلاوطنی ہو گی یا ایسی صلح اختیار کر لو جس میں رسوائی ہو گی۔ انھوں نے پوچھا: جنگ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن رسوائی والی صلح کیا چیز ہوتی ہے؟

---

[1] سير أعلام النبلاء: 9,8/4، وأصحاب الرسول: 137/1. [2] كنز العمال: 620/5، حديث: 14093. [3] القيود الواردة علىٰ سلطة الدولة لعبدالله الكيلاني، ص: 169.

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سے تمھارے گھر بار اور جانور چھین لیے جائیں گے اور سب کچھ مال غنیمت ہو گا۔ تمھارے پاس ہمارا جو مال ہے وہ واپس کرنا پڑے گا۔ تم ہمارے مقتولین کی دیت دو گے، تمھارے مقتولین آگ میں جائیں گے اور جب تک خلیفۃ المسلمین اور مہاجرین تمھارے بارے میں کوئی اور فیصلہ نہ کر لیں، تمھیں کھیتی باڑی کرنی پڑے گی۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی یہ رائے سب لوگوں کے سامنے پیش کی۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: میرے خیال میں آپ نے جو جلاوطنی والی جنگ یا رسوائی والی صلح کی بات کی ہے۔ وہ درست ہے۔ غنیمت کا مال اور اپنا مال واپس لینا بھی ٹھیک ہے مگر یہ جو آپ نے شہیدوں کی دیت مانگی ہے، وہ درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ہمارے مقتولین اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ وہ اپنے اللہ سے اجر پائیں گے۔ یہ سُن کر سب لوگوں نے تائید کی۔ [1]

اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کے لیے زمین الاٹ کرنے پر اعتراض

اقرع اور عیینہ رضی اللہ عنہما ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے خلیفۃ المسلمین! ہمارے قریب ایک سنگلاخ زمین ہے۔ اس میں گھاس کی پتی بھی پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی اور نفع مند چیز اُگتی ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو وہ زمین ہمیں الاٹ کر دیجیے تاکہ ہم وہاں کھیتی باڑی کر سکیں۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں وہ زمین نفع مند ثابت ہو۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گرد بیٹھے احباب سے مشورہ طلب فرمایا۔ لوگوں نے الاٹ کرنے کا مشورہ دے دیا، چنانچہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی منظوری دے دی۔ اور ایک تحریر لکھ دی جس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی گواہی ڈال دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے۔

[1] أخبار عمر، ص: 362، نقلًا عن الرياض النضرة، ونيل الأوطار: 22/8.

وہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تاکہ بطور گواہ انھیں اس معاہدے کا پابند کیا جا سکے۔ جس وقت وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، اس وقت وہ اپنے ایک اونٹ کو تیل مل رہے تھے۔ دونوں نے کہا: اے عمر رضی اللہ عنہ! آپ کو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس معاہدے کا گواہ مقرر کیا ہے۔ اب یہ معاہدہ ہم آپ کو پڑھ کر سنائیں یا آپ خود پڑھ لیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم مجھے دیکھ رہے ہو کہ میں مصروف ہوں۔ تم چاہو تو پڑھ کر سنا دو یا انتظار کرو کہ میں فارغ ہو کر پڑھ لوں۔ ان دونوں نے کہا: ہم آپ کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ سنا تو اسے ان کے ہاتھوں سے لے لیا، پھر اس پر تھوک کر اسے مٹا دیا۔ وہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر سخت ناراض ہوئے اور کچھ نازیبا الفاظ بھی سُنا دیے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم دونوں سے تالیف قلب فرماتے تھے۔ ان دنوں اسلام کی کچھ مجبوریاں تھیں۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو طاقت اور عزت عطا فرمائی، اس لیے تم دونوں واپس جاؤ اور اپنی محنت کرو۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم دونوں کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے۔

وہ دونوں حیرانی اور پریشانی کی حالت میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر وہ تسلیم کر لیتے تو وہی خلیفہ ہوتے۔ اسی دوران میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہ غصے میں تھے۔ آتے ہی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: مجھے یہ بتائیے کہ جو زمین آپ نے ان دونوں کو الاٹ کی ہے وہ آپ کی ملکیت ہے یا تمام مسلمانوں کی؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب مسلمانوں کی! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ نے یہ زمین صرف ان دونوں کو کیوں الاٹ کر دی؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے گرد بیٹھے احباب سے مشورہ کیا تھا۔ وہ سب یہ زمین انھیں الاٹ کرنے پر راضی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر یہ چند لوگ راضی ہو بھی گئے تو اسے تمام مسلمانوں کی رضا کیسے سمجھا جا سکتا

ہے؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! میں نے اس وقت تم سے کہا تھا کہ اس امر خلافت میں تم مجھ سے زیادہ قوی ہو لیکن تمھی نے مجھے اس کام کے لیے مجبور کیا۔ ①

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا شک وشبہ خلفائے راشدین کے زمانے میں اسلامی ریاست کا دارومدار شورائی نظام پر تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں مسلمانوں سے مشورہ لیا کرتے تھے اور وہ اپنے بھائیوں سے مشورے کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے گریز کرتے تھے۔ ②

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین ہر معاملے میں مشورہ طلب فرماتے تھے۔ بعض اوقات اپنی رائے سے رجوع بھی کرنا پڑتا تو کر لیتے تھے۔ یہ سو فیصد حقیقی شورائی نظام تھا جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ منسلک تھا۔ اس میں حلال وحرام کی مکمل تمیز رکھی جاتی تھی۔ اس مبارک شورائی نظام کی عظمت اور بزرگی کو دیکھیے اور آج کل کے مروجہ کھوٹے اور نام نہاد جمہوری نظام کی اصل حقیقت کو دیکھیے جس میں تمام معاملات مخصوص سرکاری مجلسوں میں طے پاجاتے ہیں اور عوام کو ناانصافی، ظلم و استبداد اور محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ③

قرآن کریم کی تدوین

جنگ یمامہ میں شہید ہونے والوں میں حفاظ کی کثرت تھی۔ ایسے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کو یکجا کرنے کا مشورہ کیا۔ اس وقت قرآن کریم ہڈیوں، کھجور کی شاخوں، کپڑوں اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ ④

① محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب :262/1. ② استخلاف أبي بكر الصديق لجمال عبدالهادي، ص : 167,166. ③ استخلاف أبي بكر الصديق لجمال عبدالهادي، ص : 167. ④ حروب الردة وبناء الدولة الإسلامية لأحمد سعيد، ص : 145.

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کام کی ذمہ داری زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ حضرت زید فرماتے ہیں: سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ کے دن مجھے بلا بھیجا۔ میں حاضر ہوا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر میرے پاس آئے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ یمامہ کی جنگ میں بہت سے حافظ قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم جام شہادت نوش کر گئے ہیں۔ اگر وہ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو ممکن ہے قرآن کریم کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے۔ میری یہ رائے ہے کہ قرآن کریم کو یکجا کر لیا جائے۔ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا ہے کہ میں کوئی ایسا قدم کس طرح اٹھا سکتا ہوں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں اٹھایا۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مُصِرّ ہیں کہ اس کام میں امت کے لیے بہتری ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی کھول دیا ہے، پس میری بھی یہی رائے ہے...... ۔ اے زید! آپ ایک سمجھدار نوجوان ہیں۔ ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے۔ آپ کاتب وحی تھے، اس لیے قرآن کریم کو یکجا کیجیے۔ حضرت زید فرماتے ہیں:

«فَوَاللّٰهِ! لَوْكَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ»

"اگر مجھے ایک پہاڑ دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھے یہ کام اس سے آسان معلوم ہوتا کہ میں اللہ کا کلام یکجا کروں۔"[1]

قرآن کریم کو یکجا کرنے کے نتائج

① قرآن کریم کو یکجا کرنے کا خیال مرتدین کے خلاف جنگ میں بہت سے حفاظ کی شہادت کے بعد سامنے آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت علماء اور قراء اسلام اور مسلمانوں کی شان بلند کرنے کے لیے میدانِ عمل میں ہر آن مستعد رہتے تھے۔ جہاد ہی

① صحيح البخاري، حديث:4986.

ان کا مقصد زندگی تھا۔ وہ اپنے کردار اپنی سوچ اور تلواروں سے ہر حال میں فریضۂ جہاد انجام دیتے تھے۔ وہ اُمت کے بہترین افراد تھے جو لوگوں کے لیے متعین کیے گئے تھے۔ ان کے بعد آنے والے ہر فرد پر ان کی اقتدا لازم ہے۔

② قرآن کریم کو یکجا کرنے کی سوچ ''مصالح مرسلہ'' کی بنیاد پر تھی جس کی سب سے بڑی دلیل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے:

«كَيْفَ نَفْعَلُ شَيئًا لَّمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟»

یعنی ہم کوئی ایسا قدم کیسے اٹھا سکتے ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں اٹھایا۔

اس کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ! اللہ کی قسم! اس میں بھلائی ہے۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس میں بھلائی اور مسلمانوں کی مصلحت ہے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو بھی اُس وقت یہی جواب دیا جب انھوں نے بھی ان سے ایسا ہی سوال کیا تھا۔ جس روایت میں مسلمانوں کی مصلحت کا تذکرہ ہے، قطع نظر اس بات سے کہ وہ الفاظ ثابت ہیں یا نہیں، صرف بھلائی کے الفاظ بھی وہی معنی ادا کرتے ہیں۔

قرآن کریم کا یکجا کرنا اگرچہ ابتدا میں مصالحِ مرسلہ کی بنیاد پر تھا لیکن بعدازاں اس پر اجماع ہو گیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قائلین اجماع کے نزدیک مصالح مرسلہ اجماع کی سند بن سکتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں تفصیل موجود ہے۔

③ اس فیصلے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر اخلاص، محبت اور احترام کی فضا میں اجتہاد فرمایا کرتے تھے۔ ان کا اصل مقصد یہی ہوتا تھا کہ ہر ممکن حد تک امت مسلمہ کی خیر خواہی اور بھلائی کی جائے۔ وہ ہمیشہ افہام وتفہیم کے بعد صحیح رائے قائم کرتے تھے۔ جب ان کے دل مطمئن ہوتے تھے تب وہ کسی مسئلے میں کوئی حتمی فیصلہ فرما

لیتے تھے، پھر ہر مسلمان اس فیصلے کا اس طرح دفاع کرتا تھا جیسے وہ اس کی اپنی ہی رائے ہو۔ یہی مخلصانہ روحانی فضا تھی جس کے باعث وہ بہت سے اجتہادی مسائل پر اجماع منعقد کرنے میں کامیاب ہوئے۔ [1]

[1] الاجتهاد في الفقه الإسلامي لعبدالسلام السليماني، ص: 127.

باب

3
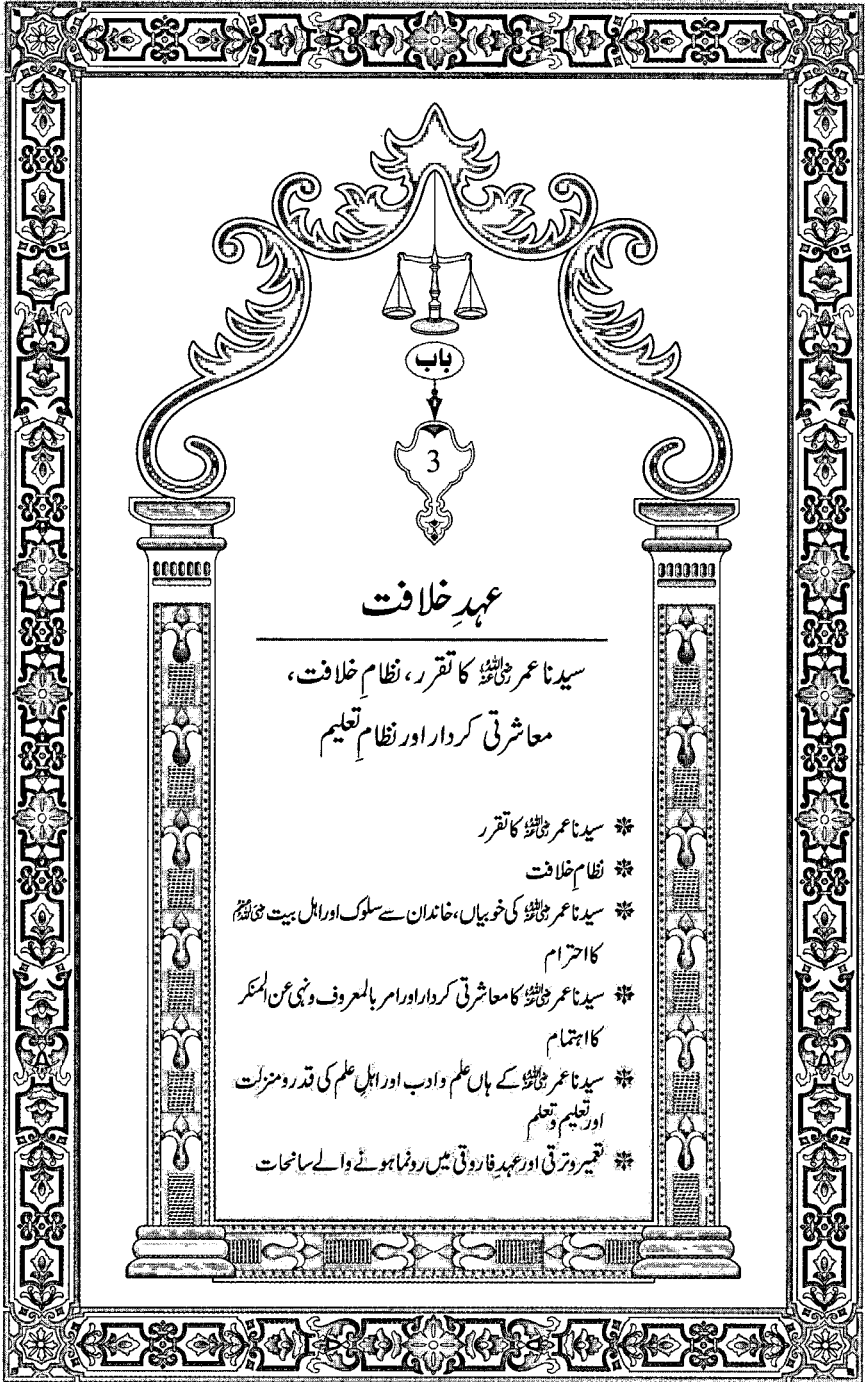
عہدِ خلافت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر، نظامِ خلافت، معاشرتی کردار اور نظامِ تعلیم

* سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر
* نظامِ خلافت
* سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خوبیاں، خاندان سے سلوک اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کا احترام
* سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معاشرتی کردار اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اہتمام
* سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں علم وادب اور اہلِ علم کی قدر ومنزلت اور تعلیم وتعلم
* تعمیر وترقی اور عہدِ فاروقی میں رونما ہونے والے سانحات

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو انھوں نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا:

«إِنَّهُ قَدْ نَزَلَ بِي مَا قَدْ تَرَوْنَ وَلَا أَظُنُّنِي إِلَّا مَيِّتٌ لِّمَا بِي، وَقَدْ أَطْلَقَ اللّٰهُ أَيْمَانَكُمْ مِّنْ بَيْعَتِي، وَحَلَّ عَنْكُمْ عُقْدَتِي، وَرَدَّ عَلَيْكُمْ أَمْرَكُمْ فَأَمِّرُوا عَلَيْكُمْ مَّنْ أَحْبَبْتُمْ فَإِنَّكُمْ إِنْ أَمَّرْتُمْ فِي حَيَاتِي كَانَ أَجْدَرَ أَنْ لَّا تَخْتَلِفُوا بَعْدِي»

''بلاشبہ تم میری حالت دیکھ رہے ہو۔ مجھے اب اپنی موت کا یقین ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری بیعت سے آزاد فرما دیا ہے اور یہ معاملہ ایک دفعہ پھر تمھارے سپرد کر دیا ہے۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ مقرر کر سکتے ہو۔ اگر تم یہ کام میری زندگی ہی میں کر لو تو تمھارے لیے بہتر ہو گا۔ اس طرح تم میرے بعد اختلاف میں نہ پڑو گے۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے باہمی مشورہ کیا۔ ہر شخص خود کو معاملۂ خلافت سے کنارہ کش رکھتا تھا اور اپنے دوسرے بھائی کو اس کا اہل سمجھتا تھا۔ آخر کار سب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ

[1] البداية والنهاية: 18/7، وتاريخ الطبري: 238/4.

ہوئے اور ان سے عرض کیا: اس مسئلے میں آپ خود ہی کوئی رائے قائم فرمائیے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے کچھ مہلت دو تا کہ میں اللہ تعالیٰ، اس کے دین اور اس کے بندوں سے خیر خواہی کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کروں۔ انھوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: مجھے عمر بن خطاب کے بارے میں مشورہ دو۔ انھوں نے جواب دیا: جو سوال آپ مجھ سے فرما رہے ہیں اس کا جواب آپ خوب جانتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر چند میں جانتا ہوں مگر تم بھی اپنی رائے دو۔ عبدالرحمٰن نے عرض کیا: اللہ کی قسم! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ کی سوچ سے بھی زیادہ افضل ہیں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور مشورہ مانگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوعبداللہ! مجھے تمھارا مشورہ درکار ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کے بارے میں یہ جانتا ہوں کہ ان کا باطن ظاہر سے بھی اچھا ہے۔ اور ہم میں اُن جیسا اور کوئی نہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم اس کی مخالفت کرتے تو میں اس کی پروا نہ کرتا، پھر انھوں نے سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کے بعد سب سے بہتر پاتا ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں پر راضی اور اللہ کی ناراضی والے کاموں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا باطن ظاہر سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ آپ کو خلافت کے لیے ان سے زیادہ موزوں کوئی آدمی نہ ملے گا۔

اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سعید بن زید اور دیگر متعدد صحابہ سے مشورہ لیا۔ سب نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں بات کی، البتہ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کا کچھ تذکرہ کیا اور کہا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ اس وقت اپنے رب کو کیا جواب دیں گے جب آپ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے استخلاف کے بارے میں سوال ہوگا، حالانکہ آپ ان کی سخت مزاجی سے اچھی طرح واقف ہیں؟ یہ سُن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اٹھا کر بٹھاؤ،

پھر فرمایا: کیا تم مجھے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ڈراتے ہو؟ وہ آدمی بلاشبہ ناکام ہو گیا جس نے تمھارے معاملے میں ظلم سے کام لیا۔ میں تو اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا: «اَللّٰهُمَّ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْهِمْ خَيْرَ أَهْلِكَ» ''اے اللہ! میں نے تیرے بہترین بندے کو لوگوں پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔''[1]

پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کا سبب بیان فرمایا اور کہا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس لیے سخت ہیں کہ انھوں نے مجھے نرم خو پایا ہے۔ اگر وہ خلیفہ بن گئے تو دیکھنا وہ اپنی سخت طبیعت میں بہت سی تبدیلیاں کر لیں گے۔[2]

پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا۔ سربراہانِ لشکر کے ذریعے سے اہل مدینہ اور بالخصوص انصار سب میں اس کو پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کی عبارت یوں تھی: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. یہ وہ تحریر ہے جسے ابو بکر بن ابو قحافہ نے اس دنیا سے جاتے اور آخرت میں داخل ہوتے وقت تحریر کیا۔ یہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ کافر ایمان لانے، فاجر یقین کرنے اور جھوٹا سچ بولنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دین، اپنے فرائض اور اپنی جان کے بارے میں ہر قسم کی کوتاہی سے اجتناب کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا۔ اگر وہ عدل کرے تو اس کے بارے میں میرا یہی گمان ہے ورنہ ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے اس کے تقرر میں خیر کا ارادہ کیا ہے۔ ہاں! مجھے غیب کا علم نہیں۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝﴾

''اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا کہ لوٹنے کی کون سی جگہ لوٹ کر جائیں۔''[3]

---

[1] الكامل لابن الأثير: 79/2، والتاريخ الإسلامي لمحمود شاكر، ص: 101. [2] الكامل لابن الأثير: 79/2. [3] الشعرآء 227:26.

بلاشبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے امت کے لیے آخری وصیت اور بہت بڑی خیر خواہی تھی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قبول اسلام سے پہلے ایک مالدار شخص تھے۔ انھوں نے دنیا کو اپنے سامنے سرنگوں پایا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہوئے۔ وہ اپنی قوم کے فقرو فاقہ سے بھی باخبر تھے۔ لوگ اگر دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے تو اپنی خواہشات پر چل نکلتے۔ اس طرح ان کا فقر تو مٹ جاتا لیکن نیتجتاً وہ ہلاکت کا راستہ اختیار کر سکتے تھے۔ یہ وہ راستہ تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہمیشہ محتاط رہنے کی تاکید فرمائی تھی۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

«فَوَاللّٰهِ! لَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُم أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُم كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ»

''اللہ کی قسم! میں تم پر فقرو فاقہ سے نہیں ڈرتا۔ میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا پہلے لوگوں کی طرح تم پر بھی کشادہ کر دی جائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی دنیا میں اسی طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھو جس طرح پہلے لوگوں نے ایسا کیا، پس دنیا کی چاہت تمھیں بھی ہلاک کر دے جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔'' [2]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پہلے ایک بیماری سے خبردار کیا اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صورت میں ایک مؤثر دوا مہیا فرمائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسے بلند پہاڑ تھے کہ جب دنیا انھیں دیکھتی تو ناامید ہو کر پیٹھ پھیر لیتی تھی۔ بلاشبہ یہ وہ عظیم انسان تھے جن کے بارے

[1] تاريخ الإسلام للذهبي عهد الخلفاء، ص: 66-117، وأبو بكر رجل الدولة، ص: 99.
[2] صحيح البخاري، حديث: 3158.

میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

«إِيهًا يَاابْنَ الْخَطَّابِ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَالَقِيَكَ الشَّيطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيرَ فَجِّكَ»

''اے خطاب کے بیٹے! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! شیطان تجھے جس راستے پر چلتا ہوا دیکھ لیتا ہے، وہ اس راستے سے کترا کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے امت میں بہت بڑے فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراست بہت دور تک دیکھ رہی تھی۔ انھیں کمر توڑ دینے والے واقعات کا اندازہ تھا۔ انھوں نے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری انسان کو خلیفہ مقرر فرمایا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں میں سے سب سے زیادہ سمجھدار اور صاحب فراست تین افراد تھے۔ ایک تو وہ لڑکی تھی جس سے موسیٰ علیہ السلام کی کنویں پر ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا تھا: ''اے ابا جان! انھیں اجرت پر رکھ لیجیے کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے آپ اجرت پر رکھیں طاقت ور، امانت دار ہی ہے۔'' دوسرا وہ شخص جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا: ''اسے باعزت ٹھکانہ دیں ہوسکتا ہے یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔'' تیسرے ابوبکر رضی اللہ عنہ جنھوں نے اپنی دور رس فہم و فراست سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسی مضبوط دیوار تھے جو امت اور اس کی طرف بڑھنے والے فتنوں کے درمیان حائل تھی۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3683. [2] مجمع الزوائد: 10/268، (صحيح الإسناد).
[3] أبو بكر رجل الدولة، ص: 100.

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں پہنچے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے چہرے کے آثار سے اُن کے انکار کا اندازہ لگا لیا۔ اس پر انھوں نے شمشیر بدست ہوکر ڈانٹ پلائی، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔[1]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں بعالم ہوش وحواس خود اپنی زبان سے اس وصیت کا اعلان فرمائیں تاکہ بعد میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس پہنچے اور فرمایا:

«أَتَرْضَوْنَ بِمَنْ أَسْتَخْلِفُ عَلَيْكُمْ، فَإِنِّي وَاللّٰهِ! مَا أَلَوْتُ مِنْ جَهْدِ الرَّأْيِ، وَلَا وَلَّيْتُ ذَا قَرَابَةٍ، وَإِنِّي قَدِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ فَاسْمَعُوا لَهٗ وَأَطِيعُوا. فَقَالُوا: سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا»

''جس شخص کو میں تمھارا خلیفہ منتخب کر دوں کیا تم اسے پسند کرو گے؟ اللہ کی قسم! میں نے خوب سوچ بچار کی اور اپنے کسی رشتہ دار کو یہ منصب تفویض نہیں کیا بلکہ عمر (رضی اللہ عنہ) کو تمھارے لیے اس منصب کا اہل سمجھا ہے۔ ان کی سمع و اطاعت کرو، چنانچہ سب نے کہا: ہم نے سمع و اطاعت کا عزم کر لیا ہے۔''[2]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر نہایت الحاح وزاری سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے دل کی باتیں زبان پر لے آئے:

«اَللّٰهُمَّ! وَلَّيْتُهٗ بِغَيْرِ أَمْرِ نَبِيِّكَ، وَلَمْ أُرِدْ بِذٰلِكَ إِلَّا صَلَاحَهُمْ، وَخِفْتُ عَلَيْهِمُ الْفِتْنَةَ، وَاجْتَهَدْتُّ لَهُمْ رَأْيِي، فَوَلَّيْتُ عَلَيْهِمْ خَيْرَهُمْ، وَأَحْرَصَهُمْ عَلٰى مَا أَرْشَدَهُمْ، وَقَدْ حَضَرَنِي مِنْ أَمْرِكَ مَا

[1] مآثر الأنافة :1/49. [2] تاريخ الطبري :4/248.

حَضَرَ، فَأَخْلِفْنِي فِيهِمْ فَهُمْ عِبَادُكَ»

''اے اللہ! میں نے عمر کو تیرے نبی ﷺ کے طریقے پر خلیفہ نہیں بنایا۔ میں تو اس میں محض امت کی خیر خواہی دیکھتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کہیں اس معاملے کی وجہ سے کوئی فتنہ نہ پیدا ہو۔ میں نے اجتہاد سے ایک رائے قائم کی ہے۔ میں نے لوگوں پر ان کا بہترین آدمی خلیفہ مقرر کیا ہے۔ وہ لوگوں کی رہبری کا انتہائی خواہش مند تھا۔ اے اللہ! میرے پاس میری اجل آن پہنچی ہے۔ یہ سب تیرے بندے ہیں۔ تجھ سے التجا ہے کہ میرے بعد میرا اچھا نائب قائم فرما۔''[1]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس معاہدے کی مزید توثیق فرمائی اور عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ اس وصیت نامے کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائیں اور میری وفات سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت حاصل کریں۔ انھوں نے کسی قسم کے منفی اثرات کے سدّ باب کے لیے مزید توثیق کے لیے مہر بھی ثبت فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ عہد نامہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لوگوں سے مخاطب ہوئے: اے لوگو! کیا تم اس عہد نامے میں مندرجہ شخص کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو؟ سب نے بیک آواز کہا: ہاں! پس ان سب نے اقرار کیا اور اس بیعت پر راضی ہو گئے۔[2]

بعدازاں اس عہد نامے کو پھر کھول کر پڑھا گیا۔ سب آگے بڑھے اور سب نے سر عام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔[3]

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے علیحدگی میں عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ انھوں نے اس منصب سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بہت سی وصیتیں فرمائیں۔ وہ اپنی زندگی میں انتھک محنت

[1] طبقات ابن سعد: 199/3، وتاريخ المدينة لابن شبة: 665/2-669، والثقات لابن حبان: 193/2. [2] طبقات ابن سعد: 200/3. [3] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للشجاع، ص: 272.

کرنے اور اپنے اوپر واجب تمام ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ [1]

وصیتوں کے سلسلے میں انھوں نے فرمایا:

«اِتَّقِ اللّٰهَ يَا عُمَرُ! وَاعْلَمْ أَنَّ لِلّٰهِ عَمَلًا بِالنَّهَارِ لَا يَقْبَلُهُ بِاللَّيْلِ، وَعَمَلًا بِاللَّيْلِ لَا يَقْبَلُهُ بِالنَّهَارِ، وَأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ نَافِلَةً حَتّٰى تُؤَدّٰى فَرِيضَةٌ، وَإِنَّمَا ثَقُلَتْ مَوَازِينُ مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاتِّبَاعِهِمُ الْحَقَّ غَدًا أَنْ يَّكُونَ ثَقِيلًا، وَإِنَّمَا خَفَّتْ مَوَازِينُ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاتِّبَاعِهِمُ الْبَاطِلَ غَدًا أَنْ يَّكُونَ خَفِيفًا، وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى ذَكَرَ أَهْلَ الْجَنَّةِ فَذَكَرَهُمْ بِأَحْسَنِ أَعْمَالِهِمْ وَ تَجَاوَزَ عَنْ سَيِّئِهِ، فَإِذَا ذَكَرْتَهُمْ قُلْتَ: إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَّا أُلْحَقَ بِهِمْ، وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى ذَكَرَ أَهْلَ النَّارِ، فَذَكَرَهُمْ بِأَسْوَإِ أَعْمَالِهِمْ، وَرَدَّ عَلَيْهِمْ أَحْسَنَهُ، فَإِذَا ذَكَرْتَهُمْ، قُلْتَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَّا أَكُونَ مَعَ هٰؤُلَاءِ لِيَكُونَ الْعَبْدُ رَاغِبًا رَّاهِبًا، لَا يَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ وَلَا يَقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، فَإِنْ أَنْتَ حَفِظْتَ وَصِيَّتِي فَلَا يَكُ غَائِبٌ أَبْغَضَ إِلَيْكَ مِنَ الْمَوْتِ وَلَسْتَ تُعْجِزُهُ»

''اے عمر! اللہ تعالیٰ سے ڈر اور خوب جان لے! ایک کام دن کو کرنے کا ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ دن کو قبول فرماتا ہے۔ رات کو قبول نہیں فرماتا۔ اسی طرح رات کا عمل دن کو قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ فریضے کے بغیر کوئی نفل قبول نہیں فرماتا۔ پلڑا اسی کا بھاری ہوگا جس کا قیامت کے دن پلڑا بھاری ہوا۔ ایسا اسی وقت ممکن ہے جب کسی نے حق کی اتباع کی ہو۔ اور اس کا پلڑا ہلکا متصور ہوگا جس کا قیامت

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للشجاع، ص:272.

کے دن پلڑا ہلکا نکلے گا۔ ایسا اس وقت ہوگا جب اس نے باطل کی اتباع کی ہو گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے اچھے اعمال کی قبولیت اور برائیوں سے درگزر کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اے عمر! جب تو ان لوگوں کا تذکرہ کرے تو تیرے دل کو دھڑکا لگ جانا چاہیے کہ کہیں میں ان لوگوں سے پیچھے نہ رہ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے آگ والوں اور ان کے برے اعمال کا تذکرہ بھی فرمایا ہے اور ان کے اچھے اعمال اکارت جانے کی خبر دی ہے۔ جب تو ایسے لوگوں کا تذکرہ کرے تو تجھے زبان سے کہنا چاہیے کہ میں یہ امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں شامل نہ کرے۔ آدمی کو جنت کی رغبت اور جہنم سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اللہ سے بہت بڑی امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں، نہ اس کی رحمت سے ناامید ہونا چاہیے۔ اے عمر! اگر تو نے میری وصیت کو یاد کرلیا ہے تو سن لے کہ نہ نظر آنے والی جو چیز تجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہوگی وہ موت ہے۔ مگر تو اس سے چھٹکارا بھی نہیں پا سکتا۔"[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے فوراً بعد بخیر و خوبی اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔[2] خلفائے راشدین کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والا واضح طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بطور خلیفہ تقرر اس وقت تک شرعی حکم کی حیثیت نہ اختیار کر سکا جب تک کہ اسے غالب اکثریت کی تائید حاصل نہ ہوگئی۔ خلافت کا معاملہ اس وقت زیر بحث آیا جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پیش کش کی کہ وہ اپنا خلیفہ منتخب کرلیں تو لوگوں نے یہ معاملہ خود انھی کے سپرد کر دیا اور کہا: جو آپ کی رائے ہوگی وہی ہماری رائے ہوگی۔[3]

[1] صفة الصفوة :265,264/1. [2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة، ص: 272.
[3] القيود الواردة علٰى سلطة الدولة في الإسلام، ص:172.

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک کوئی حتمی فیصلہ نہ فرمایا جب تک کہ آپ نے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ نہ کر لیا۔ ہر ایک سے انفرادی مشورے کے بعد جب انھوں نے محسوس فرمایا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نام پر سب متفق ہیں تو انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تقرر کا اعلان کر دیا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی وساطت سے تمام فرزندانِ اسلام کی رائے قرار پائی۔ تبھی اسے ایک شرعی حیثیت حاصل ہوئی کیونکہ کسی بھی حاکم یا خلیفہ کا انتخاب امت کے ہاتھوں میں ہے اور خلیفہ امت کا نمائندہ ہوتا ہے، لہٰذا اس پر امت کا راضی ہونا ضروری ہے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اسی لیے اُمت کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ انھوں نے فرمایا: کیا تم میرے مقرر کیے ہوئے خلیفہ سے متفق ہو؟ اللہ کی قسم! میں نے اپنی رائے قائم کرنے کے لیے بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ میں نے اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ منتخب نہیں کیا۔ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس منصب کے لیے منتخب کیا ہے، لہٰذا تم آئندہ اسی کی سمع و طاعت اختیار کرنا۔ اس پر سب نے یک زبان ہو کر کہا تھا: ہم ان کی سمع و طاعت پر کاربند رہیں گے۔ [1]

خلیفہ کے اختیار میں جن طریقوں پر ابو بکر رضی اللہ عنہ چلے وہ ہر حال میں شورائی نظام کا حصہ تھے۔ ہر چند حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طریق انتخاب میں واضح فرق ہے۔ [2]

اس طرح شورائی نظام کے تحت متفقہ طور پر یہ مرحلہ تکمیل کو پہنچا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ دوم قرار پائے۔ تاریخ کے اوراق میں آپ کی خلافت پر کہیں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ساری مدت خلافت کے دوران میں کوئی شخص آپ کے خلاف نہیں اٹھا بلکہ آپ کی خلافت اور اطاعت پر اجماع نظر آتا ہے اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں متفق نظر آتے ہیں۔ [3]

[1] تاریخ الطبري: 248/4. [2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة، ص: 272. [3] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة، ص: 272.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے استحقاقِ خلافت پر نصوصِ شرعیہ سے اشارات

① قرآن کریم سے ابو بکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شرعی ہونے اور ان کی اطاعت واجب ہونے پر واضح دلائل ملتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بدویوں کے بارے میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا﴾

''تو اگر اللہ آپ کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے آئے، پھر وہ آپ سے (جنگ کے لیے) نکلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ کہہ دیں: تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ مل کر کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے۔''[1]

سورۂ براءت جس میں یہ حکم موجود ہے بلاشک وشبہ غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔[2] یہی وہ سورت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان تین افراد کا تذکرہ کیا ہے جو جنگ تبوک میں شمولیت سے پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کے بعد کسی جنگ میں شرکت نہیں فرمائی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾

''عنقریب جب تم مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے چلو گے تو پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ کہیں گے: ہمیں بھی چھوٹ (اجازت) دیجیے، ہم بھی تمھارے پیچھے چلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام (وعدہ) بدل دیں، کہہ دیجیے: تم ہرگز

[1] التوبة 9:83. [2] الدر المنثور في التفسير المأثور: 4/119-122.

ہمارے پیچھے نہیں چلو گے، اللہ نے پہلے ہی یہ فرما دیا ہے۔'' ①

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اعراب غزوۂ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی اور جنگ میں شریک نہیں ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾

''آپ ان پیچھے چھوڑے جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجیے: عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمھیں اچھا بدلہ دے گا، اور اگر تم پھرو گے، جیسا کہ اس سے پہلے تم پھرے تو وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب دے گا۔'' ②

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انھیں پیغمبر ﷺ کے علاوہ کوئی اور جہاد کی دعوت دے گا جس کے نتیجے میں کافروں کے ساتھ یا تو جنگ ہوگی یا وہ خود اطاعت قبول کر لیں گے اور وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ اس بُلانے والے کی صدا پر لبیک کہیں گے تو انھیں بہت بڑا اجر عطا ہوگا ورنہ عذاب الیم سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ③

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اعراب (بدوؤں) کو نبی ﷺ کی حیات طیبہ کے بعد اس قسم کی دعوت صرف حضرات ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے دی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں مرتدین سے قتال کی دعوت دی جو بنو حنیفہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح انھوں نے ان کو اسود عنسی، سجاح، طلیحہ، روم اور فارس وغیرہ سے قتال کی دعوت دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں رُومیوں اور اہلِ فارس سے جہاد کے لیے پکارا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں رومیوں، اہل فارس

① الفتح 15:48. ② الفتح 16:48. ③ عقيدة أهل السنة والجماعة في الصحابة الكرام: 634/2.

اور ترکوں سے جہاد کے لیے میدان عمل میں آنے کی دعوت دی۔[1] لہٰذا ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی اطاعت قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ جس میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ جب ان کی اطاعت ثابت ہے تو ان کی امامت و خلافت بھی برحق ہے۔[2]

② نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«رَأَيْتُ كَأَنِّي أَنْزِعُ بِدَلْوِ بَكْرَةٍ عَلٰى قَلِيبٍ، فَجَاءَ أَبُوبَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ فَنَزَعَ نَزْعًا ضَعِيفًا وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَاسْتَقٰى فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرْيَهُ حَتّٰى رَوِيَ النَّاسُ وَضَرَبُوا الْعَطَنَ»

''مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں ایک کنویں پر چرخی کے ذریعے پانی کے ڈول نکال رہا ہوں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے پانی کے ایک یا دو ڈول نکالے۔ ان کے عمل میں ضعف کے آثار تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے پانی نکالا تو وہ چھوٹا ڈول ایک بڑے ڈول کی شکل اختیار کر گیا۔ میں نے ایسا طاقتور شخص نہیں دیکھا جو اتنا زیادہ کام کرتا ہو۔ انھوں نے اتنے ڈول نکالے کہ لوگ اچھی طرح سیراب ہو گئے اور انھوں نے اپنے اونٹوں کو سیراب کر کے باڑوں میں بند کر دیا۔''[3]

اس حدیث میں حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات کی کثرت اور اسلام کے چمکنے کی طرف ضمنی طور پر اشارہ ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا یہ قصہ حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں حاصل ہونے والی خیر و برکت، ان کے حسن سیرت، خیر و برکت کے اثرات کے ظہور اور لوگوں

---

① الاعتقاد للبيهقي، ص: 173. ② الفصل في الملل والأهواء والنحل: 4/109،110. ③ صحيح مسلم، حديث: 2393.

کے ان سے مستفید ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت خود اللہ کے فرستادہ تھے۔ انھوں نے بحسن وخوبی اپنی ذمہ داری نبھائی۔ دین کے قواعد مقرر فرمائے۔ امت کے اُمور کے لیے پیش بندی فرمائی اور دین کے اصول وفروع کی وضاحت فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو گئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالق حقیقی سے جا ملے تو ان کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دو سال اور چند مہینے تک امت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس مدت کا تذکرہ حدیث مذکور میں ''ایک یا دو ڈول'' سے کیا گیا ہے۔ راوی کو شک ہے لیکن دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ ''دو ڈول'' فرمایا۔[2]

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرتدین کے خلاف جہاد ہوا۔ ان کی بیخ کنی ہوئی اور اسلامی مملکت کی حدود میں اضافہ ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ تسلسل جاری رہا۔ اسلامی حدود اربعہ زیادہ ہونے، دور خلافت کی مدت لمبی ہونے اور کثرت اموال غنائم کی وجہ سے بہت سے جدید احکام وضع کیے گئے۔ یہ حدیث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ اس دور خلافت کی خوبیوں اور اس سے لوگوں کے بخوبی مستفید ہونے کا واضح ثبوت ہے۔[3]

[1] المآئدة 5:3. [2] عقيدة أهل السنة والجماعة في الصحابة الكرام: 635/2. [3] عقيدة أهل السنة والجماعة في الصحابة الكرام: 635/2.

③ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«إِنِّي لَا أَدْرِي مَا قَدْرُ بَقَائِي فِيكُمْ، فَاقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي...... وَأَشَارَ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ...... وَتَمَسَّكُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ، وَمَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مَسْعُودٍ فَصَدِّقُوهُ»

''بلاشبہ مجھے علم نہیں کہ میں تمھارے درمیان مزید کتنی زندگی گزاروں گا۔ تم ان دو ہستیوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کیا، پھر فرمایا: عمار رضی اللہ عنہ کی سیرت کو لازم پکڑو اور جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرے اس کی تصدیق کرو۔''[1]

یہ حدیث واضح طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو برحق ثابت کرتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «اِقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ» تثنیہ کے صیغے کے ساتھ ہے۔ مراد وہ دو خلفاء ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نظامِ خلافت سنبھالا۔ وہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اطاعت کا حکم دیا جو ان کی تعریف اور فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اس کے اہل تھے کہ ان کی اتباع کی جائے، اُن کے حکم کو تسلیم کیا جائے اور ان کی طرف سے منع کردہ عمل سے رکا جائے۔ اس حدیث میں ان کے حسن سیرت، دل کی صفائی اور ان کے خلیفہ برحق ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حدیث میں خصوصی طور پر پہلے دو خلفاء کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ وہ پسندیدہ اخلاق اور خیر و بھلائی کو قبول کرنے والی طبیعت سے بہرہ ور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ انبیاء کے بعد سب سے افضل تھے۔ ان کے بعد قیامت تک ہر وہ شخص افضل قرار پائے گا جو ان

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني: 3/ 236,233، وصحيح ابن حبان: 15/ 328، ومصنف ابن أبي شيبة: 7/ 433.

کے نقشِ قدم پر چل کر زندگی بسر کرے گا۔ ①

④ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ رَأَيْتُ قَدَحًا أُتِيتُ بِهِ فِيهِ لَبَنٌ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتّٰى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَجْرِي فِي أَظْفَارِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ، قَالُوا: مَاذَا أَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الْعِلْمَ»

''ایک دفعہ میں سویا ہوا تھا۔ میرے پاس (خواب میں) دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا۔ میں نے اس میں سے پیا۔ یہاں تک کہ اس دودھ کی سیرابی میں نے اپنے ناخنوں تک محسوس کی، پھر میں نے بچا ہوا دودھ عمر کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی؟ نبی ﷺ نے فرمایا: (میں نے اس کی تعبیر) علم کے ساتھ (کی ہے)۔'' ②

اس حدیث میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ علم سے مراد کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے ذریعے لوگوں کے امور کی تدبیر کرنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا کہ ان کا دور خلافت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورخلافت سے بہت طویل تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت بہت مختصر تھا۔ اس وجہ سے فتوحات بہت کم ہوئیں۔ نتیجتاً باہمی اختلاف بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے مقابلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں خلیفہ کی اطاعت و فرماں برداری زیادہ پائی گئی۔ باوجود اس کے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت طویل تھا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی ہوشمندی سے اُمور جہاں بانی انجام دیے۔ کسی نے بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔ بعدازاں اسلامی حدود اربعہ میں اور زیادہ اضافہ ہوتا چلا گیا جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں بہت سے اقوال و آراء نے جنم لیا۔ جو فرماں برداری سیدنا

① فيض القدير للمناوي :56/2. ② صحيح مسلم، حديث :2391.

عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں نظر آتی تھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مفقود نظر آنے لگی۔ یہی وجہ تھی کہ فتنوں نے انگڑائی لی اور فسادات پھیلتے چلے گئے حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ اختلاف مزید بڑھتا گیا اور فتنے پھیلتے چلے گئے۔ ①

بہر حال حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ہونے پر واضح اشارہ موجود ہے۔ ②

⑤ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ رُؤْيَا؟» ”تم میں سے کس نے خواب دیکھا ہے؟“ ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک ترازو آسمان سے اتری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس میں تولا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر پر بھاری رہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ بھاری نکلے، پھر عمرو عثمان رضی اللہ عنہما کو تولا گیا تو عمر بھاری رہے۔ بعدازاں یہ ترازو اوپر اٹھا لی گئی۔ اس کے بعد ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے۔ ③

اس حدیث شریف میں پہلے تینوں خلفاء کی فضیلت بالترتیب بیان کی گئی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ فضیلت والے ابو بکر پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم کو قرار دیا گیا ہے۔ اور حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ہونے کا اشارہ بھی موجود ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ منتخب ہوں گے۔

پھر ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا «فَرَأَيْنَا الْكَرَاهِيَةَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللّٰهِ» : ”ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے۔“ یہ آثار اس وجہ سے تھے کہ ترازو اُٹھ جانے سے مراد اُمورِ خلافت کا بے ترتیب ہونا اور خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد فتنوں کا پیدا ہونا تھا۔ ④

---

① فتح الباري: 46/7. ② عقيدة أهل السنة والجماعة في الصحابة الكرام: 637/2. ③ سنن أبي داود، حديث: 4634، وجامع الترمذي، حديث: 2287. ④ عون المعبود شرح سنن أبي داود: 387/13.

⑥ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: ''ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: میں نے خواب میں ایک بادل سے گھی اور شہد برستے دیکھا اور لوگوں کو یہ گھی اور شہد ہاتھوں میں سمیٹتے دیکھا ہے۔ کچھ نے زیادہ اور کچھ نے کم حاصل کیا، پھر اچانک میں نے آسمان سے ایک رسی لٹکتی ہوئی دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسی پکڑی اور اوپر چڑھ گئے، پھر ایک اور آدمی نے رسی پکڑی وہ بھی اوپر چڑھ گیا، بعدازاں ایک اور شخص نے وہ رسّی تھامی اور وہ بھی بلندیوں کو چھونے لگا، پھر ایک اور آدمی نے رسی پکڑی تو وہ ٹوٹ گئی لیکن پھر جوڑ دی گئی۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے اس خواب کی تعبیر بتانے کی اجازت عطا فرمائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرما دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آدمی نے جو بادل دیکھا ہے وہ اسلام ہے۔ برسنے والا گھی اور شہد قرآن ہے جس کی حلاوت ٹپک رہی ہے۔ بعض لوگ قرآن کو زیادہ اور کچھ کم پڑھنے والے ہیں۔ اور وہ رسی جو آسمان سے لٹکی ہوئی ہے، یہ حق ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ آپ اسے تھامے ہوئے ہیں۔ حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند کرتا ہے، پھر ایک آدمی آپ کے بعد آتا ہے۔ وہ بھی حق سے وابستہ ہو کر بلندی حاصل کرتا ہے، پھر ایک اور آدمی اسے پکڑتا اور بلندی حاصل کرتا ہے، پھر ایک اور آدمی اسے پکڑتا ہے تو وہ رسی ٹوٹ جاتی ہے لیکن اسے جوڑ دیا جاتا ہے اور وہ شخص بھی اوپر چڑھ جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! بتایئے میں نے صحیح تعبیر کی یا غلط؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَصَبْتَ بَعْضًا وَّأَخْطَأْتَ بَعْضًا» ''کچھ تعبیر تم نے درست کی اور کچھ میں غلطی کھائی ہے۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میری بتائی ہوئی غلط تعبیر کی اصلاح فرما دیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تُقْسِمْ» ''تم قسم نہ ڈالو۔''[1]

اس حدیث سے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ہونے کا اشارہ ملتا ہے کیونکہ اس

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2269.

خواب میں بتایا گیا ہے کہ پھر ایک اور آدمی نے رسی پکڑی اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا۔ وہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، پھر ان کے بعد ایک اور آدمی بھی اوپر چڑھا۔ یہ اشارہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف تھا کہ ان کی خلافت برحق ہوگی۔ [1]

⑦ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«بَعَثَنِي بَنُو الْمُصْطَلِقِ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوا: سَلْ لَّنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى مَنْ نَّدْفَعُ صَدَقَاتِنَا بَعْدَكَ؟ قَالَ: فَأَتَيْتُهُ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: إِلٰى أَبِي بَكْرٍ. فَأَتَيْتُهُمْ فَأَخْبَرْتُهُمْ، فَقَالُوا: اِرْجِعْ إِلَيْهِ فَسَلْهُ، فَإِنْ حَدَثَ بِأَبِي بَكْرٍ حَدَثٌ فَإِلٰى مَنْ؟ فَأَتَيْتُهُ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: إِلٰى عُمَرَ، فَأَتَيْتُهُمْ فَأَخْبَرْتُهُمْ»

''مجھے بنو مصطلق کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ مقصد یہ تھا کہ میں آپ ﷺ سے بنو مصطلق کی طرف سے معلوم کروں کہ ہم اپنے صدقات آپ کے بعد کس کو ادا کریں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''ابو بکر کو!'' میں واپس آ گیا اور بنو مصطلق کو آگاہ کر دیا۔ انھوں نے مجھے دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ میں آپ ﷺ سے یہ دریافت کروں کہ اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کوئی حادثہ، یعنی سفر آخرت پیش آ گیا تو پھر کسے ادا کریں؟ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں دوبارہ آیا اور سوال کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''پھر اپنے صدقات عمر کو ادا کرنا۔'' میں نے واپس آ کر بنو مصطلق کو یہ اطلاع دے دی۔'' [2]

اس حدیث میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ہونے کا ثبوت اور یہ صراحت

---

[1] عقيدة أهل السنة والجماعة: 638/2. [2] المستدرك للحاكم: 77/3، (هذا حديث صحيح الإسناد ووافقه الذهبي).

موجود ہے کہ وہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد منصب خلافت پر فائز ہوں گے۔[1]

⑧ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ہونے پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنا امام اسی کو مقرر کرتے تھے جو سب سے افضل اور بھلائی والا ہوتا تھا۔

حضرات ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما کے اقوال بھی ان کی خلافت کے برحق ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

«اَللّٰهُمَّ أَمَّرْتُ عَلَيْهِمْ خَيْرَ أَهْلِكَ»

''اے اللہ! میں نے لوگوں پر ان کا سب سے اچھا آدمی خلیفہ مقرر کیا ہے۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد گرامی کے بارے میں انھی کے ایک صاحبزادے محمد بن حنفیہ کے واسطے سے بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

«قُلْتُ لِأَبِي: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَبُوبَكْرٍ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ، وَ خَشِيتُ أَنْ يَّقُولَ: عُثْمَانُ. قُلْتُ: ثُمَّ أَنْتَ؟ قَالَ: مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ»

''میں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ! میں نے دریافت کیا: ان کے بعد کون ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ! پھر مجھے خیال گزرا کہ اب آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے۔ میں نے جلدی سے کہا: اُن کے بعد آپ؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں تو عام مسلمانوں ہی میں سے ایک فرد ہوں۔''[3]

[1] عقيدة أهل السنة والجماعة: 639/2. [2] الطبقات الكبرٰى: 274/3. [3] صحيح البخاري، حديث: 3671.

یہ تمام وہ نصوص ہیں جن سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ برحق تھے۔ [1]

علامہ سفارینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جان لیجیے کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافتِ برحق پر مرتب ہوتی ہے۔ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع قائم ہونے کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت سے بہت سے اشارات بھی ملتے ہیں چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے خلیفہ کے لیے خلافت برحق ثابت ہے تو ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی برحق ثابت ہوتی ہے۔ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ اصل کا اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ فرع کا درجہ رکھتی ہے، لہٰذا جو حکم اصل کا ہے وہی فرع کا بھی ہے۔ اب کسی بھی گمراہ فرقے کو ان کی خلافت کے برحق ہونے پر طعن یا جھگڑا کرنے کی گنجائش نہیں۔ تمام اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا خلیفۂ اول کی خلافت پر اجماع تھا کیونکہ وہ خلافت میں اصل تھے۔ اگر کوئی ایک فرد اس سے اختلاف کرتا ہے تو اس کا تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متفقہ فیصلے کے منافی یہ عمل ہرگز قابلِ توجہ نہیں ہوگا۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع

بہت سے ایسے اہل علم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع نقل کیا ہے جن کے منقولات مسلم اور معتبر ہیں۔ ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

ابو بکر بن احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ اپنی سند سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے ارشاد فرمایا: میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی شہادت کے وقت حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ کو جنت کی بشارت ہو۔ جب لوگ کافر تھے تو آپ کو اسلام لانے کی توفیق ملی۔ جب لوگوں نے رسول اللہ کا ساتھ نہ دیا تو آپ نے ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو وہ آپ

[1] عقيدة أهل السنة في الصحابة الكرام :640/2. [2] لوامع الأنوار البهية :326/2.

سے خوش تھے۔ آپ کی خلافت قائم ہوئی تو دو (2) افراد بھی مخالف نہ پائے گئے اور آپ کو اللہ نے شہادت کی موت نصیب فرمائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ذرا یہ باتیں دوبارہ کہو۔ میں نے اپنی ساری بات دہرا دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! لَوْ أَنَّ لِي مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ صَفْرَآءَ وَبَيْضَآءَ لَافْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ هَوْلِ الْمَطْلَعِ» ''اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میرے پاس پوری دنیا کے خزانے سونے اور چاندی کی شکل میں موجود ہوں تو میں اس دن کی ہولناکی سے بچنے کے لیے فدیے میں دے ڈالوں۔''[1]

ابو نعیم اصبہانی رحمہ اللہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع نقل فرماتے ہوئے کہتے ہیں: جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت جان لی اور ان کی بھلائی اور خیر خواہی والے انداز فکر اور ان کی قوت و ہمت کا اندازہ لگا لیا کہ وہ لوگوں سے اپنی اقتدا بخیر و خوبی کرا سکتے ہیں، پھر انھوں نے یہ تجربہ بھی کر لیا تھا کہ امور خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بھرپور تعاون کیا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کے پیش نظر کسی طور پر بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت سونپنے کے خلاف نہیں ہو سکتے تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ یقین ہو گیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو آگہی اور معلومات میرے پاس ہیں وہی معلومات دیگر صحابہ کے پاس بھی ہیں اور ان سے کسی قسم کا کوئی معاملہ پوشیدہ نہیں ہے تو انھوں نے سب سے امرِ خلافت کے لیے مشورہ کیا۔ اور سب اس پر راضی ہو گئے۔ وہ اس معاملے میں کسی شک و شبہ کا شکار ہوتے تو ضرور مخالفت کرتے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کا دم نہ بھرتے۔ ہر چند سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا طریق کار مختلف تھا لیکن دونوں کی خلافت پر اجماع امت ہونے میں کوئی شک نہ تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قوی دلیل یہ تھی کہ سیدنا

---

[1] الاعتقاد للبيهقي، ص: 188.

عمر رضی اللہ عنہ پوری امت سے افضل ہونے کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر تھے۔ اس بنا پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ سب اُن پر متفق ہو گئے۔ ①

علامہ ابوعثمان صابونی رحمہ اللہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابۂ کرام کے اجماع کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے: بعد ازاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منصبِ خلافت پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر کیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے بھرپور اتفاق کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے دین کی شان بلند کرنے اور اسے سرمایۂ افتخار و اعتبار بنانے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت پر فائز کیا۔ ②

علامہ نووی رحمہ اللہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر صحابۂ کرام کے اتفاق رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے پر پوری طرح اجماع اور اتفاق کر لیا۔ ③

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ ان کی وفات کے بعد تمام فرزندان اسلام نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس بیعت سے حاصل ہونے والی طاقت و قدرت سے وہ امامت کے مستحق قرار پائے۔ ④

شارح عقیدہ طحاویہ فرماتے ہیں: ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے طے پا گئی۔ یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے انتخاب تھا۔ بعد ازاں ساری امت کا اس پر اتفاق ہو گیا۔ ⑤

مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق رائے سے معرض وجود میں آئی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی زندگی

① كتاب الإمامة والرد على الرافضة، ص: 274. ② عقيدة السلف وأصحاب الحديث ضمن مجموعة الرسائل المنبرية: 129/1. ③ شرح صحيح مسلم للنووي: 206/12. ④ منهاج السنة: 142/1. ⑤ شرح الطحاوية، ص: 539.

میں اسے قبول کر لیا تھا۔ اس پر وہ بخوشی راضی ہو گئے تھے اور کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے حاصل ہونے والے اتفاق پر فرقہ ناجیہ اہل سنت و الجماعت نے بھی ان کی خلافت کو برحق تسلیم کیا ہے۔ صرف چند لوگ جو صحابۂ کرام سے بغض و عناد رکھتے ہیں، مثلاً: رافضی شیعہ یا ان کے متبعین انھوں نے ان کی خلافت کو مشکوک قرار دیتے ہوئے انکار کیا ہے۔ اگر مذکورہ اجماع پر ابن سعد کی بیان کردہ حسبِ ذیل روایت کی وجہ سے اعتراض کیا جائے کہ صحابۂ کرام نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان رضی اللہ عنہما کو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے دیکھا۔ ان میں سے ایک شخص نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا، آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے جبکہ آپ کو ان کی سختی کا علم ہے؟ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: مجھے اٹھا کر بٹھا دو، پھر فرمایا: کیا تم مجھے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ڈرانے کی کوشش کرتے ہو؟ وہ آدمی ناکام و نامراد ہوگا جس نے تمھیں ظلم کی راہ پر لگایا۔ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا کہ میں نے لوگوں پر ان میں سے سب سے اچھے آدمی کو خلیفہ مقرر کیا، لہٰذا یہاں سے جانے کے بعد تم اپنے پیچھے ہر شخص کو میرا جواب پہنچا دو۔[1]

اگر یہ مذکورہ روایت درست ہو تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کا مستحق نہ سمجھنے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد انھیں درجہ نہ دینے کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ اس میں تو محض جناب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سخت طبیعت کا تذکرہ ہے جس سے اُن کی امانت، قوت اور صلاحیت پر کسی قسم کا کوئی دھبہ نظر نہیں آتا......۔[2]

---

[1] الطبقات لابن سعد: 3/199۔ [2] كتاب الإمامة والرد على الرافضة، ص: 276.

نظامِ خلافت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبۂ خلافت

خلیفہ منتخب ہونے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا: وہ منبر پر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوئے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي شَدِيدٌ فَلَيِّنِّي وَإِنِّي ضَعِيفٌ فَقَوِّنِي، وَإِنِّي بَخِيلٌ فَسَخِّنِي» ''اے اللہ! میں بہت سخت ہوں، مجھے نرم کر دے۔ کمزور ہوں، مجھے طاقت بخش دے۔ بخیل ہوں، مجھے دریا دل کر دے۔''[1]

ایک روایت کے مطابق ان کا پہلا خطبہ اس طرح تھا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد مجھے تمھارے اور تمھیں میرے ساتھ آزمائش میں ڈالا ہے۔ اللہ کی قسم! تمھارے معاملات کا میں خود فیصلہ کروں گا۔ اگر کوئی فی الوقت فیصلے کے وقت حاضر نہ ہوا تو حق دار کو اس کا حق پہنچاؤں گا۔ اللہ کی قسم! لوگ اگر اچھے چال چلن سے چلیں گے تو میں بھی اُن سے اچھا سلوک کروں گا اگر بری راہ چلیں گے تو میں انھیں سخت سزا دوں گا۔

جو لوگ اس خطبے کے وقت وہاں موجود تھے وہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

[1] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 171،170.

اسی خطبے میں بیان کردہ راہ پر چلے۔ یہاں تک کہ دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ [1]

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالا، وہ منبر پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ بیٹھنے لگے تو فرمایا: میں خیال کرتا ہوں کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جگہ بیٹھنے کا اہل نہیں ہوں، لہٰذا وہ ایک سیڑھی نیچے اتر آئے، پھر اللہ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر فرمایا: قرآن کریم پڑھو۔ اس کے معارف حاصل کرو۔ اس پر عمل کرو تو تم اہل قرآن ہو جاؤ گے۔ اپنا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمھارا محاسبہ کیا جائے۔ قیامت کے دن کے لیے خود کو تیار کر لو۔ اس دن تم اپنے اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے۔ اس دن کوئی جان کہیں نہ چھپ سکے گی اور اللہ کی نافرمانی کی روش اپنانے پر کسی حق دار کو کوئی حق نہیں مل سکتا۔ خبردار! میں نے اللہ کے مال سے صرف اتنا تعلق رکھا ہے، جس طرح کسی یتیم کا کفیل ضرورت کے مطابق اس کے مال سے کچھ لے لیتا ہے۔ اگر میں مالدار ہو گیا تو اتنا بھی نہیں لوں گا اور اگر محتاج رہا تو ضرورت سے زیادہ نہیں لوں گا۔ [2]

مندرجہ بالا تمام روایات اگر درست تسلیم کر لی جائیں تو ان کی تطبیق اس طرح ہو گی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بہت بڑے مجمعِ عام کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔ کسی نے کوئی ایک حصہ اور کسی نے کوئی دوسرا حصہ یاد رکھا اور اسے آگے بیان کر دیا۔ عجب نہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبے میں سیاسی، انتظامی اور دینی معاملات اکٹھے بیان فرمائے ہوں کیونکہ اس امت کے اولین ائمۂ کرام کا یہی منہج ہوتا تھا کہ وہ اللہ کی شریعت و منہج کے تابع ہو کر تقویٰ، اس کے حکم اور لوگوں کے معاملات کے انتظام کو ایک جیسا سمجھتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جگہ پر لوگوں کے سامنے بیٹھنا

---

[1] الطبقات لابن سعد: 275/3. [2] كنز العمال، حديث: 44214، نقلاً عن الدولة الإسلامية للدكتور حمدي شاهين، ص: 120.

پسند نہ فرمایا ہو اور خود ہی ایک سیڑھی اُتر کر بیٹھ گئے ہوں۔ ①

ایک روایت کے مطابق دو دن کے بعد لوگوں نے ان کی اس شدت اور سختی کا تذکرہ کیا جس کا انھیں ڈر تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معاملہ صاف کرنے کی ضرورت محسوس کی تو وہ دوبارہ منبر پر کھڑے ہوئے، خطبہ ارشاد فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے معاملات کا تذکرہ کیا اور فرمایا: یہ دونوں عظیم المرتبت حضرات اپنی وفات تک مجھ سے راضی رہے؟ اے لوگو! مجھے تمھارا والی بنایا گیا ہے۔ جان لو کہ میری شدت اور سختی میں نرمی آچکی ہے۔ ہاں! ظالم اور زیادتی کرنے والے پر میں سختی کروں گا۔ اگر میں نے کسی کو کسی پر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے پایا تو میں اسے زمین پر گرا دوں گا۔ اس کے جبڑے پر پاؤں رکھوں گا اور اسے حق کے تابع ہونے پر مجبور کر دوں گا۔ ہاں! جان لو کہ میں پاکدامن اور ناتواں افراد کے آگے اپنا سرنگوں کر دوں گا۔ اے لوگو! اگر تم مجھ میں کوئی کمی یا کوتاہی دیکھو تو میرا مؤاخذہ کر سکتے ہو۔ میں تمھارے خراج اور غنیمت کے اموال صرف اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا۔ تم خیال رکھنا کہ میرے ہاتھوں ایک درہم بھی غلط جگہ خرچ نہ ہو۔ ان شاء اللہ میں تمھارے عطیوں اور تنخواہوں میں اضافہ کرتا رہوں گا۔ تمھاری سرحدوں کی حفاظت کروں گا۔ میں کوئی ایسا قدم ہرگز نہیں اٹھاؤں گا کہ تم میں سے کسی کو نقصان پہنچے۔ میں لمبے عرصے کے لیے سرحدوں پر کسی کی ڈیوٹی نہیں لگاؤں گا۔

جب تم سرحدوں پر دشمن سے برسر پیکار ہو گے تو میں تمھارے گھروں کی پاسبانی کروں گا۔ اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، میری مدد کرو۔ مجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کرو۔ اُمورِ خلافت میں نصیحت کے ذریعے سے میری مدد کرو۔ بس میں یہی باتیں کہنا چاہتا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمھارے لیے بخشش کا خواستگار ہوں۔ ②

① الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور حمدي شاهين، ص: 120. ② الإدارة العسكرية في عهد الفاروق، ص: 106.

ایک روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اہل عرب کی مثال ایک نکیل ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح ہے، وہ اپنے قائد کے پیچھے چلتا ہے۔ اب اس کے قائد کو چاہیے کہ اسے صحیح راستے پر چلائے۔ رب کعبہ کی قسم! میں تمھیں سیدھے راستے پر چلاؤں گا۔ ①

خطبے کے 14 نکات

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے کے سلسلے میں وارد ہونے والی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خلافت کے اصول کیا تھے۔ ان اصولوں سے وہ بال برابر بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ ان کے ارشادات کے بڑے بڑے نکات مندرجہ ذیل ہیں:

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلافت کو ایک ابتلا کی نظر سے دیکھتے تھے کہ ان پر جو حقوق عائد ہوئے ہیں ان کی بابت ان کا محاسبہ ہوگا۔ یہ منصب تمام خلفائے راشدین کے ہاں ذمہ داری اور ابتلا کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ اس منصب کو سرداری، جاہ وحشمت یا سربلندی کا باعث نہیں سمجھتے تھے۔

② منصبِ خلافت ریاست کی بہت سی ذمہ داریوں کو نبھانے کا متقاضی تھا۔ عامۃ الناس پر ایسے گورنر مقرر کرنے کا داعی تھا جو ان سے افضل ترین بھی ہوں اور نرم مزاج بھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف حکام کے تقرر ہی میں دوراندیشی کے قائل نہ تھے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حضور عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری سمجھتے تھے کہ تمام عمال اور گورنروں کی مسلسل نگرانی بھی کی جائے۔ ان کی نگرانی سے کسی عامل کو مفر نہیں تھا۔ ان میں سے جو لوگوں سے اچھا سلوک کرتا تھا، اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا جاتا تھا اور جو عوام سے بُرا سلوک کرتا تھا، اس کی خوب اچھی طرح گوشمالی کی جاتی تھی۔ ②

---

① السياسة الشرعية للدكتور إسماعيل بدوي، ص: 160، نقلًا عن الطبري. ② الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 121.

ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان تمام باتوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے قائم کردہ عمال کی مجلس اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس میں روز بروز ترقی و توسیع کا تذکرہ کرتے وقت کریں گے۔

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں پائی جانے والی سختی اور شدت کا نرمی اور مہربانی میں تبدیل ہونا بڑا ہی ایمان افروز پہلو ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ ان لوگوں کے لیے میزان عدل قائم فرمائیں گے جو کسی پر ظلم و تعدی کریں گے۔ انھوں نے خبردار کیا کہ ایسا ظالم ذلت و رسوائی اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ انھوں نے اپنے خطبے میں زور دے کر ارشاد فرمایا: میں کسی ایسے آدمی کو معاف نہیں کروں گا جو کسی پر ظلم و تعدی کرے گا۔ میں اسے زمین پر لٹاؤں گا، مزید فرمایا: جو میانہ روی، دین اور پاکدامنی کے راستے پر چلے گا اس پر اس کی توقع سے زیادہ مہربانی و شفقت ہوگی، آپ نے فرمایا: میں ایسے نیک آدمی کے لیے اپنی گردن جھکا دوں گا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عدل و انصاف ان کے کردار، عدالتی نظام کے قیام اور اس کی ترقی سے اُجاگر ہوتا ہے۔ ان کی خلافت کی تمام پالیسیوں اور ساری مملکت میں ہر طرف عدل و انصاف ہی جلوہ گر نظر آتا تھا۔

④ اس دور میں خلیفۃ المسلمین نے امت اور دین کی طرف سے دفاع کی ذمہ داری اٹھائی اور یہ عہد کیا کہ وہ سرحدوں کی حفاظت کریں گے اور ہر قسم کے خطرے سے انھیں محفوظ رکھیں گے۔ سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ انھوں نے اسلامی افواج پر کبھی کوئی سختی روا نہیں رکھی۔ انھیں ان کی طاقت سے زیادہ عرصے تک سرحدوں پر متعین نہیں فرمایا۔ جن مجاہدین کی ڈیوٹی سرحدوں پر ہوتی تھی، جناب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے سرکاری اہلکاران کے بال بچوں اور دیگر اہل خاندان کی حفاظت خود کرتے تھے۔ [2]

---

① الدولة الإسلامية في عَصر الخلفاء الراشدين، ص: 121، ومحض الصواب: 385/1. ② الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 121.

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دفاعی شعبے کو زبردست استحکام بخشا۔ انھوں نے اپنی مساعیِ جمیلہ سے مسلمانوں کی فوجی قوت اس قدر مضبوط کر دی کہ اس دور کی معاصر دنیا میں اتنی مضبوط فوجی طاقت کسی کے پاس نہیں تھی۔

⑤ اس دور میں خلیفۃ المسلمین نے عوام کے مالی حقوق کا مکمل تحفظ کیا۔ خراج اور مال فَے کا عادلانہ نظام قائم فرمایا۔ اس نظام کی بدولت لوگوں کی محتاجی ختم ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس آمدنی کو صرف صحیح مدوں میں اور درست مواقع پر خرچ کرنے کا اہتمام فرمایا۔ وہ عوام کی تنخواہوں اور ہدیوں میں مسلسل اضافہ فرماتے رہے جس کی بدولت لوگ جہاد، غزوات اور تمام سرکاری اداروں میں بڑی محنت اور خلوص سے خدمات انجام دیتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے یہ جامع اہتمام فرمایا کہ مالی ادائیگیوں کے بھرپور ریکارڈ کی ایک روشن مثال قائم ہوگئی۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ محکمۂ مالیات قائم فرمایا۔ اس محکمے کے تحت آمدنی کے ذرائع اور ریاست کے اخراجات کا مکمل ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔

⑥ دوسری طرف عوام الناس کو مکمل طور پر اپنی ذمہ داریاں بھرپور طور پر ادا کرنے کی تلقین کی جاتی تھی اور زور دیا جاتا تھا کہ وہ خلیفہ کے خیر خواہ رہیں۔ اس کی سمع و طاعت اختیار کریں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر پوری طرح کاربند رہیں۔ اس طرح معاشرے میں ایک عمومی نگرانی کی فضا قائم ہوگئی تھی۔

⑦ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اچھی طرح خبردار کر دیا کہ تمام بہتر اور خوشگوار نتائج اسی وقت سامنے آسکتے ہیں جب سب لوگ اللہ کا ڈر، محاسبۂ نفس اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے کا تصور دل میں ہر آن تازہ رکھیں۔ [2]

[1] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 122. [2] الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: 122.

⑧ حضرت علامہ شیخ عبدالوہاب نجار نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول: «إِنَّمَا مَثَلُ الْعَرَبِ كَمَثَلِ جَمَلٍ أَنِفٍ» ”عرب کی مثال نکیل ڈالے اونٹ کی طرح ہے۔“ پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: نکیل ڈالا ہوا اونٹ وہ ہوتا ہے جو تجربہ کار اور محنت و مشقت کا عادی ہو۔ ایسا اونٹ ڈانٹ ڈپٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔ مار نہیں کھاتا بلکہ پُرسکون انداز میں اشاروں پر چلتا رہتا ہے۔ ان موزوں الفاظ میں امت اسلامیہ کی بہترین مثال بیان کی گئی ہے۔ اس دور میں امت ایسی ہی تھی۔ وہ خلیفہ کی بات سنتی تھی اور انتہائی اطاعت گزاری کا مظاہرہ کرتی تھی۔ جونہی کوئی حکم ملتا فوراً عمل کرتی تھی اور جب کسی کام سے منع کر دیا جاتا تو یک قلم رک جاتی تھی۔

ایسی اُمت کے لیڈر پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ہر دم اس کا خیال رکھے۔ اس کے حالات کی ہر دم بہتری کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔ پوری سمجھداری اور جانفشانی سے کام کرے۔ ان کے لیے ہر اہم معاملہ کھول کر بیان کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کسی خطرے یا ہلاکت میں جا گرے۔ لوگوں کو بے آسرا نہ چھوڑے۔ قوموں کو آزمائش کے بھنور میں بے آسرا چھوڑ دینا متکبر حکمرانوں کا شیوہ ہے۔

اور خطبے میں وارد ”راستے“ سے مراد ایسا راستہ ہے جس میں کسی قسم کا ٹیڑھ پن نہ ہو۔ ایسا ہی ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی قسم پوری فرمائی اور وہ امت کی صحیح رہبری فرماتے رہے۔[1]

⑨ اللہ تعالیٰ کا سخت گوئی، سخت خوئی اور نرمی کے بارے میں وضع کردہ نظام لوگوں کے حالات، معاشرتی معاملات اور ان کا ایک آدمی کے گرد جمع ہونا، اس کی بات قبول کرنا، اس کی بات غور سے سننا اور اس سے اُنس رکھنے جیسے معاملات پر لاگو ہوتا ہے۔ نظام الٰہی یہ ہے کہ کوئی سخت گو اور سخت دل آدمی سامنے آئے تو اس سے نفرت کی جائے۔ چاہے وہ انتہائی خیر خواہ، لوگوں کے حق میں بہتر اور انھیں نفع پہنچانے پر کتنا ہی مائل کیوں نہ ہو۔[2]

① الخلفاء الراشدون، ص: 123. ② السنن الإلٰهية في الأمم والجماعات والأفراد لزيدان، ص: 282.

اللہ تعالیٰ کا فرمان اس پر دلالت کرتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ ۚ﴾

''پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم واقع ہوئے ہیں اور اگر آپ بدخلق، سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، سو ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے بخشش کی دعا کیجیے اور (اہم) معاملے میں ان سے مشورہ کیجیے۔''[1]

اسی لیے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی: اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم تر بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دل نرمی، شفقت اور مہربانی کے جذبوں سے لبریز ہو گیا اور منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد نرمی اور نوازش ان کی صفت لازمہ بن گئی۔ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت سخت اور اپنی بات کا پکا دیکھا تھا۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ جب سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہوئے اور خلافت تک پہنچے، انھوں نے مسلسل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے روبرو اپنا ہر موقف دوٹوک ظاہر کیا۔ لیکن جب کندھوں پر خلافت کا بوجھ آیا تو وہی عمر بہت شفیق اور مہربان بن گئے۔[2]

⑩ خلفائے راشدین کے زمانے میں عمومی بیعت کا دائرہ مدینہ طیبہ تک ہی محدود ہوتا تھا۔ کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا تھا کہ اردگرد کے بسنے والے قبائل، بدوی یا مہمان بھی بیعت میں شامل ہو جاتے تھے۔ اور باقی سب شہر مدینہ کے تابع ہوتے تھے۔ اس لحاظ سے بیعت کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا، نہ اس کی شرعی حیثیت کم ہو سکتی ہے کیونکہ دور دراز تک پھیلے

---

① آل عمرٰن 3:159۔ ② الإدارة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب، ص: 107۔

ہوئے تمام شہروں اور دیہات وقصبات کے لوگوں سے بیعت حاصل کرنا محال تھا۔ اور اس کے لیے سرکاری انتظامات کرنے ضروری تھے مگر دوسری طرف رعایا کے کاموں میں تعطل بھی ممکن نہ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ جان لینا چاہیے کہ حضرات ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ادوار میں ان کی مدینہ طیبہ میں ہونے والی بیعت کی صریحاً یا ضمناً تصدیق دیگر علاقوں سے بھی ثابت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی ریاست کے ابتدائی دور میں تو خود ریاست اور اس کے ادارے نشو ونما پا رہے تھے۔ بس کچھ تجربے تھے جن کی بدولت اس کھیتی کی آبیاری ہو رہی تھی۔ (1)

(11) بیعتِ خلافت کی پوری بحث کے دوران میں ہم نے کہیں نہیں پڑھا کہ کسی عورت نے بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یا کسی اور خلیفۂ راشد کے ہاتھ پر بیعت کی ہو اور نہ ہی قدیم سیاسی اور شرعی کتابوں میں اس چیز کا تذکرہ ملتا ہے کہ عورت بھی بیعت یا دیگر اُمور خلافت میں حق رکھتی ہے۔

ظاہر بات ہے کہ اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے ادوار میں بیعت کا انحصار صرف مردوں ہی پر تھا۔ نہ مردوں نے کبھی عورتوں کو طلب کیا، نہ وہ خود اس کام کے لیے آگے بڑھیں، نہ انھوں نے ایسا کوئی مطالبہ ہی کیا۔ عورتوں کا بیعت کے وقت موجود نہ ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ یہاں تک کہ اسلامی آئینی حقوق کے علماء نے بھی اس طرف کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کیا۔ اس تاریخی اور فقہی حقیقت سے کسی شرعی حکم میں کوئی کمی نہ آئی۔ عورت کا بیعت نہ کرنا ایک طبعی امر تھا۔ قرآن وسنت دینِ حنیف کا سرچشمہ ہیں۔ ان میں بھی کہیں کوئی ایسا اشارہ موجود نہیں کہ بیعت میں عورت بھی شرکت کرے۔ (2)

(1) نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي، ص: 260. (2) نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي :1/277.

⑫ عرب قیدیوں کی واپسی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے جو فیصلہ فرمایا، وہ یہ تھا کہ مرتدین کے خلاف جنگوں میں قید ہونے والے افراد کو ان کے خاندانوں میں واپس بھیجا جائے۔ انھوں نے فرمایا: «كَرِهْتُ أَنْ يَّكُونَ السَّبْيُ سُنَّةً فِي الْعَرَبِ» ''میں عرب میں کسی کو غلام یا کنیز بنانا پسند نہیں کرتا۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس جرأتمندانہ اقدام سے سارے اہلِ عرب خبردار ہو گئے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے قانون کے سامنے ایک جیسے ہیں۔ کسی قبیلے کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ سوائے اس قبیلے کے جس نے اسلام کے لیے قربانیاں دی ہوں، کٹھن مراحل برداشت کیے ہوں اور اسلام اور فرزندانِ اسلام کے لیے بہت سی خدمات سرانجام دی ہوں۔

قیدی آزاد کرتے ہی ایک اور اقدام یہ کیا گیا کہ مرتدین میں سے توبہ کرنے والوں کو اسلام کے دشمنوں کے سامنے صف آرا ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ انھوں نے میدان جنگ میں بہادری اور ثابت قدمی کا اعلیٰ مظاہرہ کیا اور ریاست سے اپنی بھرپور وفاداری کا عہد نبھایا۔[2]

⑬ منصب خلافت اُمت کے دل میں جڑ پکڑ گیا اور امت مسلمہ کی وحدت کا نشان بن گیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے والا یہ حقیقت اچھی طرح محسوس کر سکتا ہے کہ وہ لوگ اعلیٰ ترین خوبیوں سے مزین اور اپنے اعمال میں حقیقت پسندانہ رویے کے حامل تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چند ہی گھڑیوں میں ایک ایسا نظامِ خلافت قائم کر دیا کہ تیرہ سو برس بعد برطانوی سامراج ایک منصوبے کے تحت خلافت عثمانیہ کو تقریباً چوتھائی صدی میں ختم کرنے میں کامیاب ہوا، حالانکہ برطانوی زعماء اس خلافت عثمانیہ کو اس وقت یورپ کا مردِ بیمار (Sickman of Europe) قرار دیتے تھے۔

[1] الخلافة والخلفاء الراشدون، ص: 160. [2] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور محمد السيد الوكيل، ص: 89.

سوچنے کی بات ہے کہ خلافت کو وہ کون سا مقام اور کون سی اہمیت حاصل تھی کہ سامراجی طاقتیں اسے ڈھانے کی منصوبہ بندی کرنے لگیں اور وہ خلافت عثمانیہ جو صرف نام کی خلافت رہ گئی تھی اسے گرانے میں بھی مغربی سامراج کو چوتھائی صدی صرف کرنی پڑی۔ [1]

⑭ بادشاہ اور خلیفہ کے مابین فرق: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ”اللہ کی قسم! معلوم نہیں کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ؟ اگر میں بادشاہ ہوں تو یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ ایک کہنے والے نے کہا: ان دونوں مناصب کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ خلیفہ کسی سے کچھ لیتا ہے تو وہ حق پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر اسے کسی ضروری مصرف میں خرچ کرتا ہے تو وہ بھی درست ہوتا ہے۔ آپ بحمد اللہ خلیفہ ہیں، جبکہ بادشاہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے لیتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کی یہ بات سن کر خاموش ہو گئے۔“

ایک روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر آپ نے کسی زمین کا خراج، چاہے ایک درہم سے بھی کم ہو، لیا ہو پھر اُس کو غلط مصرف میں خرچ کیا ہو تو آپ بادشاہ ہیں۔ یہ سُن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہو گئے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا شورائی نظام پر عمل

اسلامی مملکت کا ایک اصول یہ قرار پایا کہ کسی بھی معاملے میں حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے ریاست کے سرکردہ افراد اور ذمہ دار مسلمانوں سے مشورہ کیا جائے گا۔ خلیفہ انھیں ہر درپیش معاملے پر راضی کریں گے اور انھیں اپنی رائے سے مطمئن کریں گے۔

① الحضارة الإسلامية للدكتور محمد عادل، ص: 30. ② الشيخان أبو بكر الصديق وعمر بن الخطاب من رواية البلاذري، ص: 257,256.

شورائی نظام کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝﴾

”پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہیں۔ اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، چنانچہ آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“[1]

سورۂ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾

”اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم کی، اور ان کا (ہر) کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے، اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“[2]

شورائی نظام کی بنیاد خود جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنے زمانۂ مبارک میں رکھ دی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نظام پر سختی سے عمل کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کسی بھی معاملے میں لوگوں پر اپنی رائے نہیں ٹھونسی۔ انھوں نے عمومی معاملات میں بھی کسی پر قطعاً کوئی ظلم نہیں کیا۔ جونہی کوئی معاملہ پیش آتا تو حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے فوراً مسلمانوں کو جمع فرماتے۔ ان سے مشورہ لیتے۔ اور درپیش معاملات کے تمام مثبت اور منفی

---

[1] آل عمرٰن 3:159۔ [2] الشوریٰ 42:38۔

پہلوؤں کا جائزہ لے کر حتمی فیصلے کرتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

«لَا خَيْرَ فِي أَمْرٍ أُبْرِمَ مِنْ غَيْرِ شُورٰى»

''اس فیصلے میں کوئی بھلائی نہیں جو بغیر مشورہ کر لیا جائے۔''①

ان کا ایک اور مقولہ ہے:

«اَلرَّأْيُ الْفَرْدُ كَالْخَيْطِ السَّحِيلِ وَالرَّأْيَانِ كَالْخَيْطَيْنِ الْمُبْرَمَيْنِ، وَالثَّلَاثَةُ مِرَارٌ لَّا يَكَادُ يَنْتَقِضُ»

''اکیلے آدمی کی رائے کچے دھاگے کی طرح ہے، دو(2) آدمیوں کی رائے دو مضبوط ڈوریوں کی مانند ہے اور تین(3) افراد کی رائے ایک مضبوط بٹی ہوئی رسی کی حیثیت رکھتی ہے۔''②

مزید فرماتے ہیں:

«شَاوِرْ فِي أَمْرِكَ مَنْ يَّخَافُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ»

''اپنے معاملے میں مشورہ اس آدمی سے کرو جو دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو۔''③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے معاملات اپنی سوجھ بوجھ سے حل کر لے۔ دوسرا وہ جو اپنے معاملات میں کسی سے مشورہ طلب کرے اور مشورے کے مطابق معاملات انجام دے۔ تیسرا وہ شخص ہوتا ہے جو پریشان اور ہلاک ہونے والا ہوتا ہے کیونکہ نہ تو وہ خود صحیح فیصلہ کر سکتا ہے نہ کسی خیر خواہ سے مشورے کا طلب گار ہوتا ہے۔④

---

① الخلفاء الراشدون للنجار، ص:246. ② سراج الملوك للطرطوشي، ص:132. ③ الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية لسليمان آل كمال:273/1. ④ الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية لسليمان آل كمال:273/1.

مزید ارشاد فرمایا: ''مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے باہمی معاملات مجلس مشاورت میں سمجھدار لوگوں کی مشاورت سے حل ہوں۔ لوگوں کو تمام امور میں مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی اطاعت لازمًا کرنی ہوگی۔ ہاں، کسی جنگی چال کے سلسلے میں موقع محل کی مناسبت سے تبدیلی کرنی پڑے تو اسے اتباع کے منافی تصور نہیں کیا جائے گا۔'' ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جنگی کمانڈروں کو بھی حکم دیتے تھے کہ وہ جنگی امور باہمی مشورے سے طے کیا کریں۔ جب انھوں نے ابوعبید ثقفی کو عراق میں فارسیوں کے مقابلے کے لیے روانہ فرمایا تو ارشاد فرمایا:

«اِسْمَعْ وَأَطِعْ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَشْرِكْهُمْ فِي الْأَمْرِ وَ خَاصَّةً مَّنْ كَانَ مِنْهُمْ مِّنْ أَهْلِ بَدْرٍ»

''تم نبی ﷺ کے اصحاب اور خصوصًا اہل بدر کو معاملے میں شریک رکھنا اور ان کی سمع و طاعت کرنا۔'' ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عراق میں جنگی کمانڈروں کو خصوصی احکام جاری فرماتے تھے کہ وہ اپنے معاملات میں عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ اور طلیحہ اسدی رضی اللہ عنہ سے مشاورت جاری رکھیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنی جنگوں میں طلیحہ اسدی اور عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہما سے مشاورت و معاونت ضرور کرتے رہنا مگر انھیں کسی معاملے کا والی مت بنانا کیونکہ ہر فرد اپنے میدان کا شہسوار ہوتا ہے۔'' ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف یہ حکم نامہ بھیجا: ''تیرے قریب عرب کے وہ پسندیدہ لوگ رہنے چاہئیں جن کی خیر خواہی اور سچائی مسلّم ہو۔ جھوٹے لوگ تجھے اپنی خبر اور مشورے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اگرچہ وہ اپنے بعض اُمور میں سچے

① تاريخ الطبري: 481/3، نقلا عن الإدارة العسكرية. ② مروج الذهب: 315/2. ③ سير أعلام النبلاء: 317/1.

ہی کیوں نہ ہوں۔ اور دھوکے باز تو ہمیشہ نقصان پہنچانے کی گھات میں رہے گا۔ وہ تیرے لیے کبھی مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔“[1]

عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو جب بصرہ روانہ کیا تو فرمایا: میں نے علاء حضرمی کو لکھ بھیجا ہے[2] کہ وہ عرفجہ بن ہرثمہ کے ذریعے سے تیری مدد کرے۔[3] وہ جنگی تدابیر سے خوب واقف ہے اور جنگ کے میدانوں میں بڑا قوی اور برداشت والا آدمی ہے۔ وہ تیرے پاس آئے تو اس سے مشورہ حاصل کرنا اور اسے اپنے قریب رکھنا۔[4]

شورائی نظام کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ بہت اچھا تھا۔ وہ سب سے پہلے عوام الناس کے مشورے سننا پسند فرماتے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اصحابِ رائے کو جمع فرماتے اور معاملہ ان کے سامنے پیش کر دیتے تھے، پھر سب سے فرماتے تھے کہ اب تم کوئی متفقہ اور بہتر لائحۂ عمل طے کر لو، پھر جس پر سب متفق ہو جاتے وہ فیصلہ نافذ کر دیا جاتا تھا۔

ایسا نظام آج کل بھی بہت سے ایسے ممالک نے اختیار کر رکھا ہے، جو آئین اور دستور کے تحت معاملات چلاتے ہیں۔ وہ پہلے معاملات کو ایوان نمائندگان (پارلیمنٹ) میں پیش کرتے ہیں جب وہ غالب رائے سے پاس ہو جائیں تو انھیں سینٹ میں پیش کرتے ہیں، جبکہ بعض ملکوں میں لارڈز کے ایوان میں بھی پیش کیے جاتے ہیں اگر ان معاملات کی اس مجلس سے توثیق ہو جاتی ہے تو اس کے مطابق احکام جاری کر دیے جاتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان جدید ممالک کے طرز عمل کے مابین جو بعد المشرقین ہے، وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس پہلے سے کوئی متعین لائق اتباع نظام موجود نہیں۔ وہ تو صرف درپیش حالات سامنے رکھتے ہیں۔ انھی کے مطابق اپنے قوانین وضع کرتے اور احکام جاری کرتے

[1] نهاية الأرب: 169/6. [2] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية: 274/1. [3] الإصابة: 491/2. [4] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية: 275/1.

ہیں جبکہ اس کے برعکس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مستقل اسلامی نظام موجود تھا۔ ①

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی معاملے میں اجتہاد کرتے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے، بعدازاں ایسا ہوتا کہ کوئی ایسا آدمی آجاتا جسے بظاہر معمولی آدمی سمجھا جاتا تھا مگر وہ دلیل کے ساتھ اس رائے کو غلط ثابت کر دیتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی بات تسلیم فرما لیتے اور اپنی رائے سے رجوع کر لیتے تھے۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت جدید مسائل، نئے حالات و حوادث، اسلامی حدود اربعہ کی زبردست وسعت، نئی تہذیب و تمدن اور مختلف رسوم و رواج سے بھرپور تھا، اس لیے شورائی نظام کا دائرۂ کار بھی وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ نئی مشکلات سامنے آئیں اور نئے اجتہادات کی ضرورت پیش آئی۔ جس طرح نئی مفتوحہ زمینوں اور آمدنی کے ذرائع وسیع ہونے کی وجہ سے نئے مالی ضابطوں کی تشکیل کا مسئلہ پیش آیا تاکہ انھیں ریاست کے امور میں صحیح جگہ خرچ کیا جا سکے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی مجلس مشاورت میں زیادہ سے زیادہ کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرماتے تھے۔ ③ ان کی مجلس میں اصحابِ بدر کو خاص مقام حاصل تھا کیونکہ وہ افضل ترین لوگ تھے جو علم اور مسابقت فی الاسلام کی وجہ سے نہایت ممتاز تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں نوجوانوں کی کثیر تعداد بھی موجود ہوتی تھی کیونکہ یہ نوجوان بھی عین اسلام کے راستے پر چلنے والے تھے اور کسی بھی مملکت کو ولولہ خیز اور پرجوش افراد کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا باصلاحیت اور منفرد خوبیوں کا حامل شخص اس حقیقت سے کس طرح چشم پوشی کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ امت کے اُن چیدہ چیدہ نوجوانوں کو جو علم، تقویٰ اور فہم و ذکا میں منفرد مقام کے حامل ہوتے تھے اپنی مجلس کا رکن مقرر فرماتے تھے، مثلاً: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما،

---

① الخلفاء الراشدون للنجار، ص :246. ② الخلفاء الراشدون للنجار، ص :247. ③ عصر الخلافة الراشدة، ص: 90.

جو اس نوجوان قافلے میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان باشعور نوجوانوں سے مشورہ لیتے اور خود بھی اجتہاد فرماتے، پھر قرآن کریم کی روح کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت میں تمام قراء حضرات ہوتے تھے۔ ان میں سے کچھ عمر رسیدہ اور کچھ نوجوان تھے۔ [1]

علامہ زہری رحمہ اللہ نے ایک دفعہ نوجوانوں سے خطاب کے دوران فرمایا: تم خود کو محض اس لیے اتنا حقیر نہ سمجھو کہ تم ابھی کم سن ہو۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی سخت مشکل میں اُلجھ جاتے تھے تو وہ نوجوانوں کو بلاتے تھے۔ وہ ان سے مشورہ بھی لیتے تھے اور ان کی عقلوں کا امتحان بھی۔ [2]

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مشورے کے عادی تھے۔ وہ ہر معاملے میں اس حد تک مشورہ لیتے کہ بسا اوقات عورتوں سے بھی مشورہ لے لیتے۔ بعض اوقات وہ کسی خاتون کے مشورے میں بھلائی دیکھتے تو اُسے بھی اختیار فرماتے تھے۔ سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انھوں نے اپنی بیٹی ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی مشورہ لیا۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جلیل القدر صحابہ کی کثیر تعداد موجود رہتی تھی۔ ان میں سرفہرست سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے تھے جو حضر و سفر میں اُن کے ساتھ رہتے تھے۔ [4] اسی طرح حضرات عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، علی بن ابی طالب، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ان کے قریبی مصاحب تھے۔ [5]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر انھیں پوری آزادی سے بے لاگ مشورہ دیتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 147. [2] عصر الخلافة الراشدة، ص: 90. [3] عصر الخلافة الراشدة، ص: 90. [4] السنن الكبرٰى للبيهقي: 29/9، نقلًا عن عصر الخلافة الراشدة، ص: 90. [5] الخلفاء الراشدون للنجار، ص: 247.

کو بھی ان حضرات کی امانت و دیانت پر کبھی شک نہیں گزرا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اگر کتاب و سنت میں کسی مسئلے کے بارے میں نص نہ پاتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بے تکلف پوچھ لیتے تھے کہ شاید کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان یاد ہو کیونکہ بعض اوقات کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوبہ ارشاد سنا ہوتا اور کسی نے نہ سنا ہوتا تھا۔ وہ نصوص کے معانی سمجھنے کے لیے بھی ان کی طرف رجوع فرماتے تھے اور نص میں موجود احتمال کو ختم کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں کبھی فرد واحد اور کبھی چند مخصوص اصحاب سے رابطہ کرتے۔ اگر کوئی عمومی حادثہ ہوتا تو تمام صحابہ کو جمع فرماتے تھے اور جس قدر ممکن ہوتا مجلس مشاورت میں توسیع کر لیتے تھے۔ جس طرح کہ انھوں نے طاعون عمواس کے سلسلے میں وسیع پیمانے پر مجلس مشاورت قائم کی اور ارضِ شام کی طرف سفر کے سلسلے میں مشاورت فرمائی۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شام کے ایک علاقے ''سرغ'' پہنچے۔ عُمّال خلافت نے آپ کا اور آپ کے ہمراہ جانے والے مہاجرین و انصار کا پرتپاک استقبال کیا۔ آپ نے وہاں بھی سب سے مشورہ طلب فرمایا کہ مجھے آگے بڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نکلے ہیں آپ کو آگے بڑھنا چاہیے۔ کسی نے مشورہ دیا: یہ ایک آزمائش ہے، آپ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالیے۔ اس کے بعد آپ نے قریشی مہاجرین کو، جو فتح مکہ میں شامل ہوئے تھے، اپنے پاس بلایا اور اُن کی خاص رائے طلب فرمائی۔ انھوں نے متفقہ طور پر پلٹنے کا مشورہ دیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا کہ میں صبح سویرے واپس چلا جاؤں گا۔

اس موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: «أَفِرَارًا مِّنْ قَدَرِ اللّٰهِ؟» ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہیں؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: «نَعَمْ! نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ إِلٰى قَدَرِ اللّٰهِ» ''ہاں، ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 91,90.

کی طرف بھاگنا چاہتے ہیں۔'' یہ بتاؤ اگر تم اپنے اونٹ چرانے کے لیے کسی وادی میں اترو، اس کے ایک طرف سرسبز و شاداب جگہ ہو اور دوسری طرف کا علاقہ بنجر ہو تو کہاں اترو گے؟ یقیناً تم جس طرف بھی اترو گے اللہ کی تقدیر کے ساتھ ہی اترو گے۔ اس دوران میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی کسی ضرورت کے تحت کہیں گئے ہوئے تھے۔ جب وہ آئے (یہ گفتگو سنی) تو کہنے لگے: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«إِذَا سَمِعْتُمْ بِهٰذَا الْوَبَاءِ بِبَلَدٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ وَأَنْتُمْ بِهٖ فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِّنْهُ»

''اگر تم کسی شہر میں اس وبا کے بارے میں سنو تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم اس وبا کے پھوٹ پڑنے سے پہلے ہی وہاں موجود ہو تو وہاں سے راہِ فرار اختیار نہ کرو۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بہت سے شعبوں میں باقاعدہ مشورہ کیا جاتا تھا، مثلاً: انتظامی، عدالتی، سیاسی اور فوجی امور، نیز عمال اور امراء کے تقرر کے معاملات کے علاوہ ایسے شرعی مسائل پر بھی کھل کر تبادلۂ خیال ہوتا تھا جس میں حلت و حرمت کی وضاحت مقصود ہوتی تھی۔[2]

وہ شعبہ جات جن میں شورائی نظام قائم تھا، ان شاء اللہ، ہم ان تمام شعبوں کا اپنے محل پر جُدا جدا تذکرہ کریں گے جس سے معلوم ہو گا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شورائی نظام کی بدولت کس قدر قیمتی اور قوی دلائل حاصل کرتے تھے۔

یہاں اس امر کا اعلان و اظہار نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ خلافت راشدہ جس شورائی نظام پر قائم تھی اس کی بنیاد قرآن و سنت نے فراہم کی ہے۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی ایجاد نہیں تھی نہ یہ حادثاتی طور پر معرضِ وجود میں آئی تھی بلکہ یہ تو خالص ربانی منہج تھا۔

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2219. [2] القيود الواردة على سلطة الدولة في الإسلام، ص: 168,167.

عدل و مساوات

اسلامی احکام کے بنیادی اہداف و مقاصد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اسلامی نظام ہر ممکن طور پر نافذ کیا جائے تا کہ اسلامی فلاحی معاشرہ معرض وجود میں آ سکے۔ نظام عدل و مساوات ایسا معاشرہ قائم کرنے میں اہم ترین کردار ادا کرتا ہے۔ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے امت اسلامیہ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا تھا تو عدل ہی کے اصول وضوابط کا تذکرہ فرمایا تھا۔ بلاشبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خطبے میں شامل عدل و مساوات وہ نظام تھا جس پر اسلامی معاشرے کی عمارت قائم ہوئی۔ اسلام میں کسی ایسے معاشرے کا تصور بھی موجود نہیں جس میں ظلم ہو اور عدل مفقود ہو۔

یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ لوگوں کے درمیان عدل کا قیام چاہے انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی اور علاقائی سطح پر یہ خلیفہ یا حاکم وقت کی مرضی پر منحصر نہیں ہے بلکہ اسلام کی رُو سے یہ معاملہ اس کے مقدس ترین فرائض میں شامل ہے۔ اور خلیفہ کی طرف سے عدل و انصاف کے محکم اہتمام پر پوری امت کا اجماع ہے۔ [1]

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ ہر حاکم پر واجب ہے کہ وہ عدل و انصاف کی حکمرانی قائم کرے۔ [2]

عدل کے قیام کا حکم قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ اسلامی ریاست کے قیام کا ایک اہم ترین مقصد یہ بھی ہے کہ ایسا معاشرہ معرض وجود میں لایا جائے جہاں عدل و مساوات کو حکمرانی حاصل ہو، ظلم اور اس کی ہر شکل کو نیست و نابود کیا جائے۔ اور ہر انسان کے سامنے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے کھلا میدان اور آسان راستے میسر ہوں تا کہ وہ سہل ترین راستے سے جلد از جلد مال خرچ کیے بغیر بلا مشقت اپنا حق وصول کر سکے۔ حضرت فاروق

[1] فقه التمكين في القرآن الكريم للصلابي، ص:455. [2] تفسير الرازي: 141/10.

اعظم رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تھا۔ انھوں نے حق و انصاف کو لوگوں کی دہلیز پر پہنچایا اور اہلِ ریاست کی خود چوکیداری کی۔ انھیں ہر متوقع ظلم سے بچایا۔ عمال اور عوام کے مابین مکمل عدل و انصاف قائم فرمایا۔ انصاف کی اس معراج کو تاریخ نے بہت خوبصورت اور عمدہ ترین شکل میں پیش کیا۔ وہ ہر دو آدمیوں کے درمیان انصاف فرماتے اور حق دار کو اس کا حق پہنچاتے۔ انھیں اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ جس کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے وہ ان کا دشمن ہے یا قریبی رشتہ دار؟ وہ غریب ہے یا مالدار؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔“[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ عدالت کے شعبے میں اپنی مثال آپ تھے۔ انھوں نے لوگوں کے دلوں کو گرویدہ اور اُن کی عقلوں کو حیران کر دیا۔ ان کی نظر میں عادلانہ نظام بذات خود لوگوں کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کرنے کا موجب تھا۔ وہ اس سلسلے میں نبوی منہج پر گامزن ہوئے۔ ان کی سیاست کا دار و مدار لوگوں کے مابین عدل و انصاف کے قیام پر تھا۔ وہ اپنے اس منشور میں عملی طور پر مکمل کامیاب دکھائی دیتے ہیں، جس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور عام عقلیں ایسے عادلانہ نظام کے قیام کو ناممکن سمجھتی ہیں۔ عالم یہ تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معنی ہی عدل و انصاف سمجھا جاتا تھا۔ جو بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کو جانتا تھا وہ

---

[1] المآئدة 8:5.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور عدل کے مابین فرق کرنے سے قاصر تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس قدر عظیم الشان کامیابی کے پیچھے بہت سے اسباب کارفرما تھے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ اسباب یہ ہیں:

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تقریباً دس(10) سال پر محیط تھا اور یہ مدت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مقابلے میں طویل تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو(2) سال اور چند مہینوں سے زیادہ نہیں رہی۔

② سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سچے حق پرست تھے۔ وہ حق پر بہت مضبوطی سے کاربند رہے۔ وہ اپنی ذات ہی سے نہیں بلکہ اپنے اہل خانہ سے بھی راہِ حق کی بڑی سختی سے پابندی کراتے تھے۔

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اللہ کے حضور پیش ہونے کا ڈر نہایت شدت سے موجود تھا۔ وہ جو بھی اقدام کرتے اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی مرضی تلاش کرتے تھے اور لوگوں میں سے کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

④ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے دل و دماغ پر شریعت کی حکمرانی تھی۔ ان سب کی طرف سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھرپور تائید اور تعاون حاصل تھا یوں تمام امور خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ اور تابعین کرام میں پوری ہم آہنگی نظر آتی تھی۔[1]

عدل و انصاف کی بالادستی کے لیے یہ وہ چند اہم کردار تھے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت ذمہ داری سے ادا کیے۔ ان کے عدل کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ انھوں نے ایک مقدمے میں ایک یہودی کو حق پر پایا تو بلا تأمل اس کے مسلمان حریف کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ یہودی کے کفر نے بھی انھیں کسی قسم کے ظلم پر انگیخت نہیں کیا۔

امام مالک رحمہ اللہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی سند سے روایت فرماتے ہیں:[2] ایک دفعہ

---

① نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين لحمد محمد الصمد، ص: 145. ② الوسطية في القرآن الكريم للصلابي، ص: 96.

ایک یہودی کا ایک مسلمان سے جھگڑا ہو گیا۔ جب اس مقدمے کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جائزہ لیا تو یہودی کا موقف صحیح پایا، چنانچہ انھوں نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس پر یہودی نے بے ساختہ کہا: اللہ کی قسم! آپ نے برحق فیصلہ فرمایا ہے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال کو ایام حج میں ملاقات کی تلقین کر رکھی تھی۔ جب ان کے پاس تمام عمال جمع ہو جاتے تو خطبہ ارشاد فرماتے: اے لوگو! میں نے یہ تمام عمال تم پر تمھاری جان اور مال پر ظلم کرنے کے لیے مقرر نہیں کیے۔ انھیں میں نے انصاف قائم کرنے کے لیے مقرر کیا ہے اور مال غنیمت میں سے تمھارے حصے تقسیم کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اگر کسی کے ساتھ کوئی ناروا سلوک ہوا ہے تو وہ کھڑا ہو جائے۔ ایسے موقع پر ایک دفعہ صرف ایک ہی آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ کے بھیجے ہوئے گورنر نے مجھے سو(100) کوڑے مارے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس گورنر سے فوراً جواب طلب کیا: تو نے اسے کیوں مارا؟ قصاص دینے کے لیے تیار ہو جا! اس موقع پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! اگر آپ نے اس طرح کیا تو لوگ بہت زیادہ شکایتیں کرنے لگیں گے اور یوں یہ عادت چل نکلی تو آپ کے بعد بھی جاری رکھی جائے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ میرا اجتہاد نہیں ہے بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قصاص دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کچھ مہلت دیجیے، ہم متاثرہ آدمی کو راضی کر لیتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی، چنانچہ مضروب کو ہر کوڑے کے عوض دو(2) دینار کے حساب سے دوسو(200) دینار لینے پر راضی کر لیا گیا۔ [2] اگر ایسا نہ ہوتا تو گورنر کو لازماً قصاص دینا پڑتا۔

ایک دفعہ ایک آدمی مصر کے گورنر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر حاضر ہوا۔ اس

---

[1] الموطأ، الأقضية، باب الترغيب في القضاء بالحق، حديث: 2. [2] الطبقات الكبرٰى لابن سعد 294,293/3.

نے عرض کیا: اے امیر المومنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے مضبوط پناہ حاصل ہوئی۔ اس نے کہا: میرا معاملہ یہ ہے کہ میں نے عمرو کے بیٹے کے ساتھ دوڑ لگائی۔ میں جیت گیا تو اس نے مجھے کوڑے سے پیٹا۔ وہ کہتا تھا: میں ایک معزز باپ کا بیٹا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فوراً حکم نامہ لکھ کر بھیجا کہ تم اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر فوراً حاضر ہو جاؤ۔ وہ آ گئے تو دریافت فرمایا: وہ مصری فریادی کہاں ہے؟ وہ پیش ہو گیا تو فرمایا: عمرو بن عاص کے بیٹے کو تم بھی اسی طرح پیٹو جس طرح اس نے تمھاری پٹائی کی تھی۔ فریادی مارنے لگا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے فرمایا: ہاں، ہاں! مارو ایک معزز باپ کے بیٹے کو مارو! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ مصری فریادی گورنر کے بیٹے کو مار رہا تھا۔ ہم بھی اسی بات کے خواہش مند تھے کہ مظلوم اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لے لے۔ جب مصری نے پٹائی سے ہاتھ کھینچ لیا تو اس وقت تک ہمیں بھی تسلی ہو چکی تھی۔ بعدازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک ضرب عمرو بن عَاص کی چندیا پر بھی مارو تو اس مصری نے کہا: اے امیر المومنین! مجھے اس کے بیٹے نے مارا تھا، بس میں نے اس پر اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا رکھا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد پیدا کیا ہے؟ اس وقت عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! نہ تو مجھے اس قصے کا کوئی علم تھا، نہ یہ مصری فیصلے کے لیے میرے پاس آیا۔[1]

خلفائے راشدین کی کامیابی کا راز ہی ان کا بے لاگ عدل و انصاف پر قائم رہنا تھا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ ہر اس ریاست کی لازمًا مدد فرماتا ہے جو اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کرے، چاہے ایسی ریاست کافر ہی ہو۔ ظالم ریاست کی اللہ تعالیٰ ہرگز مدد نہیں کرتا، چاہے وہ مسلمان ریاست ہو۔ عدل ہی ایک ایسی خوبی ہے

[1] وسطية أهل السنة بين الفرق لمحمد باكريم، ص: 170.

جس سے لوگ درست اور مستقیم رہ سکتے ہیں اور اموال کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دارومدار قانونِ مساوات پر تھا۔ یہ وہ قانون ہے جو شریعت نے مرحمت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثَى وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقٰكُمْ ۚ إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔'' ②

اسلام کی نظر میں سب لوگ، چاہے وہ حاکم ہوں یا محکوم، مرد ہوں یا عورتیں، عرب ہوں یا عجم، سفید ہوں یا کالے، برابر ہیں۔ اسلام نے لوگوں کے درمیان جنس، رنگ، نسب اور طبقاتی اونچ نیچ کے تمام امتیازات ختم کر دیے۔ اب حاکم ہو یا محکوم اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں۔ ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں نظام مساوات نہایت خیر و خوبی سے نافذ العمل دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل اثرات سامنے آئے:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک دفعہ مدینہ اور اس کے اردگرد قحط سالی ہوئی۔ ہوا چلتی تو ہر طرف خاک اڑتی نظر آتی۔ ④ چنانچہ اس سال کو ''عام الرمادہ'' یعنی خاک اڑنے کا سال کہا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ گھی، دودھ اور گوشت اُس وقت تک نہیں

---

① السياسة الشرعية، ص: 10. ② الحجرات 13:49. ③ فقه التمكين في القرآن الكريم، ص: 501. ④ فقه التمكين في القرآن الكريم، ص: 501.

کھائیں گے جب تک لوگ پہلے جیسی زندگی پر نہ لوٹ آئیں۔ ایک دفعہ بازار میں گھی کا ایک ڈبہ اور دودھ کا کٹورا بکنے کے لیے آیا۔ کسی خادم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ چیزیں چالیس (40) درہم میں خرید لیں اور عرض کیا: اے امیر المومنین! اللہ نے آپ کی قسم پوری فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ اجر سے نوازے! اب ہم نے آپ کے لیے یہ اشیائے خوردنی خریدی ہیں قبول فرمائیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے میرے لیے اتنے مہنگے داموں یہ چیزیں کیوں خریدیں؟ جاؤ! انھیں صدقہ کر دو۔ میں اسراف پر مشتمل کھانا تناول کرنا ہرگز پسند نہیں کرتا......، پھر فرمایا: مجھے عوام کے دکھ کا اس وقت تک صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک خود میں بھی انھی حالات سے نہ گزروں جن حالات سے عوام گزرتے ہیں۔ ①

یہ وہ کردار تھا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ، یعنی خشک سالی کے دوران میں اختیار فرمایا، پھر ایک موقع ایسا آیا کہ مہنگائی ہو گئی۔ خاص طور پر گھی مہنگا ہو گیا۔ لوگوں کو مہنگائی کا سامنا کرنا پڑا، عام لوگوں کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گرانی کا مقابلہ کیا۔ انھوں نے گھی کھانا موقوف کر دیا۔ عام خوردنی تیل پر گزارا کرنے لگے۔ اس کے نتیجے میں ان کے پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہونے لگی۔ ایک دفعہ معدے سے گڑگڑ کی آواز آئی تو پیٹ کو مخاطب کر کے فرمایا: جتنا مرضی گڑگڑ کر لے۔ اللہ کی قسم! جب تک لوگ گھی نہ کھا سکیں گے تجھے بھی میسر نہیں آئے گا۔ ②

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں مساوات کا قانون بطور اصول نافذ تھا۔ مساوات کسی ایک شعبے تک محدود نہیں تھی بلکہ یہ تو پورے اسلامی معاشرے کا مزاج بن گئی تھی۔ حتی کہ قانون مساوات حاکم و محکوم اور خادم و مخدوم کے مابین بھی نافذ تھا۔

① تاريخ الطبري: 98/4، نقلًا عن نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي: 87/1. ② مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 101.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج کرنے مکہ آئے۔ صفوان بن امیہ نے ایک بڑے برتن میں، جسے کم سے کم چار افراد اٹھا سکتے تھے، بہت سا کھانا تیار کرایا اور لوگوں کے سامنے رکھا۔ ان میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ کھانے کے وقت خدام اٹھ کر جانے لگے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا تم کھانا نہیں کھاؤ گے؟ سفیان بن عبداللہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! ایسی بات نہیں ہے۔ ہم لوگ بعد میں کھا لیں گے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت غضب ناک ہوئے۔ فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ترجیحات کا قانون اپنائے ہوئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا ایسا سلوک فرمائے، پھر خدام کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ اور کھانا کھاؤ، پھر خدام نے کھانا کھایا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں کھایا۔ (1)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معیارِ زندگی عام لوگوں جیسا تھا۔ وہ عام لوگوں جیسا ہی کھانا کھاتے تھے۔ ایسا امتیازی حیثیت کا کھانا نہیں کھاتے تھے جو سب لوگوں کو میسر نہ ہو۔ اکثر روزہ رکھتے تھے۔ ''عام الرمادہ'' کے زمانے میں ان کے لیے تیل سے بنا ہوا ثرید لایا جاتا۔ وہ اسے بخوشی تناول فرماتے تھے۔ ایک دن کچھ اونٹ ذبح کیے گئے، لوگوں کو کھلائے گئے (2) اور گوشت کا وہ عمدہ حصہ، جو کوہان اور جگر کے لمبے ٹکڑوں پر مشتمل تھا، الگ کر لیا گیا۔ اسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یہ ٹکڑے کہاں سے آئے؟ لوگوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! یہ ان اونٹوں سے ہیں جو آج ہم نے ذبح کیے تھے۔ آپ نے بڑا تعجب کیا اور فرمایا: اگر میں یہ عمدہ اور لذیذ گوشت کھا لوں، جبکہ عام لوگ ہلکی قسم کا گوشت کھا رہے ہیں تو میں کتنا برا حکمران ہوں گا، پھر فرمایا: یہ برتن اُٹھا لو اور میرے لیے کوئی اور سادہ کھانا لے کر آؤ۔ آپ کی خدمت میں روٹی اور تیل لایا گیا تو

(1) مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 101. (2) نظام الحكم في الشريعة و التاريخ الإسلامي: 1/87.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا توڑ کر تیل میں بھگونے لگے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قانون مساوات نہ صرف مدینہ میں نافذ کر رکھا تھا بلکہ پوری مملکت اسلامیہ میں تمام گورنروں کو یہی احکام دے رکھے تھے۔ یہاں تک کہ کھانے پینے کے سلسلے میں بھی یہی قانون سرکاری طور پر نافذ تھا۔ [2]

ایک دفعہ جب عتبہ بن فرقد آذربائیجان تشریف لائے تو ان کے سامنے کھجور اور گھی سے تیار کردہ حلوہ پیش کیا گیا۔ انھوں نے کھایا۔ بہت عمدہ اور شیریں پایا۔ خیال آیا کیوں نا ایسا اچھا حلوہ امیر المومنین کی خدمت میں ارسال کیا جائے۔ انھوں نے اس حلوے کے دو(2) بڑے بڑے ٹوکرے تیار کرائے اور دو آدمیوں کی معیت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ فرما دیے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کھول کر دیکھا تو دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ گھی اور کھجور کا تیار شدہ حلوہ ہے۔ انھوں نے اسے چکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی عمدہ میٹھی چیز ہے۔ دریافت فرمایا: کیا وہاں سب لوگ گھروں میں ایسی ہی خوراک کھاتے ہیں؟ جواب دیا گیا: نہیں، اس پر آپ نے حکم دیا: اسے واپس بھیج دو، پھر عتبہ کے نام تحریر لکھی: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ كَدِّ أَبِيكَ وَلَا مِنْ كَدِّ أُمِّكَ أَشْبِعِ الْمُسْلِمِينَ مِمَّا تَشْبَعُ فِي رَحْلِكَ»: ”اما بعد، یہ مال تیرے باپ یا تیری ماں کی محنت کی کمائی نہیں ہے۔ جو تو خود کھاتا ہے اس طرح کا سب لوگوں کو بھی کھلا۔“ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نفاذِ مساوات کے سلسلے میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ان کے پاس کچھ مال آیا۔ اسے وہ لوگوں میں تقسیم کرنے لگے۔ وہاں رش ہو گیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس مجمع کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک پہنچ گئے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر کوڑا لہرایا اور فرمایا: تو اللہ کی طرف سے اس

---

[1] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي: 188/1. [2] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي: 188/1. [3] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 147.

کی زمین پر مقرر سلطان سے نہیں ڈرتا؟ میں تجھے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ کا خلیفہ تجھ سے نہیں ڈرتا۔[1]

ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ وہ عراق اور مدائنِ کسریٰ کے فاتح تھے۔ وہ اس انتخابی کمیٹی میں بھی شامل تھے جسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ انھیں ''فارس الاسلام'' یعنی اسلام کا شہسوار کہا جاتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو اُن سے راضی تھے۔[2]

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ روایت فرماتے ہیں: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عمر بن خطاب پر شراب پینے کی حد لگائی۔ ان دنوں عمرو بن عاص مصر کے گورنر تھے۔ حد لگانے کا قانون یہ ہے کہ اسے سرعام نافذ کیا جائے تاکہ دیگر تمام لوگوں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ حد گھر کے اندر لگائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ڈانٹ کر لکھا: اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے عاصی (نافرمان) ابن عاص کی طرف۔ اے ابن عاص! مجھے تیری جرأت اور میرے ساتھ وعدہ خلافی پر بڑا تعجب ہوا ہے۔ میں نے اصحابِ بَدر کا مشورہ ترک کر کے تجھ سے بہتر آدمی کی جگہ تجھے عامل مقرر کیا تاکہ تو میرا نائب بنے اور وہاں میرے عہد کو نافذ کرے لیکن تو نے اس عہد کو گندا کر دیا۔ اب میرا ارادہ یہ ہے کہ تجھے معزول کر دوں۔ پس اس موقع پر تیری معزولی کتنی بُری ہوگی۔ تو نے عبدالرحمٰن کو گھر کے اندر لے جا کر حد نافذ کی، حالانکہ تجھے علم ہے کہ یہ امتیاز مجھے پسند نہیں۔ عبدالرحمٰن تیری رعایا کا ایک فرد ہے۔ تو اس کے ساتھ وہی سلوک کر جو تو رعایا کے دیگر افراد کے ساتھ کرتا ہے لیکن تو نے کہا: یہ امیر المومنین کا بیٹا ہے۔ تجھے علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے سلسلے میں کسی شخص کے بارے میں انفرادی سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ جب یہ خط تیرے پاس پہنچے تو فوراً

---

[1] الخلفاء الراشدون، ص :243. [2] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي :88/1.

میرے بیٹے کو ایک ہی جوڑا پہنا اور اونٹ کے ننگے پالان پر بٹھا کر میرے پاس روانہ کر دے تا کہ اسے پتہ چل جائے کہ اس نے کیا کیا ہے۔ ①

پھر ایسا ہی ہوا عبدالرحمٰن مدینہ پہنچا تو اس پر سرعام سب کے سامنے حد نافذ کی گئی۔ یہ قصہ ابن سعد نے بیان کیا۔ ابن زُبیر نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور عبدالرزاق نے اسے مفصل طور پر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ②

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شریعت کی نظر میں مساوات کو کتنا اہم مقام حاصل ہے۔ امیر المومنین کا بیٹا مجرم ہے اور وقت کے گورنر نے اسے حد سے مستثنیٰ نہیں کیا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ ان کے بیٹے کو رعایت دی گئی ہے۔ اُنھیں سخت رنج ہوا۔ اس پر انھوں نے مصر کے والی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بڑی سخت سرزنش فرمائی اور اپنے ہی لخت جگر کو دوبارہ قرار واقعی سزا دی تا کہ اللہ کی حدود کی صحیح پاس داری ہو اور بیٹے کی گوشمالی کی جا سکے۔ یہ وہ سلوک تھا جو انھوں نے اپنے ہی نسبی بیٹے سے کیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ دینی احکام کی خلاف ورزی پر دوسروں کا بھی بھرپور محاسبہ کرتے ہوں گے۔ ③

تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ جبلہ بن ایہم کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سلوک ہے۔ اس واقعے کو مؤرخین نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مساوات پر مبنی عملداری کا عظیم شاہکار قرار دیا ہے۔ اس واقعے کی تفصیلات اس طرح ہیں:

جبلہ ہرقل کی طرف سے بنوغسان کا آخری گورنر تھا۔ تمام غسانی بادشاہ شام میں رومی سلطنت کے باجگزار ہوتے تھے اور رومی انھیں ہمیشہ عرب کے خلاف برسر پیکار رہنے پر اکسایا کرتے تھے۔ خاص طور پر دعوتِ اسلام کے بعد انھوں نے اپنے مذموم ارادوں میں

① مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص:235. ② الخلافة الراشدة والدولة الأموية ليحيىٰ اليحيىٰ، ص:345. ③ فن الحكم في الإسلام للدكتور مصطفى أبو زيد، ص:476,475.

مزید تیزی پیدا کر دی۔ جب اسلامی فتوحات بڑھتی گئیں اور رُوم میں مسلمانوں کو پے در پے کامیابیاں حاصل ہوئیں تو شام میں رہنے والوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا تو ایک غسانی بادشاہ کو بھی توفیق ہوئی۔ وہ خود اور اس کے بہت سے مصاحب دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو درخواست بھیجی کہ وہ مدینہ طیبہ آنا چاہتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے اسلام لانے اور مدینہ حاضر ہونے کی خواہش سے بہت خوش ہوئے۔ وہ بادشاہ مدینہ آیا اور چند دن قیام کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مہمان نوازی فرمائی اور اس سے بہترین سلوک فرماتے رہے۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ حج کرنا چاہتا ہے۔ پس جب وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا تو اس دوران میں بنوفزارہ کے ایک آدمی نے اس کے ازار پر بھولے چوکے پاؤں رکھ دیا۔ اس کے نتیجے میں اس کا ازار کھل گیا۔ غسانی بادشاہ غضب ناک ہو گیا۔ وہ ابھی نیا نیا مسلمان ہوا تھا۔ اس نے اس آدمی کو اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ اس کی ناک پھٹ گئی۔ وہ فزاری آدمی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جبلہ کی زیادتی کے خلاف دعویٰ دائر کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو بلا بھیجا۔ وہ آیا تو استفسار فرمایا: اے جبلہ! تو نے اپنے بھائی پر ظلم کرتے ہوئے اسے تھپڑ کیوں مارا؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی تو میں نے اس سے نرمی برتی ہے اگر مسجد حرام کا تقدس نہ ہوتا تو میں اس کا چہرہ نوچ لیتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے تو خود اقرار کر لیا ہے اب یا تو اس فزاری کو راضی کر یا قصاص کے لیے تیار ہو جا...... یہ سن کر جبلہ کی حیرانی کی حد نہ رہی۔ اس نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایک بادشاہ ہوں۔ بھلا میں اور ایک معمولی آدمی کو قصاص دوں؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام میں سب انسان برابر ہیں۔ غسانی بادشاہ نے کہا: اے امیر المومنین! میرا خیال تھا کہ میں اسلام لا کر اپنی جاہلانہ زندگی سے زیادہ باعزت مرتبہ حاصل کر لوں گا۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان باتوں کو چھوڑ۔ اگر تو اس آدمی کو

راضی نہ کر سکا تو قصاص کے لیے تیار ہو جا۔ یہ سُن کر غسانی نے کہا: میں پھر عیسائی بن جاؤں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو عیسائی بنے گا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا کیونکہ تو مسلمان ہو چکا ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد اس دین کو چھوڑے گا تو مرتد قرار پائے گا اور مرتد کی سزا یہی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ [1] یہ سن کر غسانی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مہلت مانگی کہ میں اس بارے میں غور و فکر کر لوں۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تکرار کا کوئی فائدہ نہیں۔ نہ ان کے سامنے کوئی چال کامیاب ہو سکتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مہلت دے دی۔ جبلہ اپنے گھر پہنچا۔ اس نے غور و فکر کیا لیکن صحیح نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ رات کے اندھیرے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو جائے، لہٰذا وہ قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ بعد میں وہ اس فیصلے پر سخت نادم ہوا۔

اس نے اپنی یہ سرگزشت اپنے اشعار میں بیان کی ہے جو ہمیشہ تاریخ کا حصہ رہے گی۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بے لاگ انصاف کی گواہی دیتی رہے گی۔ [2] اس قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شریعت کے مطابق قانون مساوات کے نفاذ کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ اسلام نے محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا ہے۔ مساوات ایک جیتا جاگتا مؤثر قانون ہے۔ یہ خالی الفاظ کا نام نہیں جسے کاغذ پر لکھ دیا جائے یا کوئی اشعار کا مجموعہ نہیں جسے گنگنا دیا جائے۔ [3]

---

[1] تاریخ ابن خلدون: 281/2، نقلا عن نظام الحکم للقاسمي: 90/1. [2] یہی واقعہ مسٹر جسٹس امیر علی نے بھی اپنی مشہور کتاب Spirit of Islam میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوبِ گرامی بھی نقل کیا ہے۔ ہم یہاں قارئین کرام کے استفادے کے لیے اس مکتوب کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ اب یہ واقعہ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے یادگار الفاظ میں پڑھیے۔ جناب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مکتوب شام میں عساکر اسلام کے کمانڈر انچیف حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ارسال فرمایا تھا۔ اس میں اوّلاً آپ نے بتایا کہ ''جبلہ (JABALA) دھوم دھام سے آیا۔ ہم نے »

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بلاشبہ وہ قانون نافذ کیا جو بطور شریعت رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے جسے اسلامی معاشرے میں بالفعل نافذ کیا جاتا ہے۔ یہ قانون نہ تو باپ کی شفقت سے متأثر ہوتا ہے نہ کسی قسم کی کوئی چاپلوسی اور عمدہ القابات کی نوازش اس کی قدر و قیمت کم کرسکتی ہے۔ اسی طرح نہ دین کا اختلاف اس میں مؤثر ہوسکتا ہے اور نہ فاتحین کی تواضع سے اس میں ردّ و بدل کا کوئی امکان ہے۔ یہ تو ایک ایسا واجب العمل قانون ہے

»» اس کی تکریم کی۔ وہ کعبے کا طواف کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک غریب حاجی کی نادانستہ غلطی پر اسے ایسا زور دار طمانچہ مارا کہ بے چارے کے دانت ٹوٹ گئے۔ یہ واقعہ بتا کر آپ نے تحریر فرمایا: غریب حاجی میرے پاس آیا۔ داد خواہ ہوا۔ میں نے جبلہ کو طلب کیا۔ وہ آیا تو میں نے اس سے جواب طلبی کی کہ تم نے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ اس قدر شدید زیادتی کیوں کی۔ وہ بولا: اس آدمی نے میری توہین کی ہے۔ میں نے تو کعبے کا احترام ملحوظ رکھا، ورنہ میں اسے جان سے مار ڈالتا......۔ اس کی یہ باتیں سن کر میں نے کہا: جبلہ! تمھارے ان الفاظ نے تمھارے جُرم کو اور زیادہ سنگین بنا دیا ہے۔ غریب حاجی سے معافی مانگو۔ اس نے تمھیں معاف نہ کیا تو تمھیں ازروئے قانون سزا بھگتنی پڑے گی۔

جبلہ کہنے لگا: میں بادشاہ ہوں اور یہ حاجی معمولی سا آدمی ہے۔ میں نے اسے خبردار کیا: تم بادشاہ ہو یا نہیں۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ وہ حاجی اور تم دونوں مسلمان ہو۔ اسلامی قانون کی نگاہ میں تم دونوں کی حیثیت برابر ہے۔

اس نے درخواست کی کہ سزا ایک دن کے لیے ملتوی فرمائی جائے (تاکہ اس معاملے پر غور کرلوں)۔ میں نے حاجی سے پوچھا: تمھاری کیا مرضی ہے؟ وہ ایک دن کے التوا پر راضی ہوگیا، چنانچہ میں نے ایک دن کے التوا کی درخواست منظور کر لی۔ مگر جبلہ رات کی تاریکی میں نکل بھاگا۔ اب وہ بازنطینی بادشاہ سے جا ملا ہے۔ (مگر تم فکر نہ کرنا) اللہ تعالیٰ تمھیں اس پر اور اُس جیسے دوسرے مردُودوں پر فتح عطا فرمائے گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب گرامی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو پڑھ کر سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مملکتِ اسلامیہ کے ہر فرد کو حالات و واقعات سے باخبر رکھنے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان چوکس رہیں۔ لاعلمی اور غفلت کی حالت میں نہ رہیں۔ انھوں نے اس غرض وغایت سے اپنے گورنروں کے نام وقتاً فوقتاً مراسلے ارسال فرمائے۔ (ا۔ک)

③ فن الحكم في الإسلام، ص: 478,477.

جس کا ہر حاکم اور محکوم کو احساس ہونا چاہیے اور ہر مظلوم کی اس قانون کے ذریعے سے دادرسی ہونی چاہیے۔ ①

اس قانون کے نفاذ سے اسلامی معاشرے میں واضح تبدیلی محسوس کی جا سکتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب یہ قانون مساوات نافذ ہوا تو اس کی برکت سے اس دور کی نسل نے اپنے گلے سے عصبیت کا طوق اتار پھینکا اور کوئی بھی کسی تفوق، سرداری، ترجیح اور اضافی اکرام و احترام کا دعویدار نظر نہ آیا۔ یہی وہ قانون ہے جس نے جاہلیت میں موجود حسب نسب کی بنیاد پر قائم کردہ ہر دعوے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اب نہ تو کوئی طاقتور کسی کمزور کا حق دبا سکتا تھا نہ کوئی کمزور اپنا حق ضائع ہونے کا خطرہ محسوس کرتا تھا۔ سب کے سب حقوق و واجبات میں برابر ہو گئے۔ یہ قانون اس دور کا نور بن گیا جس کی شعاعوں سے اسلامی معاشرے کا کونہ کونہ روشن ہو گیا۔ اس قانون نے اسلام کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ②

آزادی

انسان کی آزادی ایک بنیادی فطرتی قانون ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں خلافت اسی قانون پر قائم تھی۔ یہ قانون اسلامی اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے عامۃ الناس کو آزادی فراہم کرتا ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ یہ ایک ایسا عظیم نعرہ اور دعوت تھی کہ اس جیسی عظیم دعوت کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

انسانی آزادی کا ثبوت سب سے پہلے قرآن کریم سے ملتا ہے۔ اس میں انسان کو آزادی سے کون و مکان میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ انسان کے دل و دماغ سے پوچھا گیا ہے کہ کیا کائنات کا نظام انسان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار اور ساری

① فن الحكم في الإسلام، ص: 478. ② المجتمع الإسلامي دعائمه و آدابه للدكتور محمد أبو عجوة، ص: 165.

کائنات اور مخلوقات کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مسجود اور معبود ماننے پر مجبور نہیں کرتا؟ اس دعوت توحید کے لیے انسان کو مکمل آزادی دی گئی ہے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے ہر شعبے میں آزادی کا پرچار کیا ہے اور اسے تمام تر معانی، مدلولات اور مفاہیم کے ساتھ قبول کیا ہے۔ کبھی یہ ایجابی فعل کی شکل میں ہوگا جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنانا اور کبھی سلبی فعل کی شکل میں جیسے کسی کو بھی جبراً اسلام میں داخل نہ کرنا۔ اور کبھی آزادی کا تعلق رحمت وشفقت، ہمدردی، شوریٰ اور مساوات جیسی صفات سے ہوگا کیونکہ یہ سارے قوانین ایسے ہیں جنھیں پوری آزادی کے ساتھ نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔

خلفائے راشدین کے دور میں آزادی جیسی نعمت عظمیٰ نے اسلام کو پھیلانے، فتوحات کے حصول اور اسلامی مملکت کی توسیع میں اہم کردار ادا کیا کیونکہ اسلام وہ مذہب ہے جس نے انسان کی آزادی کو وسیع ترین پیمانے پر تسلیم کیا ہے۔ اسلام نے یہ قانون اس تاریک زمانے میں متعارف کرایا، جب بہت سی سیاسی قومیں اور روم وفارس جیسی سلطنتیں شدید ظلم وستم کے قوانین کے تحت زندگی گزار رہی تھیں اور ایسی گروہ بندی کی شکل قائم تھی کہ لوگ اس کی وجہ سے سخت تنگی کا شکار تھے۔ خاص طور پر دینی اقلیتیں سخت ترین ہلاکت اور ظلم کے تحت زندگی بسر کرنے پر مجبور تھیں۔

مثال کے طور پر رومی سلطنت کی طرف سے یعقوبی مذہب اختیار کرنے والوں پر شدید ترین ظلم کیا جاتا تھا۔ خاص طور پر مصر اور شام میں انھیں رومیوں کا سرکاری مذہب ملکانی قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ مجبور کرنے کا ایک ظالمانہ طریقہ یہ تھا کہ بہت سی مشعلیں لی جاتیں، انھیں آگ سے روشن کیا جاتا، پھر لوگوں کے جسموں سے لگا دیا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ جل جاتے۔ ان کے جسموں کی چربی پگھل کر زمین پر گر جاتی۔ اس دوران میں ظالم سنگدل حکمران دینی اقلیتوں کے مظلوم لوگوں کو مقدونیہ کا سرکاری مذہب قبول کرنے پر

مجبور کرتے رہتے تھے۔

دوسرا طریقہ یہ رائج تھا کہ آدمی کو ایک بڑے ریت سے بھرے تھیلے میں ڈالا جاتا، پھر اسے دریا برد کر دیا جاتا تھا۔ اسی طرح اہلِ فارس بھی آسمانی مذاہب پر ایمان لانے والوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ رومیوں اور ان کے درمیان دشمنی تھی اور ان کے مابین خونریز جنگیں ہوتی تھیں۔ اہل فارس مسیحی مذہب کے لوگوں پر بہت ظلم کرتے تھے۔ لیکن اسلامی دور بالخصوص رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ان تمام معروف آزادیوں کا تصور موجود تھا جن کا آج کل ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کو جو آزادیاں میسر تھیں وہ ملاحظہ فرمائیے:

مذہبی آزادی: اسلام نے کسی کو قطعاً زبردستی دینِ حق قبول کرنے پر زور نہیں دیا۔ بلکہ اس کے برعکس اسلام نے ہر انسان کو اللہ کی بنائی ہوئی کائنات اور پیدا کی ہوئی تمام مخلوقات میں غور وفکر کی دعوت دی۔ قرآن وسنت کا اپنے ماننے والوں کو خاص طور پر حکم ہے کہ وہ اسلام کی حقانیت اُجاگر کرنے کے لیے لوگوں سے اچھے طریقے سے گفتگو کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾

''دین (اختیار کرنے) میں (کسی کو) کوئی جبر نہیں ہے۔''[2]

مزید ارشاد فرمایا:

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ﴾

''پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ

[1] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين لحمد الصمد، ص: 158,157. [2] البقرة 2:256.

کے ذمے پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔''①

مزید ارشاد فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○﴾

''(اے نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔ بے شک آپ کا رب ہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''②

مزید ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○﴾

''اور تم اہل کتاب سے احسن انداز ہی سے بحث وتکرار کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں، اور تم (ان سے) کہو: ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی، اور (جو) تمھاری طرف نازل کی گئی، اور ہمارا معبود اور تمھارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''③

اس موضوع سے متعلقہ بہت سی آیات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ مذہبی آزادی کے علم بردار تھے۔ وہ اس سلسلے میں ٹھیک نبی ﷺ اور خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلے۔ انھوں نے اہل کتاب کو اپنے دین پر

① الشوریٰ 48:42. ② النحل 125:16. ③ العنکبوت 46:29.

برقرار رکھا۔ ان سے جزیہ وصول کیا۔ ان کے ساتھ مختلف معاہدے کیے۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ مزید برآں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے عبادت خانوں کے بارے میں ایک نظام وضع کیا۔ انھیں گرانے کی بجائے اپنی حالت پر برقرار رکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾

''اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ذریعے سے ہٹانا نہ ہوتا تو ضرور ڈھا دیے جاتے راہبوں کے جھونپڑے اور عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں، جن میں اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں ہونے والی فتوحات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ ان میں دیگر ادیان کا بے حد احترام کیا گیا۔ کسی کو بھی جبراً اسلام قبول کرنے کے لیے نہیں کہا گیا۔ اس کا اندازہ اس مثال سے لگایئے کہ ایک دن ایک عیسائی عورت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی غرض سے آئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسلمان ہو جا محفوظ ہو جائے گی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق مبعوث فرمایا ہے۔ یہ ارشاد سن کر اس نے کہا: میں ایک بوڑھی عورت ہوں اور موت کے قریب ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ضرورت فوراً پوری کر دی لیکن بعد ازاں دل میں خیال گزرا کہ شاید انھوں نے اس عورت کو اس حاجت روائی کے عوض زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس پر انھوں نے کثرت سے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے اللہ! میں نے صرف اس کی راہنمائی کی ہے۔ اُسے مجبور نہیں کیا۔[2]

[1] الحج 22:40. [2] معاملة غير المسلمين في المجتمع الإسلامي لإدوار غالي، ص: 41.

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک عیسائی غلام ”اشق“ نے بیان کیا: میں ایک عیسائی غلام تھا۔ مجھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسلمان ہو جا۔ ہم تجھ سے مسلمانوں کے معاملات میں مدد لینا چاہتے ہیں لیکن ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات کا کوئی عہدہ عطا کریں لیکن میں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر انھوں نے ارشاد فرمایا: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ دین اسلام اختیار کرنے میں کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔ جب ان کی شہادت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے مجھے آزاد کرتے ہوئے فرمایا: جہاں دل چاہے چلا جا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اہل کتاب اپنی مذہبی عبادات کے سلسلے میں اپنے دینی شعائر پوری آزادی سے ادا کرتے تھے۔ وہ اپنے گھروں اور عبادت خانوں میں گھنٹیاں بھی بجاتے تھے۔ انھیں کوئی منع نہیں کرتا تھا کیونکہ شریعت اسلامیہ نے اُنھیں مذہبی آزادی کا مکمل تحفظ عطا کیا تھا۔

علامہ طبری رحمہ اللہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اہلِ فلسطین کو دی گئی امان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے امان نامہ میں یہ تحریر کرایا تھا کہ اہلِ ایلیاء کو ان کی جان، مال، صلیب اور گرجا گھروں کے بارے میں امان دی جاتی ہے۔ [2]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ انھوں نے اہل مصر سے ایک معاہدہ کیا۔ اس کی عبارت یہ تھی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ امان نامہ ہے جس میں عمرو بن عاص نے اہلِ مصر کو ان کی جانوں، دین، اموال، گرجا گھروں، صلیبوں اور ان کے بر و بحر پر امان دی ہے۔ اور تاکیدًا یہ بھی لکھا کہ یہ امان نامہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلیفۃ المسلمین اور عمومی طور پر تمام اہل اسلام کی ذمہ داری کے ساتھ ہے۔ [3]

---

[1] نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي: 58/1. [2] تاريخ الطبري: 158/4. [3] البداية والنهاية: 98/7.

تمام فقہاء کا اتفاق ہے[1] کہ ذمیوں کو اپنے مذہبی شعائر کے اظہار کی محدود سطح پر اجازت ہے لیکن اگر وہ ان کا اظہار سرِ عام کریں، مثلاً: مسلمانوں کے شہروں میں سرِ عام صلیب کی تشہیر وغیرہ کریں تو اس امر کی انھیں اجازت نہ ہوگی۔ وہ اپنے مذہبی رسوم صرف اپنے علاقے اور بستی تک محدود رکھ سکتے ہیں۔[2]

شیخ غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ مذہبی آزادی جس کی ضمانت اسلام نے تمام اہل زمین کو دی ہے، اس جیسی آزادی پانچوں براعظموں میں ناپید ہے۔ مزید برآں اسلام کی یہ روایت کہ اس کا غلبہ کسی علاقے پر قائم ہو چکا ہو، اس کے باوجود مخالف دین والوں کو مذہبی طور پر ترقی کرنے اور اپنا دین باقی رکھنے کے اسباب فراہم کیے جائیں، کہیں بھی نہیں ملتی۔[3]

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسلامی معاشرے میں مذہبی آزادی کا قانون نافذ کرنے کے آرزومند نظر آتے تھے۔ انھوں نے یہود اور عیسائیوں کے بارے میں اپنی حکمت عملی مختصر طور پر اس طرح بیان فرمائی: ہم نے ان کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہم ان کے گرجا گھروں کو برباد نہیں کریں گے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق وہاں عبادت کر سکتے ہیں۔ ہم ان پر طاقت و ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالیں گے۔ اگر ان کا کوئی دشمن ان پر حملہ آور ہوگا تو ان کا دفاع کریں گے۔ ہم ان کے معاملات کے بارے میں اُن کے عدالتی احکام کی راہ میں حائل نہیں ہوں گے۔ ہاں اگر وہ کوئی فیصلہ ہم سے کرانا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔[4]

یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ بہت نرمی کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ اگر اہل ذمہ کسی وقت ادائے جزیہ سے عاجز آجاتے تو وہ ان سے جزیہ معاف فرما دیا کرتے تھے۔

---

[1] السلطة التنفيذية للدكتور محمد الدهلوي: 725/2. [2] السلطة التنفيذية للدكتور محمد الدهلوي: 725/2. [3] حقوق الإنسان بين تعاليم الإسلام وإعلان الأمم المتحدة، ص: 111.
[4] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 117.

ابو عبید اپنی کتاب ''اَلْأَمْوَال'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک بستی سے گزرے تو دیکھا کہ وہاں ایک بوڑھا نابینا آدمی بھیک مانگ رہا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے اس کا کندھا پکڑا اور پوچھا: تو کون سے اہل کتاب سے ہے؟ اس نے جواب دیا: میں یہودی ہوں۔ آپ نے دریافت کیا: تو بھیک کیوں مانگ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: عمر رسیدہ بھی ہوں اور جزیہ بھی ادا کرنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے ساتھ لے کر چل دیے۔ اپنے گھر سے اسے کچھ عنایت فرمایا، پھر بیت المال کے خازن کو پیغام ارسال فرمایا کہ ایسے لوگوں کی فہرست تیار کرو۔ اللہ کی قسم! ہم نے ان سے انصاف نہیں کیا۔ ان کی جوانی تو ہم نے کھا لی اور بڑھاپا رُسوا کر دیا۔ آپ نے ایسے کمزور اور نادار افراد سے جزیہ ختم کر دیا۔ [1] پھر یہی حکم نامہ تمام عمال کی طرف بھیج دیا۔ [2]

اس قسم کے اقدامات دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتہائی کوشش فرماتے تھے کہ ان کی ریاست عدالت اور رعایا سے حسن سلوک پر قائم رہے، چاہے کوئی غیر مسلم ہی ہو، اس سے بھی کامل انصاف اور حسنِ سلوک کا برتاؤ کیا جائے۔

خلفائے راشدین کے دور خلافت میں مذہبی آزادی بڑی نمایاں خصوصیت اختیار کر چکی تھی جسے ریاست اسلامیہ کی طرف سے مکمل ضمانت اور ربانی احکام کے تحت مکمل حفاظت میسر تھی۔

نقلِ مکانی کی آزادی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نقل مکانی کی آزادی کے بھی قائل تھے۔ صرف بعض مخصوص حالات میں اس پر پابندی عائد فرماتے تھے اور ایسا بہت کم ہوا۔ پابندی کے زمرے میں ذکر کردہ دونوں حالتوں کو ہم ان کی اہمیت کے پیشِ نظر بیان کرتے ہیں۔

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے پاس مدینہ میں روک رکھا

---

[1] الأموال لأبي عبيد، ص : 57، وأحكام أهل الذمة لابن القيم : 38/1. [2] نصب الراية للزيلعي: 453/7.

تھا۔ انھیں کسی سرکاری کام کے علاوہ بغیر اجازت مفتوحہ علاقوں میں جانے کی ممانعت فرما رکھی تھی۔ بعض صحابہ کو انھوں نے لشکروں کی قیادت اور مختلف علاقوں کی گورنری سونپ رکھی تھی۔ لیکن بعض صحابۂ کرام پر مدینہ ہی میں رہنے کی پابندی اس لیے عائد فرما رکھی تھی تاکہ ضرورت کے وقت ان سے مشورہ حاصل کیا جا سکے اور پیش آمدہ مسائل میں ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اس پر عمل کیا جا سکے، نیز امت کو کسی بھی قسم کے فتنے اور انتشار سے بچایا جا سکے کیونکہ یہ معزز حضرات اگر دوسرے شہروں کی طرف سفر کر جاتے اور وہیں مستقل رہائش اختیار کر لیتے تو اس طرح کئی آزمائشیں جنم لے سکتی تھیں۔ [1]

یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیاسی حکمت عملی اور باریک بینی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ ہی میں روک رکھا تھا وہ لوگوں کی نفسیات سے خوب واقف تھے۔ فرمایا کرتے تھے: مجھے سب سے زیادہ ڈر یہ ہے کہ تم لوگ مختلف شہروں میں پھیل نہ جاؤ۔ [2]

ان کا ایک نقطۂ نظر یہ بھی تھا کہ اگر اس معاملے میں سُستی برتی گئی تو ممکن ہے مفتوحہ علاقوں میں کوئی فتنہ سر اٹھا لے کیونکہ لوگ ایسے مقدس منظور نظر لوگوں کے گرد عقیدت سے جمع ہو جائیں گے اور ان کے گرد شبہات پھیلا دیے جائیں گے۔ اس طرح بہت سی قیادتیں اور جھنڈے معرض وجود میں آئیں گے جو بالآخر انتشار اور شور و غوغا کا سبب بن جائیں گے۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلامی ریاست میں بہت سی دینی یا سیاسی طاقتوں کے مراکز قائم ہونے کے حق میں نہیں تھے۔ مبادا ایک معزز صحابی رضی اللہ عنہ کے گرد ایک حلقہ قائم ہو جائے، پھر آہستہ آہستہ اس کا اس قدر احترام ہونے لگے کہ اس کے حکم کو سلطان کے حکم کا درجہ دیا جانے لگے اور جب یہ سلسلہ پھیلے تو بہت سے مراکز معرضِ وجود میں آ جائیں اور خلافت کا نظام

[1] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 160. [2] المرتضى سيرة أمير المؤمنين لأبي الحسن الندوي، ص: 109. [3] المرتضى سيرة أمير المؤمنين لأبي الحسن الندوي، ص: 109.

انتشار کا شکار ہو جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کبار صحابۂ کرام کو مدینہ طیبہ میں روکنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کسی بھی حکم کے اجرا میں انھیں شامل کیا جا سکے اور انفرادی رائے اور اس سے پیدا ہونے والی کسی ممکنہ شورش سے بچا جا سکے۔ اگر اس طرح کے تیار شدہ حکم ناموں کو شرعی حیثیت حاصل نہ ہوتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جاری کردہ کوئی بھی حکم نامہ اس وجہ سے ناقابل اعتبار ہو جاتا کہ شریعت اسے درست نہیں سمجھتی کیونکہ رعایا پر حکم نامے کا مؤثر ہونا مصلحت سے مربوط ہوتا ہے جو باہمی اجتہاد سے حاصل ہوتا ہے۔[1]

② دوسری حالت اس وقت پیدا ہوئی جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نجران کے عیسائیوں اور خیبر کے یہودیوں کو عرب کے مرکز سے عراق اور شام کی طرف جلاوطن کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ آپ کو اس اقدام کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ انھوں نے ان معاہدوں اور شرائط کی پاسداری ختم کر دی تھی جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے، حالانکہ عہد صدیقی میں ان کی تجدید بھی ہوئی تھی۔ اس وقت ان لوگوں کے علاقے اور گھر سازش اور حیلہ سازی کے مراکز بن چکے تھے اور ضروری ہو گیا تھا کہ اس قسم کے شیطانی قلعوں کو نیست و نابود کیا جائے اور ان کی طاقت کو توڑ دیا جائے۔

خیبر اور نجران کے اہل کتاب کے علاوہ بہت سے یہودی اور عیسائی معاشرے کے اچھے افراد بن کر بدستور مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر بھی رہے اور تمام حقوق حاصل کرتے رہے۔ علامہ بیہقی رحمہ اللہ اپنی سنن میں اور عبدالرزاق بن ہمام صنعانی اپنی مصنف میں سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور ابن شہاب رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس قضیے کے بارے میں مکمل جانچ پڑتال فرمائی۔ یہاں تک کہ انھیں مکمل اطمینان اور یقین ہو گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق ہے:

[1] القيود الواردة على سلطة الدولة، ص: 151.

«لَا يَجْتَمِعُ دِينَانِ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ»

''جزیرۂ عرب میں دو دین ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔''

امام مالک رحمہ اللہ بھی ابن شہاب زہری سے ایسی ہی روایت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:
پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نجران اور فدک کے علاقے سے ان سب کو جلاوطن کر دیا۔[1]

نبی ﷺ کی نبوت پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین کامل تھا جبکہ آپ ﷺ سے دشمنی کے سبب یہود و نصاریٰ معاہدوں کی پاسداری کرنے سے طبعی طور پر قاصر تھے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں سے شدید بغض، حسد اور دشمنی رکھنے والے لوگ تھے۔

خیبر کے یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا سبب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب خیبر والوں نے میرے ہاتھ اور پاؤں کو جوڑوں سے اُکھاڑ دیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے معاہدہ فرمایا تھا کہ ان کے مال محفوظ رہیں گے اور فرمایا تھا:

«نُقِرُّكُمْ مَّا أَقَرَّكُمُ اللّٰهُ»

''ہم تمھیں اس وقت تک برقرار رکھیں گے جب تک اللہ چاہے۔''

جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خیبر میں اپنے اموال کی طرف گئے تو ان پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا گیا اور ان کے ہاتھ پاؤں اکھیڑ دیے گئے۔ یہود کے علاوہ ہمارا وہاں اور کوئی دشمن نہیں۔ ہمارا شک ان ہی پر ہے۔ میں نے ان سب کو جلاوطن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ پختہ عزم کر لیا تو بنو حقیق کا ایک یہودی آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! کیا آپ ہمیں ایسی سرزمین سے بے دخل کرنا چاہتے ہیں، جہاں ہمیں محمد ﷺ

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي :208/9، والمصنف لعبدالرزاق :53/6.

نے برقرار رکھا اور خیبر کے اموال پر ہم سے صلح فرمائی اور شرائط عائد کیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تجھے یہ وہم ہے کہ میں نبی ﷺ کا وہ ارشاد بھول چکا ہوں:

«كَيْفَ بِكَ إِذَا أُخْرِجْتَ مِنْ خَيْبَرَ تَعْدُو بِكَ قَلُوصُكَ لَيْلَةً بَعْدَ لَيْلَةٍ»

''یعنی وہ وقت یاد کر جب تجھے خیبر سے نکال دیا جائے گا اور تیری اونٹنی تجھے لے کر کئی راتیں بھاگتی رہے گی۔''

اس نے کہا: اے امیر المومنین! یہ تو ابو القاسم نے محض ایک مذاق کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے...... پھر آپ نے ان سب کو جلاوطن کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پھل، اموال، اونٹ، سامان جو پالان یا رسیوں وغیرہ کی شکل میں تھا، سب کی قیمت ادا فرما دی۔''[1]

بلاشبہ یہود نے غداری کی اور عہد نامہ توڑا، چنانچہ قدرتی امر تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق انھیں جزیرۂ عرب سے بے دخل کر دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں تیماء اور اریحا کی جانب جلاوطن کر دیا، اسی طرح نجران کے عیسائیوں نے بھی بدعہدی کی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طے ہونے والے معاہدوں، جن کی تجدید صدیقی عہد میں بھی ہوئی تھی، کی پاسداری ختم کر دی۔ انھوں نے سود کھایا، اور سودی لین دین کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں نجران سے عراق کی طرف جلاوطن کر دیا اور ان کے بارے میں عمال کو لکھا: اما بعد! یہ لوگ شام یا عراق جہاں بھی پہنچیں۔ انھیں وہاں کی بنجر زمین میں رہنے کی اجازت ہوگی اور جو وہ محنت کریں گے وہ اللہ کی رضا کے لیے انھی کی ہوگی اور ان کی زمین کے عوض ہوگی۔ وہ عراق میں کوفہ کی ایک بستی نجرانیہ میں پہنچے اور یہیں رہائش پذیر ہو گئے۔[2]

[1] صحيح البخاري، حديث:2730. [2] الأموال لأبي عبيد، ص: 245.

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں پر زیادتی کا ڈر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت کے باعث انھیں جلاوطن ہونا پڑا۔ ان کی جلاوطنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے علاوہ اور بھی بہت سے سیاسی مقاصد و اسباب تھے۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بصیرت تھی کہ انھوں نے پہلے خیبر کے یہودیوں پر کاری ضربیں لگائیں، پھر نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کرنے کے لیے بہت سے وجوہ جواز تلاش کیے تاکہ انھیں کسی ظلم یا زیادتی کے بغیر جلاوطن کیا جا سکے۔ اس طرح انھوں نے اس سازش اور حیلہ ساز ٹولے کو امت پر احسان کرتے ہوئے سرزمین عرب سے نکال باہر کیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ ایک طویل مدت تک یہاں ٹھہریں اور آنے والی مسلمان نسل کے لیے اپنی سازشوں کے جال پھیلائیں اور ملتِ اسلامیہ کسی مشکل میں گرفتار ہو جائے۔[1]

امن کا حق، تحفظ اور ملکیت کی آزادی: بلاشبہ اسلام نے امن کا حق تسلیم کیا ہے۔ بہت سی آیات اور احادیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

”ظالموں کے علاوہ کسی پر کوئی زیادتی نہیں۔“[2]

مزید فرمایا:

﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ﴾

”تو جو تم پر زیادتی کرے سو تم اس پر زیادتی کرو، جیسے اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔“[3]

اسلام نے گھریلو زندگی کے حق کو بھی تسلیم کیا جو امن عامہ کے حق سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اگر لوگوں کی گھریلو زندگی کو تحفظ حاصل نہ ہو تو ریاست کے بارے میں بہت سی غلط

[1] الخراج لأبي يوسف، ص: 79. [2] البقرة 2:193. [3] البقرة 2:194.

فہمیوں کے اسباب پیدا ہو سکتے ہیں، یعنی یہ کہ ریاست لوگوں پر زیادتی اور عدم تحفظ کی حالت کو کنٹرول کرنے سے قاصر ہے، جبکہ اسلامی ریاست کے بارے میں عوام کی مثبت سوچ ہونی چاہیے کہ ریاست نے عوام کو مکمل تحفظ فراہم کیا ہے اور انھیں ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے محفوظ کر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسا حق ہے کہ اس سلسلے میں ایک فرد پر زیادتی سب لوگوں پر زیادتی تصور ہوتی ہے۔[1]

اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ﴾

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے ایک جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اسے زندہ کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا۔''[2]

قرآن کریم اور نبی ﷺ کی تعلیمات کا اثر تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں سب لوگوں کو مستحکم امنِ عامہ اور گھریلو زندگی کی حفاظت کا حق فراہم فرمایا۔ انھوں نے خود راتوں کو جاگ کر لوگوں کے حقوق کی حفاظت فرمائی اور عوام کو ہر قسم کی دست درازی سے محفوظ کر دیا۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

«إِنِّي لَمْ أَسْتَعْمِلْ عَلَيْكُمْ عُمَّالِي لِيَضْرِبُوا أَبْشَارَكُمْ وَيَشْتِمُوا أَعْرَاضَكُمْ وَيَأْخُذُوا أَمْوَالَكُمْ، وَلٰكِنِّي اسْتَعْمَلْتُهُمْ لِيُعَلِّمُوكُمْ كِتَابَ رَبِّكُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، فَمَنْ ظَلَمَهُ عَامِلُهُ بِمَظْلِمَةٍ فَلْيَرْفَعْهَا إِلَيَّ حَتّٰى أَقُصَّهُ فِيهِ»

---

[1] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 163. [2] المآئدة 32:5.

''میں نے تم پر اپنے عمال اس لیے مقرر نہیں کیے کہ وہ تمھاری چمڑیاں ادھیڑیں، عزتیں پامال کریں اور اموال چھین لیں۔ ان کا تقرر تو اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ لوگ تمھیں اللہ کی کتاب اور تمھارے نبی ﷺ کی سنتوں کا علم سکھلائیں۔ اگر کسی بھی عامل نے کسی پر کوئی ظلم کیا ہے تو وہ مجھے آگاہ کرے۔ میں اس سے قصاص لوں گا۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

«لَيْسَ الرَّجُلُ بِمَأْمُونٍ عَلٰى نَفْسِهٖ إِنْ أَجَعْتَهٗ أَوْ أَخَفْتَهٗ أَوْ حَبَسْتَهٗ أَنْ يُّقِرَّ عَلٰى نَفْسِهٖ»

''کسی شخص میں اتنی طاقت نہیں کہ اسے بھوکا رکھا جائے، ڈرایا جائے یا قید کر دیا جائے، تب بھی اس سے اقبالِ جرم نہ کرایا جا سکے۔''[2]

ان کا یہ فرمان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کسی بھی مشکوک آدمی سے اقرار و اعتراف کرانے کے لیے زبردستی نہ کی جائے۔ زبردستی کے لیے کوئی وسیلہ چاہے مادی ہو یا معنوی بروئے کار نہ لایا جائے، یعنی اس کے کسی مال یا عطیے کو زبردستی نہ چھینا جائے، نہ اسے کسی عبرتناک انجام کی دھمکیاں دی جائیں۔ انھوں نے جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قاضی بنا کر بھیجا تو ایک حکم نامے میں تحریر فرمایا:

''اے ابوموسیٰ! کسی بھی مدعی کو ثبوتِ حق فراہم کرنے کے لیے کچھ مہلت دے، وہ ثبوت فراہم کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دے، ورنہ اس کے خلاف اپنا فیصلہ سنا دے۔ یہ طریقہ شکوک وشبہات ختم کرنے میں مدد دیتا ہے۔''[3]

---

[1] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 164. [2] نظام الحكم في عهدالخلفاء الراشدين، ص: 165. [3] القضاء و نظامه في الكتاب والسنة للدكتور عبدالرحمن الحميض، ص: 48.

یہ قول دلالت کرتا ہے کہ مدعا علیہ کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے اور اس کا احترام اور تحفظ بھی ضروری ہے۔ ①

گھروں کی حفاظت کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی بھی گھر میں بغیر اجازت یا بغیر کسی متعارف طریقے کے داخلہ ممنوع قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ ﴾

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہو، یہاں تک کہ اُنس معلوم کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام کہو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے، تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پھر اگر تم ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، یہاں تک کہ تمھیں اجازت دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔" ②

مزید فرمایا:

﴿ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ ﴾

"تم گھروں میں ان کے دروازوں کی طرف سے آؤ۔" ③

مزید فرمایا:

﴿ وَلَا تَجَسَّسُوْا ﴾

"تم جاسوسی مت کرو۔" ④

گھروں کی حرمت عہد صدیق رضی اللہ عنہ اور عہد فاروق رضی اللہ عنہ دونوں میں نہایت محترم اور

① نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 165. ② النور24:28,27. ③ البقرة2:189.
④ الحجرات49:12.

ضمانت یافتہ حقیقت سمجھی جاتی تھی۔[1] ملکیت کی آزادی بھی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہدِ مبارک میں محترم اور ضمانت یافتہ تھی۔ شریعت کے مطابق ملکیت کی آزادی کا قانون تمام تحفظات کے ساتھ نافذ تھا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جنگی اور سیاسی اعتبار سے نجران کے عیسائیوں اور خیبر کے یہودیوں کو جزیرۂ عرب کے درمیان سے نکال کر عراق اور شام کے علاقوں کی طرف جلا وطن فرمایا تو انھیں وہاں ان کی متروکہ جائیداد کے عوض اسی قانون کا احترام کرتے ہوئے زمینیں الاٹ کیں کیونکہ اسلام جس طرح مسلمانوں کے حقوق کا محافظ ہے اسی طرح وہ اہلِ ذمہ کے حقوق کی حفاظت بھی فرماتا ہے۔[2]

اسی طرح جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حرم مکہ کی حدود میں اضافے کا فیصلہ فرمایا تو ذاتی ملکیت کا احترام کیا۔ اس وقت اس کا احترام یہی تھا کہ لوگوں کو درپیش ناگزیر ضرورت اور حالت سے آگاہ کیا جائے اور ان سے ان کی ملکیت طلب کی جائے کیونکہ ملکیت میں کسی طرح کا جبر اور زبردستی کسی طور بھی درست نہیں۔ الّا یہ کہ صاحب ملکیت کے ساتھ انصاف کیا جائے۔[3]

یہ امر قابل ذکر ہے کہ خلفائے راشدین کے عہد زریں میں ملکیت کا اطلاق حدودِ شریعت سے تجاوز نہ کرنے کی شرط پر ہوتا ہے اور عوام الناس کی مصلحت کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بلال بن حارث مزنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قطعۂ زمین کے حصول کے لیے درخواست پیش کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک عبا اور وسیع رقبہ عطا فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد فرمایا: اے بلال! بلاشبہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطعۂ ارضی کا مطالبہ کیا تھا اور انھوں نے تجھے یہ قطعہ مرحمت بھی فرما دیا تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ کسی سائل کو خالی نہ

① نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 168. ② نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 189. ③ نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 190.

لوٹاتے تھے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ تو یہ اراضی سنبھالنے سے قاصر ہے۔ اس پر بلال رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو جتنی زمین سنبھال سکتا ہے اسے اپنے پاس رکھ اور جو اراضی سنبھال نہیں سکتا وہ ہمیں واپس دے دے تا کہ اسے دیگر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کر سکتا کہ جو چیز مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہو وہ میں چھوڑ دوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تجھے ایسا ہی کرنا پڑے گا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ زمین جس کی آباد کاری سے وہ قاصر تھے لے کر مسلمانوں میں تقسیم فرما دی۔[1] اس واقعہ سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ انفرادی ملکیت کا قانون اس وقت لاگو ہوگا جب اس میں سب لوگوں کی مصلحت ملحوظ ہو۔ اگر مالک ایسے اقدامات کرے جن سے وہ سب لوگوں کی نمائندگی کر رہا ہو اور اس میں اجتماعی فوائد ہوں تو پھر اس میں کسی کو جھگڑا کرنے کی گنجائش نہیں۔ بصورتِ دیگر خلیفۂ وقت ایسے حفاظتی اقدامات کر سکتا ہے تا کہ ایسی مفید چیز جاری و قائم رہے اور اس کی افادیت مجروح نہ ہونے پائے۔[2]

آزادیِ فکر: اسلام نے ہر فرد کو آزادیِ رائے مرحمت فرمائی ہے۔ خلفائے راشدین آزادیِ رائے کا بھرپور احترام و التزام فرماتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ تمام معاملات عامۃ الناس کے سامنے رکھتے تھے اور انھیں بلا کسی رکاوٹ یا بندش اپنی رائے پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اجتہادی مسائل میں بھی انھیں اظہارِ رائے کا موقع دیتے تھے۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ ایک آدمی سے ملے۔ انھوں نے اس سے پوچھا: تیرے فلاں معاملے کا کیا بنا؟ اس نے عرض کیا: علی رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ نے اس طرح

[1] المغني: 579/5، ونظام الأرض لمحمد أبي يحيىٰ، ص: 207. [2] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين لحمد الصمد، ص: 192. [3] السلطة التنفيذية للدهلوي: 735/2.

فیصلہ فرمایا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر فرمایا: اگر میں فیصلہ کرتا تو اس طرح کرتا۔ اس آدمی نے عرض کیا: آپ خلیفۃ المسلمین ہیں۔ بھلا آپ کی طرف سے اس فیصلہ کے نفاذ میں کیا رکاوٹ ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ مسئلہ کتاب و سنت میں صریحاً موجود ہوتا تو میں ضرور اقدام کرتا۔ لیکن تیرا مسئلہ رائے اور اجتہاد کا ہے اور رائے میں ہم سب مشترک ہیں، اس لیے علی رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کر دیا ہے، وہ بھی درست ہے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو آزادی رائے کی اجازت عطا کر رکھی تھی۔ وہ اجتہادی مسائل میں کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اظہار رائے میں کسی طرح کی کوئی ادنیٰ سی پابندی بھی عائد نہیں کی۔ نہ کسی کو متعین رائے کا پابند بنایا۔ [2]

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ نہایت بے خوفی اور آزادی سے درپیش معاملات پر اپنی رائے دیتے تھے۔ نہایت مثبت اور مفید تنقید کرتے تھے اور اپنی خیر خواہی کے جذبات سے مطلع کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انھیں امیر المومنین تک پہنچنے میں کوئی رُکاوٹ نہیں تھی۔

ایک دفعہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تم میں سے کوئی مجھ میں کوئی کج روی دیکھے تو اسے سیدھا کر دے۔ ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر ہم آپ میں کوئی کج روی دیکھیں گے تو اسے اپنی تلوار سے سیدھا کریں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ مَنْ يُّقَوِّمُ اعْوِجَاجَ عُمَرَ بِسَيْفِهٖ» ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اس اُمت میں ایسا فرد بھی پیدا فرمایا جسے یہ جرأت حاصل ہے کہ وہ عمر کی کج روی اپنی تلوار سے درست کر دے۔'' [3]

[1] إعلام الموقعين: 65/1. [2] السلطة التنفيذية للدهلوي: 738/2. [3] أخبار عمر، ص: 332,331، نقلا عن الرياض النضرة.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو اس وقت ان کے خطبے میں یہ الفاظ بھی تھے: آپ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے سے میری مدد فرمائیں اور مجھے خیر خواہی اور نصیحت کی بات پہنچائیں۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیاسی لحاظ سے ایسی آزادیِ فکر پر یقین رکھتے تھے جس کی بِنا خیر خواہی اور بھلائی کے جذبے پر ہو۔ وہ سمجھتے تھے کہ رعایا کا حاکم کے لیے خیر خواہ ہونا رعایا کا فرضِ لازم ہے۔ اور حاکم پر لازم ہے کہ وہ اپنا یہ حق رعایا سے طلب کرے اور کہے: اے ہماری رعایا! بے شک تم پر ہمارا ایک حق فرض ہے اور وہ یہ کہ تم ہماری عدم موجودگی میں بھی ہماری خیر خواہی کرو اور بھلائی کے کاموں میں ہماری معاونت کرو۔ [2]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ضروری سمجھتے تھے کہ رعایا کا ہر فرد اُن کی نگرانی کرے اور کسی معاملے میں کہیں کوئی کج روی دیکھے تو اُسے درست کر دے چاہے تلوار اٹھانی پڑے۔ انھوں نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو بھی میرے عمل میں کج روی دیکھے اسے درست کر دے۔ [3]

وہ فرمایا کرتے تھے:

«أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ مَنْ رَّفَعَ إِلَيَّ عُيُوبِي»

”لوگوں میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو مجھے میری کوتاہیوں سے آگاہ کرے۔“ [4]

مزید فرمایا:

«إِنِّي أَخَافُ أَنْ أُخْطِئَ فَلَا يَرُدْنِي أَحَدٌ مِّنْكُمْ تَهَيُّبًا مِّنِّي»

---

[1] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص : 197. [2] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص : 197. [3] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 197. [4] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 198، والشيخان أبو بكر و عمر من رواية البلاذري، ص:231.

”مجھے ڈر ہے کہ میں خطا کر بیٹھوں اور تم میں سے کوئی میرے ڈر کی وجہ سے میری اصلاح نہ کرنے پائے۔“[1]

ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا۔ اس نے سب کے سامنے ڈنکے کی چوٹ کہا: اے عمر! اللہ سے ڈر جا...... کچھ لوگ اس کی سرعام یہ بات سن کر اس پر غضب ناک ہوئے اور اسے خاموش کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! اگر تم اس جیسی بات نہ کہو تو تمھارے اندر کوئی خیر خواہی نہیں اور ہم حکمران ایسی باتیں نہ سنیں تو پھر ہم میں کوئی بھلائی نہیں۔[2]

ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے:

«أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا»

”اے لوگو! بات سنو اور اس کی اتباع کرو۔“

اسی دوران ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات کاٹتے ہوئے بولا: اے عمر! کوئی سمع و طاعت نہیں ہو گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نرمی سے پوچھا: کیوں؟ اے اللہ کے بندے کیوں؟ اس نے کہا: غنیمت میں سے ہم سب کے حصے میں تن ڈھانپنے کو صرف ایک ایک چادر آئی۔ اس چادر سے ایک قمیص بھی تیار نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن آپ کے حصے میں آنے والی چادر سے آپ کی قمیص کیسے تیار ہو گئی؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس یہیں رُک جاؤ! پھر اپنے بیٹے کو آواز دی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فوراً آگے آ گئے۔ انھوں نے وضاحت کی کہ ایک چادر سے میرے والد محترم کا لباس مکمل نہ ہو سکا، اس لیے میں نے اپنے حصے کی چادر اپنے والد ماجد کو دے دی تا کہ ان کا لباس مکمل ہو جائے۔ یہ وضاحت سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مطمئن ہو گئے اور اس سوال کرنے والے نے وضاحت سن کر بڑے

[1] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص: 198. [2] نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين، ص:200.

احترام اور عاجزی سے عرض کیا: اے امیر المومنین! اب فرمایئے ہم سمع و طاعت کے لیے تیار ہیں۔[1]

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خطبے میں فرمایا:

''عورتوں کے حق مہر کی رقم چالیس (40) اوقیہ سے زیادہ نہ بڑھاؤ۔ چاہے وہ عورت یزید بن حصین جیسے شخص کی بیٹی ہی ہو۔ اگر اس سے زیادہ کسی نے حق مہر مقرر کیا تو میں ایسا مال بیت المال میں جمع کر دوں گا۔ یہ سن کر ایک عورت کھڑی ہوگئی۔ اس نے اعتراض کیا: اے عمر! آپ کو اس کا کوئی اختیار نہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیوں؟ اس نے کہا: اس لیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا۝﴾

''اور تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم بہتان لگا کر اور صریح گناہ کر کے اسے لو گے۔''[2]

یہ آیت سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «اِمْرَأَةٌ أَصَابَتْ وَ رَجُلٌ أَخْطَأَ» ''ایک عورت نے درست بات کہی اور عمر غلطی کر گیا۔''[3] ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! مجھے معاف فرما۔ ہر انسان عمر سے زیادہ عالم ہے، پھر واپس آئے منبر پر بیٹھے اور فرمایا: اے لوگو! میں تمھیں عورتوں کے حق مہر کی رقم میں اضافے سے منع کرتا تھا کہ وہ چارسو (400) درہم سے زیادہ نہ ہو لیکن اب جو جتنا چاہے عورت کا حق مہر مقرر

---

[1] عیون الأخبار: 55/1، نقلًا عن محض الصواب: 579/2. [2] النسآء 20:4. [3] تفسیر ابن کثیر: 213/2، زبیر بن بکار کی طرف نسبت ہے اور اس میں انقطاع ہے، ابو حاتم نے اپنی مسند میں اسے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے بھی اپنی سنن میں اسے روایت کرنے کے بعد مرسل جید کہا ہے۔

کر سکتا ہے۔ [1]

اسلام میں آزادی رائے کا احترام ضرور ہے لیکن یہ آزادی مطلق نہیں ہے کہ ہر ایرا غیرا جس طرح چاہے اُسی طرح اپنی رائے دیتا پھرے بلکہ یہ آزادی اس امر سے مشروط ہے کہ اپنی رائے سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائے۔ چاہے یہ ضرر عام ہو یا خاص۔ اس قسم کی رائے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو منع کر رکھا تھا۔

آزادی کے غلط نقطۂ نظر کی تردید: اس بارے میں اس قبطی کا قصہ قابل ذکر ہے جس نے شام کے علاقے میں تقدیر کا انکار کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ شام میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا: «وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ» ''جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔'' اس پر اس قبطی نے تقدیر کا انکار کرتے ہوئے اعتراض کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے انتباہ کیا کہ دوبارہ ایسی بات کہو گے تو قتل کر دیے جاؤ گے۔ [2]

سائب بن یزید سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ایک آدمی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے امیر المومنین! اس آیت کا کیا مطلب ہے:

﴿ وَ الذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ ﴾

''قسم ہے ان ہواؤں کی جو (مٹی وغیرہ کو) اڑا کر بکھیرنے والی ہیں۔ پھر ان بادلوں کی (قسم) جو (پانی کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں۔'' [3]

دراصل وہ ان آیات کے مشابہ معانی کی ٹوہ میں تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تو مشابہ معنی پوچھتا ہے؟ پھر آگے بڑھے۔ اپنی آستینیں چڑھائیں اور اسے کوڑے سے مارنے لگے۔ مسلسل مارتے رہے تا آنکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پگڑی مبارک گر گئی۔ انھوں نے کہا: مجھے

---

[1] مجمع الزوائد: 283/4. ابو یعلیٰ نے إسناده جيد کہا ہے۔ [2] الأهواء والفرق والبدع و موقف السلف منها للدكتور ناصر العقل، ص: 223. [3] الذّٰرِيٰت 51:1،2.

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے! اگر تیرا سر منڈا ہوا ہوتا تو میں تیرے سر پر مارتا، پھر لوگوں سے کہا: اسے اس کے کپڑے پہناؤ، اونٹ کے پالان پر سوار کرو اور اسے اس کے شہر میں لے جاؤ۔ وہاں یہ خود اعلان کرے کہ میں نے علم کے حصول کا غلط راستہ تلاش کیا ہے۔ بعد ازاں یہ شخص ہمیشہ اپنی قوم کا ذلیل انسان تصور کیا گیا۔[1]

آزادی رائے کی آڑ میں لوگوں کی توہین ......؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئہ کو زبرقان بن بدر کی ہجو کرنے کی پاداش میں قید کر دیا۔ اس نے زبرقان کو کہا تھا:

تو عزت کے حصول کی کوشش نہ کر بلکہ اپنے گھر میں بیٹھ کیونکہ تو صرف کھانے پینے اور پہننے والا ہے۔[2] دراصل اس نے زبرقان کو عورتوں سے تشبیہ دی تھی کہ وہ عورتوں کی طرح صرف کھانے پینے اور لباس کی طرف توجہ رکھے۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئہ کو خبردار کیا تھا کہ اگر آئندہ وہ کسی مسلمان کی ہجو کرے گا اور اس کی عزت کے درپے ہوگا تو اس کی زبان کاٹ دی جائے گی۔ حطیئہ نے جیل میں کچھ اشعار کہے۔ ان میں وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مہربانی کا خواست گار رہا:

میں ذی مرخ میں موجود معصوم بچوں کو کیا جواب دوں
جو بنجر بے آب و گیاہ زمین میں لاوارث ہیں
آپ نے ان کے سربراہ کو اندھیری کوٹھڑی میں ڈال دیا
معاف کر دیجیے! اے عمر آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو
آپ وہ فرمانروا ہیں جسے ابوبکر صدیق کے بعد
سب لوگوں نے متفقہ فرمانروا تسلیم کیا ہے

یہ اشعار سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اُس پر رحم آ گیا۔ آپ نے اسے آزاد کر دیا اور اس سے

---

[1] شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائي: 635,634/30. [2] السلطة التنفيذية: 745/2.
[3] تفسير القرطبي: 174,173/12.

وعدہ لیا کہ آئندہ وہ کبھی کسی مسلمان کی ہجو نہیں کرے گا۔ ①

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئہ کو تمام مسلمانوں کی عزت کے عوض تین ہزار (3000) درہم ادا کیے۔ اس موقع پر اس نے کہا:

آپ نے مختلف قسم کے کلام پر پابندی لگا دی
پس آپ نے کسی ایسی بد کلامی کو نہ چھوڑا جو نقصان دہ ہو
نہ قابل ستائش وصف کو جو کسی کو نفع دے
آپ نے مجھ سے بخیل کی عزت بچالی
اسے میری طرف سے ملامت کا کوئی خوف نہیں
وہ محفوظ ہو گیا، اسے کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں ②

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا کہ اسے فوراً طلاق دے دو۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: اگر آپ اسے حرام سمجھتے ہیں تو میں ایسا کر گزرتا ہوں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا یہ گمان نہیں کہ وہ حرام ہے۔ مجھے محض یہ ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بدکار عورتوں سے نکاح کر بیٹھو۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ تم مسلمان عورتوں کو چھوڑ کر کہیں بدکار عورتوں سے نکاح نہ کر لو۔ ③

ابو زہرہ فرماتے ہیں: ہمیں اس مقام پر اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمان آدمی کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ مسلمان عورت سے شادی کرے کیونکہ رشتۂ اسلام کی وجہ سے دونوں

① الشعر والشعراء لابن قتيبة: 327/1، وعمر بن الخطاب للدكتور أحمد أبي النصر، ص: 223. ② أصحاب الرسول لمحمود المصري: 110/1، و محض الصواب: 376/1. ③ تفسير ابن كثير: 265/1، (إسناده صحيح).

کے درمیان الفت و محبت کے اسباب کامل ہوں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کتابیات سے نکاح نہ کرنے کا حکم ایک بلند پایہ سوچ کے تحت دیتے تھے۔ یہ اُن کا ایک بہترین سیاسی اقدام تھا کہ اُلفت و محبت جیسے معاملات باہمی طور پر مسلمانوں ہی کے درمیان قائم ہونے چاہئیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ایک آزاد مشرکہ عورت سے نکاح کو منع قرار دے کر اس کے مقابلے میں مومنہ لونڈی سے نکاح کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

''اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلی ہی لگے، اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ مومن غلام، مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلا ہی لگے۔ یہ (مشرک لوگ) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمھیں جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔'' [2]

ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ مشرکات سے نکاح حرام قرار دیتے ہیں تاآنکہ وہ اللہ پر سچا ایمان لے آئیں اور آخر الزماں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کرلیں۔ اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول پر ایمان رکھنے والی مومن لونڈی کو، چاہے وہ کالی اور مفلوک الحال ہی ہو،

[1] الأحوال الشخصية لأبي زهرة، ص: 104. [2] البقرة 2:221.

ایک آزاد مشرکہ عورت سے بہتر گردانا ہے اگرچہ وہ خوبصورت، صاحب دولت اور اچھے حسب و نسب والی ہو۔ اسی طرح اہل ایمان عورتوں کے لیے آزاد مشرکوں سے مومن غلام کہیں بہتر ہیں۔ اگرچہ کوئی مشرک کافر خوبصورتی، مال اور حسب میں کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو۔ [1]

گویا اس آیت کی رو سے مشرکہ سے نکاح حرام ہے البتہ کتابیہ سے ایک اور آیت کی رو سے نکاح جائز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾

''اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں (بھی حلال ہیں) جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی۔'' [2]

یہ قرآنی نص پہلی آیت کی مخصص ہے اور یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔ [3]

علماء نے کہا ہے کہ مسلمان عورت سے نکاح بہر حال افضل ہے اور کتابیہ سے نکاح اُسی وقت جائز ہوگا جب اس نکاح سے معاشرے پر کسی طرح کے برے اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ کتابیہ سے نکاح ناجائز ہوگا، یہی رائے ہے جسے بعض معاصر علماء نے اختیار فرمایا ہے۔ [4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ معاصرین کی رائے سے پہلے ہی یہ فتویٰ دے چکے ہیں۔ مزید دو باتوں سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے:

① کتابیہ سے نکاح کرنے سے مسلمان عورتوں کے درجے میں کمی آئے گی اور بہت سی مسلمان عورتیں بغیر نکاح زندگی گزارنے پر بھی مجبور ہوں گی۔

② کتابیہ مسلمان مرد کے بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت پر اثر انداز ہوسکتی ہے۔

---

① فقه الأولويات دراسة في الضوابط لمحمد الوكيلي، ص: 77. ② المآئدة 5:5. ③ الفقه على المذاهب الأربعة لعبدالرحمٰن الجزائري: 5/76,77. ④ فقه الأولويات لمحمد الوكيلي، ص: 77.

بادی النظر میں یہ دو مفاسد کتابیہ سے نکاح ناجائز ہونے میں بطور حجت کافی ہیں لیکن دور حاضر میں بہت سے ایسے مفاسد سامنے آئے ہیں جو اس رائے کی بھرپور تائید کرتے نظر آتے ہیں۔[1]

پروفیسر جمیل محمد مبارک نے ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

* ہوسکتا ہے کہ کتابیہ عورت مسلمانوں کی جاسوسی کی غرض سے آئی ہو۔
* ممکن ہے وہ کفار کی عبادات اور ثقافت اسلامی معاشرے میں پھیلانا چاہتی ہو۔
* وہ مسلمانوں کو کافر علاقوں کی شہریت قبول کرنے کی ترغیب دیتی ہو۔
* نکاح کرنے والے مسلمان مرد جہالت کی وجہ سے ان عورتوں کے ہاتھ میں کھلونا بن سکتے ہیں۔
* ایسی عورتوں سے نکاح کرنے والوں کا شعور بیدار نہیں ہوتا، اس وجہ سے وہ اللہ کے دین اسلام سے لاتعلق ہو سکتے ہیں۔[2]

مندرجہ بالا بیان کردہ مفاسد کتابیات سے نکاح سے اجتناب پر بطور دلیل کفایت کر سکتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کتابیات سے نکاح پر جو شرائط عائد کیں وہ اسلامی ریاست کے عظیم مصالح اور اسلامی معاشرے کے مقاصد جلیلہ سے میل کھاتے تھے۔ بہت سی نامور قوموں نے یہ تجربہ بھی کیا، پھر غیر مذہب کی عورتوں سے نکاح کے بہت سے شدید نقصانات سامنے آئے۔ ایسے ایسے خطرناک نتائج بھی نکلے جن سے وطن عزیز کی ساکھ متأثر ہوئی، چنانچہ ایسے نکاح پر سرکاری سطح پر سب لوگوں کے لیے بالعموم اور معاشرے کے اہم ترین افراد کے لیے بالخصوص پابندی اور بہت سی شرائط عائد کر دی گئیں۔ یہ ایسا احتیاطی اقدام تھا جس کی بہت سی وجوہ ممکن ہیں۔ بیوی چاہے خاوند کے تمام رازوں

[1] فقه الأولويات لمحمد الوكيلي، ص: 78. [2] شهيد المحراب لعمر التلمساني، ص: 214.

سے واقف نہ ہو اس کے باوجود میاں بیوی کے آپس میں تعلق کی نوعیت اور باہمی محبت کی وجہ سے وہ اس کے کچھ نہ کچھ رازوں سے یقیناً واقفیت حاصل کر لیتی ہے۔ یہی وہ خاص وجہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ماہر ترین مدبر کی حیثیت سے ایسا اقدام کیا کہ آنے والے ہر مسلمان حکمران کے لیے اس سلسلے میں فیصلہ کرنے کے بارے میں آسانی پیدا کر دی۔

بلاشبہ کتابیات کے نکاح میں زبردست مفاسد ہیں۔ یہ عورتیں ہم میں سے نہیں ہیں۔ کسی دوسرے مذہب کی عورتیں ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنے سابقہ مذہب ہی پر برقرار رہتی ہیں۔ انھیں نہ اسلام کی مٹھاس کا احساس ہوتا ہے نہ اسلام کی طرف سے خاوند کی اطاعت گزاری اور دیگر حقوق کا علم ہوتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عظیم دیندار اور انتہائی بالغ نظر مدبر کی حیثیت سے مسلمانوں کی طبائع مدنظر رکھتے ہوئے یہ حکم جاری فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی بھلائی کے بے حد آرزو مند رہتے تھے۔ وہ انھیں ہر طرح کے خفیف سے خفیف نقصان سے بھی بچانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم خاتون سے شادی نہ کرے۔ [1]

مندرجہ بالا تفصیلی بحث سے معلوم ہوا کہ عہد راشد میں آزادی کو مکمل تحفظ حاصل تھا مگر اس کے ضابطے اور حدود مقرر تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسلامی معاشرے نے زبردست ترقی کی منزلیں طے کیں۔ فی الحقیقت مثبت آزادی معاشرے کا بنیادی حق ہے۔ اس کی بدولت اسلام کی شان اور اسلامی ثقافت اُجاگر ہو کر سامنے آتی ہے۔ اگر آزادی کو معاشرے میں تحفظ حاصل نہ ہو تو یوں سمجھنا چاہیے کہ معاشرے کے ایک اہم ستون کو گرا دیا گیا ہے۔ آزادی سے محروم معاشرہ ایک بے حس اور مردہ معاشرہ باور کیا جائے گا۔

---

[1] شهيد المحراب للتلمساني، ص:214.

اسلامی معاشرے میں آزادی ایک ایسی نورانی مشعل کی حیثیت رکھتی ہے جو انسان کے رگ و ریشے میں اتر کر اُسے اللہ رب العزت کے ساتھ مربوط کر دیتی ہے۔ اس طرح انسان بلندیوں کو چھو لیتا ہے۔ دل نیکیوں کا خُوگر ہو جاتا ہے اور انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے بھلائیوں کی طرف لپکتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں آزادی ایک اساسی ستون کی حیثیت رکھتی ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں آزادی کی نعمت نہایت احسن شکل میں نافذ نظر آتی تھی۔[1]

خلیفہ کے اخراجات اور اس بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی احتیاط

خلافت اسلامیہ اسلام کا حصہ ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ عالی سے قرب کا ذریعہ بھی ہے۔ جو خلافت کے منصب پر فائز ہوگا اور حق خلافت ادا کرے گا، وہ اس محنت و مشقت کے لیے اپنے مالک حقیقی سے ثواب کا طلب گار اور بہتر بدلے کا خواست گار بھی ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ محسن کو اس کے احسان کا اچھا بدلہ اور حق ادا نہ کرنے والوں کو برا بدلہ دے گا۔[2]

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝ ﴾

”چنانچہ جو بھی نیک عمل کرے اور وہ مومن (بھی) ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہ ہوگی اور بے شک ہم اس کے لیے (اس کے اعمال) لکھنے والے ہیں۔“[3]

اس آیت میں اُخروی اجر و ثواب کا تذکرہ ہے۔ دنیاوی اجر کے بارے میں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جب خلیفۃ المسلمین اپنی رعایا کے ساتھ مکمل حسن سلوک اور انصاف کرے گا،

---

[1] المجتمع الإسلامي للدكتور محمد أبي عجوة، ص: 245. [2] السلطة التنفيذية: 1/215.
[3] الأنبيآء 21:94.

اپنے آپ کو عوام الناس کی خدمت کے لیے وقف کر دے گا اور اپنی ذمہ داری مکمل طور پر نبھائے گا تو دنیا میں بھی مادی جزا کا مستحق قرار پائے گا کیونکہ جب وہ خود کو امت ہی کے لیے وقف کر دے گا تو لامحالہ اجر کا مستحق بھی ٹھہرے گا۔ [1]

فقہی قاعدہ ہے: «أَنَّ كُلَّ مَحْبُوسٍ لِّمَنْفَعَةِ غَيْرِهٖ يَلْزَمُهٗ نَفَقَتُهٗ» ''جو خود کو کسی دوسرے کی منفعت کے لیے وقف کر دے تو متعلقہ دوسرے فریق پر اس کا نفقہ لازم ہو گا۔'' مثلاً: مفتی، قاضی اور خلیفہ وغیرہ کو ان کی خدمات کا صلہ دیا جائے گا۔ [2]

ہر وہ شخص جسے رعایا کی خبر گیری کے عمل پر مقرر کیا جائے، اس کے لیے اس عمل کی اُجرت اور اپنی ڈیوٹی کا معاوضہ حاصل کرنا شرعاً جائز ہے۔ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ وہ اپنے عمال کو اخراجات و نفقات مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ [3]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے تو کچھ مدت تک انھوں نے بیت المال سے کچھ بھی نہ لیا۔ یہاں تک کہ فاقے کی نوبت آ گئی۔ وہ خلافت کے معاملات اور اُمت کی خدمت میں اس قدر مصروف ہو گئے کہ اپنی گزر بسر کے لیے ذاتی تجارت کی مہلت ہی نہیں ملی، لہٰذا انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور اس سلسلے میں مشورہ طلب کرتے ہوئے فرمایا: میں نے خود کو رعایا کے معاملات و مسائل کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اب بتائیے کہ مجھے گزر بسر کے لیے بیت المال سے کس قدر معاوضہ لینے کی اجازت ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ خود کھا سکتے ہیں اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل نے بھی یہی مشورہ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب فرمایا تو انھوں نے کہا: آپ دوپہر اور شام کا کھانا کھا سکتے ہیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول فرما لیا۔

---

[1] المبسوط: 147/15 و 166، والمغني: 445/5. [2] السلطة التنفيذية: 215/1. [3] السلطة التنفيذية: 216/1.

بعدازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے مال سے صرف اس قدر روا رکھا ہے جتنا ایک یتیم کا نگران یتیم کے مال سے اپنے لیے روا رکھتا ہے۔ اگر میں کچھ مالدار ہو گیا تو بیت المال سے خرچہ لینا چھوڑ دوں گا۔ اگر حاجت مند رہا تو ضرورت کے مطابق لوں گا۔[1]

ایک روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت کے پاس آئے اور ان سے دریافت فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ کے مال سے کس قدر معاوضہ لینا حلال ہے؟ اس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: امیر المومنین کو اس بارے میں ہم سے زیادہ علم ہو گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمھیں بتا دیتا ہوں کہ میرے لیے کیا حلال ہے۔ مجھے ایک سواری درکار ہے جس پر میں حج اور عمرہ ادا کرنے جا سکوں۔ ایک جوڑا سردیوں کے لیے اور ایک گرمیوں کے لیے، بچوں اور جملہ اہل خانہ کی خوراک اور میرا وہ حصہ جو دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہے مجھے ملے گا کیونکہ میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ معمر بتاتے ہیں: جس سواری پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج اور عمرہ کیا کرتے تھے وہ ایک اونٹ تھا۔[2]

خلیفۂ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے تمام اسلامی حکام کے لیے اپنے ماتحتوں کے بارے میں امانت ادا کرنے کی اعلیٰ ترین مثال قائم فرمائی۔ امام ابو داود، مالک بن اوس بن حدثان سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مالِ فے کے بارے میں گفتگو فرمائی کہ اس مال کے بارے میں نہ تو میں زیادہ کا مستحق ہوں نہ تم میں سے کوئی دوسرے پر زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ ہم سب کتاب اللہ کی رُو سے مختلف مراتب پر ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو اس کے اسلام لانے کی اولیت، اسلام کے لیے اس کی قربانی، آزمائش اور ابتلا،

---

[1] الخلافة الراشدة للدكتور يحيٰى اليحيٰى، ص: 270، (سنده صحيح). [2] المصنف لعبدالرزاق، حديث: 20046، نقلًا عن السلطة التنفيذية.

عیال داری اور اس کی جُملہ ضروریات پیش نظر رکھتے ہوئے مال مرحمت فرماتے تھے۔ [1]

ربیع بن زیاد حارثی سے روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کی حالت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ ربیع نے عرض کیا: امیر المومنین! عمدہ کھانے، عمدہ سواری اور عمدہ لباس کے سب سے زیادہ مستحق آپ ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے۔ کھانا بہت سادہ اور معمولی تھا۔ آپ نے ایک ٹہنی اٹھائی اور ربیع کے سر پر ماری، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! میرے خیال میں تو نے یہ بات صرف میرا قرب حاصل کرنے کے لیے کہی ہے، اللہ کی رضا جوئی کے لیے نہیں کہی۔ میں تو تجھے اچھا انسان سمجھتا تھا۔ ابے! کیا تو جانتا نہیں رعایا کے ساتھ میری مثال کیسی ہے؟ ربیع نے عرض کیا: آپ ہی فرمائیے کیسی ہے؟ فرمایا: میری اور ان کی مثال ایسے مسافروں کی سی ہے جو سب اپنے اخراجات ایک آدمی کے حوالے کر دیں اور اسے کہہ دیں کہ تو ان اخراجات کو سب کے لیے عمل میں لا۔ اب تو بتا کیا کسی کے لیے زیبا ہے کہ ان میں سے کچھ اپنے لیے مخصوص کر لے؟ ربیع نے کہا: نہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس میری اور سب مسلمانوں کی یہی مثال ہے۔ [2]

فقہائے عظام نے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ اور عہد خلفائے راشدین سے خلیفہ کے اخراجات کے بارے میں احکام مستنبط کیے ہیں۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

① خلیفہ کو اپنی ذمہ داری کے عوض بیت المال سے اُجرت لینا جائز ہے۔ علامہ نووی، [3] ابن العربی [4]، بہوتی [5] اور ابن مفلح [6] نے اس کے جواز کی صراحت کی ہے۔

② حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت المال سے اُجرت وصول کیا کرتے تھے۔

③ چونکہ خلفائے راشدین مسلمانوں کے معاملات اور مسائل حل کرنے میں مصروف رہتے

① سنن أبي داود، حديث: 2950. ② محض الصواب: 383/1، والطبقات الكبرٰى: 281,280/3. ③ روضة الطالبين: 137/11. ④ البداية والنهاية: 229,228/12. ⑤ الأعلام للزركلي: 249/8. ⑥ السلطنة التنفيذية: 218/1.

تھے، اس لیے ان کے لیے بیت المال سے گزارے کی رقم لینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس صورتِ حال کی وضاحت خود ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی فرما دی تھی۔

④ یہ امر خلیفۃ المسلمین کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ بیت المال سے اجرت لے یا نہ لے۔ اسے دونوں باتوں کا کامل اختیار حاصل ہے۔ علامہ ابن منیر رحمہ اللہ [1] فرماتے ہیں: بہتر یہ ہے کہ خلیفہ بیت المال سے اپنا مقررہ وظیفہ حاصل کرتا رہے کیونکہ اس طرح وہ دل جمعی سے اپنی ذمہ داری پوری ادا کرے گا۔ اسے یہ احساس رہے گا کہ اس پر عائد ذمہ داری بہرحال ایک فرض ہے۔ [2]

سنِ ہجری کا آغاز

اسلامی تقویم کی ابتدا ہجرت مدینہ سے ہوئی۔ یہ ایسی ترقی تھی جس کی اسلامی تہذیب میں بڑی عظیم الشان اور منفرد اہمیت ہے۔ سب سے پہلے جس ہستی نے سن ہجری کا آغاز کیا، وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ سن ہجری کی ابتدا کے بارے میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں۔ میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک اقرار نامہ پیش کیا گیا جو شعبان میں طے پایا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کون سا شعبان؟ جو گزر گیا یا آئندہ آنے والا ہے، یا جو اس وقت گزر رہا ہے؟ پھر انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور فرمایا: لوگوں کے لیے کوئی ایسی علامت مقرر کرو جسے سب جانتے پہچانتے ہوں۔ ایک صحابی نے مشورہ دیا: ہم رومیوں کی تقلید کر لیں تو ٹھیک رہے گا لیکن اس رائے کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ اُن کی تقویم بہت پرانی ہے۔ ذوالقرنین سے شروع ہوتی ہے۔ ایک صحابی نے مشورہ دیا کیوں نہ ہم اہل فارس کا طریقہ استعمال کر لیں۔ یہ سن کر سب نے کہا: ان لوگوں میں آنے والا ہر بادشاہ پہلے بادشاہ کی تقویم ختم کر دیتا ہے۔ با

① السلطة التنفيذية :219/1. ② شرح صحيح مسلم للنووي: 137/7.

نے متفقہ فیصلہ کیا کہ دیکھا جائے کہ نبی ﷺ مدینہ طیبہ میں کتنی دیر رہے۔ جب شمار کیا گیا تو دس (10) سال بنے، لہٰذا اسلامی تقویم کی ابتدا ہجرت نبوی سے کی گئی۔ ①

عثمان بن عبداللہ فرماتے ہیں: میں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے سنا، انھوں نے فرمایا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا اور دریافت فرمایا: ہم اپنی تقویم کی ابتدا کب سے کریں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ جس وقت نبی ﷺ شرک کی زمین سے نکل کر مدینہ تشریف لائے، اسی وقت سے ہماری تاریخ کا آغاز ہونا چاہیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ فوراً قبول فرمالیا۔ ②

ابن مسیّب ہی سے مروی ہے کہ سب سے پہلے تاریخ لکھنے کی ابتدا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمائی جب انھیں خلیفہ منتخب ہوئے ابھی اڑھائی برس گزرے تھے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے محرم کی سولہ تاریخ سے اس کا آغاز کر دیا۔ ③

ابو زناد فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تقویم کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا تو سب نے سن ہجرت پر اتفاق کیا۔ ④

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تاریخ کی ابتدا محرم سے ہوئی ربیع الاول سے نہیں ہوئی جس میں نبی ﷺ کی ہجرت ہوئی تھی۔ اس کا سبب یوں بیان فرمایا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ اُمور جن سے تقویم کی ابتدا کی جا سکتی ہے وہ چار (4) ہو سکتے ہیں۔ نبی ﷺ کی ولادت باسعادت، بعثت، ہجرت اور وفات، پھر انھوں نے دیکھا کہ ولادت اور بعثت کی تاریخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاریخ وفات کو اس لیے درست نہ سمجھا کہ یہ تاریخ مسلمانوں کے غم و رنج کو تازہ کرتی رہے گی، لہٰذا سب ہجرت پر متفق ہو گئے۔ انھوں نے ربیع الاول کی بجائے محرم سے تقویم کی ابتدا کی کیونکہ ہجرت کا ارادہ محرم میں ہوا

---

① محض الصواب: 316/1، وابن الجوزي، ص: 69. ② المستدرك للحاكم: 14/3، وصححه و وافقه الذهبي. ③ تاريخ الإسلام للذهبي، ص: 163. ④ محض الصواب: 317/1.

تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ ذوالحج کے مہینہ میں ہوئی تھی جو ہجرت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ پس سب سے پہلا چاند جو اس بیعت کے بعد طلوع ہوا وہ محرم کا تھا، چنانچہ مناسب یہی خیال کیا گیا کہ محرم سے اسلامی تقویم کی ابتدا کی جائے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی وہ سب سے زیادہ مناسب سبب باور کیا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے اسلامی تاریخ کا آغاز محرم سے ہوا۔[1]

انتظامی امور کے سلسلے میں رُونما ہونے والے اس منفرد واقعے نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو وہ نادر موقع فراہم کر دیا جس میں انھوں نے جزیرۂ عرب میں ہر کام ایک وحدت کے تحت کر دیا۔ اس کے نہایت اہم نتائج مرتب ہوئے۔ لوگ دین اسلام کی وجہ سے وحدتِ عقیدہ، وحدت ثقافت اور وحدتِ تاریخ اختیار کرنے میں یکجا ہو گئے۔ ان تمام وحدتوں کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یکسوئی سے دین کے دشمنوں کی طرف اس حال میں متوجہ ہوئے کہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے نصرت کے امیدوار تھے۔[2]

امیر المومنین کا لقب

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لقب کے بارے میں غور وفکر کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد مسلمانوں نے کہا: کیا اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفۃُ خلیفۃِ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے گا؟ یہ لقب تو لمبا ہو جائے گا، لہٰذا ہم سب کو باہمی مشورے سے کوئی ایسا لقب منتخب کر لینا چاہیے جو بعد میں بھی سب خلفاء پر لاگو ہو سکے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ ہم سب اہل ایمان ہیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہمارے امیر ہیں۔ لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا لقب امیر المومنین ہونا چاہیے، چنانچہ یہی لقب رائج ہو گیا۔ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھیں اس لقب

---

① فتح الباري: 268/7، والخلافة الراشدة يحيٰى اليحيٰى، ص: 286. ② جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين لمحمد الوكيل، ص: 90.

سے ملقب کیا گیا۔ [1]

ابن شہاب فرماتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابو بکر بن سلیمان بن ابی خیثمہ سے پوچھا: ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا لقب خلیفۃ رسول اللہ ﷺ لکھتے تھے۔ ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو خلیفۂ ابو بکر رضی اللہ عنہ لکھتے تھے۔ آخر وہ کون سے خلیفہ تھے جنھوں نے سب سے پہلے امیر المومنین کا لقب پایا؟ ابو بکر بن سلیمان نے کہا: مجھ سے میری دادی شفاء، جن کا سب سے پہلے ہجرت کرنے والی عورتوں میں شمار ہوتا ہے، نے بیان کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بھی بازار آتے تو ان کے پاس ضرور تشریف لاتے، پھر فرمایا:

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے عامل کو لکھا [2] کہ میرے پاس دو ایسے عراقی نوجوان بھیج دو جو اچھی سوچ کے ساتھ ساتھ طاقتور بھی ہوں۔ میں ایسے نوجوانوں سے عراق اور اہل عراق کے بارے میں مکمل تفصیلات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس حکم کی تعمیل میں عراق کے عامل نے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو روانہ کر دیا۔ وہ دونوں مدینہ آئے۔ انھوں نے اپنی سواریاں مسجد کے صحن میں بٹھائیں، پھر مسجد میں داخل ہوئے تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سامنے موجود پایا۔ دونوں نے کہا: اے عمرو! ہمارے لیے امیر المومنین سے ملاقات کا اجازت نامہ طلب فرمایئے۔ عمرو رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہا: اے امیر المومنین! آپ پر سلامتی ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: اے عمرو بن عاص! تو نے مجھے اس لقب سے کیوں مخاطب کیا؟ تجھے اس کا سبب بتانا پڑے گا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں! میں اس کی وجہ بتاتا ہوں۔ دراصل لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم آئے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا: ہمارے لیے امیر المومنین سے ملاقات کا اجازت نامہ طلب کرو۔ میں نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! تم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بالکل درست اور مناسب لقب سے پکارا ہے۔ وہ امیر ہیں اور ہم مؤمنین ہیں.....وہی دن تھا جب سے

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 281/3، و محض الصواب: 311/1. [2] محض الصواب: 312/1.

آپ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہنے کا رواج پڑ گیا۔ [1]

ایک روایت کے مطابق ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا: تم مومن ہو اور میں تمھارا امیر ہوں۔ اس طرح انھوں نے خود یہ لقب اختیار فرما لیا۔ [2]

اس طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہ پہلی شخصیت ہیں جو امیر المومنین کے لقب سے مشرف ہوئے۔ سیرت خلفاء کا مطالعہ کرنے والا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام پر غور وفکر کرے گا تو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ وہ سب اس لقب پر متفق تھے اور پوری اسلامی مملکت میں خلیفہ کے لیے یہی لقب شہرت پا گیا۔ [3]

[1] المستدرك للحاكم: 82,81/3، قال الذهبي صحيح. [2] محض الصواب: 312/1. [3] محض الصواب: 313/1.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خوبیاں، خاندان سے سلوک اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کا احترام

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خوبیاں
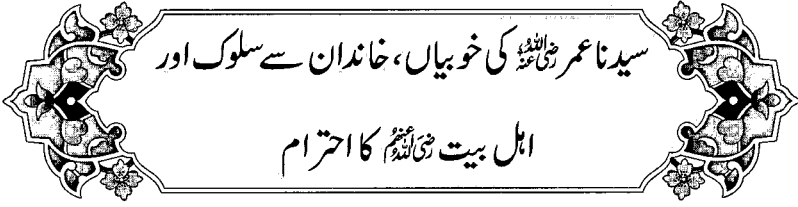
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی سب سے بڑی خوبی ان کا اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان تھا۔ ان کی گراں قدر سیرت میں یہی خوبی الماس کی طرح چمکتی دکھائی دیتی ہے اور ان کی شخصیت کی پہچان کے لیے شاہ کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ خوبی تھی جس کی وجہ سے ان کی طبیعت میں ناقابل یقین حد تک نہایت حیرت انگیز توازن پایا جاتا ہے۔ اسی سببِ خاص سے ان کی شخصیت انتہائی جاذبِ نظر بن گئی تھی۔ اسی لیے ان کی زبردست طاقت ان کی عدالت پر، اُن کی حاکمیت ان کے ترحم پر اور ان کی مالداری ان کی عاجزی پر غلبہ نہ پاسکی اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت کے مستحق قرار پائے۔ انھوں نے کلمۂ توحید میں پائی جانے والی تمام مطلوبہ شروط، یعنی علم، یقین اور اطاعت شعاری کو دل و جان سے تسلیم کیا۔ وہ کلمۂ توحید اور ایمان کی حقیقت کا مکمل ادراک رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی زندگی کے ہر لمحے پر گہرے ایمان کے نقوش ثبت نظر آتے تھے۔ ان میں سے نمایاں ترین درج ذیل ہیں:

محاسبۂ نفس کا شدید احساس

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

«أَكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ النَّارِ فَإِنَّ حَرَّهَا شَدِيدٌ وَّقَعْرَهَا بَعِيدٌ وَّ مَقَامِعَهَا حَدِيدٌ»

''تم آگ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ اس کی گرمی انتہائی تیز، اس کے گڑھے انتہائی گہرے اور اس کے ہتھوڑے لوہے کے ہیں۔''[1]

ایک دن ایک بدوی آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قریب کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

اے عمر! تجھے بہترین بدلہ عطا ہوگا
اگر تو میری بیٹیوں اور ان کی ماؤں کو عطا فرمائے گا
میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں! تو یہ کام ضرور کرے گا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ایسا نہ کروں تو پھر کیا ہوگا؟ بدوی بولا: میں قسم کھاتا ہوں کہ پھر میں یقیناً اپنے انجام کو پہنچ جاؤں گا، (مر جاؤں گا) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو مر گیا تو پھر کیا ہوگا؟ بدوی نے جواب دیا:

اللہ کی قسم! آپ سے میرے بارے میں ضرور سوال ہو گا
پھر آپ کو وہاں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا
اور جس کی ان مسائل کے بارے میں تفتیش ہوئی، وہ
یا تو آگ کی طرف یا پھر جنت کی طرف جائے گا!

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے، یہاں تک کہ ڈاڑھی مبارک تر ہو گئی، پھر خادم سے فرمایا: اے لڑکے! اسے آج کے دن اس نصیحت آموزی کے سبب میری یہ قمیص

[1] فرائد الکلام للخلفاء الکرام، ص: 155.

دے دو۔ یہ میں اُس دن کے لیے دے رہا ہوں اس لیے نہیں دے رہا کہ اس نے مجھے اشعار سنائے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں آج اس قمیص کے علاوہ اور کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بدو کے اشعار سنے تو سِسک سِسک کر روئے۔ ان میں قیامت کے دن اور حساب کتاب کا ذکر تھا، حالانکہ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ نہیں کہا تھا کہ انھوں نے کسی پر ظلم کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسے ہی تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف کی وجہ سے ہر اُس شخص کی بات سن کر رو پڑتے تھے جو اُن کے سامنے قیامت کا تذکرہ کرتا تھا۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خشیت الٰہی کی وجہ سے اکثر اپنا محاسبہ فرماتے تھے۔ اگر محسوس کرتے کہ انھوں نے کسی پر زیادتی کی ہے تو اسے فوراً تلاش کرتے اور اسے قصاص دینے کے لیے تیار ہو جاتے۔ وہ سرعام لوگوں سے ان کی ضروریات کے بارے میں دریافت فرماتے تھے۔ جب کوئی اپنی ضرورت ظاہر کرتا تو اس کی ضرورت فوراً پوری فرما دیتے تھے لیکن وہ لوگوں کو اس بات سے منع فرماتے تھے کہ جب وہ امت کے کسی اجتماعی مسئلے میں مصروف ہوں تو کوئی اپنی خاص ذاتی شکایت لے کر نہ آئے۔ ایک دن وہ کسی کام میں مصروف تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہا: اے امیر المومنین! میرے ساتھ چلیے اور میری مدد کیجیے، فلاں آدمی نے مجھ پر زیادتی کی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر کوڑا مارا اور فرمایا: جب عمر تمھارے لیے وقت نکالتا ہے تو اس وقت تم آتے نہیں اور جب میں امور عام میں مصروف ہوتا ہوں تو آجاتے ہو۔ وہ آدمی اپنے آپ کو ملامت کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آدمی کو واپس لاؤ۔ جب وہ واپس آیا تو کوڑا اس کے سامنے پھینک دیا اور فرمایا: یہ کوڑا پکڑو اور میرے سر پر اسی طرح مارو جس طرح میں نے تمھیں مارا تھا۔ وہ آدمی بولا: نہیں اے امیر المومنین! میں اس ضرب کو اللہ تعالیٰ اور آپ کی رضا کے لیے

[1] تاريخ بغداد: 312/4. [2] التاريخ الإسلامي: 46/19.

معاف کرتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس طرح نہ کہو یا تو صرف اللہ کی رضا کے لیے معاف کرو اور ثواب کے امیدوار ہو جاؤ یا مجھ سے قصاص لے لو۔ وہ یہ بات سمجھ گیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے معاف کرتا ہوں۔ وہ آدمی واپس چلا گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لے گئے۔[1] اس وقت آپ کے ساتھ کچھ لوگ تھے۔ ان میں احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ اس قصے کے راوی اور عینی شاہد ہیں۔ فرماتے ہیں: پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی۔ دو رکعتیں ادا کیں اور فرمایا: اے ابن خطاب! تو کتنا گرا پڑا آدمی تھا اللہ تعالیٰ نے تجھے بلندی عطا کی۔ تو گمراہ تھا اللہ تعالیٰ نے تجھے ہدایت بخشی، جبکہ تو ذلیل تھا اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت عطا فرمائی، تجھے لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیا۔ تیرے پاس ایک آدمی ظلم کے انسداد میں مدد کا طلب گار ہوا، تو نے اسے کوڑا مارا۔ کل جب تو اپنے رب کے حضور پیش ہوگا تو کیا جواب دے گا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو اسی طرح ڈانٹتے رہے۔ میں انھیں دیکھتا رہا حتی کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ آپ پوری کائنات میں سب سے اچھے انسان ہیں۔[2]

ایاس بن سلمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے کسی کام کے لیے بازار سے گزر رہے تھے۔ کوڑا ہاتھ میں تھا۔ میں بھی بازار میں تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: سلمہ! راستے سے ہٹ جاؤ۔ پھر مجھے کوڑے سے مارا۔ وہ کوڑا صرف میرے کپڑے کے کنارے پر لگا۔ میں راستے سے ہٹ گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ اگلے سال مجھے بازار میں ملے اور فرمایا: سلمہ! کیا اس سال حج کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں اے امیر المومنین! انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، میں نے بھی ان کا ہاتھ تھام رکھا تھا کہ چلتے چلتے وہ اپنے گھر جا پہنچے اور سو درہم کی ایک تھیلی نکال لائے اور کہا: اے سلمہ! ان درہموں سے فائدہ اٹھا۔ اور یاد رکھنا یہ درہم اس کوڑے کے عوض ہیں جو میں نے

[1] الفاروق للشرقاوي، ص:222. [2] محض الصواب:503/2.

تجھے پچھلے سال مارا تھا۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! مجھے تو وہ واقعہ یاد بھی نہیں رہا۔ اب آپ ہی نے یاد دلایا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن وہ واقعہ میں آج تک نہیں بھولا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ محاسبۂ نفس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

«حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، وَ زِنُوهَا قَبْلَ أَنْ تُوزَنُوا، وَ تَهَيَّئُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ»

''اس سے پہلے کہ تمھارا اللہ تعالیٰ کے سامنے محاسبہ کیا جائے، خود اپنا محاسبہ کر لو۔ اس سے پہلے کہ تمھارا وزن ہو، خود اپنا وزن کر لو اور قیامت کے دن سب سے بڑی پیشی کا سامان کر لو۔''

﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ۝﴾

''اس دن تمھاری پیشی ہوگی اور تمھارا کوئی راز خفیہ نہ رہے گا۔'' [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شدت خشیت سے فرمایا کرتے تھے: اگر کوئی بکری کا بچہ فرات کے کنارے مر گیا تو اللہ قیامت کے دن عمر سے سوال کرے گا۔ [3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اونٹ کی پشت پر پالان کی لکڑی پر بیٹھے تیزی سے جاتے دیکھا۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! کہاں جا رہے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صدقے کا اونٹ بھاگ گیا ہے، اسے تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا: آپ نے تو اپنے بعد آنے والے خلفاء کو مشکل اور مشقت میں ڈال دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو الحسن! مجھے ملامت مت کرو۔ اللہ کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق نبوت عطا فرمائی! اگر فرات کے کنارے سے بھی بکری کا کوئی بچہ گم ہو گیا

[1] تاریخ الطبري: 244/4، (إسناده ضعيف.) [2] الحاقة 18:69، مختصر منهاج القاصدين، ص: 372، وفرائد الكلام، ص: 143. [3] مناقب عمر، ص: 161,160.

تو قیامت کے دن عمر سے اس کا بھی سوال ہوگا۔ [1]

ابو سلامہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک دن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حرم کے اندر ان عورتوں اور مردوں کو مار مار کر الگ الگ کر رہے ہیں جو ایک ہی حوض پر جمع تھے اور وضو کر رہے تھے۔ انھوں نے ایک ذمہ دار آدمی کو آواز دی۔ وہ حاضر ہوا اور عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غصے سے فرمایا: ایسے آداب چھوڑ! مجھے یہ بتا: کیا میں نے تجھے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ عورتوں کے لیے الگ اور مردوں کے لیے الگ حوض بنا؟ یہ کہہ کر وہ واپس آئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ فرمایا: اے علی! میں تو تباہ ہو گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کس چیز نے آپ کو ہلاک کیا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کچھ مردوں اور عورتوں کو حدود حرم میں مارا ہے......۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے امیر المومنین! آپ ایک داعی ہیں۔ اگر آپ کی نیت اصلاح اور خیر خواہی کی تھی تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو اس پر کوئی سزا نہیں دے گا اور اگر آپ نے انھیں نیت میں کھوٹ کی وجہ سے مارا ہے تو تب آپ ظالم ہو سکتے ہیں۔ [2]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں۔'' [3]

آیت کا سننا تھا کہ وہ حیران و پریشان ہو کر مدینہ کی گلیوں میں چکر کاٹنے لگے اور پھر سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ ابی تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ انھوں نے وہ تکیہ فوراً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر دیا اور کہا: اے امیر المومنین! اس پر تشریف رکھیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تکیے کو ٹھوکر مار کر ہٹا دیا اور زمین پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے ابی کو یہی

---

[1] مناقب عمر، ص: 161. [2] المصنف لعبدالرزاق: 76,75/1، (إسناده حسن) ومحض الصواب: 622/2. [3] الأحزاب 58:33.

آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا: مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ اس آیت کا مصداق میں ہی ہوں کیونکہ میں نے مومنوں کو تکلیف پہنچائی ہے۔ حضرت ابی نے عرض کیا: ایسا نہیں ہوسکتا، آپ نے تو صرف اپنی رعایا کی خیر خواہی اور بھلائی چاہی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اگر کہتا ہے تو ٹھیک ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بسا اوقات آگ جلاتے تھے، پھر اپنا ہاتھ آگ کے انتہائی قریب کر دیتے تھے اور خود کلامی فرماتے ہوئے کہتے تھے: يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! هَلْ لَّكَ عَلٰى هٰذَا صَبْرٌ ''اے خطاب کے بیٹے! کیا تو اس پر صبر کر سکتا ہے؟'' [2]

قادسیہ کے دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کا تاج، تلوار، پٹکا، قمیص، شلوار اور موزے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال فرمائے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نظر اُٹھا کر سب لوگوں کی طرف دیکھا۔ ان سب میں قد آور اور بھاری بھرکم جسم والا شخص سراقہ بن مالک بن جُعشم مدلجی کو پایا۔ آپ نے فرمایا: اے سراقہ! کھڑا ہو جا۔ ان سب چیزوں کو پہن کر دکھا۔ وہ کھڑا ہوا اور سب کچھ پہن لیا۔ اس نے انتہائی تعجب سے اپنے سراپے کو دیکھا اور بہت خوش ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پشت پھیر لے۔ سراقہ نے چہرہ دوسری طرف کیا، پھر فرمایا: میری طرف دیکھ! سراقہ نے اپنا چہرہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پھیر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا: دیکھو، دیکھو! بنو مدلج کے اعرابی کو دیکھو۔ اس نے آج کسریٰ کی قبا، قمیص، شلوار، تلوار، پٹکا، تاج اور موزے پہن رکھے ہیں۔ اے سراقہ! یہ دن تیرے اور تیری قوم کے لیے کس قدر عزت و شرف کا دن ہے کہ تو نے یہ سب کچھ پہن رکھا ہے۔

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سراقہ سے کہا: یہ سب چیزیں اتار دے۔ اس نے یہ سب چیزیں اتار دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: اے اللہ! تو نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مناقب عمر، ص:162، ومحض الصواب:623/2. [2] مناقب عمر، ص:162.

کو یہ مال و متاع نہیں دیا، نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایسا ہوا، حالانکہ وہ دونوں مجھ سے بہت زیادہ عزت دار اور تیرے بڑے محبوب تھے۔ اب تو نے یہ سب کچھ مجھے دے دیا ہے۔ میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ اس میں کوئی آزمائش ہو۔ یہ کہنے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زاروقطار روئے۔ حاضرین آپ کی یہ حالت دیکھ کر آپ پر ترس کھانے لگے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو قرار آیا تو انھوں نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: میں تجھے قسم دے کر کہتا ہوں کہ شام ہونے سے پہلے پہلے اسے بیچ کر اس کی قیمت سب لوگوں میں تقسیم کر دے۔[1]

رب ذوالجلال سے خوف کے اس جیسے بہت سے واقعات ہیں جن سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت طیبہ ہمیشہ جگمگاتی رہے گی۔

زہد

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قرآن کریم سے نہایت گہرے لگاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اور اس کائنات میں غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے۔ یہ آخرت کی کھیتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دنیا کی تمام رنگینیوں، زیب و زینت اور چمک دمک کو ہیچ اور ناقابل توجہ سمجھتے تھے۔ وہ دنیا کی دلفریبیوں سے آزاد ہو کر دل و دماغ کی گہرائیوں سے اپنے رب کے کامل اطاعت گزار بن کر اس کے آگے جھک چکے تھے۔ ان کے دل کے ایک ایک ریشے میں ایسے حقائق جاگزین ہو چکے تھے کہ ان کے زیر اثر وہ زہد اور عاجزی کے پیکر نظر آتے تھے۔ ذرا یہ حقائق ملاحظہ فرمائیے:

① اس حقیقت کا مکمل یقین کہ ہم اس دنیا میں محض اجنبی مسافروں کی طرح ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ»

---

① محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب:625/2.

''دنیا میں اس طرح زندگی گزارو گویا کہ تم اجنبی ہو یا ایک مسافر ہو۔''[1]

② اس امر کا مکمل یقین کہ اس دنیا کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے۔ ہاں صرف اس وقت کی قدر و قیمت ہے جو اللہ کی اطاعت میں بسر ہوا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَوْكَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَّا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ»

''اگر اس دنیا کی اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر و قیمت ہوتی تو کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی میسر نہ آتا۔''[2]

اور فرمایا:

«اَلدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَّا فِيهَا إِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ، أَوْ عَالِمًا، أَوْ مُتَعَلِّمًا»

''یہ ساری دنیا اللہ کی رحمت سے دور ہے۔ جو کچھ اس میں ہے وہ سب کچھ ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور جو اللہ سے دوستی رکھے یا کوئی علم سیکھنے والا یا علم سکھلانے والا۔''[3]

③ مکمل یقین کہ اس دنیا کی عمر پوری ہونے کے قریب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ»

''میری بعثت اور قیامت ان دو (2) انگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت اور درمیان والی اُنگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6416، و جامع الترمذي، حديث: 2333. [2] جامع الترمذي، حديث: 2320. [3] جامع الترمذي، حديث: 2322، وسنن ابن ماجه، حديث: 4112. [4] صحيح مسلم، حديث: 2950،2951.

④ اس حقیقت کا یقین کامل کہ آخرت ہی ہمیشہ رہنے والی ہے اور وہی مستقل رہائش گاہ ہے جیسا کہ آلِ فرعون کے مومن نے کہا تھا:

﴿ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ز وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ○ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ ﴾

''اے میری قوم! یہ دنیاوی زندگی تو بس (تھوڑا سا) فائدہ اٹھانا ہے اور بے شک آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ جس نے کوئی برائی کی تو اسے بس اس کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا اور جس نے کوئی نیک کام کیا وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو، تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، وہاں انھیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔''[1]

مندرجہ بالا حقائق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں جاگزیں ہو گئے تھے۔ وہ دنیا اور اس کے ساز و سامان سے یکسر بے نیاز، بالاتر اور لاتعلق ہو چکے تھے۔ اس دنیائے فانی سے اُن کی لاتعلقی کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

ابو اشہب بیان فرماتے ہیں: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کوڑے کرکٹ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے تو وہاں رک گئے۔ ان کے ساتھ چلنے والے بڑی اذیت محسوس کرنے لگے۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ تمھاری دنیا ہے جس کے پیچھے تم بھاگتے ہو اور اس کے نہ ملنے پر روتے ہو۔[2]

سالم بن عبداللہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اللہ کی قسم! ہمیں دنیاوی عیش و عشرت کی کوئی پروا نہیں کہ ہم بکروٹے کی کھال اتار کر اس کا گوشت کھائیں بلکہ ہم تو گھر والوں سے آٹے کے چھان کی روٹی کا

① المؤمن40:39,40. ② الزهد للإمام أحمد، ص: 118.

تقاضا کرتے ہیں جو ہمارے لیے پکتی ہے اور ہم انگور سے نبیذ تیار کرنے کو کہتے ہیں جو ہمارے لیے مشکیزوں میں بنتی ہے حتی کہ اس کا رنگ تیتر کی آنکھ جیسا ہو جاتا ہے۔ہم تو یہ چیزیں کھاتے پیتے ہیں۔ بلکہ ہماری تمنا ہوتی ہے کہ اپنے حصے کی لذیذ نعمتیں ترک کر دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾

''تم اپنے حصے کی نعمتیں دنیا کی زندگی میں لے چکے۔''[1]

ابوعمران الجونی فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

«لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِلِينِ الطَّعَامِ مِنْ كَثِيرٍ مِّنْ آكِلِيهِ، وَلٰكِنَّا نَدَعُهُ لِيَوْمٍ»

''ہم مرغن ترین غذائیں کھانے والوں سے بہتر طور پر کھانوں کی عمدگی اور لطف و لذت کو جانتے ہیں لیکن ہم ان کھانوں کو اس دن کے لیے چھوڑ رہے ہیں:[2]

﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا﴾

''جس دن تم اسے (قیامت کے زلزلے کو) دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس سے غافل ہو جائے گی جسے اس نے دودھ پلایا تھا اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی۔''[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے زندگی کے معاملے میں غور وفکر کیا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے دنیا کو حاصل کر لیا تو آخرت کا نقصان اٹھاؤں گا اور آخرت حاصل کر لی تو دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔ بالآخر میں نے دنیا کا نقصان برداشت کر لیا۔[4]

ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، وہ اس وقت خلیفہ تھے اور ان کا حال یہ تھا کہ ان کے تہبند میں بارہ (12) پیوند لگے ہوئے تھے۔[5]

[1] الأحقاف 20:46. [2] محض الصواب:571/2. [3] الحج 2:22. [4] حلية الأولياء:50/1، (ضعيف منقطع)، ومناقب عمر لابن الجوزي، ص: 137. [5] الزهد للإمام أحمد، ص: 124، اس کے کئی طرق ہیں جو اسے تقویت دیتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ کا طواف اس حالت میں کرتے دیکھا گیا کہ ان کے تہبند میں بارہ (12) پیوند تھے۔ ان میں سے ایک پیوند چمڑے کا تھا۔ [1]

ایک مرتبہ جمعہ کے دن انھیں گھر سے آنے میں دیر ہوگئی۔ جب تشریف لائے تو حاضرین سے تاخیر سے آنے پر معذرت کی اور فرمایا: دراصل میں اپنے ان پہنے ہوئے کپڑوں کو دھلوا رہا تھا۔ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی لباس نہیں تھا۔ [2]

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں: میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کی غرض سے نکلا۔ ہم نے مدینہ سے مکہ، پھر مکہ سے مدینہ واپسی کا سفر بھی اکٹھے طے کیا۔ راستے بھر میں ان کے لیے کہیں بھی خصوصی طور پر علیحدہ خیمہ نہیں لگایا گیا۔ نہ ہی بالوں سے بُنا کوئی چھوٹا سا گھر بنایا گیا۔ وہ اپنی چادر یا چمڑے کا ایک بچھونا درخت پر ڈالتے تھے اور اس کے سائے میں آرام فرما لیتے تھے۔ [3]

یہ تھے امیر المومنین رضی اللہ عنہ جو مشرق سے مغرب تک کے فرمانروا تھے۔ ذمہ داری کا احساس اتنا شدید تھا کہ اپنی رعایا کی ہر آن خبر گیری فرماتے تھے۔ سادگی اتنی تھی کہ کچی زمین ہی پر بیٹھ جاتے تھے۔ ان کے نیچے ایک معمولی چادر بچھی ہوتی تھی۔ محسوس ہوتا وہ رعایا کے کوئی معمولی سے آدمی ہیں۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں۔ انھوں نے اپنے والد گرامی کی دنیا سے بے رغبتی اور تنگی کے نشانات دیکھے تو عرض کیا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اب بہت خیر و برکت عطا کر دی ہے۔ آپ پر رزق کی فراوانی فرما دی ہے، اب آپ اچھا کھانا کیوں نہیں کھاتے اور عمدہ لباس کیوں نہیں پہنتے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس سلسلے میں تجھ سے بھرپور گفتگو کر سکتا ہوں، پھر انھوں نے نبی علیہ السلام کی زندگی کا تذکرہ فرمایا اور مسلسل ان کی زندگی کے کٹھن ایام رہ رہ کر یاد دلاتے رہے۔

---

[1] الطبقات الكبرىٰ: 328/3، (إسناده صحيح). [2] محض الصواب: 566/2. [3] الطبقات لابن سعد: 279/3 (إسناده صحيح).

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سنتے سنتے رو پڑیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ فرمایا: میری سوچ یہ ہے کہ مجھ سے پہلے میرے دو ساتھی اس دنیا سے کٹھن زندگی گزار کے جا چکے۔ ہوسکتا ہے اس طرح میں بھی ان کی اس وقت کی عمدہ زندگی میں شامل ہوسکوں۔ [1]

دنیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سرنگوں ہوگئی تھی۔ ان کے عہد خلافت میں بہت سے شہر فتح ہو چکے تھے۔ دنیا سر جھکائے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ لیکن انھوں نے اس کی طرف پلک جھپک کر بھی نہ دیکھا۔ نہ کبھی دل میں دنیا کی طلب کا خیال گزرا۔ وہ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ عزت کا تمام تر دارومدار اللہ کے دین کی سربلندی اور مشرکین کی شان و شوکت نیست و نابود کرنے میں ہے۔ ان کی طبیعت کا سب سے بڑا جوہر زہد تھا۔ [2]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہجرت کے معاملے میں ہم سے مقدم نہ تھے بلکہ وہ دنیا سے بے رغبتی کے اعتبار سے ہم سے افضل تھے۔ [3]

پرہیزگاری

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پرہیزگاری پر وہ قصہ دلالت کرتا ہے جسے ابوزید عمر بن شیبہ نے معدان بن ابی طلحہ یعمری سے بیان فرمایا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ کچھ چادریں اور کھانے پینے کا سامان آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ سب تقسیم کر دیا جائے، پھر فرمایا: اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں ان لوگوں کا رازق نہیں ہوں، نہ خود کو ان پر ترجیح دیتا ہوں۔ میں تو صرف اپنا کھانا لے کر ان سب لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہیں تو اس کھانے کو آگ بنا کر عمر کے پیٹ میں نہ ڈال دے۔ معدان فرماتے ہیں: پھر میں نے دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خالص ذاتی مال سے ایک پیالہ بنوایا، پھر وہ اس میں خالص اپنے مال سے بنا ہوا کھانا منگواتے اور

[1] الزهد للإمام أحمد، ص: 125، والطبقات لابن سعد: 277/3. [2] الفاروق أمير المؤمنين للدكتور لماضه، ص: 11. [3] المصنف لابن أبي شيبة: 149/8، وابن عساكر: 244/52 (إسناده جيد).

اسے اپنے اور سب لوگوں کے سامنے رکھ دیتے۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہی خواہش رہتی تھی کہ وہ سب لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں کیونکہ اس میں بہت سے معاشرتی فوائد مضمر تھے۔ وہ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ بیت المال یا مسلمانوں کی کمائی سے تیار کھانا کھائیں۔ وہ صرف اپنے ہی خالص مال سے تیار شدہ کھانا منگواتے تھے اور سب کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔

یہ بے داغ زندگی اور پرہیزگاری کی عمدہ ترین مثال تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت المال کا کھانا کھانے کے پوری طرح مجاز تھے۔ اس کھانے میں کوئی حرج یا حرمت کا شبہ تک نہ تھا کیونکہ وہ بھی تو مسلمانوں کے ایک فرد تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے خود کو بیت المال یا عام مسلمانوں کے کھانے سے دور رکھا، صرف اس لیے کہ وہ ہر ممکن طور پر اللہ کی رضا کے طلب گار تھے۔ خوف الٰہی کی شدت کی وجہ سے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ شُبہ والی چیز سے بھی اپنے آپ کو بچا کر رکھتے تھے۔ [1]

عبدالرحمٰن بن نجیح بیان فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اونٹنی تھی۔ وہ اسی اونٹنی کا دودھ پیا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے غلام نے انھیں دودھ کا پیالہ پلایا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند کیا اور دریافت فرمایا: تو ہلاک ہو، یہ دودھ کہاں سے لایا؟ اس نے کہا: اے امیر المومنین! اونٹنی کا بچہ اچانک کھل گیا اور وہ اونٹنی کا دودھ پی گیا، چنانچہ میں نے آپ کو بیت المال کی ایک اونٹنی کا دودھ پلایا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو ہلاک ہو۔ تو نے مجھے آگ پلا دی ہے۔ اب میں اپنے لیے اس دودھ کی حلت کے سلسلے میں لوگوں سے مشورہ کروں گا، چنانچہ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ معاملہ رکھا تو سب نے بالاتفاق یہ فتویٰ دیا کہ نہ صرف دودھ آپ کے لیے حلال تھا بلکہ اس کا گوشت بھی حلال ہے۔ [2]

---

[1] التاريخ الإسلامي: 37/19. [2] تاريخ المدينة المنورة، ص: 702.

یہ ایک زندہ مثال تھی۔ اندازہ کیجیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ محض ایسا دودھ پیتے ہی اللہ سے ڈر گئے جو بیت المال کی اونٹنی کا تھا، حالانکہ انھوں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا، پھر وہ پینے کے بعد اس وقت تک مطمئن نہیں ہوئے جب تک کہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے، جو مجلس شوریٰ کے نمائندے تھے، اس کی حلت کا فتویٰ نہ دے دیا۔

یہ اور اس قسم کے دیگر کئی واقعات اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ آخرت کی فکر، عقبیٰ کے حساب کتاب، نعمتوں اور بدبختی کے استحضار سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہر وقت مغلوب رہتی تھی اور ان کے خیالات پر ہر آن، ہر گھڑی یہی سوچ چھائی رہتی تھی۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتہائی پرہیزگار شخص تھے۔ ان کی اس خوبی کی انتہا یہ تھی کہ کسی چیز پر اُن کا حق ہوتا یا نہ ہوتا، وہ بہر حال درگزر اور پرہیزگاری سے کام لیتے تھے۔

وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے۔ اطباء نے شہد پینے کا مشورہ دیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا جو کسی مفتوحہ علاقے سے آیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ شہد نہیں پیا۔ پہلے سب لوگوں کو جمع فرمایا، منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے شہد پینے کی اجازت مانگی اور فرمایا: اگر تم مجھے اجازت دو تو ٹھیک ہے ورنہ وہ میرے لیے ناجائز ہے۔ لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر انتہائی متأثر ہوئے اور ان پر ترس کھا کر رو پڑے اور آپس میں کہنے لگے: عمر! تیری خوبی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ تو نے تو اپنے بعد آنے والے خلفاء کو سخت پابند کر دیا۔ [2]

عجز وانکسار

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا ایک پرنالہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے راستے میں پڑتا تھا۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے صاف

[1] التاريخ الإسلامي: 28/19. [2] فرائد الكلام للخلفاء الكرام، ص: 113، والفاروق للشرقاوي، ص: 275.

ستھرے کپڑے پہنے گزر رہے تھے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اس پرنالے سے خون کے چھینٹے پڑے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں دو چوزے ذبح کیے گئے تھے۔ ان کا خون پرنالے میں تھا۔ جب اس پر پانی بہایا گیا تو چھینٹے اڑ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر پڑے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پرنالہ اکھاڑنے کا حکم دیا۔ واپس گھر آئے۔ گندے کپڑے اتارے۔ نیا لباس پہنا، پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ بعدازاں عباس رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: اللہ کی قسم! یہ وہ جگہ تھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اس پرنالے کو نصب فرمایا تھا۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عباس! میں تجھے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تو میری پشت پر سوار ہو کر اسے دوبارہ اسی جگہ نصب کر دے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصب فرمایا تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ [1]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت گرمی کے دن میں سر پر چادر اوڑھے باہر نکلے۔ ایک لڑکا گدھے پر سوار جا رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لڑکے! مجھے بھی اپنے ساتھ گدھے پر سوار کر لے۔ لڑکا یہ سن کر جلدی سے گدھے سے اتر آیا۔ اور عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ سوار ہو جائیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں پہلے تو سوار ہو جا، پھر میں تیرے پیچھے سوار ہوں گا۔ تو چاہتا ہے کہ مجھے نرم جگہ پر بٹھائے اور خود سخت جگہ پر بیٹھے، پھر اس لڑکے کے پیچھے گدھے پر سوار ہو گئے۔ وہ دونوں اس حالت میں مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگ اُن کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ [2]

سنان بن سلمہ ہذلی فرماتے ہیں: ایک دن میں بچوں کے ساتھ کچی کھجوریں لینے نکلا۔ اچانک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ بچوں نے انھیں دیکھا تو سب بھاگ گئے اور کھجور کے باغ میں منتشر ہو گئے لیکن میں بدستور وہاں کھڑا رہا۔ اس وقت

[1] صفة الصفوة: 285/1. [2] أصحاب الرسول لمحمود المصري: 157/1.

میں نے اپنے ازار میں چُنی ہوئی کھجوریں ڈال رکھی تھیں۔ میں نے عرض کیا: اے امیرالمومنین! یہ وہ کھجوریں ہیں جو ہوا کے جھونکوں سے نیچے گر جاتی ہیں۔ انھوں نے میرے ازار کی طرف دیکھا مگر مجھے مارا نہیں۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! بچے میرے راستے میں ہیں۔ وہ مجھ سے کھجوریں چھین لیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ تو چل! پھر وہ خود بھی میرے ساتھ میرے گھر تک مجھے چھوڑنے آئے۔ ①

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عراق سے ایک وفد آیا۔ اس میں احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سخت گرمی کا دن تھا۔ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک چادر سر پر لپیٹے صدقے کے ایک اونٹ کو قطران مَل رہے تھے۔ فرمایا: اے احنف! تو بھی کپڑے بدل کر آجا اور امیرالمومنین کی مدد کر۔ یہ صدقے کا اونٹ ہے جس میں یتیم، مسکین اور بیوہ کا حق ہے۔ ایک آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے آپ کسی صدقے کے غلام کو کیوں نہیں فرماتے کہ یہ کام کرے؟ انھوں نے فرمایا: مجھ سے اور احنف سے بڑا اور کون غلام ہوسکتا ہے؟ جو شخص بھی کسی رعایا کا والی بنے اس کی حیثیت عوام کے سامنے ایسی ہے جس طرح خیر خواہی اور امانت داری کے سلسلے میں ایک غلام کی آقا کے سامنے ہوتی ہے۔ ②

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کندھے پر ایک پانی کا مشکیزہ اٹھائے دیکھا تو عرض کیا: اے امیر المومنین! یہ عمل آپ کی شان کے لائق نہیں۔ انھوں نے فرمایا: دراصل میرے پاس کچھ وفود آئے۔ وہ میری سمع و طاعت پر کمر بستہ تھے۔ میرے دل میں کچھ تکبر پیدا ہوگیا۔ میں نے اس نخوت کو توڑنے کے لیے یہ عمل اختیار کیا ہے۔ ③

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ وہ ایک باغ

---

① صلاح الأمة في علو الهمة لسيد العفاني:425/5. ② أخبار عمر، ص:343، و أصحاب الرسول لمحمود المصري:156/1. ③ مدارج السالكين:330/2.

میں داخل ہو گئے۔ میرے اور ان کے درمیان دیوار حائل تھی۔ وہ اندر تھے اور فرما رہے تھے: اے خطاب کے بیٹے! اللہ سے ضرور ڈرو ورنہ اللہ تجھے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ ①

حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں: کچھ لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیرالمومنین! ہم نے آج تک آپ جیسا آدمی نہیں دیکھا جو اس قدر انصاف کرنے والا، سچ بولنے والا اور منافقین پر کڑی نظر رکھنے والا ہو۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ہیں۔ یہ سن کر عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو۔ بلاشبہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک اور شخص کو ان سے بہتر پایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کون ہے؟ عوف نے کہا: وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! تم نے جھوٹ کہا اور عوف نے سچی بات کہی۔ اللہ کی قسم! ابو بکر رضی اللہ عنہ کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ تھے......۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے چھ (6) برس پہلے مسلمان ہوئے تھے، اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: جب ابو بکر مسلمان تھے، اس وقت میں اپنے اونٹ سے بھی زیادہ بھٹکا ہوا راہی تھا۔ ②

ان واقعات سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتہائی متواضع شخصیت تھے۔ وہ اہلِ فضل کے قدردان تھے۔ وہ نہ صرف زندہ افراد کی قدر کرتے بلکہ فوت شدگان کے بھی قدر شناس تھے۔ وہ اُن کی فضیلت کا اقرار فرماتے تھے۔ انھیں ہمیشہ یاد رکھتے تھے، پھر موقع پر ان کا تذکرۂ خیر فرماتے تھے۔ وہ لوگوں کو بھی مرنے والوں کی اچھی عادات یاد رکھنے اور ان کے اچھے اعمال کی قدر کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اس طرح خیر خواہی کا عمل تسلسل سے برقرار رہتا جو نسل در نسل جاری رہتا تھا۔ کوئی بھی اچھا عمل کسی کی عدم موجودگی یا اس کی وفات کے باعث رکتا نہ تھا۔ یہی ایمان ہے اور اسی سے اہل فضل کی وفاداری جھلکتی ہے۔ ③

---

① الموطأ للإمام مالك: 2/992، (إسناده صحيح). ② مناقب عمر لابن الجوزي، ص: 14، ومحض الصواب: 2/586. ③ شهيد المحراب، ص: 144.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہ تو سابقہ اہلِ فضل کے بارے میں کسی قسم کی غفلت کے قائل تھے نہ وہ انھیں طاق نسیان میں رکھنا چاہتے تھے۔ جو قومیں اپنے اسلاف کی یادوں کو بھول جائیں یا اُن سے غافل ہو جائیں، جنھوں نے اُمت کے لیے شاندار خدمات انجام دی تھیں، وہ قومیں تباہی کے کنارے پہنچ جاتی ہیں۔ کیا خوب ہو کہ ایسے عظیم لوگوں کی خوبیاں اپنائی جائیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بے مثال تربیت حاصل کی تھی کہ اس جیسی تربیت کسی بھی تربیت یا اخلاق سے متعلقہ نئی یا پرانی کتاب میں نہیں ملتی۔ اللہ کی کتاب ہمیشہ سامنے رہے گی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے گی جس میں اعلیٰ علم و تربیت اور عظیم اخلاق ہیں جن کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ [1]

بردباری

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک دفعہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آئے۔ حر بن قیس اُن افراد میں سے تھے جنھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قرب حاصل تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت کے ارکان چاہے بوڑھے ہوں یا جوان سب قاری قرآن ہوتے تھے۔ عیینہ نے کہا: اے بھتیجے! آپ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قرب حاصل ہے تو میرے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا اجازت نامہ حاصل کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حر بن قیس نے اجازت حاصل کر لی۔ جب عیینہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہنے لگا: اے خطاب کے بیٹے! کوئی اور بات کرو، اللہ کی قسم! آپ ہمیں نہ کوئی عطیہ دیتے ہیں اور نہ انصاف کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ الزام سن کر بڑا غصہ آیا۔ ممکن تھا کہ عیینہ کو مارتے لیکن حر نے فوراً عرض کیا: اے امیر المومنین! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

---

[1] شهيد المحراب، ص:145,144.

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝﴾

"آپ (ان سے) درگزر کیجیے اور نیک کام کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے۔"[1]

یہ آیت سنتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر سکون ہو گئے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب سے آگے بڑھنے والے نہیں تھے وہ کتاب اللہ کے آگے فوراً رک جایا کرتے تھے۔[2]

جیسے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا کلام سماعت فرمایا ان کا غصہ کافور ہو گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا کلام سنتے ہی اس آدمی کو معاف فرما دیا جس نے اُن کی سیرت کو بخل اور دین کو ظلم کے ساتھ متہم کیا تھا۔

یہ وہ کردار تھا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں جگمگا تا تھا۔ ہم میں کون ایسا شخص ہو گا جو اس قدر غصہ پی جانے والا ہو؟

آخر ہم ایسی تعلیمات سے کب آراستہ ہوں گے کہ ہم قرآن کریم کے ارشادات پر عمل کریں۔ قرآن کریم کی زندہ مثال بن جائیں؟ اور ہمارا خلق قرآن قرار پائے؟[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقہ جابیہ میں ایک یادگار خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں اموال کی تقسیم کے علاوہ اور بہت سے اُمور زیر بحث آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم لوگوں کے سامنے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اسے اس لیے عامل بنا کر بھیجا کہ وہ اموال کمزور مہاجرین میں تقسیم کرے۔ اس نے تنگ دست لوگوں کے ساتھ ساتھ بہت سے مالداروں، سرداروں اور زبان دراز لوگوں کو بھی مال دیا۔ میں نے اسے معزول کر کے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر کر دیا ہے۔ یہ سُن کر ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اے عمر! ہم مطمئن نہیں ہوئے۔ آپ نے ایسے عامل کو معزول کر دیا ہے جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔ آپ نے ایک ایسی تلوار کو نیام میں ڈال دیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونتا

---

[1] الأعراف 199:7. [2] صحيح البخاري، حديث: 4642. [3] شهيد المحراب، ص: 181.

تھا۔ آپ نے ایسے معاملے کو ختم کر دیا جسے رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ آپ نے قطع رحمی کی اور اپنے چچازاد سے حسد کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر صرف اتنا فرمایا: تو ایک نوجوان آدمی ہے۔ خالد کا انتہائی قریبی رشتہ دار ہے اور اپنے چچازاد کے بارے میں غضب ناک ہو رہا ہے۔[1]

یہ ان چند خوبیوں کا بیان تھا جو حضرت عمر کی سیرت میں چمک رہی تھیں۔ ان کی شخصیت توحید، ایمان باللہ اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے خوف کا نادر مرقع تھی۔ علمائے کرام اور سیرت نگاروں نے ان کی شخصی صفات اور خوبیوں کا مفصل ذکر فرمایا ہے۔ جن میں دینی قوت، شجاعت، مضبوط ایمان، عدل، علم، تجربہ، آگہی، رعب، جسمانی طاقت، سوجھ بوجھ، دور اندیشی، سخاوت، مثالی کردار، مہربانی، استواری، حوصلہ مندی، مضبوطی، تقوی اور پرہیزگاری جیسی صفات سرفہرست ہیں۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قائدانہ صلاحیتوں کا بھی مفصل تذکرہ فرمایا ہے۔ ان میں اپنے خلاف خوش دلی سے تنقید سننا، لوگوں سے کسی کام پر عمل کرانا، مجلس مشاورت کے ذریعے سے اہم فیصلے کرنا، ہنگامی حالات میں جدید حالات کے مطابق چلنا اور اپنے عمال اور گورنروں کی نگرانی کرنا بھی شامل ہیں۔
سیرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مطالعہ کرنے والا آئندہ صفحات میں ان تمام صفات کو واضح طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ میں اس مقام پر تکرار کے ڈر سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کمالات کماحقہ گنوانے سے قاصر ہوں۔

خاندان کے مالی معاملات میں ازحد احتیاط

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: لوگ امام اور خلیفہ کے سامنے جواب دہ ہیں اور خلیفۂ وقت اللہ کے حضور جواب دہ ہے۔ جب خلیفہ تن آسان ہوگا تو رعایا بھی اس راستے

[1] محض الصواب :602/2.

پر چل نکلے گی۔[1]

یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ اپنا اور اپنے اہل خانہ کا احتساب کرتے رہے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ لوگوں کی آنکھیں اُن پر لگی ہوئی ہیں جو ان کا بغور جائزہ لے رہی ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ اگر چہ وہ خود ایک مشکل زندگی بسر کرتے ہیں لیکن جب ان کے اہل خانہ آسودہ حال رہیں گے تب بھی آخرت میں ان سے سوال کیا جائے گا اور دنیا میں بھی لوگوں کی زبانیں ان پر رحم نہیں کریں گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو کسی کام سے منع فرماتے تو فوراً گھر آتے اور اہلِ خانہ سے فرماتے: میں نے لوگوں کو ایک کام سے روکا ہے بلاشبہ لوگوں کی آنکھیں تمھیں بھی اس طرح دیکھ رہی ہیں جس طرح پرندہ گوشت کے ٹکڑے کو دیکھتا ہے۔ اگر تم نے یہ کام کیا تو لوگ بھی کریں گے اور اگر تم ڈرو گے تو وہ بھی ڈریں گے، اللہ کی قسم! اگر تم میں سے کوئی فرد میرے پاس اس حال میں لایا گیا کہ اس نے یہ کام کیا ہو تو میں اسے دو چند سزا دوں گا۔ اب تم میں سے جو چاہے اس سے رک جائے اور جو چاہتا ہے اس پر عمل کر کے دیکھ لے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی اولاد، بیویوں اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے تصرفات و کردار پر کڑی نظر رکھتے تھے جس کی شاہد مندرجہ ذیل مثالیں ہیں:

عوامی منافع کے استعمال سے احتراز: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ کو ان عمومی منفعتوں سے مستفید ہونے سے منع کر رکھا تھا جو سرکاری طور پر لوگوں کی کسی جماعت کے لیے مخصوص ہوتی تھیں۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ان کے اہل خانہ کو اس سے امتیازی حیثیت حاصل نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے ایک اونٹ خریدا، پھر میں بھی

---

[1] موسوعة فقه عمر بن الخطاب للدكتور محمد قلعجي، ص: 146. [2] محض الصواب: 893/3.

عامۃ الناس کی طرح اسے بڑی چراگاہ میں چراتا رہا۔ جب میرا اونٹ فربہ ہوگیا تو میں اسے بازار لے آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ دریافت فرمایا: یہ کس کا اونٹ ہے؟ جواب ملا کہ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ تعجب سے فرمایا: اے امیر المومنین کے بیٹے عبداللہ! یہ اونٹ کہاں سے آیا؟ میں نے عرض کیا: میں نے اسے خریدا، پھر عوامی چراگاہ سے مستفید ہوا۔ عام لوگوں کی طرح میرا ارادہ بھی اس سے نفع حاصل کرنے کا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر لوگوں نے تیری رعایت کرتے ہوئے کہا ہوگا: امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹ کو چرنے دو۔ اسے پانی پلاؤ۔ اے عبداللہ! اسے بیچ کر اپنی راس پاس رکھو باقی رقم بیت المال میں جمع کراؤ۔ [1]

بیٹے کا احتساب: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں فارس میں ہونے والے معرکے جلولا میں شریک تھا۔ میں نے مال غنیمت کا کچھ حصہ چالیس ہزار میں خرید لیا۔ جب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے فرمایا: اے بیٹے! تیرا کیا خیال ہے، اگر مجھے آگ میں پھینکا جانے لگے اور تجھے کہا جائے: فدیہ دے کر اسے بچا لو تو کیا تو مجھے بچا لے گا؟ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں آپ کو ہر تکلیف دہ چیز سے بچانے کے لیے فدیہ دے سکتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: سُن مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں خود دیکھ رہا ہوں کہ لوگ اس خریداری کے وقت کہہ رہے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے، امیر المومنین کا بیٹا ہے، لوگوں کا محبوب ہے...... اور تو واقعی ایسا ہی ہے......، لہٰذا ان سے زیادہ قیمت نہ لو۔ بلکہ انھیں ان کی مطلوبہ چیز سستے داموں دے دو۔ اے بیٹے! میں ذمہ دار آدمی ہوں، مال تقسیم کرتا ہوں۔ میں تجھے کسی بھی قریشی تاجر سے زیادہ نفع دوں گا۔ ایک درہم کا منافع ایک درہم ہوگا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تجار کو بلایا اور وہ سارا مال چار (4) لاکھ درہم میں بیچ دیا۔ مجھے اسی ہزار (80000) درہم دیے اور باقی سعد بن

[1] مناقب عمر لابن الجوزي، ص:158,157.

ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ارسال فرمائے کہ ان سب کو تقسیم کر دو۔ [1]

تمھاری طرح سارے لشکر سے یہی رعایت برتی گئی ہے؟ اسلم فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ اور عبیداللہ ابنائے عمر رضی اللہ عنہم عراق جانے والے ایک لشکر میں شامل ہوئے۔ واپسی پر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان دنوں بصرہ کے گورنر تھے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو خوش آمدید کہا۔ خوب خدمت کی اور کہا: اگر میرے پاس تمھیں نفع پہنچانے کا کوئی ذریعہ ہوتا تو ضرور پہنچاتا، پھر فرمایا: ارے ہاں، کیوں نہیں، ایک ذریعہ ہے۔ بیت المال کی کچھ رقم موجود ہے۔ اسے میں امیر المومنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں اس بارے میں، تمھارے ساتھ بیع سلف کر سکتا ہوں۔ تم اس رقم کے عوض عراقی سامان خرید لو اور مدینہ جا کر بیچ دو۔ اصل مال امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دینا اور نفع خود رکھ لینا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نام ایک مراسلہ ارسال فرمایا کہ وہ یہ رقم وصول کر لیں۔ جب وہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے دریافت فرمایا: کیا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے تمھاری طرح سارے لشکر سے یہی رعایت برتی ہے؟ ان دونوں نے جواب دیا: نہیں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر اصل رقم اور منافع دونوں پیش کرو۔ عبداللہ خاموش رہے۔ عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: امیر المومنین! آپ کا یہ اقدام ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اگر مال تلف ہو جاتا یا رقم کم ہو جاتی تو ہم اس کے ضامن تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فرمایا: پوری رقم پیش کرو۔ عبداللہ پھر خاموش رہے اور عبیداللہ نے دوبارہ دفاع کیا۔ پاس بیٹھے ایک آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! آپ اسے مضاربت کی شکل کیوں نہیں دے دیتے؟ [2] یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اصل رقم اور آدھا منافع لے لیا اور آدھے منافع کی عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو چھوٹ دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں یہ پہلی مضاربت تھی۔

---

[1] تاریخ الإسلام للذهبي عهد الخلفاء الراشدين، ص: 271,270. [2] الخلفاء الراشدون للنجار، ص: 244.

اسامہ رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر عطیہ میں ترجیح: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی مال تقسیم فرماتے تھے تو اسلام میں سبقت اور نسبت کی ترجیحات پیش نظر رکھ کر تقسیم فرماتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو چار (4) ہزار اور اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو تین (3) ہزار درہم عطا کیے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے شکوہ کیا: والد گرامی! آپ نے اسامہ کو چار اور مجھے تین ہزار درہم دیے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا اس کے باپ کو آپ سے زیادہ فضیلت حاصل تھی اور جو فضیلت اُسے حاصل ہے کیا مجھے ویسی ہی فضیلت حاصل نہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ خود تیری نسبت اور اس کا باپ تیرے باپ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے۔ [1]

عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما کو تنبیہ: عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام یرفاء کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا۔ میں حاضر ہوگیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے اللہ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر فرمایا: میں مسلمانوں کا خلیفہ مقرر ہونے سے پہلے اپنے آپ کو بیت المال سے اپنے لیے اپنے حق کے سوا اور کسی چیز کے لائق نہ سمجھتا تھا، پھر خلیفہ مقرر ہونے کے بعد بھی بیت المال کی ہر اضافی چیز اپنے اوپر حرام سمجھتا ہوں۔ میں بیت المال کا امین ہوں۔ میں نے تجھ پر اللہ کے اس مال سے ایک مہینہ تک اخراجات کیے۔ اب اس سے زیادہ میں تجھے نہیں دوں گا۔ بس میں تجھے بطور عطیہ عوالیٔ مدینہ کے پھل دیتا ہوں تو اسے بیچ دے، پھر کسی تاجر سے مل کر تجارت کر۔ اس طرح اپنے اخراجات پورے کر۔ عاصم فرماتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا۔ [2]

بیٹے کا مال بیت المال میں جمع کرنے کا حکم: معیقیب فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] فرائد الکلام للخلفاء الکرام، ص: 113. اور ملاحظہ کیجیے: جامع الترمذی: 3813 یہاں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کا حصہ 3500 بتایا گیا ہے۔ اور آخر میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لہٰذا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے کو اپنے پیارے پر ترجیح دی ہے۔ [2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 277/3، (إسنادہ صحیح) و محض الصواب: 491/2.

مجھے دوپہر کے وقت بلا بھیجا۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا۔ وہ اپنے بیٹے عاصم سے تکرار کر رہے تھے۔ مجھ سے فرمایا: کیا تجھے علم ہے کہ اس نے کیا کیا؟ یہ عراق گیا اور عراق والوں کو خبر دی کہ میں امیر المومنین کا بیٹا ہوں۔ ان سے اخراجات کے سلسلے میں سوال کیا۔ انھوں نے اسے برتن، چاندی، کچھ سامان اور ایک آراستہ منقش تلوار دی ہے۔ عاصم نے عرض کیا: میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ میں تو صرف کچھ مسلمان لوگوں کے پاس گیا۔ انھوں نے مجھے یہ سب کچھ دے دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ معیقیب سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا: یہ سب چیزیں بیت المال میں جمع کرلو۔ [1]

یہ ایک عظیم مثال ہے کہ جو مال انسان اپنے منصب کی وجہ سے حاصل کرتا ہے، کیا یہ مال اس کے لیے حلال ہے یا حرام؟ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ ان کے بیٹے کو یہ مال صرف اس لیے ملا کہ وہ امیر المومنین کے بیٹے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس مال کو عاصم کے پاس برقرار رکھنا مُضر سمجھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اس مال کے حصول میں ان کے بیٹے کی کوئی محنت شامل نہیں۔ پس انھوں نے اس مال کو مشکوک قرار دے دیا۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی عاتکہ اور کستوری کا معاملہ: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بحرین سے کستوری اور عنبر آیا۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! میری خواہش ہے کہ اگر کوئی عورت وزن کرنے میں ماہر ہو تو وہ مجھے بتائے کہ اس کا کیا وزن ہے؟ میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل نے عرض کیا: یہ کام تو میں خود بہتر طریقے سے کرسکتی ہوں۔ لائیے میں وزن کیے دیتی ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، بیوی نے پوچھا: کیوں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے خدشہ ہے کہ تو اس کستوری اور عنبر کو ہاتھ پر رکھے گی، پھر تو اس طرح کرے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلیاں کنپٹی پر رکھ کر اشارے سے وضاحت فرمائی، پھر فرمایا کہ تو یہ خوشبو اپنی گردن پر بھی

---

[1] عصر الخلافة الراشدة للعمري، ص :236، (الأثر حسن). [2] التاريخ الإسلامي: 40/19.

مَل لے گی۔ اس طرح تجھے دیگر مسلمانوں سے زیادہ حصہ مل جائے گا۔ [1]

یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پرہیزگاری اور امور دینیہ میں کامل احتیاط کی ایک لازوال مثال ہے۔ انھوں نے اپنی بیوی کو یہ خوشبو صرف اس لیے نہیں تولنے دی کہ کہیں وہ خوشبو تولتے وقت اتفاقاً اپنی انگلیاں کان یا گردن سے نہ پونچھ پانچھ لے۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے مال کو بلا اجازت استعمال کرنے کی مرتکب ٹھہرے گی۔ یہ انتہائی باریک بینی کی بات ہے۔ ایسی معمولی باتوں میں بھی احتمالات مدنظر رکھنا انھی لوگوں کا خاص حصہ ہے جو بھلائی کے کاموں میں ہمیشہ آگے بڑھنے والے تھے۔ یہ لوگ ایسی مثال بن گئے جن کے اعمال سے حلال و حرام اور حق و باطل کے درمیان فرق واضح کیا جا سکتا ہے۔ [2]

بیوی کے لیے ہدیے سے انکار: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی عاتکہ بنت زید کے لیے ایک کپڑا بطور تحفہ ارسال فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ وہ سوا میٹر کا ہو گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پوچھا: یہ کہاں سے آیا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ ابوموسیٰ اشعری نے تحفتاً بھیجا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کپڑا اتنے زور سے عاتکہ کے سر پر مارا کہ ان کی گردن گھوم گئی، پھر فرمایا: ابوموسیٰ کو فوراً میرے پاس لاؤ۔ لوگ انھیں جلد از جلد لے آئے۔ وہ پریشانی کی حالت میں پہنچے۔ اور عرض کیا: اے امیر المومنین! جلد بازی سے کام نہ لیجیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو میری بیوی کے لیے تحفہ کیوں بھیجتا ہے؟ پھر انھوں نے وہ کپڑا ابوموسیٰ اشعری کے سر پر دے مارا اور فرمایا: اسے واپس لے جا۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیویوں کو امور ریاست میں دخل اندازی سے بھی منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی عامل کو کوئی سزا سنائی تو اس کی سفارش کے سلسلے

[1] الزهد للإمام أحمد، ص: 11، نقلًا عن التاريخ الإسلامي: 30/19. [2] التاريخ الإسلامي: 30/19. [3] الشيخان أبو بكر و عمر من رواية البلاذري، ص: 260.

میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا: اے امیر المومنین! آپ اس پر اس طرح سختی کیوں کرتے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے اس معاملے سے کیا غرض؟ تو اپنے چرخے کی طرف دھیان کر اور جو کام تیرا نہیں اس کی طرف توجہ مت کر۔[1]

ملکۂ روم کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو تحفہ: استاد خضری اپنے محاضرات میں ذکر فرماتے ہیں کہ جب رُومی بادشاہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے لڑائی چھوڑ کر مصالحت کر لی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قرب چاہا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف سے بھیجے ہوئے ایلچی کے ساتھ اپنا سفیر بھی اس کی طرف بھیجا۔ اسی اثنا میں ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما نے روم کی ملکہ کو خوشبو، کچھ مشروبات اور چند دیگر زنانہ مصرف کی چیزیں ارسال کرتے ہوئے چپکے سے اُن کے ایلچی کے سپُرد کر دیں۔ جب اس نے یہ چیزیں ملکۂ روم تک پہنچائیں تو قیصر کی بیوی نے اپنی حاشیہ نشین عورتوں کو جمع کیا اور کہا: دیکھو یہ عرب کے بادشاہ کی بیوی نے تحفہ بھیجا ہے اور یہ ان کے نبی کی نواسی ہے، پھر ملکۂ روم نے ام کلثوم کو خط لکھا اور جواباً تحفہ بھی ارسال کیا۔ اس میں ایک عمدہ قسم کا ہار بھی تھا۔ رومیوں کا ایلچی یہ تحائف لے کر جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سب تحفے اپنے پاس ہی رکھ لیے اور فرمایا: نماز کے لیے اکٹھے ہو جاؤ۔ سب اکٹھے ہو گئے۔ سب کو دو رکعت پڑھائیں۔ بعدازاں فرمایا: اس معاملے میں کوئی خیر نہیں ہے جس کا تعلق میرے معاملات سے ہو اور اسے مشورہ کیے بغیر طے کر لیا جائے۔ مجھے مشورہ دو کہ یہ تحفہ جو ملکۂ روم کی طرف سے آیا ہے اس کا کیا کیا جائے؟ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ یہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اس تحفے کے بدلے میں دے دیا جائے جو انھوں نے ملکۂ روم کو بھیجا تھا۔ چونکہ ملکۂ روم ہماری ذمیہ نہیں ہے۔ نہ ہی اس نے یہ تحفہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا ہے، اس لیے آپ اسے بیت المال میں جمع نہیں کرا سکتے۔ کچھ لوگوں نے کہا: ہم بھی کچھ کپڑے بھیجا کرتے تھے کہ

[1] أخبار عمر، ص:293، والشيخان من رواية البلاذري، ص:188.

اس کا بدلہ حاصل کر سکیں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن ایک طرف مسلمانوں کا سفیر اور دوسری طرف ان کا ایلچی تھا، مسلمانوں نے اس ملکہ کی اس کے گھر جا کر عزت کی، لہٰذا یہ مسلمانوں ہی کا حق ہے، پھر انھوں نے ملکۂ رُوم کے ارسال کردہ ہار کو بیت المال میں جمع کرا دیا اور ام کلثوم کو ان کے اخراجات کی مناسبت سے عطیہ مرحمت فرمایا۔[1]

ام سلیط زیادہ حق دار ہے: ثعلبہ بن ابو مالک فرماتے ہیں: ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی عورتوں میں کچھ چادریں اور اوڑھنیاں تقسیم فرمائیں۔ ایک عمدہ چادر بچ گئی۔ لوگوں نے عرض کیا: یہ چادر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو دے دیجیے جو آپ کے ہاں ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! ام سلیط رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ مستحق ہیں۔

ام سلیط وہ انصاری عورت تھیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ عورت احد کے دن مشک میں پانی بھر بھر کے لاتی تھی۔[2]

بیٹی کو تنبیہ: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مال آیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اس مال میں آپ کے اقرباء بھی حق دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مال سے اقرباء کا حق متعین فرمایا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے پیاری بیٹی! میرے اقرباء کا حق میرے ذاتی مال میں ہے۔ یہ مال تو مسلمانوں کی بہتری کے لیے خرچ ہوگا۔ تو نے باپ کو دھوکا دیا اور اقرباء کی خیر خواہی کی، اس لیے یہاں سے اٹھ جا![3]

کیا میں خائن حکمرانوں کے زمرے میں شامل ہو جاؤں؟ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک سسرالی رشتہ دار آیا۔ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ مجھے بیت المال سے کچھ دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا: تیرا ارادہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک خائن حکمران کی حیثیت سے پیش ہوں۔ بعدازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے

---

[1] الخلفاء الراشدون للدكتور عبدالوهاب النجار، ص: 245. [2] فتح الباري: 6/93و7/424، والخلافة الراشدة، ص: 273. [3] الزهد للإمام أحمد، ص: 17، فرائد الكلام، ص: 139.

اپنے ذاتی مال سے دس ہزار (10000) درہم عطا فرمائے۔ [1]

یہ چند درخشاں واقعات ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے مال سے کس قدر اجتناب کرتے تھے۔ اپنے رشتہ داروں اور اہل خانہ کو اپنے منصب اور خلافت کی مدد سے معمولی سا مال حاصل کرنے سے بھی روکتے تھے۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنے اقرباء کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیتے تو خوب خوشحال رہتے اور بعد میں آنے والے بھی ایسا ہی عمل کرتے۔ اس طرح اللہ کا مال حکمرانوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ جاتا۔ یہ قدرتی اور طبعی ضابطہ ہے، اسے مشاہدے کی تائید بھی حاصل ہے کہ جب ریاست کے مال پر حکمران ہاتھ صاف کرنے لگیں تو امت کا یہ مصلح فراوانی اور کشادگی کی زندگی گزارنے کا عادی ہو جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف سرکاری خزانے کا نظام خراب ہو جاتا ہے۔ امت کے تمام فروعی مصالح میں خلل واقع ہو جاتا ہے، خیانت کھل کر سامنے آجاتی ہے، پھر سارے کا سارا نظام ہی تلپٹ ہو جاتا ہے۔

اور یہ امر متعین ہے کہ جو انسان جب تک لوگوں کے مال سے قناعت اور مکمل احتیاط کرتا ہے اور ان کے حقوق غصب نہیں کرتا، لوگ اس انسان سے محبت کرتے ہیں اور اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور جب ایسا شخص حکمران ہو رعایا اس پر مہربان ہو جاتی ہے اور اس کی اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ حکمران انھیں جان سے بھی بڑھ کر پیارا ہو جاتا ہے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حیاتِ طیبہ جو انھوں نے اپنے خاندان اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بسر کی، اس کے ذریعے سے ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت کے فرائض میں سے ایک فرض کا صاف پتا چلتا ہے کہ اپنی زندگی کو، چاہے وہ عمومی ہو یا خصوصی، لوگوں کے لیے بہترین مثال بنا دیا جائے۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

[1] تاریخ الإسلام للذهبي، ص: 271/3. [2] الخلفاء الراشدون للذهبي، ص: 271.

اے امیر المومنین! آپ نے سرکاری مال میں بہت احتیاط سے کام لیا۔ آپ کی رعایا بھی اس سے اجتناب کرتی ہے۔ اگر آپ اس مال کو ناجائز استعمال کرتے تو آپ کی رعایا بھی ایسا ہی کرتی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلافت کے تقاضے پورے فرماتے تھے اور اپنی ذات اور اہلِ خانہ کا اپنے عمال سے بھی زیادہ محاسبہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں کے دلوں پر ان کا رعب طاری رہتا تھا۔ اس طرح ہر خاص و عام آپ کی اطاعت گزاری میں ہمیشہ کوشاں رہا۔ (1)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہ خلیفۂ راشد ہیں جو اپنی مثال آپ تھے۔ اُن کی اسلامی نہج پر تربیت ہوئی۔ ایمان ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔ ایسا ایمان جس سے آئندہ آنے والی نسلوں کی راہنمائی کے لیے بہترین مثال قائم ہوئی۔

ایمان باللہ اور اسلام کے مطابق تربیت کے حصول سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح قیامت تک کے لیے آنے والا ہر حاکم اپنے دائرۂ کار اور اپنی ذمہ داریوں میں عمدہ ترین مثال بن سکتا ہے۔ (2)

اہل بیت رضی اللہ عنہم کا احترام اور ان سے محبت

بلاشبہ اہل السنہ والجماعہ کے ہاں اہلِ بیت انتہائی مکرم و محترم اور بلند ترین درجے کے حامل ہیں۔ اہل السنہ والجماعۃ ان کے حقوق کا، جو اللہ تعالیٰ نے اُنھیں عطا فرمائے ہیں، تحفظ کرتے آئے ہیں۔ وہ ان سے محبت کرتے ہیں۔ ان کا خیال رکھتے ہیں اور نبی ﷺ کی اس وصیت کے مطابق عمل کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے غدیر خم کے دن ارشاد فرمائی تھی:

«أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي»

''میں تمھیں اپنے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈراتا ہوں۔'' (3)

(1) القيادة والتغيير، ص: 182. (2) فن الحكم، ص: 74. (3) صحيح مسلم، حديث: 2408.

یہ گروہ اس وصیت کے نفاذ میں سعادت مند قرار پاتا ہے۔ وہ نہ تو روافض کی طرح ہیں کہ بعض اہلِ بیت کی محبت میں انتہائی غُلو کے مرتکب ہوئے اور نہ وہ ان نواصب کی طرح ہیں جو اہلِ بیت سے بغض رکھتے ہیں۔ ہر دم انھیں اذیت دینے کے در پے رہتے ہیں۔ اور اپنے قول اور فعل سے ان کی اذیت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جبکہ اہل السنہ والجماعہ کا اتفاق ہے کہ اہل بیت سے محبت واجب ہے اور انھیں کسی بھی قسم کی قولی یا فعلی اذیت دینا حرام ہے۔[1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات کے ساتھ اپنے سلوک سے اس عقیدے کا اظہار مندرجہ ذیل طریقے سے فرماتے تھے:

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے حسنِ سلوک

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات کی خبر گیری فرماتے تھے۔ ان کے لیے وقتاً فوقتاً عطیات ارسال فرماتے تھے۔ کوئی پھل یا عمدہ چیز اس وقت تک نہ کھاتے جب تک کہ اس سے ازواج مطہرات کا حصہ نہ نکال لیتے۔ وہ اپنی بیٹی زوجۂ رسول حفصہ رضی اللہ عنہا کا حصہ آخر میں نکالتے تاکہ اگر کمی ہو تو اس میں ہو۔ وہ مطلوبہ اشیاء ایک تھیلے میں ڈالتے اور ازواج مطہرات کی خدمت میں ارسال فرماتے تھے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی طرف عطیات بھیجا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ان کا مقرر حصہ ارسال فرمایا۔ جب یہ حصہ ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر کی بخشش فرمائے۔ میرے علاوہ دوسری ازواج اس کی زیادہ مستحق ہیں۔ ان سے عرض کیا گیا کہ یہ سارا مال آپ ہی کے لیے ہے۔ انھوں نے سبحان اللہ کہا اور اس پر ایک کپڑا ڈال دیا، پھر برزہ بنت رافع سے فرمایا: تو اپنے ہاتھ

[1] العقيدة في أهل البيت بين الإفراط والتفريط، ص: 59. [2] الزهد للإمام أحمد، ص: 166 من طريق مالك (إسناده صحيح).

سے اس مال سے ایک ایک مٹھی نکال اور بنو فلاں اور بنو فلاں کو دے آ۔ ام المومنین نے اس سلسلے میں اپنے رشتہ دار اور یتیموں کے نام بھی لیے۔ برزہ نے اسے تقسیم کرنا شروع کر دیا حتی کہ کپڑے کے نیچے تھوڑا سا مال رہ گیا۔ برزہ نے عرض کیا: اے ام المومنین! اللہ آپ کی بخشش فرمائے بلاشبہ ہمارا بھی اس میں حق ہے۔ ام المومنین نے ارشاد فرمایا: تمھارے لیے وہ ہے جو اس کپڑے کے نیچے ہے۔ برزہ فرماتی ہیں: جب ہم نے کپڑا اٹھایا تو وہاں ہم نے پچاسی درہم پائے، پھر انھوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا دیے اور عرض کیا: اے اللہ! آج کے بعد مجھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عطیہ نصیب نہ ہو۔ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا اسی سال وفات پا گئیں۔ یہ پہلی زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوئیں۔ [1]

ازواج مطہرات کی عزت و اکرام کے بارے میں خود عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہمارے حصے کے سری پائے تک ہمیں بھجوا دیا کرتے تھے۔ [2]

ایک دفعہ ازواج مطہرات نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے حج کی اجازت طلب کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دینے سے انکار فرما دیا۔ جب اصرار بڑھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ کو اس سال اجازت نہیں دے سکتا۔ آئندہ سال اجازت دوں گا اور یہ صرف میری رائے نہیں ہے۔

پھر جب اجازت عطا کی تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا۔ ان دونوں کو حکم دیا کہ تم میں سے ایک ان کے آگے آگے اور دوسرا آخر میں ان کے پیچھے پیچھے چلے گا۔ ان کے مقابل کوئی نہ چلے گا۔ جب پڑاؤ کا وقت آئے تو انھیں کسی گھاٹی میں اتارنا اور خود اس گھاٹی کے کنارے پر پہرہ دینا تاکہ ان تک کوئی نہ پہنچ

[1] الطبقات لابن سعد: 109/8، (حسن) وأخبار عمر، ص: 100. [2] الطبقات لابن سعد: 303/3 (صحيح).

سکے۔ جب طواف کا وقت آئے تو ان کے ساتھ صرف عورتیں ہی طواف کریں۔ ان کے ساتھ کسی مرد کو طواف نہ کرنے دینا۔ [1]

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کی عزت و توقیر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی احترام فرماتے تھے حتی کہ انھیں اپنے حقیقی بیٹوں اور رشتہ داروں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ ہم اس سلسلے میں ان کے سلوک کے چند واقعات بیان کرتے ہیں:

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: ایک دن مجھ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! تو ہمارے پاس کیوں نہیں آتا؟ چنانچہ میں ایک دن ان کے ہاں گیا۔ معلوم ہوا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تخلیے میں ہیں اور خود ان کا بیٹا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے دروازے ہی پر کھڑا ہے۔ میں یہ دیکھ کر واپس آ گیا۔ بعد ازاں ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا: اے بیٹے! تم آئے نہیں؟ میں نے عرض کی: میں حاضر ہوا تھا۔ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تخلیے میں مصروف تھے۔ میں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دروازے پر دیکھا تو پلٹ آیا۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ اجازت دیے جانے کا مستحق ہے۔ ہمارے سر پر جو عزت کا تاج ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے بعد تم اہل بیت رضی اللہ عنہم کی برکت کی وجہ سے ہے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا۔ [2]

ابن سعد جعفر بن محمد باقر سے اور وہ اپنے باپ علی بن حسین سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دفعہ یمن سے بہت سے قیمتی جوڑے آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑے سب لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ لوگ بہت خوش ہوئے۔ وہ ریاض الجنہ میں بیٹھے

---

[1] الإدارة في عهد عمر بن الخطاب، ص: 126، وفتح الباري: 87/4. [2] المرتضى للندوي، ص: 118، نقلا عن الإصابة: 133/1.

تھے۔ لوگ آتے، سلام کہتے اور دُعا دے کر چلے جاتے تھے۔ اسی اثنا میں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اپنی ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے۔ وہ لوگوں کو پھلانگتے آگے آ رہے تھے۔ ان دونوں صاحبزادوں کو کوئی جوڑا نہیں ملا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ شکن آلود ہو گیا۔ فرمایا: ان جوڑوں کی تقسیم سے مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ لوگوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ نے لوگوں کو پہنایا، اُن سے اچھا سلوک کیا! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان دو بچوں کی وجہ سے پریشان ہو گیا ہوں۔ پھر یمن کے حاکم کی طرف لکھا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے لیے دو بہترین جوڑے فوراً ارسال کیے جائیں۔ جب وہ جوڑے پہنچ گئے تو حسنین رضی اللہ عنہما کو بلا کر انھیں عطا فرمائے۔ [1]

ابو جعفر سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب فتوحات کا سامان آیا اور انھوں نے اسے تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع فرمایا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا: تقسیم کا کام اپنے آپ سے شروع فرمائیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ اللہ کی قسم! میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے شروع کروں گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ بنو ہاشم کو دوں گا، چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے عباس رضی اللہ عنہ، پھر علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اس کے بعد مسلسل پانچ قبائل کے حصے مقرر کیے۔ تب جا کر بنو عدی بن کعب کی باری آئی۔ انھوں نے بنو ہاشم میں سے بدری، پھر بنو امیہ بن عبد شمس سے بدری اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کی بنیاد پر عطیات تقسیم فرمائے۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو خاص طور پر ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے سبب عطایا مرحمت فرمائے۔ [2]

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الفاروق'' میں یہ عنوان باندھا ہے: ''آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان حقوق و آداب کی رعایت'' پھر وہ لکھتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی بھی اہم معاملے میں اپنی رائے اس وقت تک قائم نہ فرماتے جب تک

[1] المرتضٰى للندوي، ص: 118، نقلا عن الإصابة: 106/1. [2] المرتضٰى للندوي، ص: 119.

کہ علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ نہ فرما لیتے۔ وہ انھیں انتہائی خیر خواہی اور اخلاص کی بنیاد پر مشورہ عطا فرماتے اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تو تمام امور خلافت پر مدینہ میں انھی کو اپنا نائب بنایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان مکمل ہم آہنگی اور یکجہتی پائی جاتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم، جو سیدہ فاطمۃ الزاہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، سے ان کا نکاح بھی کر دیا تھا۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کی وجہ سے اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا جیسا کہ ایک کا ابوبکر رکھا تھا اور تیسرے کا عثمان رکھا۔ [2] بلاشبہ جو آدمی اپنے بچوں کے نام کسی کے نام پر رکھتا ہے تو اس کی بنا محبت ہی ہوتی ہے۔ [3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ قابل اعتماد مشیر تھے۔ وہ ان سے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں مشورہ ضرور کرتے تھے۔ انھوں نے بیت المقدس کی فتح، مدائن، پھر نہاوند کی جنگ اور فارسیوں، رومیوں سے جہاد کے آغاز اور سن ہجری کی ابتدا جیسے معاملات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ [4]

حضرت علی رضی اللہ عنہ زندگی بھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر کے زبردست خیر خواہ تھے۔ وہ ہر آن اسی فکر میں رہتے تھے کہ کہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی علی رضی اللہ عنہ سے انتہائی محبت فرماتے تھے۔ ان کے درمیان مکمل اعتماد پایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود کچھ لوگوں نے تاریخ کو جھوٹ سے آلودہ کرنے کے لیے اپنے مزاج اور رائے کے مطابق خود ساختہ روایات تراشیں اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ دونوں تو ہر وقت ایک دوسرے کو نقصان پہنچنے اور کسی

[1] المرتضٰی للندوي، ص:119. [2] البداية والنهاية:7/332,331. [3] المرتضٰی للندوي، ص: 119. [4] علي بن أبي طالب مستشار أمين الخلفاء الراشدين لمحمد الحاجي، ص:99.

آفت سے دوچار ہونے ہی کا انتظار کرتے تھے۔[1]

ڈاکٹر بوطی فرماتے ہیں: دورِ خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں غور وفکر کرنے والا اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اس دور کی ممتاز خصوصیت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے مابین خلوص پر مبنی تعاون تھا۔ علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر اوّل تھے۔ وہ اُن سے اپنے تمام قضایا اور مشکلات میں مشورہ لیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جو مشورہ بھی دیتے، وہ بڑے اعتماد اور اطمینان سے اس پر عمل فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ معروف قول: «لَوْلَا عَلِيٌّ لَّهَلَكَ عُمَرُ» ''اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا'' واضح دلالت کرتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تمام معاملات اور حالات میں ان کی مکمل خیر خواہی فرماتے تھے۔

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بنفس نفیس فارسیوں سے قتال کے لیے جانے کا ارادہ فرمایا۔ انھوں نے اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو جناب علی رضی اللہ عنہ نے سچے محبّ کی حیثیت اور والہانہ چاہت سے بھرپور مشورہ دیا کہ آپ ہرگز نہ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ تو وہاں موجود ہوں اور اِدھر خود عرب میں جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو محتاط رہنے کا مشورہ دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی عدم موجودگی میں ایسے محاذ کھل جائیں جو دشمن کے محاذ سے زیادہ خطرناک ہوں۔

یہ بڑے غور وفکر کا مقام ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد خلافت کی وصیت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمائی ہوتی تو کیا علی رضی اللہ عنہ وصیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کی جسارت کر سکتے تھے؟ کیا وہ حق دلانے والوں کی آواز پر لبیک نہ کہتے؟ کیا وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُمور خلافت میں اخلاص اور خیر خواہی سے شریک ہوتے؟ دوسری طرف کیا تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن میں خود حضرت علی بھی صف اول میں موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے نفاذ سے پہلو تہی کرتے؟

[1] علي بن أبي طالب مستشار أمين الخلفاء الراشدين لمحمد الحاجي، ص: 138.

پس لازم ہے کہ ہم بدیہی طور پر یہ حقیقت خوب سمجھ لیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخر تک پوری امت ایک ہی جماعت رہی۔ کسی کے دل و دماغ میں خلافت کے بارے میں کوئی اشکال ہی نہ تھا۔ نہ یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ خلافت کا زیادہ حق دار کون ہے؟[1]

عباس رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے ایک مقدمے کی سماعت

مالک بن اوس فرماتے ہیں: میں دن چڑھے اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہرکارہ مجھے بلانے آیا اور کہا: چلیے امیر المومنین کی بات سنیے۔ میں اس کے ساتھ چل دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔ وہ کھجور کی چھال سے تیار کردہ ایک چارپائی پر چمڑے کے تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اس چارپائی پر کوئی بچھونا نہ تھا۔ میں نے سلام کہا اور بیٹھ گیا۔ انھوں نے فرمایا: تمھارے خاندان کے کچھ افراد آئے تھے۔ میں نے ان کے لیے کچھ مال رکھا ہے۔ لے جاؤ اور ان سب میں تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کیا: یہ مال کسی اور کو دے دیجیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے نوجوان! اسے لے لو۔ اسی دوران میں ان کا دربان یرفأ آیا اور عرض کیا: عثمان، عبدالرحمان بن عوف، زبیر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حاضر ہونا چاہتے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دی۔ سب تشریف لے آئے۔ سلام کہا اور بیٹھ گئے۔ یرفأ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلا گیا، پھر دوبارہ آیا اور عرض کیا: علی اور عباس رضی اللہ عنہما حاضر ہونا چاہتے ہیں۔

انھیں بھی اجازت دے دی گئی۔ وہ آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے۔ ان دونوں کا بنونضیر کے اموال فے میں تنازع تھا۔ عثمان اور ان کے ساتھ آنے والوں نے بھی عرض کیا: آپ ان کا فیصلہ فرما دیں تاکہ دونوں کو راحت نصیب ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ذرا نرمی

[1] فقه السيرة النبوية، ص:529.

اختیار کرو، پھر فرمایا: میں تمھیں اس ذات کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں! کیا تم جانتے ہو کہ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان ہے: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ» ''ہماری وراثت نہیں ہوتی جو ہم چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ اس سے مراد خود کو لیتے تھے؟ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا: ہاں، رسالت مآب ﷺ نے اسی طرح فرمایا تھا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تم دونوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فرمایا تھا؟ ان دونوں نے بھی اس کی تصدیق کی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھیں اس مال فے کے معاملے کی تفصیل بتاتا ہوں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس مال کو اپنے پیغمبر کے ساتھ خاص فرمایا ہے اور ایسی خصوصیت کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''اور جو (مال) اللہ نے ان سے اپنے رسول پر لوٹایا تو تم نے اس پر نہ کوئی گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ اور لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''

یہ نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھی لیکن انھوں نے اس سارے مال کو تمھیں چھوڑ کر اپنے لیے خاص نہیں کیا، نہ خود کو ترجیح دی۔ تمھیں بھی دیا اور تمھارے ہی لیے خرچ کیا یہاں تک کہ اس میں سے مال بچا رہتا۔ نبی ﷺ اس مال سے اپنے گھروں کے سالانہ اخراجات پورے فرماتے تھے اور باقی بیت المال میں جمع فرما دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا اس مال میں یہ تصرف تھا۔ میں تمھیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا: ایسا نہ تھا؟ دونوں نے تائید کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر اللہ نے اپنے نبی کو اس دنیا سے بلا لیا۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں، پھر یہ مال ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قبضے میں لے لیا۔ انھوں نے اس میں اسی طرح تصرف فرمایا جس طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اس میں سچے، مخلص اور برحق تھے، پھر اللہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اُٹھا لیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد میں والی قرار پایا۔ میں نے اپنی امارت کے دو برسوں میں اس مال فے میں رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسا تصرف کیا۔ اللہ جانتا ہے کہ میں اس میں سچا، مخلص اور برحق ہوں، پھر تم دونوں میرے پاس آئے۔ تم دونوں کا ایک ہی دعویٰ تھا۔ اے عباس! تو مجھ سے اپنے بھتیجے کے ترکے میں سے حصہ مانگتا تھا اور یہ علی اپنی بیوی فاطمہ کا حصہ طلب کرتا تھا۔ میں نے تمھیں اس وقت بھی کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ»

پھر میں نے سوچا کہ کیا یہ مال تم دونوں کو دے دینا چاہیے؟ اسی لیے میں نے تمھیں کہا تھا کہ اگر تم دونوں چاہو تو میں یہ مال تمھیں اس شرط پر دے سکتا ہوں کہ تم مجھے اللہ کے نام پر عہد و پیمان دو کہ تم اس مال کا تصرف رسول اللہ ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور میرے تصرف کے مطابق کرو گے۔ تم نے اقرار کیا اور مال طلب کیا۔ میں نے اپنی اسی شرط پر مال تمھارے حوالے کر دیا۔ اب میں تم سب کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں نے یہ مال اِن دونوں کے سپرد کر دیا تھا؟ سب حاضرین نے اقرار کیا: جی ہاں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوئے اور فرمایا: اب میں تم دونوں کو بھی اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں نے مال تمھارے حوالے کر دیا تھا؟ ان دونوں نے جواب دیا: جی ہاں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب کیا تم مجھ سے کوئی نیا فیصلہ کرانا چاہتے ہو؟ اگر تم اس مال کے تصرف سے عاجز آ چکے ہو تو اسے واپس کر دو۔ میں اس کا انتظام خود کر لوں گا۔ [1]

[1] صحيح مسلم، حديث: 1757.

عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا احترام

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے آگاہ کیا۔ اور انھیں احساس دلایا کہ عباس رضی اللہ عنہ کتنے محترم، متواضع اور کس قدر بلند رتبہ انسان ہیں۔ یہ نظارہ اس وقت دکھائی دیا جب ''عام الرمادہ'' میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے لیے عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ کے حضور دعا کرائی۔ اس کی تفصیلات اللہ کے حکم سے آگے آئیں گی۔ اسی طرح پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حلفاً کہا کرتے تھے کہ مجھے عباس رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عباس رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا بہت محبوب تھا۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت محبت فرماتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ وہ انھیں بدری صحابہ جیسے مشائخ کی صف میں شامل فرماتے تھے، حالانکہ دیگر کئی افراد ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر کے برابر تھے لیکن ان جیسا اکرام کسی کو نصیب نہ ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ان کی واضح فضیلت اور علمی مرتبے کا بدرجہ اتم ظہور رہا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجھے بدر کے مشائخ صحابہ کے ساتھ بٹھاتے تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اعتراض بھی کیا کہ آپ اس نوجوان کو ہماری مجلس میں جگہ دیتے ہیں، حالانکہ ہمارے بچے بھی اس جیسے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھیں تم اچھی طرح جانتے ہو، چنانچہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ مجھے بھی بلاوے کا پیغام بھیجا۔ مجھے یقین تھا کہ آج انھوں نے مجھے صرف اس لیے بلایا ہے تاکہ تمام مشائخ صحابہ رضی اللہ عنہم کو میرے علم سے روشناس کراسکیں۔ تمام صحابہ تشریف لے آئے۔

---

[1] العقيدة في أهل البيت بين الإفراط والتفريط، ص: 210.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب سے سوال کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد عالی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾

''(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''[1]

بعض مشائخ نے کہا: جب اللہ کی نصرت اور فتح ہمیں حاصل ہوگئی تو اللہ سے استغفار اور اس کی حمد بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بعض مشائخ خاموش رہے۔ اور بعض نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے مخاطب فرمایا: اے ابن عباس رضی اللہ عنہما! کیا تیرا بھی یہی جواب ہے؟ میں نے عرض کیا: جی نہیں! تو انھوں نے فرمایا: پھر تو کیا کہتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اطلاع دی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے مکہ فتح ہو جائے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب ہونے کی علامت ہے، لہٰذا آپ کثرت سے اللہ کی حمد بیان کیجیے اور گناہوں کی بخشش طلب فرمائیے۔ وہ بلاشبہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی اس سورت کے بارے میں وہی جانتا ہوں جو تم جانتے ہو۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علامہ بغوی رحمہ اللہ معجم الصحابہ میں زید بن اسلم کے توسط سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں:[3] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو

---

[1] النصر 110:1-3. [2] صحيح البخاري، حديث: 4294. [3] العقيدة في أهل البيت بين الإفراط والتفريط، ص: 210.

بلاتے تھے، اپنے قریب جگہ دیتے تھے اور فرماتے تھے: میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو اس عالم میں دیکھا کہ انھوں نے تجھے بلایا، تیرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَ عَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ»

''اے اللہ! اسے دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے اکرام اور قدر و منزلت کو مزید بلند، محکم اور اجاگر کرنے کے لیے نشاندہی کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ علم اور فہم کے اعتبار سے ان کا کتنا بڑا درجہ ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: قرآن کریم کے بہترین ترجمان عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ جب وہ آتے تو فرماتے تھے: مشائخ کا نوجوان، زیادہ سوال کرنے والی زبان والا اور سمجھدار دل کا حامل فرد آیا ہے۔[2]

قصہ مختصر، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور اہل بیت باہم ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے اور فریقین ایک دوسرے سے زبردست محبت کرتے تھے۔[3]

[1] فتح الباري :170/1. [2] البداية والنهاية :303/8. [3] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ حدیث میں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنی ہے۔ ان میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ میرے نزدیک تمام صحابہ سے محبوب ترین تھے۔ (صحيح مسلم، حديث:826)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معاشرتی کردار اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اہتمام

معاشرتی کردار

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی معاشرے میں کتاب وسنت کے نفاذ کی زندہ مثال تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ان کے مزاج میں رچ بس چکا تھا۔ ان کے حسنِ کردار کے چند پہلو دیکھیے:

عورتوں سے حُسن سلوک

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ معاشرے کی تمام عورتوں، مسلمانوں کی بیویوں، بیٹیوں اور بوڑھی خواتین کے حقوق کا خاص خیال رکھتے تھے۔ انھیں ہر قسم کے ظلم سے بچاتے تھے۔ اُن کے گھروں کی خبر گیری فرماتے تھے۔ جن کے مرد حضرات جہاد کے لیے گھر سے چلے جاتے تھے، ان کی عیال داری فرماتے، وہ بیواؤں کے حقوق ان کی دہلیز پر پہنچاتے تھے۔ ان کا مشہور مقولہ ہے: اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ مجھے فراخی عطا فرمائے تو میں اہل عراق کی کسی بیوہ عورت کو اس حال میں نہ رہنے دوں کہ وہ میرے بعد کسی چیز کی محتاج

رہے۔[1] میں نے اس سلسلے میں چند واقعات قلمبند کیے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

ارے! تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی لغزشیں ڈھونڈ رہا ہے! ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کے اندھیرے میں باہر نکلے۔ انھیں طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہو لیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر میں داخل ہوئے، پھر اسی طرح دوسرے گھر میں داخل ہوئے ......۔ صبح ہوتے ہی طلحہ رضی اللہ عنہ اسی گھر کی طرف گئے۔ دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے پوچھا: یہ رات کو آنے والا آدمی یہاں کیوں آتا ہے؟ بڑھیا نے کہا: یہ آدمی مدت سے میرے پاس آتا ہے۔ میری ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے اور گھر کی صفائی بھی کر دیتا ہے۔ یہ سن کر طلحہ رضی اللہ عنہ دم بخود رہ گئے، پھر انھوں نے خود کلامی شروع کر دی اور کہا: اے طلحہ! تجھے تیری ماں گم پائے تو عمر کی لغزشیں ڈھونڈنے نکلا تھا؟[2]

غریبوں اور ناداروں سے ہمدردی، ان کی غمخواری اور عوام سے بے حد قربت اللہ رب العزت کی طرف سے مدد کا سبب بنتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی نصیب ہوتا ہے۔ تمام اسلامی تحریکوں کے لیڈروں، اسلامی دنیا کے حکمرانوں، مساجد کے ائمہ اور تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ غریب طبقے کی طرف خاص توجہ کریں اور اس کمزور طبقے کو اُن کے حقوق بہم پہنچانے کی فوری جدوجہد کریں۔

میں خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی باتیں رات بھر سنتا رہتا! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے نکلے۔ ان کے ساتھ جارود رحمہ اللہ تھے۔ اچانک راستے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک عورت آئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو سلام کیا۔ اس نے جواب دیا اور کہا: اے عمر! میں تجھے اس وقت سے جانتی ہوں جب تو عکاظ کی منڈی میں عمیر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ تو اپنی لاٹھی سے بچوں کو ڈراتا اور پریشان کرتا تھا، پھر تجھے لوگ عمر کہنے لگے، آج عالم یہ ہے کہ تو

---

[1] صحيح التوثيق في سيرة و حياة الفاروق عمر بن الخطاب، ص:373. [2] أخبار عمر، ص: 344، و محض الصواب:356/1، (ضعيف معضل.)

امیرالمومنین بن گیا ہے۔ اپنی رعایا کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہ۔ جان لے کہ جو وعید سے ڈر گیا، دُور ہونے والی چیز بھی اس کے قریب ہو جائے گی اور جو موت سے ڈرا وہ دنیا ہاتھ سے جانے پر غمزدہ رہے گا۔

جارود نے کہا: خاتون! بس کر۔ تو نے امیر المومنین کے خلاف بہت باتیں کر لیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے مت روک۔ کیا تو اسے نہیں جانتا؟ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے۔ اس کی بات اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی تھی، عمر پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس خاتون کی بات سُنے۔ [1]

ایک روایت میں ہے: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر یہ عورت رات تک کھڑی رہتی، میں اسے چھوڑ کر نہ جاتا، صرف نماز پڑھتا اور دوبارہ آ کر اس کی باتیں سنتا رہتا۔ [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ خولہ ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا تھا:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا﴾ [3]

''یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑ رہی تھی۔'' [4]

خفاف بن ایماء غفاری رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کی حوصلہ افزائی: زید بن اسلم اپنے باپ سے بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا، بازار کی طرف گیا۔ راستے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک جوان عورت ملی۔ اس نے کہا: اے امیرالمومنین! میرا خاوند فوت ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے پیچھے سوگوار بچے چھوڑے ہیں۔ اللہ کی قسم! ان کے پاس نہ کھیتی ہے، نہ اونٹنی ہے، پکانے کے لیے بکری کا کھر بھی نہیں

---

[1] محض الصواب: 777/3، (سند منقطع ہے)۔ [2] الرد علی الجهمية للدارمي، ص: 45. [3] المجادلة 1:58. [4] العلو للعلي الغفار للذهبي، ص: 63.

ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ انھیں قحط سالی ہلاک کر دے گی۔ میں خفاف بن ایماء غفاری کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی بات سنتے رہے، پھر ارشاد فرمایا: ایسی تعلق داری کو خوش آمدید! پھر وہ گھر گئے اور گھر میں بندھے ہوئے ایک طاقتور اونٹ پر دو (2) بورے ڈالے، ان میں کھانے پینے کی چیزیں بھریں۔ کچھ نقدی اور کپڑے بھی رکھے، پھر اس کی نکیل اس عورت کے سپرد کی اور فرمایا: اسے لے جاؤ، اس کے ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ تمھارے دن پھیر دے گا۔

ایک آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! آپ نے تو اسے بہت زیادہ سامان دے دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے تیری ماں گم پائے، میں نے اس کے باپ اور بھائی کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ انھوں نے ایک قلعے کا لمبے عرصے تک محاصرہ کیا، ہم نے اسے فتح کیا، پھر ہمیں وہاں کے مالِ غنیمت سے حصے ملے۔ [1]

یہ واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہر اس آدمی سے وفاداری کا ثبوت ہے جسے اسلام میں سبقت حاصل تھی چاہے وہ مسلمان ہونے والا کوئی بچہ تھا یا کوئی عورت۔

آج موجودہ زمانے میں اکثر لوگوں کے ہاں اس نوعیت کی وفاداری کا فقدان ہے جبکہ ہمیں آج ایسی وفاداری کی اشد ضرورت ہے۔ [2]

ام کلثوم بنت صدیق رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وساطت سے ان کی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغام نکاح ارسال فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے تذکرہ کیا۔ اس نے انکار کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تو امیر المومنین کی پیش کش ٹھکراتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! اس لیے کہ وہ سخت زندگی گزارنے والا اور عورتوں پر سختی کرنے والا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب سن کر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اس انکار کی خبر دی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

[1] صحيح البخاري، حديث:4161,4160. [2] أصحاب الرسول لمحمود المصري:1/177.

اے ام المومنین! آپ فکر نہ کریں۔ میں اس کا کوئی حل نکالتا ہوں۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! مجھے ایک خبر پہنچی ہے۔ میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ آپ ایسا کریں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسی کیا بات ہے؟ تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے ام کلثوم بنت صدیق رضی اللہ عنہما کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! مگر کیا تو مجھے اس سے یا اُسے مجھ سے دور کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ان میں سے کوئی بھی بات نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ ابھی نوخیز لڑکی ہے اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے سایۂ عاطفت اور شفقت کی فضا میں جوان ہوئی ہے۔ آپ میں کچھ سختی ہے۔ ہم آپ سے ڈرتے ہیں۔ ہم مرد ہونے کے باوجود آپ کی کوئی عادت نہیں بدل سکتے۔ اگر اس نے کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی کی تو کیا آپ اس پر سختی نہیں کریں گے؟ ایسی صورت حال میں آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے وہ درست نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُس سے اس بارے میں گفتگو کی تو اس نے کیا جواب دیا؟ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی طرف سے آپ سے بات کر رہا ہوں۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! ہو سکے تو آپ ایک اور شادی کر لیجیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ممکن ہے شادی چند دنوں ہی میں ہو جائے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون سی عورت ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ ایسی لڑکی سے شادی کر کے کیا کریں گے جو صبح شام اپنے مرحوم باپ ہی کی یاد میں پڑی رہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تجھے عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کوئی حکم دیا ہے؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں! یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ذکر ترک کر دیا، بعدازاں اُن سے طلحہ بن عبیداللہ

---

[1] الفاروق عمر للشرقاوي، ص: 211,210.

نے شادی کر لی۔ ①

کیسے کیسے سہانے خیالات ہوتے ہیں جو نوجوان لڑکیوں کے دل و دماغ میں ہر وقت گردش کرتے ہیں کہ وہ کسی بڑے آدمی سے شادی کریں گی۔ یہاں امیر المومنین بذاتِ خود نہایت خوش دلی سے ایک لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیج رہے ہیں۔ مگر وہ لڑکی مکمل آزادی اور پختہ ارادے سے امیر المومنین کا پیغام نامنظور کر دیتی ہے۔ جب امیر المومنین کو یہ جواب ملتا ہے تو وہ انصاف فرماتے ہیں قطعاً کوئی غصہ، تنگی یا ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتے۔ کوئی ڈراوا نہیں دیتے اور اس نکاح کا ارادہ منسوخ کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ اسلام کسی لڑکی کو اس کی رضا مندی کے بغیر کسی سے نکاح پر مجبور نہیں کرتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انکار کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے انتہائی نرم مزاجی کا مظاہرہ فرمایا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی دقت تعبیر کے باوجود بات کا اصل مصدر و منبع سمجھ گئے۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لڑکیوں کے اس حق کی بڑی حفاظت فرماتے تھے۔ وہ نکاح کے معاملات میں لڑکیوں کی موافقت ضروری سمجھتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے: «لَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الرَّجُلِ الْقَبِيحِ فَإِنَّهُنَّ يُحْبِبْنَ مَا تُحِبُّونَ» ''اپنی بچیوں کو کسی قبیح آدمی سے شادی پر مجبور مت کرو کیونکہ وہ بھی اس طرح چاہت اور اپنی پسند رکھتی ہیں جس طرح مرد حضرات رکھتے ہیں۔'' ③

شوہر کے بارے میں ایک خاتون کی شکایت کا ازالہ: ایک عورت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے امیر المومنین! میرے خاوند میں شر زیادہ اور بھلائی بہت تھوڑی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تیرا خاوند کون ہے؟ اس نے کہا: ابوسلمہ۔

---

① شهيد المحراب، ص: 205. ② شهيد المحراب، ص: 204. ③ عيون الأخبار: 11/4، و فرائد الكلام، ص:141.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے پہچان گئے۔ وہ ان کا قریبی آدمی تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تو تیرے خاوند کے بارے میں خیر اور بھلائی ہی جانتے ہیں، پھر وہاں موجود ایک آدمی سے فرمایا: تو اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: اے امیرالمومنین! ہم بھی اس کے بارے میں یہی جانتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو بلا بھیجا اور اس عورت کو اپنی پُشت کے پیچھے بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا خاوند آ گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تو اسے جانتا ہے؟ اس نے کہا: اے امیر المومنین! یہ کون ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تیری بیوی ہے۔ اس نے عرض کیا: یہ کیا کہتی ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا خیال ہے کہ تجھ میں خیر کم اور شر زیادہ ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین یہ غلط کہتی ہے۔ اس کا لباس اور خوش حالی تمام عورتوں سے زیادہ ہے، بس اس کا خاوند کم جماع کرنے والا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے پوچھا: اب تو کیا کہتی ہے؟ اس نے کہا: یہ سچ کہتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑا مارا اور فرمایا: اے اپنی جان کی دشمن! تو نے اس آدمی کی جوانی فنا کی، اس کا مال کھایا، اس کے باوجود تو اس سے بغض رکھتی ہے، وہ بھی ایسی چیز کے بارے میں جو اس میں نہیں ہے۔ اس عورت نے عرض کیا: آپ مجھے اس مرتبہ معاف کر دیجیے۔ اللہ کی قسم! آپ مجھے آئندہ یہاں نہیں دیکھیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تین کپڑے منگوائے اور فرمایا: اللہ سے ڈر اور اس بزرگ کی قدر کر، پھر اس آدمی سے فرمایا: میں نے اس وقت اس عورت سے جو سلوک کیا ہے، اس کی وجہ سے یہ مت سمجھنا کہ تمھیں اس سے برا سلوک کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ اس آدمی نے عرض کیا: میں اس کے ساتھ اچھا سلوک ہی کروں گا۔ راوی فرماتے ہیں: مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے گویا میں اس عورت کی طرف دیکھ رہا ہوں، وہ تین کپڑوں کو اٹھائے چلی جا رہی ہے، پھر میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

«خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي الَّذِينَ أَنَا مِنْهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَنْشَأُ أَقْوَامٌ يَفْشُوا فِيهِمُ السِّمَنُ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ، وَلَهُمْ لَغَطٌ فِي أَسْوَاقِهِمْ»

''بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں جن میں میں ہوں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے، پھر ایسی قومیں پیدا ہوں گی جن میں موٹاپا عام ہوگا۔ وہ لوگ گواہی دیں گے، حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی اور ان کے بازاروں میں شوروغل ہوگا۔''[1]

میں اس سے محبت نہیں کرتا: ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے پر تُلا ہوا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: تو اس عورت کو کیوں طلاق دینا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا: میں اس سے محبت نہیں کرتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا سب گھروں میں ایسی محبت موجود ہے؟ آخر شرم، لحاظ اور پاسداری کا احساس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔[2]

شہید بیٹوں کا وظیفہ ان کی ماں کے نام: خنساء کے چاروں بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو حکم دیا کہ ان چاروں کا وظیفہ ان کی ماں خنساء کو دیا کرو اور یہ عمل اس کے مرنے تک جاری رکھو۔ بعدازاں خنساء اپنے ہر بیٹے کی طرف سے دو سو درہم ماہانہ حاصل کرتی رہیں تا آنکہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہند بنت عتبہ کو قرض دینا: جاہلی دور میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے پہلے ہند کا شوہر حفص بن مغیرہ تھا۔ یہ شخص خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا چچا تھا۔ ہند قریش کی خوبصورت ترین اور نہایت سمجھدار خاتون تھیں۔ انھیں ابوسفیان نے بھی طلاق دے دی تو انھوں نے بیت المال سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وساطت سے چار (4) ہزار درہم ادھار لیے اور بنو کلاب کے علاقے

[1] مجمع الزوائد: 19/10، حدیث: 16406، (رجاله ثقات). [2] البيان والتبيين: 101/2، و فرائد الكلام، ص: 113. [3] الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية للدكتور سليمان آل كمال: 764/2.

میں جا کر تجارت شروع کر دی۔ اُن کا بیٹا معاویہ رضی اللہ عنہ، جوان دنوں شام کا عامل تھا، آیا تو ہند نے کہا: اے پیارے بیٹے! بلاشبہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے کام کرتا ہے۔ [1]

سرِ راہ عورت سے ایک آدمی کی گفتگو پر سرزنش: ایک دفعہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راستے سے گزر رہے تھے۔ اچانک انھوں نے دیکھا کہ ایک آدمی راستے ہی میں ایک عورت سے گفتگو کر رہا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑا مارا۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! یہ میری بیوی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اپنی بیوی کے ساتھ راستے میں کیوں کھڑا ہے؟ اور لوگوں کو اپنی ذاتی گفتگو کی طرف کیوں متوجہ کر رہا ہے؟ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! ہم ابھی ابھی مدینہ میں داخل ہوئے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ کہاں قیام کریں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کوڑا اس کی طرف بڑھا دیا اور فرمایا: اے اللہ کے بندے! مجھ سے قصاص لے لے۔ اس آدمی نے کہا: میں آپ کی رضا کے لیے قصاص چھوڑتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کوڑا پکڑ اور قصاص لے۔ تیسری دفعہ کہنے پر اس آدمی نے کہا: میں نے اللہ کے لیے معاف کیا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کوڑا ثواب کا سبب بن گیا۔ [2]

خلفائے راشدین کے عہد زرّیں میں عورت بڑے بلند درجے پر فائز تھی۔ اسلام نے عورت کو نہایت معزز اور عالی مرتبہ بنا دیا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے عہدِ مبارک میں بہت سی خواتین فکری، ادبی اور تجارتی میدانوں میں سرگرمِ عمل تھیں۔

حضرت عائشہ، ام سلمہ، حبیبہ بنت ام حبیبہ، اروی بنت کریز بن عبد شمس اور اسماء بنت سلمہ تمیمیہ جیسی بلند پایہ خواتین نے قرآن کریم، حدیث، فقہ، ادب اور فتووں میں بلند

---

[1] تاريخ الإسلام عهد الخلفاء الراشدين، ص:299,298. [2] أخبار عمر، ص:190، نقلًا عن الرياض النضرة.

مقام حاصل کیا۔ ان کے مقابلے میں ہند اور خنساء جیسی عورتوں نے شعر گوئی میں مہارت حاصل کی۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عورت کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ خواتین انسانیت کا حساس اور باشعور طبقہ ہیں اور ان میں غور وفکر کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ وہ جس طرح مرد حضرات سے مشورہ طلب فرماتے اسی طرح عورتوں سے بھی مشورہ طلب کرتے تھے۔ وہ شفاء بنت عبداللہ عدوی کی رائے کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور اِسے مقدم رکھتے تھے۔ [2]

جب امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا عالی مرتبت آدمی خواتین سے بعض ریاستی معاملات میں مشورہ لیتا تھا اور ان کی رائے کو اختیار بھی کرتا تھا۔ اور اسلام نے انھیں مشورہ دینے کا حق بھی دیا ہے تو عورتوں کے لیے اس امر کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے حقوق کے لیے کوئی غیر اسلامی طریقہ تلاش کریں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ احساسِ ذمہ داری سے سرشار رہتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اپنی رعایا کا سرپرست سمجھتے تھے۔ وہ ان عورتوں کے دروازوں تک پہنچتے تھے جن کے خاوند جہاد پر جانے کی وجہ سے گھروں میں موجود نہ ہوتے۔ وہ دریافت فرماتے کہ کیا تمھاری کوئی ضرورت ہے؟ یا تم میں سے کوئی کچھ خریدنا چاہتی ہے؟ فرماتے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم خرید وفروخت میں دھوکے کا شکار نہ ہو جاؤ۔ عورتیں اپنی لونڈیوں کو ساتھ کر دیتیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بازار تشریف لے جاتے تو ان کے پیچھے بہت سے غلام اور لونڈیاں ہوتیں۔ وہ سب کے لیے ان کا ضروری سامان خرید لیتے۔ اگر کسی کے پاس پیسے نہ ہوتے تو اپنی جیب سے اس کے لیے خریداری کر لیتے تھے۔

اسی طرح جب محاذ جنگ سے اطلاع دینے والا کوئی ایلچی آتا تھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

[1] تطور تاريخ العرب السياسي والحضاري للدكتورة فاطمة الشامي، ص: 175. [2] شهيد المحراب، ص:205.

مجاہدین کی ڈاک بڑی توجہ سے دیکھتے اور وہ خطوط جو مجاہدین نے اپنی بیویوں کے نام لکھے ہوتے، وہ خود ان کے گھروں تک پہنچاتے اور فرماتے تھے: تمھارے خاوند اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہیں اور تم رسول اللہ ﷺ کے شہر میں ہو۔ اگر تم خود یہ خطوط پڑھ سکتی ہو تو ٹھیک ہے وگرنہ دروازے کے قریب کھڑی ہو جاؤ میں تمھیں یہ خطوط پڑھ کر سنا دیتا ہوں، پھر ان سے فرماتے کہ محاذ سے آنے والا ایلچی فلاں دن واپس چلا جائے گا۔ تم اِن خطوط کے جواب لکھ دو تا کہ تمھارے خاوندوں تک پہنچا دیے جائیں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہر دروازے پر کاغذ اور دوات فراہم فرماتے جو خواتین لکھنا نہیں جانتی تھیں ان سے فرماتے: یہ کاغذ اور دوات موجود ہے تم دروازے کے قریب ہو جاؤ اور لکھواؤ، میں ابھی تمھارے خطوط لکھے دیتا ہوں۔ اس طرح اپنے عہد کا یہ سب سے بڑا فرمانروا ان تمام خواتین کے خطوط حاصل کر کے ان کے شوہروں کے پاس محاذ جنگ پر ارسال کر دیتا تھا۔ [1]

بھلائی میں سبقت کرنے والوں کو فوقیت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھلائی میں سبقت کرنے والوں کے حقوق کا خصوصی تحفظ فرماتے تھے۔ ان کے پاس افراد کو پرکھنے کی بڑی دقیق ترازو تھی۔ فرمایا کرتے تھے:

«لَا يُعْجِبَنَّكُمْ طَنْطَنَةُ الرَّجُلِ وَلٰكِنْ مَّنْ أَدَّى الْأَمَانَةَ وَكَفَّ عَنْ أَعْرَاضِ النَّاسِ فَهُوَ الرَّجُلُ»

”تمھیں کسی آدمی کا رکھ رکھاؤ تعجب میں نہ ڈال دے۔ صحیح معنوں میں بھلا آدمی وہ ہے جو امانت دار ہو اور لوگوں کی عزتوں سے تعرض نہ کرتا ہو۔“ [2]

مزید فرماتے:

---

[1] أخبار عمر، ص: 339، وسراج الملوك، ص: 109. [2] فقه الائتلاف لمحمود محمد الخازندار، ص: 164.

«لَا تَنْظُرُوا إِلٰى صَلَاةِ امْرِئٍ، وَّلَا صِيَامِهٖ وَلٰكِنِ انْظُرُوا إِلٰى عَقْلِهٖ وَصِدْقِهٖ»

''تم کسی آدمی کی نماز اور اس کے روزے کی طرف نہ دیکھو بلکہ اس کی سمجھداری اور سچائی کی طرف دھیان دو۔''

مزید فرماتے:

«إِنِّي لَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَحَدَ رَجُلَيْنِ: مُؤْمِنًا قَدْ تَّبَيَّنَ إِيمَانُهٗ، وَكَافِرًا قَدْ تَّبَيَّنَ كُفْرُهٗ، وَلٰكِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مُّنَافِقًا يَّتَعَوَّذُ بِالْإِيمَانِ وَيَعْمَلُ لِغَيْرِهٖ»

''مجھے تم لوگوں کے متعلق دو(2) طرح کے آدمیوں سے کوئی ڈر نہیں۔ ایک کھلا مومن اور دوسرا کھلا کافر! مجھے تو تمھارے متعلق اس منافق سے خدشہ ہے جو ایمان کی آڑ میں ناجائز کام کرتا ہے۔''[1]

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے آدمی کے احوال پوچھے جو ان کے پاس کسی شخص کی گواہی دینے آیا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا یہ آدمی مقبول الشهادة ہے؟ ایک آدمی نے عرض کیا: میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کی طرف دیکھا اور دریافت فرمایا: کیا تو اس کا پڑوسی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تو نے کبھی ایک دن بھی اس کے ساتھ بسر کیا ہے تاکہ تجھے اس کی حقیقت کا علم ہو سکے؟ اس نے کہا: نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تو نے اس کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے؟ کیونکہ سفر کسی کو پرکھنے کی کسوٹی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید تو نے اسے مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چلا جا۔ تو

[1] محض الصواب: 717/2.

اسے نہیں جانتا۔ ①

مسلمانوں میں سے بہت سے افراد ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنے کارہائے جلیلہ کے باعث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے خراجِ تحسین حاصل کیا تھا اور اس سلسلے میں جناب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے نہایت خوشگوار اور قیمتی الفاظ سُنے تھے۔ اُن کے اس قسم کے چند یادگار جملے سُنیے:

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی تحسین: عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے بنو طے کے ہر فرد کے لیے دو دو ہزار درہم عطا فرمائے۔ مگر وہ میری طرف سے اعراض فرماتے رہے۔ میں ان کے سامنے آیا لیکن انھوں نے مجھ سے پھر اعراض فرما لیا، میں دوبارہ ان کے چہرے کے سامنے آیا۔ انھوں نے اعراض فرما لیا۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا آپ مجھے نہیں جانتے؟ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس قدر ہنسے کہ ہنستے ہنستے لیٹ گئے، پھر فرمایا: ''ہاں اللہ کی قسم! میں تجھے جانتا ہوں۔ تو اس وقت ایمان لایا جب لوگوں نے کفر کیا۔ تو نے اس وقت ساتھ دیا جب لوگوں نے پیٹھ پھیر لی۔ تو نے اس وقت وفا کی جب لوگوں نے اسلام سے غداری کی اور وہ پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو روشن کیا، وہ صدقہ بنو طے کا تھا اور تو ہی اسے لے کر آیا تھا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے نہ دینے کی وجہ بیان فرمائی: میں دراصل ایسے لوگوں کو دینا چاہتا ہوں جو فاقہ زدہ ہیں۔ وہ اپنے گھروں کے سرپرست ہیں اور ان پر بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ ②

ایک روایت میں ہے کہ یہ سن کر حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ ③

---

① عمر بن الخطاب لصالح بن عبدالرحمٰن عبدالله، ص: 66. ② صحيح مسلم، حديث: 2523، ومسند أحمد: 45/1، حديث: 316. ③ الخلافة الراشدة للدكتور يحيٰى اليحيٰى، ص: 297، و فتح الباري: 706/7.

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ: جلیل القدر صحابی عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے قید کر لیا۔ وہ انھیں اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے کہا: تو عیسائی بن جا! میں تجھے اپنی بادشاہت میں شریک کرلوں گا اور اپنی بیٹی سے تیرا نکاح بھی کر دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بادشاہ! اگر تو اپنی اور سارے عرب کی بادشاہت بھی مجھے اس قیمت پر عطا کر دے کہ میں صرف ایک لمحے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہٹ جاؤں تب بھی مجھے یہ سودا ہرگز قبول نہ ہوگا۔ بادشاہ نے دھمکی دی کہ پھر میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ انھوں نے کہا: تیری مرضی ہے۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق انھیں سُولی پر باندھ دیا گیا اور تیر اندازوں کو حکم ملا کہ عبداللہ کے ہاتھ اور پیروں کے قریب تیر چلاؤ۔ اسی دوران میں وہ عبداللہ کو نصرانی ہونے کی دعوت بھی دیتا رہا۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ مسلسل انکار کرتے رہے۔ بادشاہ نے انھیں سُولی سے نیچے اتارنے کا حکم دیا اور پیتل کی ایک بڑی دیگ منگوائی، اس میں تیل گرم کیا گیا، پھر ایک مسلمان قیدی کو لایا گیا اور اسے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس میں ڈال دیا گیا۔ پلک جھپکتے ہی اس مسلمان کی ہڈیاں چمکنے لگیں۔ بادشاہ نے پھر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے پھر قطعی انکار فرمایا۔ بادشاہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس دیگ میں پھینکنے کا حکم دیا۔ جب انھیں چرخی کی طرف لے جایا گیا تو وہ بے اختیار رو پڑے۔ بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ اب عبداللہ رضی اللہ عنہ نصرانیت قبول کر لیں گے۔ اس نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلایا، رونے کی وجہ پوچھی اور ایک بار پھر انھیں نصرانیت قبول کرنے کی ترغیب دی۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نصرانیت ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ میں تو صرف اس لیے رو رہا ہوں کہ میں تو صرف ایک جان ہوں جسے اس وقت اللہ کے راستے میں اس دیگ میں ڈالا جا رہا ہے جبکہ میری آرزو یہ ہے کہ میرے جسم پر موجود ہر ہر بال کے بدلے میں ایک ایک جان ہوتی اور میں اللہ کے راستے میں وہ ساری جانیں اسی طرح قربان کر دیتا۔

بعض روایات میں ہے کہ بادشاہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو قید کر دیا۔ کچھ دنوں تک کھانا پینا بند رکھا، پھر شراب اور خنزیر کا گوشت کھانے کو دیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ بادشاہ نے انھیں بلایا اور دریافت کیا: تو نے یہ کھانا کیوں نہیں کھایا؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ کھانا اس وقت مجبوری کی حالت میں اگرچہ میرے لیے جائز ہے لیکن میں تمھیں خوش نہیں کرنا چاہتا۔ بادشاہ نے کہا: اچھا تو میرے سر کو بوسہ دے میں تجھے آزاد کر دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر صرف مجھی کو نہیں بلکہ سب مسلمان قیدیوں کو رہا کرنا ہوگا! اس نے کہا: ہاں! یہ بات منظور ہے۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے ان کے ساتھ سارے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جب وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسلمانوں کے ہر فرد پر لازم ہے کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دے اور میں پہل کرتا ہوں، پھر آگے بڑھے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دیا۔ [1]

اویس قرنی رحمہ اللہ کی توقیر اور ان سے دعا کی درخواست: یمن سے جب بھی جیشِ اسلام کے مددگار آتے تھے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سے دریافت فرماتے تھے: کیا تم میں اویس بن عامر ہیں؟ حتی کہ ایک دن انھیں اویس بن عامر مل گئے۔ وہ ان کے قریب تشریف لائے اور دریافت فرمایا: کیا تم اویس بن عامر ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم مراد اور پھر قرن سے ہو؟ اویس نے کہا: جی ہاں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھیں پھلبہری تھی اور ایک درہم بھر جگہ کے علاوہ تمھارے سارے جسم کو شفا نصیب ہو چکی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمھاری والدہ ہے؟ اویس نے کہا: جی ہاں! تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

«يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ مَّعَ أَمْدَادِ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ مُّرَادٍ ثُمَّ

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 610/2.

مِنْ قَرْنٍ، كَانَ بِهِ بَرَصٌ فَبَرِأَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ، لَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ»

''تمھارے پاس یمن کے امدادی جیش میں اویس بن عامر آئیں گے۔ وہ مراد اور پھر قرن سے ہوں گے۔ انھیں پھلبہری ہوگی، ان کے سارے جسم کو سوائے ایک درہم بھر جگہ کے شفا ہوگی۔ ان کی والدہ حیات ہوں گی۔ وہ اپنی والدہ کے فرماں بردار ہوں گے۔ اگر وہ اللہ پر بھی قسم ڈال دے تو اللہ اُن کی قسم پوری فرما دے گا۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو اُن سے مغفرت کی دعا ضرور کرانا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میرے لیے مغفرت کی دعا کرو۔ حضرت اویس رحمہ اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کہاں جا رہے ہو؟ حضرت اویس رحمہ اللہ نے عرض کیا: میں کوفہ جا رہا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمھارے ساتھ حُسن سلوک کے لیے وہاں کے عامل کو خط لکھ دوں؟ اویس نے عرض کی: مجھے لوگوں میں گھل مل کر رہنا زیادہ محبوب ہے۔

اگلے سال ایک آدمی، جو قرن قبیلے کا سردار تھا، آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اویس رحمہ اللہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اس نے کہا: وہ پراگندہ حالت میں ہے اور دنیا کا مختصر سامان رکھنے والا آدمی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ یہ سنا ہے اور پورا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ سردار واپس گیا تو اویس رحمہ اللہ کے پاس پہنچا۔ عرض کیا: میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ انھوں نے فرمایا: آپ تو خود ابھی ابھی ایک مبارک سفر سے آئے ہیں، لہٰذا آپ میرے لیے دعا کیجیے۔ اس نے اصرار کیا کہ نہیں، آپ ہی میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ اویس رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا تمھاری ملاقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر اویس رحمہ اللہ نے اس کے لیے بخشش کی دعا فرمائی۔

اب عام لوگوں کو ان کے مقام و منزلت کا علم ہوا، پھر اویس رحمہ اللہ وہاں سے چل دیے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ماں کا فرمانبردار مجاہد: ایک دفعہ کچھ مجاہدین شام سے آئے۔ وہ یمن جا رہے تھے کہ مدینہ میں ٹھہر گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی، وہ صبح کی نماز کے بعد کچھ پراتوں وغیرہ میں کھانا رکھتے تھے۔ شامی قافلہ وہاں رکا۔ ان میں سے ایک آدمی آیا اور بائیں ہاتھ سے کھانے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھانے کے وقت لوگوں کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! وہ ہاتھ مصروف ہے۔ جب وہ کھا کر فارغ ہوا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بلایا اور دریافت فرمایا: تیرے ہاتھ کی کیا مصروفیت تھی؟ اس نے اپنا ہاتھ نکال کر دکھایا۔ وہ کٹا ہوا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وجہ دریافت فرمائی۔ اس مجاہد نے کہا: یہ ہاتھ جنگ یرموک کے دن کٹ گیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے وضو کون کراتا ہے؟ اس نے کہا: میں بائیں ہاتھ سے وضو کر لیتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ میری مدد فرماتا ہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: یمن جا رہا ہوں، وہاں میری والدہ رہتی ہیں، انھیں میں نے عرصۂ دراز سے نہیں دیکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تو والدہ کے ساتھ نیکی کرنے کے لیے جانا چاہتا ہے؟ پھر اسے ایک خادم، صدقے کے پانچ اونٹ اور ان پر اشیائے ضرورت کا سامان لاد کر اس کے حوالے کر دیا۔ [2]

ایک زخم خوردہ مجاہد کی عزت افزائی: ایک دفعہ لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عطیات وصول کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنی نگاہ اٹھائی تو ایک آدمی کے چہرے پر گہرا زخم دیکھا۔ اس سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے جواب دیا: مجھے یہ زخم ایک غزوے میں لگا تھا۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2542. [2] الشیخان أبو بکر و عمر رضی اللہ عنہما من روایة البلاذري، ص: 175,174.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم دیا: اسے ایک ہزار درہم عطا کرو۔ جب اسے ایک ہزار درہم مل گئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم اور دے دو۔ جب وہ بھی مل گئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تیسری اور پھر چوتھی دفعہ بھی اس کے لیے ہزار ہزار درہم لانے کا حکم دیا۔ رقم لینے والا مجاہد اس قدر عطیہ لینے سے شرما گیا اور وہاں سے فوراً چلا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے اس کے جانے کا سبب بیان کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ یہاں رہتا تو جب تک ایک درہم بھی باقی تھا، میں اُسے عطا کرتا رہتا۔ اس شخص کا کتنا بڑا مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں چہرے پر گہری ضرب لگی اور گڑھا پڑ گیا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دِلی آرزو: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حاضرین سے فرمایا کہ تم سب اپنی اپنی آرزو بیان کرو۔ کسی نے کہا: میری خواہش ہے کہ ساری دنیا مجھے سونے سے بھری ہوئی مل جائے اور میں اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دوں اور لوگوں میں بطور خیرات بانٹ دوں۔ کسی نے کہا: میری تمنا ہے کہ یہ ساری زمین ہیرے جواہرات سے بھر جائے اور میں اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور لوگوں پر خرچ کر دوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فرمایا: اپنی اپنی آرزو بیان کرو۔ لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ ہی کچھ بتائیے، ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری دلی خواہش یہ ہے کہ یہ دنیا ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل، سالم مولی ابی حذیفہ اور حذیفہ بن یمان جیسے افراد سے بھر جائے۔ [2] پھر میں انھیں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے لیے استعمال کروں اور اپنے عمال کے طور پر ان کا تقرر کروں۔ [3]

---

[1] مناقب عمر لابن الجوزي، ص: 74، (إسناده ضعيف لانقطاعه)، و محض الصواب: 368/1. [2] المستدرك للحاكم: 266/3، صححه الذهبي، وأصحاب الرسول: 174/1.
[3] تهذيب الكمال للمزي: 505/5، وحذيفة بن اليمان لإبراهيم محمد العلي، ص: 62.

یہ سب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی تھے۔ ایسے سچے دوستوں اور بھائیوں کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: سچے دوستوں کو لازم پکڑو، ان کے سایۂ عاطفت میں رہو۔ ایسے لوگ خوشحالی کے دنوں میں تمھارے لیے باعث زینت اور آزمائش کے دنوں میں مددگار ثابت ہوں گے۔ تو اپنے مخلص بھائی کی بات کو بدگمانی سے بُرے معانی پر محمول نہ کر، یہاں تک کہ اس کا یقین نہ ہو جائے۔ اپنے دشمن سے علیحدہ رہ۔ اپنے دوست کے بارے میں محتاط رہ سوائے امانت دار کے اور امانت دار وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔ کسی فاجر کے پاس کبھی نہ بیٹھ ورنہ تو بھی برائی سیکھے گا۔ اُسے کبھی اپنا راز نہ دے۔ مشورہ ہمیشہ اس شخص سے طلب کر جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت اپنے کسی بھائی کو یاد فرماتے تو کہتے: اے رات! تو کتنی لمبی ہے جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو فوراً اس کی طرف جاتے، اس سے معانقہ فرماتے اور اُسے اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اگر میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہ نکلوں، اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مٹی پر نہ رکھوں یا ایسے لوگوں کی ہم نشینی نہ کرسکوں جن کی مجالس میں اچھی باتیں اس طرح چنی جاتی ہیں جس طرح پھول چُنے جاتے ہیں تو اس سے بہتر یہ ہے کہ میں مر جاؤں۔ [3]

قبولِ اسلام میں سبقت کرنے والوں کو ترجیح: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک کسی شخص کا دوسرے پر فضیلت پانے کا معیار حسن عمل تھا۔ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بہت سے قریشی سردار آگئے۔ ان میں سہیل بن عمرو بن حارث اور ابوسفیان بن حرب سرفہرست تھے۔ عین اسی وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ جیسے کچھ ایسے آزاد کردہ

[1] مختصر منهاج القاصدين، ص: 100، وفرائد الكلام، ص: 139. [2] أخبار عمر، ص: 321.
[3] الشيخان من رواية البلاذري، ص: 225.

غلام بھی حاضر ہوئے جنھیں اسلام لانے میں سبقت کا شرف حاصل تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ان فقیر غلاموں کو باریابی کی اجازت دی اور قریشی سرداروں کو ان کے بعد شرفِ ملاقات بخشا۔ قریشی سردار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل پر بڑے ناراض ہوئے۔ ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آج کے دن جیسا رسوا کن دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ عمر رضی اللہ عنہ غلاموں کو شرف بخشتا ہے اور ہمیں دروازے پر کھڑا چھوڑ دیتا ہے۔ سہیل رضی اللہ عنہ نے کہا: اے لوگو! اللہ کی قسم! میں تمھارے چہروں پر ناراضی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر ناراض ہو تو پھر تمھیں اپنے اس فعل پر بھی نادم ہونا چاہیے، جب ان غلاموں کو اور تمھیں اکٹھی اسلام لانے کی دعوت دی گئی تھی انھوں نے تو فوراً اسلام قبول کر لیا تھا لیکن تم لوگوں نے تاخیر کی۔ اب تم وہ دن یاد کرو جب قیامت کے دن ان سب کو تم سے پہلے آواز دی جائے گی۔ [1]

ایک میت کے بارے میں گواہی: ابو الاسود فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ آیا۔ وہاں کوئی وبا پھیلی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں لوگ کثرت سے مر رہے تھے۔ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گیا۔ اُن کے قریب سے ایک جنازہ گزرا۔ لوگوں نے مرنے والے کے لیے تعریفی کلمات کہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس پر (جنت) واجب ہوگئی، پھر ایک اور جنازہ گزرا۔ لوگوں نے اس میت کی بھی تعریف کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس پر (جنت) واجب ہوگئی۔ تیسرا جنازہ گزرا تو اس مرنے والے کے بارے میں برے کلمات کہے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر (بُرا ٹھکانا) واجب ہوا۔ میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! واجب ہونے سے کیا مطلب؟ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے وہی الفاظ کہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے تھے:

«أَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ أَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ»

[1] مناقب عمر لابن الجوزي، ص: 129، وفن الحكم، ص: 367.

''کوئی بھی مسلمان جس کے لیے چار آدمی اچھائی اور بھلائی کی گواہی دے دیں تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔'' ہم نے عرض کیا: اگر تین گواہی دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ثَلَاثَةٌ ''اگر تین بھی گواہی دیں تب بھی جنت واجب ہوگی۔'' ہم نے عرض کیا: اگر دو ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: وَاثْنَانِ ''چاہے دو(2) ہوں۔'' پھر ہم نے ایک آدمی کی گواہی کے بارے میں سوال ہی نہ کیا۔[1]

سیدنا عمر اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما: عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، انھوں نے مجھے عطا فرمایا۔ میں نے دوسری دفعہ سوال کیا، انھوں نے مجھے دوبارہ عطا فرمایا۔ تیسری مرتبہ بھی میرے سوال پر انھوں نے مجھے عطا کیا، پھر فرمایا:

«يَا حَكِيمُ! إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَّمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى»

''اے حکیم! بلاشبہ یہ مال شاداب اور میٹھا ہے۔ جو اسے دل کی سخاوت سے حاصل کرے گا اس کے مال میں برکت ڈالی جائے گی اور جو اسے طمع و لالچ کے تحت حاصل کرے گا اس کے مال میں برکت نہیں ڈالی جائے گی۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا اور اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔''

حکیم بن حزام فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی

[1] صحيح البخاري، حديث:2643، والموسوعة الحديثية (مسند أحمد):22/1، حديث: 139.

جس نے آپ ﷺ کو برحق مبعوث فرمایا! اب آپ کے بعد میں کسی بھی شخص سے مرتے دم تک کچھ نہ لوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حکیم کو بلایا تاکہ کچھ مال دیں لیکن انھوں نے انکار فرمایا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انھیں بلایا تاکہ انھیں کچھ مال دیں۔ لیکن انھوں نے قبول کرنے سے انکار فرمایا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو مال فے سے اُس کا مقررہ حق پیش کیا ہے مگر اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے بعد کسی سے کبھی کچھ وصول نہیں فرمایا۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ: ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس قضیے کا فیصلہ کرنے تشریف لائے تو علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوالحسن! دعویدار کے ساتھ بیٹھیے۔ یہ بات سُن کر علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس قضیے کا فیصلہ سُنا دیا تو علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوالحسن! شاید میں نے آپ کو ناراض کر دیا ہے کیونکہ میں نے آپ کے اور آپ کے خلاف دعویدار کے درمیان مساوات قائم کی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! میں ناراض ہوا ہوں لیکن میری ناراضی کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے میرے اور میرے مخاصم کے مابین مساوات قائم نہیں کی۔ آپ نے مجھے میری کنیت سے پکارا اور عزت بخشی، جبکہ میرے حریف کو آپ نے اس طرح مخاطب نہیں کیا۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا: لَا أَبْقَانِيَ اللّٰهُ أَرْضًا لَّيْسَ فِيهَا أَبُوالْحَسَنِ ''اللہ! مجھے ایسی سرزمین پر زندہ نہ رکھے جہاں علی رضی اللہ عنہ نہ ہوں۔'' [2]

نصیحت قبول کرنے کا حوصلہ: عاصم بن بہدلہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 2750 و 1472، وصحيح مسلم، حديث: 1035. [2] عمر بن الخطاب لصالح عبدالرحمٰن، ص: 79.

قریبی ساتھی نے بیان فرمایا کہ ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا کہ ایک آدمی کی ہوا خارج ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کی ہوا خارج ہوئی ہے میں اُسے حکم دیتا ہوں کہ وہ اُٹھے اور وضو کر کے آئے۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے: اے امیر المومنین! آپ ہم سب کو حکم دیجیے کہ ہم سب اٹھیں اور وضو کریں تاکہ وہ آدمی پردے میں رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ [1]

ایک غلام کی قریشی عورت سے شادی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قبائل کو آپس میں شادیاں کرنے کی رغبت دلائی تاکہ باہمی اُلفت میں اضافہ ہو یہاں تک کہ ایک غلام ایک قریشی کے پاس گیا اور اسے اُس کی بہن سے شادی کا پیغام دیا۔ قریشی نے انکار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس قریشی کے پاس گئے اور دریافت فرمایا: تو اپنی بہن کی شادی اس سے کیوں نہیں کرتا، حالانکہ وہ ایک باصلاحیت آدمی ہے، اس میں دنیا کی خیر (مال) اور آخرت کی بھلائی (تقویٰ) موجود ہے۔ اگر تیری بہن راضی ہے تو تو اس کی شادی اس آدمی سے کر دے۔ اس قریشی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر عمل کیا اور اپنی بہن کی شادی اُسی غلام سے کر دی۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا رعب و دبدبہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے دلوں پر بڑا رعب اور دبدبہ طاری رہتا تھا جو انھیں ہر قسم کی سرکشی سے محفوظ رکھتا تھا اور انھیں انتشار سے بچاتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی تھی۔ عین اس وقت جبکہ وہ اپنی شہرت کے عروج پر تھے۔ انھیں ہر لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے تجربات حاصل ہو چکے تھے، لوگ اُنھیں عظیم قائد سمجھتے تھے اور انتہائی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حکم

[1] الشیخان من روایة البلاذري، ص: 219. [2] المرتضی للندوي، ص: 106.

پاتے ہی سرِتسلیم خم کر دیا، حالانکہ یہ بڑا نازک وقت تھا اور اس وقت لوگوں کو منصب سالاری پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اشد ضرورت تھی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے معزولی کا حکم نامہ عین اُس وقت موصول ہوا جب مجاہدین اسلام جنگ یرموک کے لیے رُومیوں کے سامنے صف آرا ہو رہے تھے۔ اس موقع پر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نئے سپہ سالار مقرر کیے گئے۔ حکم نامہ پاتے ہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا حکم نامہ سر آنکھوں پر! اس وقت جب ایک فوجی نے توجہ دلائی کہ اس معزولی سے فتنہ بھی کھڑا ہوسکتا ہے تو خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں کوئی فتنہ سر نہیں اُٹھا سکتا۔ [1]

غور فرمایئے! اس ایک واقعہ میں کیسے کیسے بے مثل سبق چمک رہے ہیں۔ ایک ایسا زبردست سپہ سالار جو اپنی مقبولیت، محبوبیت اور فتح مندیوں کے بامِ عروج پر پہنچ چکا تھا، اس نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم موصول ہوتے ہی کیسی بے مثال اطاعت گزاری اور تواضع کا مظاہرہ کیا کہ فوراً اپنے منصب سے دستبردار ہو گیا۔ اطاعت، تواضع اور ایثار کی ایسی درخشندہ مثال ساری دنیا کی عسکری تاریخ میں کہیں نہیں ملتی اور نہ ہی دنیا بھر کے سپہ سالاروں اور جنگی لیڈر شپ میں کہیں نظر آتی ہے۔ مزید برآں اس واقعے سے لوگوں کے دلوں پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زبردست رعب اور دبدبے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ [2]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ ایک عورت ہے اور لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو بلا بھیجا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتہائی بارعب شخصیت تھے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایلچی اس عورت کے پاس پہنچا تو وہ چیخ اُٹھی: ہائے افسوس! بھلا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مجھ سے کیا واسطہ؟ یہ خاتون حاملہ تھی۔ فوراً گھر سے نکل آئی۔ راستے میں اسے دردِ زہ شروع ہو گیا۔ کچھ عورتوں کے قریب

---

[1] المرتضٰی للندوي، ص: 107. [2] المرتضٰی للندوي، ص: 107.

سے گزری تو انھوں نے اس کی کیفیت پہچان لی۔ اس نے بچہ جنا۔ نومولود نے ایک چیخ ماری اور وہ فوت ہو گیا۔ یہ خبر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ انھوں نے انصار اور مہاجرین کو جمع فرمایا اور اس بچے کے معاملے میں رائے معلوم کی۔ کچھ لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ تو صرف اس عورت کو ادب سکھلانا چاہتے تھے، آپ قوم کے محافظ ہیں، اس لیے آپ پر اس بچے کی موت کا کوئی بوجھ نہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: کیوں جی! آپ کیا کہتے ہیں؟ وہ بولا: میرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ جو آپ کی موافقت کر رہے ہیں، اگر یہ آپ کی توجہ کے طالب ہیں تو یہ آپ کے خیر خواہ نہیں اور اگر جیسا کہ میری رائے ہے کہ انھوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے تو اے امیر المومنین! ان کا اجتہاد غلط ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا حکم ہے کہ تم اٹھو اور اپنی قوم میں دیت کی ادائیگی کے لیے رقم تقسیم کر دو۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: وہ آدمی کون تھا؟ تو انھوں نے فرمایا: وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

ایک دفعہ علی، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن اور سعد رضی اللہ عنہم جمع ہوئے۔ ان حضرات میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کلام کرنے میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ زیادہ دلیر تھے۔ سب نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عبدالرحمٰن! اگر آپ امیر المومنین سے گفتگو کریں کہ ان کے پاس بہت سے حاجت مند آتے رہتے ہیں۔ وہ آپ کے مرتبے اور رعب کی وجہ سے بات ہی نہیں کر پاتے۔ اس طرح ان کی حاجت بدستور نامکمل رہ جاتی ہے، لہٰذا آپ اپنے آپ میں تبدیلی لائیں۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور مذکورہ سلسلے میں گفتگو کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمھیں علی، عثمان، طلحہ، زبیر اور

[1] مناقب عمر لابن الجوزي، ص: 135، ومراسيل الحسن و محض الصواب: 273/1.

سعد رضی اللہ عنہم نے بھیجا ہے؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: جی ہاں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن! اللہ کی قسم! میں لوگوں کے لیے اتنا نرم ہو گیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا کہ کہیں بہت زیادہ نرم نہ ہو جاؤں، پھر میں نے ان پر سختی کی۔ میں پھر اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا کہ کہیں زیادہ سختی نہ ہو جائے۔ اب بولو! اس صورت حال کا کیا حل ہے؟ یہ بات سُن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رو پڑے اور اپنا ازار کھینچتے ہوئے وہاں سے چل دیے اور جاتے جاتے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا: «أُفٍّ لَّهُمْ بَعْدَكَ، أُفٍّ لَّهُمْ بَعْدَكَ» ''اے عمر! تیرے بعد ان کے لیے افسوس ہے، تیرے بعد ان کے لیے افسوس ہے۔''[1]

عمرو بن مرہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہنے لگا: آپ ہمارے لیے نرم ہو جائیے۔ آپ نے تو ہمارے دل اپنے رعب سے لبریز کر دیے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اس چیز میں کوئی ظلم ہے؟ اس نے کہا: نہیں! تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تمھارے دلوں میں میرا رعب اور زیادہ کر دے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے میں نے ایک سال تک انتظار کیا۔ میں صرف ان کے رعب کی وجہ سے اس آیت کے بارے میں سوال نہ کر سکا۔[3]

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک حجام تھا، وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بال بناتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کھنکھارا تو اُس حجام کی ہوا خارج ہو گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے چالیس (40) درہم دینے کا حکم

---

[1] الشیخان من روایة البلاذري، ص: 220. [2] مناقب عمر لابن الجوزي، ص: 135، ومحض الصواب: 273/1. [3] صحیح مسلم، حدیث: 1479. لوگوں کے دلوں میں ان کے رعب کا یہ عالم تھا لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حج کے دنوں میں میں نے آپ سے پوچھا اور اپنی حالت بیان کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ڈرو مت جس چیز کے بارے میں تم سمجھتے ہو کہ میں اسے جانتا ہوں وہ مجھ سے پوچھو، میں تمھیں بتاؤں گا۔

جاری فرمایا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت محسوس فرماتے تو کہتے: اَللّٰهُمَّ! تَعْلَمُ أَنِّي مِنْكَ أَشَدُّ فَرَقًا مِّنْهُمْ فِيَّ ''اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ جس قدر لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں۔'' [2]

عوام کے مسائل حل کرنے کی تڑپ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ ہر نماز کے بعد کچھ دیر لوگوں کے پاس بیٹھتے تھے۔ کسی کی کوئی ضرورت ہوتی تو اس پر غور کرتے تھے۔ ایک دن ایک سے زیادہ نمازیں پڑھ لیں لیکن عادت کے مطابق نہ بیٹھے۔ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا۔ میں نے ان کے ملازم یرفأ سے پوچھا: اے یرفأ! کیا امیر المومنین بیمار ہیں؟ اس نے جواب دیا: نہیں! اسی دوران میں عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے۔ یرفأ نے ہمارے لیے اجازت حاصل کی۔ ہم دونوں کو اندر بلا لیا گیا۔ جب ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے سامنے مال و زر کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سب اہلِ مدینہ کے بارے میں غور و فکر کیا ہے۔ لیکن تم دونوں سے بڑا کسی کا خاندان اور عیال نہیں ہے۔ یہ مال لے جاؤ اور اسے لوگوں میں تقسیم کر دو۔ اگر بڑھ جائے تو واپس کر دینا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ سن کر میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور عرض کیا: اگر مال بچ جائے تو وہ آپ ہمیں دے دیں۔ یہ سُن کر وہ بل کھا کر پھڑ پھڑائے اور فرمایا: ایسا اس وقت کہاں ہوتا تھا جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب گوشت کے باریک لمبے ٹکڑوں پر گزارا کرتے تھے؟ میں نے عرض کیا: اگر اللہ تعالیٰ اس وقت مسلمانوں کو فتوحات سے نوازتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جیسا سلوک نہ کرتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا

[1] الطبقات لابن سعد: 287/3، (منقطع) و مناقب عمر، ص: 134. [2] مناقب عمر لابن الجوزي، ص: 134 (منقطع).

کہ پھر وہ کیا کرتے؟ میں نے عرض کیا: وہ ہمیں بھی کھلاتے اور خود بھی کھاتے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ان کی ہچکی بندھ گئی اور پسلیاں ہلنے لگیں، پھر فرمایا: «لَوَدِدْتُّ أَنِّي خَرَجْتُ مِنَ الْأَمْرِ كَفَافًا لَّا عَلَيَّ وَلَا لِيَ» ”میری طلب اور تڑپ یہ ہے کہ میں خلافت کے معاملات میں برابر سرابر ہی چھوٹ جاؤں۔ نہ کچھ مجھے ملے نہ کچھ مجھ پر بوجھ ہو۔“[1] سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مال فے کا ایک اونٹ زخمی ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ذبح کر دیا۔ اس کا کچھ گوشت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں ارسال فرما دیا۔ باقی گوشت پکوا لیا۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو کھانے کی دعوت دی۔ اس ضیافت میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! کاش آپ روزانہ آج کی طرح گوشت پکوائیں، ہم مل کر کھائیں اور باہم باتیں کریں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آئندہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ میرے دونوں ساتھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس دنیا سے چلے گئے۔ اُن کی ایک خاص سیرت تھی۔ وہ ایک راستے پر چلتے تھے۔ اگر میں اُن کی سیرت سے ہٹ کر چلوں گا تو اس طرح اُن کا مقدس راستہ چھوٹ سکتا ہے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اسلم فرماتے ہیں: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو ایک چراگاہ کا نگران مقرر کیا اور فرمایا: اے میرے پیارے! مسلمانوں سے نرمی کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑوں کے مالکوں کو اس چراگاہ میں آنے سے نہ روکنا۔ ابن عوف اور ابن عفان کے چوپاؤں کو بھی اجازت دے دینا کیونکہ اگر ان دونوں کے جانور ہلاک ہو گئے تو یہ لوگ کھیتی باڑی اور کھجور کے باغات کی طرف رجوع کریں گے۔ اور اونٹوں اور

[1] الشيخان من رواية البلاذري، ص:221. [2] الطبقات الكبرى:3/288، والشيخان من رواية البلاذري، ص:222.

بکریوں کے ریوڑ ہلاک ہو گئے تو ان کے مالکان اپنے بچوں سمیت میرے پاس آ جائیں گے اور کہیں گے: اے امیر المومنین! ہماری حاجت پوری فرمائیے! ایسی صورت میں کیا میں انھیں خالی ہاتھ واپس بھیج سکتا ہوں؟ تیرا باپ نہ رہے! یہ پانی اور گھاس کی فراہمی میرے لیے سونے چاندی کی فراہمی سے آسان ہے۔ اللہ کی قسم! پھر بھی یہ لوگ یہی خیال کریں گے کہ میں ان پر ظلم کر رہا ہوں۔ یہ سب انھی لوگوں کے علاقے ہیں۔ جاہلیت میں انھی علاقوں پر ان کی لڑائیاں رہتی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد یہ لوگ مطیع ہوئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یہ مال نہ ہو جسے خرچ کر کے میں انھیں جہاد کے لیے بھیجتا ہوں تو میں ان کے شہروں کی بالشت بھر زمین بھی بطور چراگاہ نہ رکھوں۔ ①

موسیٰ بن انس بن مالک فرماتے ہیں: محمد بن سیرین کے والد سیرین نے حضرت انس سے مکاتبت کا معاملہ کرنا چاہا۔ ان کے پاس بہت سا مال تھا لیکن انس رضی اللہ عنہ نے انکار فرما دیا۔ سیرین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس سے مکاتبت کر لو۔ انھوں نے پھر انکار کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُنھیں کوڑا مارا اور یہ آیت پڑھی:

﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾

''تم ان سے مکاتبت کر لو اگر ان میں کچھ بھلائی معلوم کرو۔'' ②

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سیرین سے مکاتبت کر لی۔ ③

غور فرمائیے! یہ کیسا عجیب و عظیم واقعہ ہے اور اسلام کی عاجز نوازی کی کتنی شاندار مثال ہے۔ ہم دیکھتے ہیں ایک حریت پسند غلام آزادی کا طلب گار ہے۔ اس کا آقا اسے آزادی

① تاریخ الإسلام للذهبي عهد الخلفاء الراشدين، ص: 272. ② النور 24:33. ③ محض الصواب: 975/3.

دینے سے انکار کر رہا ہے۔ معاملہ سربراہِ مملکت کے پاس پہنچتا ہے تو وہ آقا اور غلام میں کوئی امتیاز نہیں برتتا۔ وہ اصل معاملے پر غور کرتا ہے۔ غلام کو حق بجانب پا کر اسی کے حق میں فیصلہ سنا دیتا ہے اور آقا کے موقف کو مسترد کر دیتا ہے۔ کیا دنیا کی تاریخ بے لاگ عدل کی ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟[1]

معاشرے کے قدآور افراد کی تربیت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ انھوں نے کسی قدآور شخصیت کا غریب عوام پر تسلط برداشت کیا ہو یا کسی طاقتور شخص کو کسی غریب پر کوئی ظلم ڈھانے یا کسی قسم کی طبقاتی اونچ نیچ کا مظاہرہ کرنے کی اجازت دی ہو۔ اس سلسلے کے بعض واقعات آپ کی نذر کیے جاتے ہیں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کا مکی گھر: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لائے۔ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! ابوسفیان نے اپنا گھر اس طرح تعمیر کیا ہے کہ پانی گزرنے کا راستہ بند کر دیا ہے، اس طرح ہمارے مکان منہدم ہو جائیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اُسی وقت اپنا کوڑا اٹھائے ابوسفیان کے مکان پر پہنچے۔ اس نے بہت سے پتھر نصب کر رکھے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ پتھر ہٹا۔ اس نے فوراً ہٹا دیا، پھر فرمایا: فلاں فلاں نصب کردہ پتھر بھی ہٹا دے۔ اس نے پانچ یا چھ نصب شدہ پتھر ہٹا دیے۔ بعدازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اتنی عزت بخشی کہ وہ مکہ شہر میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حکم دیتا ہے تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس کا حکم مانتا ہے۔[2]

[1] شهيد المحراب، ص:222. [2] أخبار عمر، ص:321، ومناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 128.

عیینہ بن حصن اور مالک بن ابی زفر رضی اللہ عنہما: ایک دفعہ عیینہ بن حصن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے آئے۔ وہاں مالک بن ابی زفر بھی بیٹھے تھے جو غریب مسلمانوں میں سے تھے۔ عیینہ نے اُنھیں دیکھ کر کہا: کمزور طاقتور اور نکما بلند ہو گیا! یہ سن کر مالک نے کہا: کیا تو اپنی خوشحالی کے سبب غرور کرتا ہے؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عیینہ کی یہ گفتگو سن کر ناراض ہوئے۔ فرمایا: خود کو اسلام میں عاجز اور حقیر بنا لے، اللہ کی قسم! میں تجھ سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک مالک تیری سفارش نہ کرے۔ عیینہ اتنا بے بس ہو گیا کہ اسے اس کے علاوہ کوئی سبیل نظر نہ آئی کہ مالک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی سفارش کریں۔[1]

جارود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما: جارود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ ایک آدمی نے کہا: یہ آدمی ربیعہ قبیلے کا سردار ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے کوڑا مارا اور فرمایا: اے جارود! مجھے ڈر لگا کہ کہیں یہ بات سن کر تیرے دل میں تکبر نہ آ جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا معاملہ ایک دفعہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ لوگ ان کے مسجد سے نکلنے کے بعد ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور سوالات پوچھتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ طرزِ عمل جو تو نے اختیار کر رکھا ہے، تیرے لیے فتنے کا اور تابع فرمان کے لیے ذلت کا باعث ہے۔[2]

بعض معاشرتی معاملات پر اظہارِ ناپسندیدگی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت سے عبارت تھی، اسی لیے وہ اسلامی معاشرے میں فساد کا سبب بننے والے ہر رویے اور عادت کے خلاف تھے۔ مندرجہ ذیل سطور میں وہ واقعات بیان کیے جاتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ بعض اوقات

[1] تاريخ المدينة المنورة لابن شبة : 690/2، والدور السياسي للصفوة، ص : 191. [2] تاريخ المدينة المنورة لابن شبة :690/2، والدور السياسي للصفوة، ص :191.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غلطی کرنے والوں کی اصلاح فرمائی۔

روزانہ گوشت خریدنے پر سرزنش: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ روزانہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے اس ذبح خانہ میں آتے جو مدینہ کا اکلوتا ذبح خانہ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوڑا ہوتا تھا۔ وہ کسی آدمی کو مسلسل دو (2) دن گوشت خریدتے دیکھتے تو اسے کوڑا مارتے اور فرماتے تو نے اپنے پڑوسی یا چچازاد کے لیے ایک دن اپنے پیٹ پر صبر کیوں نہیں کیا۔ [1]

اب تم سوال کر سکتے ہو! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک فقیر کو مانگتے دیکھا۔ اس کی پشت پر کھانے سے بھرا ایک تھیلا لٹک رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کھانا صدقے کے اونٹوں کے سامنے پھیلا دیا اور فرمایا: اب جو چاہو سوال کرو۔ [2]

ایسی چال ترک کر دے! ایک آدمی اپنے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ کر تکبر کی چال چل رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسی چال چھوڑ دے۔ اس نے جواب دیا: میں ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑا مارا۔ وہ پھر اسی طرح چلا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کوڑا مارا تو اس نے یہ متکبرانہ چال چھوڑ دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ایسے ناروا کاموں میں کسی کو نہیں ماروں گا تو پھر کن کاموں میں ماروں گا؟ وہ آدمی بعدازاں ان کے پاس آیا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مجھ پر ایک شیطان سوار تھا جسے اللہ نے آپ کے ذریعے سے بھگا دیا۔ [3]

ہمارا دین مُردہ نہ کر! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ زبردستی بناوٹ اور تکلف سے مصنوعی عاجزی کا اظہار کر رہا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑا مارا اور فرمایا: اللہ تجھے مارے، تو زبردستی ہم پر ہمارا دین مردہ نہ کر۔ [4]

شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ کچھ نوجوانوں کو دیکھا کہ چال میں بڑی میانہ روی

---

[1] الدور السياسي للصفوة، ص: 231، نقلًا عن مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي. [2] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 101. [3] أخبار عمر، ص: 175. [4] أخبار عمر، ص: 190.

اور کلام میں بڑا دھیما لہجہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ پرہیزگار لوگ ہیں تو شفاء نے فرمایا: اللہ کی قسم! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب کلام فرماتے تو جہری آواز سے فرماتے تھے۔ چلتے تو جلدی چلتے، کسی کو مارتے تو زور سے مارتے، جبکہ وہ نہایت پرہیزگار اور عبادت گزار انسان تھے۔ ①

اپنی صحت کا خیال نہ رکھنے پر تنقید: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عوام کی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ وہ انھیں مٹاپے کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرماتے اور انھیں اپنا وزن کم رکھنے کی رغبت دلاتے تا کہ اس طرح وہ اپنا کام طاقت اور ہمت سے انجام دے سکیں اور اپنی ڈیوٹی بہتر طریقے سے پوری کر سکیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے: اے لوگو! زیادہ پیٹ بھر کے کھانا نہ کھایا کرو کیونکہ یہ نماز سے سستی، جسم کے لیے فساد اور طرح طرح کی بیماریوں کا سبب ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو پسند نہیں فرماتا۔ تم اپنی خوراک میں میانہ روی اختیار کرو اس سے فضول خرچی بھی نہ ہوگی، صلاحیتیں بھی برقرار رہیں گی اور اللہ عزوجل کی بندگی ہمت و طاقت سے بجا لائی جا سکے گی۔ کوئی بندہ اس وقت تک ہلاکت کا شکار نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہشات اس کے دین پر غالب نہ آجائیں۔ ②

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ موٹے پیٹ والا ایک آدمی دیکھا تو اس سے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تو اللہ کا عذاب ہے! ③

وہ اپنے اہلِ وطن کی صحت کا انتہائی توجہ سے اہتمام فرماتے تھے۔ جو آدمی کسی متعدی اور موذی مرض کا شکار ہوتا تو مرض پھیلنے کے ڈر سے اس کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دیتے، اسے لوگوں کے ساتھ میل جول سے منع فرما دیتے اور اسے اپنے گھر ہی پر رہنے کا

① الشيخان من رواية البلاذري، ص: 226. ② الخليفة الفاروق للدكتور عبدالرحمٰن العاني، ص: 124. ③ مناقب عمر أمير المؤمنين، ص: 200.

حکم دیتے تھے۔ جب وہ شفایابی کے قریب ہو جاتا تو اس کی نقل و حرکت سے پابندی اٹھا لیتے تھے۔ روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ایک عورت کو لوگوں کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا تو اُسے فرمایا: اے اللہ کی بندی! تیرے لیے بہتر تھا کہ لوگوں کو اذیت دینے کی بجائے گھر ہی بیٹھ جاتی۔ اس نے ایسا ہی کیا اور واپس چلی گئی، پھر کچھ عرصے کے بعد اس خاتون کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ جس شخص نے تجھے بیت اللہ کا طواف کرنے سے منع کیا تھا وہ فوت ہو گیا، اس لیے اب تو چل نکل۔ اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں نہیں چاہتی کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تو اُن کی اطاعت کروں اور جب وہ چل بسیں تو نافرمانی کرنے لگوں۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو جسمانی ورزشوں، گھڑ سواری اور گھوڑے دوڑانے کی مشق کی رغبت دلاتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے: اپنے بچوں کو تیراکی اور تیر اندازی سکھاؤ۔ انھیں حکم دو کہ وہ اُچھل کر گھوڑے پر سوار ہونے کی مشق کریں۔ مزید برآں انھیں اچھے اچھے اشعار بھی سکھلاؤ۔ [2]

ایک شرابی کو نصیحت: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شامی باشندے کو، جو بڑا طاقتور اور جنگجو رہ چکا تھا، نہ دیکھا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: وہ تو مسلسل شراب پینے میں مصروف ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتب کو بلایا اور یہ لکھنے کا حکم دیا: عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں شخص کی طرف۔ تجھ پر سلامتی ہو، میں تیری طرف اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں، اُس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾

”حٰمٓ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو نہایت غالب، خوب جاننے

[1] الخليفة الفاروق، ص: 124، نقلا عن الرياض النضرة. [2] الخليفة الفاروق، ص: 125.

والا ہے۔ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا (دینے) والا، بڑے فضل والا ہے، اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس خط کو مکمل کرایا اور اپنے ایلچی سے فرمایا: یہ خط اُسے اس وقت دینا جب وہ ہوش میں ہو، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام حاضرین سے فرمایا کہ اس کے لیے دعا کرو۔ جب اس شخص کے پاس حضرت عمر کا خط پہنچا تو وہ اسے پڑھنے لگا اور کہنے لگا: مجھ سے میرے رب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مجھے معاف فرمائے گا اور مجھے اپنی سزا سے ڈرایا ہے۔ وہ مسلسل یہی الفاظ دہراتا رہا، پھر رونے لگا۔ اس نے شراب نوشی سے توبہ کر لی اور اس کی توبہ خوب رہی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے معاملے کی خبر پہنچی تو فرمایا: اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے تو اس کے لیے اسی طرح دعا کرو اور اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرو۔ اس کے خلاف شیطان کے مددگار مت بنو۔[2]

اس طرح کے نازک مواقع پر لوگوں کی تربیت، نفسیات کی مہارت اور کج روی کو دُرست کرنے کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خوبیاں خوب نکھر کر سامنے آتی ہیں۔ بعض اوقات ایک اقدام ایک آدمی کو نفع دیتا ہے، جبکہ وہی اقدام دوسرے شخص کے لیے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ پس یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کامیاب تربیت کے سلسلے کا اہم سبق اور کسی کی خیر خواہی کا نہایت عمدہ اسلوب ہے۔

غور کیجیے کہ متذکرہ بالا واقعے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے احساس ذمہ داری اور سب کے لیے نگرانی کی نگاہ کی کیسی سبق آموز مثال سامنے آتی ہے۔ وہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے حکمران تھے۔ ان کے کندھوں پر بے شمار فرائض اور ذمہ داریوں کا بوجھ پڑا ہوا تھا، اس کے باوجود انھوں نے اپنی مجلس کے ایک فرد کو غیر حاضر پایا تو اس کا فوراً ایکشن لیا۔ اس شخص کے بارے میں پوچھ گچھ کی اور پھر اس کی اصلاح کے لیے کیسا موزوں اور

---

[1] المؤمن 40:1-3. [2] تفسير القرطبي :256/15.

تیر بہدف علاج تجویز فرمایا۔

آج ایک مسلمان بھائی اپنے مسلمان بھائیوں کی نظر سے غائب ہو جاتا ہے تو اول تو کسی کو اس کی عدم موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اگر احساس ہو بھی جائے تو چشم پوشی اور بے حسی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں کوئی کسی سے دریافت کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتا۔ اگر اُسے کسی ہمدردی یا مدد کی ضرورت ہو تو اس کے لیے کوئی قطعاً تکلیف نہیں اُٹھاتا۔ ایسی بے رخی اسلامی اخوت کو مسمار کرنے کے لیے ایک کدال کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ ایسے حالات میں مسلمان کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کاش! ایسا دن جلد آئے کہ مسلمان حقیقی بھائی چارے کی طرف پلٹ آئیں۔ ①

خصوصی مجلسوں سے اجتناب

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ لوگوں کی مجالس عمومی طرز کی ہوں جس میں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے سب لوگ بے تکلفی سے بیٹھ سکیں۔ وہ خصوصی مجلس کے قیام کو ناپسندیدہ چیز سمجھتے تھے کیونکہ ایسی مجالس ایسی سوچوں کا گہوارہ بن جاتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر خصوصی مجلسیں مختلف گروہوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ ②

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے قریشیو! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم اپنی خصوصی مجالس قائم کرتے ہو۔ یاد رکھو! تم میں سے دو آدمی اپنی مجلس قائم کرتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے یہی پوچھتے ہیں کہ فلاں آدمی کا ساتھی کون ہے؟ اور فلاں فلاں آدمی کے دوست کون ہیں؟ یہاں تک کہ تمام مجالس میں یہی بحث گرم

① شهيد المحراب، ص: 208. ② الخلفاء الراشدون لحسن أيوب، ص: 115.

رہتی ہے۔ اللہ کی قسم! تمھارے یہ طور طریقے تمھارے دین کی عزت کو برباد کر دیں گے اور خود تمھارے اندر بہت جلد خرابی پیدا کر دیں گے۔ میری نگاہ تمھارے بعد آنے والوں کو ابھی سے دیکھ رہی ہے۔ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے: فلاں کی رائے یہ ہے۔ اور دوسرا کہہ رہا ہے کہ یہ رائے فلاں فلاں شخص کی ہے۔ گویا لوگوں نے اسلام کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اپنی مجالس کو عمومی بناؤ اور سب مل جل کر بیٹھو۔ اس سے باہمی اُلفت بڑھے گی اور لوگوں پر تمھارا رعب بھی رہے گا۔ ①

حق بات بھی یہی ہے کہ جب دین اور عزت میں ممتاز لوگ عام لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھیں گے اور صرف اپنے جیسے لوگوں ہی کے ساتھ مجالست اختیار کریں گے تو اس طرح خواص کی طرف سے عوام الناس کی تربیت کرنے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

ممتاز شخصیات کا عوام الناس سے اختلاط زبردست افادیت کا حامل ہوتا ہے، یعنی وہ ان کے لیے ایسے اقوال پیش کرتے ہیں جن میں کسی قسم کی کوئی تحریف ہوتی ہے نہ ایسی ملاوٹ جو حقیقت کو مسخ کر دے۔ اس کے برعکس جُداگانہ خصوصی مجالس بلاشک و شبہ پیش آمدہ مسائل میں کثرت آراء کا سبب بنتی ہیں جس کے نتیجے میں دین میں مختلف اقوال کی بھرمار ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں اس دور کے لوگوں اور آنے والی نسلوں کے تحفظ کے آرزومند تھے۔ ②

نظامِ احتساب (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں سے نکالے گئے انھیں جب اللہ عزوجل زمین میں اقتدار عطا فرمائے گا تو وہ زمین میں چار (4) امور کا التزام کریں گے، یعنی ادائے نماز، ادائے زکاۃ، امر بالمعروف

① فرائد الكلام، ص: 116، وتاريخ الطبري: 281/3. ② الخلفاء الراشدون لحسن أيوب، ص: 115.

اور نہی عن المنکر کی پابندی فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○﴾

’’وہ لوگ جنھیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلاشبہ عبادت گاہیں اور گرجے اور (یہودی) عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، خوب غالب ہے۔ (یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔‘‘[1]

علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: یہ دراصل مہاجرین کے اوصاف ہیں جنھیں ان کے مکی گھروں سے بے قصور نکال دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ زمین میں انھیں حکومت عطا فرمائے گا تو یہ نماز اور ادائے زکاۃ کا اہتمام کریں گے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا نظام نافذ کریں گے۔ خُلفائے راشدین کے بعینہ یہی اوصاف تھے جن کو اللہ عزوجل نے حکومت

[1] الحج 22:40،41.

عطا فرمائی اور یہ خلفاء ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم تھے۔ [1]

تاریخ گواہ ہے اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے احکامِ قرآن کے قیام و نفاذ میں عظیم کردار ادا کیا۔ [2] انھوں نے ریاست کے تمام شعبہ جات کی حفاظت فرمائی۔ انھوں نے مالی، سیاسی، سماجی، عدالتی، فوجی اور امور خلافت کے جملہ شعبوں کو منظم کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین ہونے کے ناطے تمام لوگوں کو اللہ کے احکام اور پیغمبر کے فرامین کی تعمیل کا حکم دیا۔ جس سے اللہ اور رسول نے منع فرمایا اس سے رکنے کی تاکید کی۔ اسی طرح انھوں نے اسلامی ریاست میں شامل تمام علاقوں کے عمال کے ذریعے اس منشور کی تکمیل کرائی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام اسلامی ریاستوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے عظیم الشان منشور کو پہچانیں۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عقیدۂ توحید کی حفاظت، دین میں کج روی کے خلاف جنگ اور اسلامی معاشرے میں عبادات کے قیام کا بیڑا اُٹھا رکھا تھا۔ اُنھوں نے ہر خلاف شریعت کام کی حوصلہ شکنی اور ہر موافقِ شریعت کام کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

عقیدۂ توحید کی حفاظت اور بدعت کے خلاف جنگ

اسلامی ریاست کے قیام کا بنیادی مقصد دین اسلام کی حفاظت ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ زندگی بھر اسی مقصد کے حصول کے لیے سرگرم عمل رہے۔ وہ صحیح اور خالص عقیدۂ توحید کی حفاظت کے لیے ہر آن مصروف رہے۔ یہی عقیدہ ان کے دین کی بنیاد تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسی عقیدے کی تعلیم دی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کج رو لوگوں کے شبہات کا مقابلہ اور دین کے اُن دشمنوں کے افکار کا رد کرتے رہے جو تحریف شدہ

[1] أحكام القرآن: 246/3. [2] الحسبة في العصر الراشدي للدكتور فضل إلٰهي، ص: 15.
[3] الحسبة في الإسلام، ص: 6، والسلطة التنفيذية: 309/1.

عقائد اور شیطان کی مزین کردہ خرافات کے پیچھے چلنے والے تھے اور ان کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ صحیح راستے پر گامزن ہیں۔ اس سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار مندرجہ ذیل واقعات سے واضح ہوتا ہے:

دریائے نیل کی دلہن: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک پیغام ارسال فرمایا۔ اس میں انھوں نے باشندگانِ مصر کی اس رسم کا تذکرہ کیا جس کے مطابق وہ ہر سال ایک نوجوان لڑکی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔ قصہ یہ تھا کہ مصری شہریوں نے گورنر مصر جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اے امیر! ہمارے اس دریا کی ایک رسم ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: جب چاند کی بارہویں رات ہوتی ہے۔ ہم ایک کنواری لڑکی اس کے والدین کی اجازت سے حاصل کرتے ہیں۔ ہم اس کے والدین کو جب راضی کر لیتے ہیں تو اسے بہترین زیورات اور ملبوسات سے آراستہ کرتے ہیں، پھر اسے دریائے نیل کی موجوں کے حوالے کر دیتے ہیں، اس طرح دریا روانی پر آجاتا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اہل مصر کو جواب دیا: تمھارا یہ طریقہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام سابقہ تمام جاہلانہ رسم و رواج کی نفی کرتا ہے۔ لوگوں نے کچھ دن انتظار کیا لیکن دریائے نیل روانی میں نہ آیا۔ پانی نایاب ہوا تو نوبت جلاوطنی تک آ پہنچی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ تمام حالات لکھ بھیجے۔

یہ مراسلہ پڑھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا: اے عمرو! تو نے جو کہا ٹھیک کہا۔ میں اپنے اس خط میں اپنا ایک پرچہ ڈال رہا ہوں۔ اسے نیل کے حوالے کر دینا۔ جب یہ خط عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور اس پرچے کو پڑھا گیا تو اس میں یہ عبارت لکھی تھی: ''اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف! امابعد: اے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو نہ چل! ہمیں تیری کوئی ضرورت نہیں

اور اگر تو اللہ واحد قہار کے حکم سے چلتا ہے تو سن لے! وہ تجھے چلائے گا۔ ہم اپنے اللہ عزوجل کے حضور سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے چلائے۔‘‘

کہا جاتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ کاغذ کا ٹکڑا دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔ اگلے دن ہفتے کی صبح نمودار ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی رات میں 16 ہاتھ گہرا پانی جاری کر دیا۔ یوں اہل مصر سے نیل کے سلسلے میں ایک وحشیانہ رسم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔[1]

فی الحقیقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کاغذ کے ٹکڑے کے ذریعے سے توحید کے مطالب و مقاصد بیان فرمائے کہ دریائے نیل اللہ ہی کی مشیت اور قدرت سے جاری ہو گا اور لوگوں کو ان کے گندے عقیدے سے خبردار کیا جو ان کے دلوں میں رچ بس چکا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دینی شعور، دانائی اور سمجھداری سے اس رکیک اور ظالمانہ رسم کو اہل مصر کے دل و دماغ سے کھرچ ڈالا۔[2]

تو ایک پتھر ہے نقصان دے سکتا ہے نہ نفع! عابس بن ربیعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ حجر اسود کے پاس آئے، اسے بوسہ دیا اور فرمایا:

«إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَّا تَضُرُّ، وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ»

’’بلاشبہ مجھے یقین ہے کہ تو محض ایک پتھر ہے۔ نہ تو کسی کو نقصان دے سکتا ہے نہ نفع! اگر میں نے نبی ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔‘‘[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول رسول اللہ ﷺ کی ظاہری اور معنوی اتباع کا کتنا حسین

---

[1] البداية والنهاية: 103,102/7، علامہ علی طنطاوی فرماتے ہیں: ہم نے صرف اس قصہ کی شہرت کے پیش نظر اسے بیان کیا ہے ورنہ یہ سنداً ثابت نہیں ہے۔ [2] فن الحكم، ص: 347. [3] صحيح البخاري، حديث: 1597.

نمونہ ہے۔[1]

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ اس لیے ارشاد فرمائے کیونکہ لوگ زمانۂ قریب میں بتوں کے پجاری رہ چکے تھے۔ وہ اس بات سے خائف ہوئے کہ کہیں جاہل لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ اس پتھر کو بوسہ دینا یا ہاتھ لگانا پتھروں کی تعظیم کی اسی طرح کی ایک قسم ہے جس طرح جاہلیت میں کی جاتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ارشاد سے استلام کا مقصد واضح فرما دیا کہ دراصل یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے زمرے میں آتا ہے۔

پھر ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں امور دین میں شارع علیہ السلام کی فرمانبرداری تسلیم رضا اور حسن اتباع کا بہترین اسوہ پایا جاتا ہے کہ وہ کام ضرور کرنا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، چاہے اس کی حکمت کا علم ہو یا نہ ہو۔ یہ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم قاعدہ ہے۔[2]

اتباع سنت کی عادت اور ہر دم اتباع سنت کا شوق ہی وہ عظیم الشان عمل تھا جس کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نصرتِ ربانی کے مستحق قرار پائے۔ انھیں یقین ہو چکا تھا کہ اتباع سنت فرض ہے۔ اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرمائے گا اور انھیں اپنی مدد اور تائید سے سرفراز کرے گا۔[3]

بیعت رضوان والے درخت کی کٹائی: ابن سعد رحمہ اللہ صحیح سند سے روایت کرتے ہیں کہ نافع بیان فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ بیعت رضوان والے درخت کے پاس آتے ہیں اور وہاں نماز پڑھتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو ایسے لوگوں کو ڈانٹ پلائی اور پھر اس درخت کو جڑ سے کٹوا دیا۔[4]

---

[1] أصحاب الرسول: 161/1. [2] فتح الباري: 591,590/3. [3] من أخلاق النصر في جيل الصحابة، ص: 23. [4] التاريخ الإسلامي: 260/20,19، والطبقات لابن سعد: 100/2.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا توحید کی حمایت و حفاظت کے سلسلے میں ایک عظیم کردار تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فتنوں کی بُو سونگھ لیتے تھے۔ جہاں بھی فتنے پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہوتا تھا وہ فتنے کے تمام اسباب کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ بیعت رضوان والے درخت کے پاس جا کر نماز پڑھنا ایک ایسا عمل تھا جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں بلکہ بعد میں آنے والے کچھ افراد نے شروع کیا تھا۔ یہ ایک بدعت کا آغاز تھا۔ عین ممکن تھا کہ یہ نئی سوچ آگے چل کر مستقل شجر پرستی میں تبدیل ہو جاتی، اس لیے انھوں نے اس درخت ہی کا صفایا کر دیا۔[1]

دانیال علیہ السلام کی قبر: تُسْتَر نامی جگہ میں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر نمودار ہوئی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جوابًا لکھا کہ دن کے وقت تیرہ(13) قبریں کھدواؤ، پھر رات کے وقت اُن کی میت کو کسی ایک قبر میں دفن کر دو اور ان کی قبر کو زمین کے برابر رکھو تاکہ لوگ کسی فتنے میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔[2]

آثارِ انبیاء کو مساجد کا درجہ دینے کی مضرت: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ ایک سفر کے دوران میں انھوں نے کچھ لوگوں کو باری باری ایک جگہ نماز پڑھتے دیکھا۔ انھوں نے دریافت فرمایا: یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی تھی۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے تھے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو مساجد کا درجہ دے دیا تھا، پھر فرمایا: جب نماز کا وقت ہو جائے تو یہاں نماز ادا کر لو ورنہ آگے چل دو۔[3]

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے: شام کے محاذ پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی اُمت کے حق میں مصلحت عامہ کے سوا کچھ نہ تھی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں کی خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ زبردست عقیدت و تعلق سے خائف ہو گئے۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ یہ عقیدہ نہ

---

[1] التاریخ الإسلامي:260/20,19. [2] الفتاوٰی :90/15. [3] الفتاوٰی :235/10. سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس ممانعت کی وجوہات اور تفصیل جاننے کے لیے فتح الباري، الصلاۃ، باب المساجد التي علی طرق المدینۃ کا مطالعہ کیجیے۔

رکھنے لگیں کہ اللہ کی مدد صرف خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ یہ تمام فتوحات خالد رضی اللہ عنہ کی جنگی تجربہ کاری کا نتیجہ ہیں۔ اس طرح لوگ صرف خالد رضی اللہ عنہ پر بھروسا کر لیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ سکھلانے کی کوشش فرمائی کہ مددگار صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ عالی ہے۔ وہ جس کی چاہے مدد فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہی قادر مطلق ہے۔ جو جی چاہے کرے، لہٰذا انھوں نے خالد کی معزولی کا فیصلہ کر لیا اور اپنے مفصل حکم نامے میں اس کی وجہ بیان فرمائی، پھر یہ حکم تمام علاقوں کے گورنروں کی طرف روانہ کر دیا گیا تاکہ عقیدۂ توحید کی حفاظت ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکم نامے میں لکھا: میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، بس لوگ خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے۔ میں نے چاہا کہ انھیں بتا دوں کہ صرف اللہ ہی کی ذاتِ عالی ہے جو ہر کام بناتی ہے۔ ①

اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں: معاویہ بن قرہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کچھ یمنی حضرات سے ہوئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم متوکل لوگ ہیں، یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کرنے والے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم تو زبردستی متوکل بن جانے والے لوگ ہو۔ سچے متوکل تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو پہلے زمین میں دانہ کاشت کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں۔ ②

اقتداء و اتباع نہ کہ بدعت و اختراع: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ برسر منبر ارشاد فرمایا: خبردار! اپنی رائے قائم کرنے والے سنتوں کے دشمن ہیں، یہ لوگ احادیث حفظ کرنے سے قاصر ہیں۔ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں۔ خبردار! ہم تو پیغمبر کی اقتدا کرنے والے ہیں۔ کوئی نیا دین وضع کرنے والے نہیں۔ ہم اتباع اختیار کرنے والے ہیں بدعت ایجاد

① البداية والنهاية : 82/7. ② أصحاب الرسول: 164/1. (إسناده صحيح)

کرنے والے نہیں۔ جب تک ہم منقولات پر کاربند رہیں گے گمراہ نہ ہوں گے۔

عمرو بن میمون اپنے باپ سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! ہم نے جب مدائن فتح کیا تو وہاں ایک کتاب دیکھی۔ اس میں بڑی عجیب باتیں تحریر تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا وہ اللہ کی کتاب تھی؟ اس نے کہا: نہیں! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا کوڑا منگوایا اور اسے مارنے لگے۔ ساتھ ساتھ آپ یہ آیت پڑھتے جاتے تھے:

﴿الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○﴾

”الرا، یہ واضح کتاب کی آیات ہیں، بے شک ہم نے اسے عربی قرآن نازل کیا تاکہ تم سمجھو، (اے نبی!) آپ کی طرف یہ قرآن وحی کر کے ہم آپ کو ایک بہترین داستان سناتے ہیں جبکہ یقیناً اس سے پہلے آپ بے خبروں میں سے تھے۔“[1]

پھر فرمایا: تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں تورات اور انجیل کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پادریوں کی کتابوں پر یقین کر لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی کتابیں مٹ گئیں اور ان میں موجود علم ناپید ہو گیا۔[2]

اسلم بیان فرماتے ہیں: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سُنا، وہ فرماتے تھے: آج کل ہم دورانِ طواف رمل، یعنی تیزی سے کیوں چلتے ہیں، جبکہ اس کا سبب باقی نہیں رہا؟ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ہم وہ عمل ہرگز ترک نہیں کر سکتے جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کرتے تھے۔[3]

---

[1] یوسف 12:1-3. [2] مناقب عمر لابن الجوزي، ص: 23، (منقطع) اس کے مزید طرق ہیں جو اسے تقویت دیتے ہیں۔ [3] محض الصواب: 532/2.

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے بصرہ سے احرام باندھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اس عمل سے روکا اور سخت الفاظ میں فرمایا: لوگ کیا کہیں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے شہر ہی سے احرام باندھ لیا۔ [1]

ابو وائل سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں بیت اللہ میں شیبہ بن عثمان [2] کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اسی جگہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ انھوں نے فرمایا: میری خواہش ہے کہ میں اس بیت اللہ میں موجود تمام خزانے، چاندی اور سونا تقسیم کر دوں۔ میں نے عرض کیا: آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیوں؟ میں نے عرض کیا: اس لیے کہ آپ کے دونوں ساتھیوں نے اس طرح نہیں کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! میں ان دونوں کی اقتدا کرتا ہوں۔ [3]

یہ وہ چند واقعات ہیں جو ہمیں عقیدۂ توحید کی حفاظت اور اتباعِ سنت کے جذبے سے سرشار رہنے اور بدعات کے خلاف برسرِپیکار رہنے کا سبق دیتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عین اسلام کے مطابق توحید کو سمجھا۔ اسے خوب جانا اور پھر اس پر پورا پورا عمل کر دکھایا۔ وہ لوگوں کے ظاہر اور باطن میں موجود ہر قسم کی بت پرستی کے آثار مٹانے کے درپے رہنے اور انسان کے دل و دماغ کے ایک ایک ریشے کو نورِ توحید سے منور کرنے کے آرزومند تھے۔ [4] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایمان کی حقیقت کو اسلامی معاشرے میں اس کی تمام تر جزئیات اور مقاصدِ عظیمہ سمیت راسخ کرنا چاہتے تھے اور شرک کی ہر شکل اور اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ خفی رمق کو بھی نیست و نابود کرنے اور بدعتوں کے خلاف برسرِ پیکار رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔ وہ ہر آن ہر گھڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال و اعمال کی اتباع پر زور دیتے تھے۔

---

[1] محض الصواب: 532/2. [2] شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ قرشی عبدری کعبہ کے دربان تھے۔
[3] محض الصواب: 537/2 (إسناده صحيح). [4] أشهر مشاهير الإسلام لرفيق العظم: 257,256/2.

یہی اُن کا قانون اور یہی ضابطہ تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فاروق اعظم کو کامیابی اور مقبولیت کی بلند ترین مسند پر بٹھا دیا۔ اور وہ لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں زندگی بسر کر کے اس دُنیا سے رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انھیں وسیع تر رحمتوں سے نوازے۔ آمین!

عبادات کا اہتمام

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ ہمارا سارے کا سارا دین دراصل عبادت ہی عبادت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ وہ جامع و نافع نظام ہے جو فرد سے لے کر سماج تک اور گھریلو زندگی سے لے کر ریاست کے اجتماعی نظام تک تمام تر جزئیات سمیت زندگی کے ہر شعبے پر حاوی اور لاگو ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں تمام اُمور کے بارے میں کامل ضابطوں اور جامع قواعد کا حامل لائحہ عمل ہے۔

ایمانیات، اعتقادات، عبادات، ریاست کی تشکیل، اسلامی سیاست، عسکری بندوبست، مالی نظام، معاشرتی استحکام، تہذیبی حسن، معاملات وعقوبات، امن اور جنگ کے زمانے میں طرزعمل، دشمنوں کے ساتھ صلح و جنگ کے اصول، سفارت کے آداب، تجارت کے طریقے حتی کہ گھریلو زندگی میں بھی رہنے سہنے کے اسلوب......، اسلام ان تمام امور کے بارے میں ہماری مکمل رہبری فرماتا ہے اور ہر قسم کے مطلوبہ قوانین وضع کرنے میں بھرپور مدد دیتا ہے۔ ہمارے مذہبی شعائر، مثلاً: نماز، روزہ، زکاۃ اور حج بڑی زبردست اہمیت اور اعلیٰ مرتبے کی عبادات ہیں لیکن یہ سب اُمور مکمل عبادت نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ رب العزت کی بندگی کرنے کا ایک جُز ہیں جسے اللہ تعالیٰ بہت پسندیدہ قرار دیتا ہے۔ عبادت فی الحقیقت زندگی کے ہر لمحے کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنتِ رسول ﷺ کے مطابق بسر کرنے کا نام ہے۔[1] عبادت کا یہی وہ مفہوم ہے جس کے سبب اللہ پاک لوگوں کو زمین میں حاکمیت

[1] فقه التمكين في القرآن الكريم للصلابي، ص: 181.

عطا فرماتا ہے۔ عبادت ہی کی بدولت زندگی میں صحیح اعتقاد پختہ ہوتا ہے، اخلاقی اقدار میں رسوخ پیدا ہوتا ہے اور معاشرتی مسائل کی اصلاح ہوتی ہے۔

اب آپ نماز، زکاۃ، حج، ذکر اور روزے جیسی عبادات کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مستعدی اور انفرادی اور اجتماعی طور پر لوگوں کے قلوب و اذہان میں عبادت کا ذوق بیدار کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کردار ملاحظہ فرمائیں۔

نماز: نبی ﷺ مسلمانوں کو نماز کا حکم فرماتے اور جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کی سخت گوشمالی فرماتے تھے۔ ان کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ ہی کے نقش قدم پر چلے اور جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے بھی نماز جیسی اہم عبادت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، نماز کی ترغیب دلائی اور تارک نماز کا تعاقب فرمایا۔ انھوں نے اپنے تمام گورنروں کو لکھا: تمھارا سب سے بڑا فرض میرے نزدیک نماز ہے۔ جس نے اس کی خود بھی حفاظت کی اور لوگوں سے بھی حفاظت کرائی سمجھ لو کہ اس کا دین محفوظ ہو گیا اور جس نے اسے ضائع کر دیا وہ دیگر دینی عبادات کو بڑی آسانی سے ضائع کرنے والا ہوگا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتہائی خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی۔ اِن کے رونے کی آواز آرہی تھی جو تیسری صف میں بھی سنی جا سکتی تھی۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے نماز فجر میں قرآن کریم کے اس حصے کی تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّمَآ أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِيٓ إِلَى اللهِ ﴾

”میں تو اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ کی

---

[1] الفتاوٰی: 249/10، والموطأ مع شرحه أوجز المسالك: 154/1. [2] حلية الأولياء: 52/1.

جناب میں کرتا ہوں۔"①

اس پر وہ اس قدر روئے کہ ان کی ہچکی بندھ گئی جو آخری صف میں بھی سنائی دے رہی تھی۔②

وہ نماز میں لایعنی عمل کرنے والے سے فرماتے تھے: «لَوْ خَشَعَ قَلْبُ هٰذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ» "اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کا اثر اس کے اعضاء و جوارح سے نظر آتا۔"③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اسلامی لشکروں کی خبر نہ آتی تو قنوت نازلہ پڑھتے تھے④ اور مجاہدین کی کامیابی کے لیے تڑپ تڑپ کر دعائیں کرتے تھے۔ جب اہل کتاب سے معرکہ ہوا تو آپ نے فرض نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی۔⑤

وہ خود کو اور سب لوگوں کو نماز کے بارے میں پابند فرماتے، اس کے سنن و فرائض کا خصوصی اہتمام کرتے۔ لوگوں کو نماز ٹھیک سنت نبوی کے مطابق ادا کرنے کی تلقین فرماتے اور بدعت سے سختی کے ساتھ روکتے تھے۔ ایک دفعہ نماز مغرب میں تاخیر ہو گئی اور مشغولیت کے سبب دو (2) ستارے طلوع ہو گئے تو انھوں نے اس کے فدیے میں دو غلام آزاد فرمائے۔⑥

وہ کسی مؤثر عذر کے بغیر دو (2) نمازیں اکٹھی پڑھنے کو گناہ کبیرہ قرار دیتے تھے۔ عصر کے بعد نفلی نماز سے منع فرماتے تھے۔⑦

جو نماز جمعہ میں دیر سے آتا تھا اس کی گوشمالی فرماتے تھے۔ سالم بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے۔ دوران خطبہ ایک مہاجر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جو سابقین میں سے تھے، مسجد میں داخل

---

① یوسف 86:12. ② الفتاوٰی: 374/10. ③ الفتاوٰی: 154/18. ④ الفتاوٰی: 62/23.
⑤ الفتاوٰی: 91/21. ⑥ التاریخ الإسلامي للحمیدي: 42/20,19، نقلًا عن تاریخ دمشق.
⑦ الفتاوٰی: 98/21 و 23/22.

ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے اُسی وقت پوچھا: یہ کوئی آنے کا وقت ہے؟ انھوں نے عرض کیا: میں ایک کام میں انتہائی مشغول تھا اذان ہوگئی تو میں گھر بھی نہ جا سکا، صرف وضو کیا اور مسجد میں آ گیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا صرف وضو ہی کیا ہے؟ حالانکہ تمھیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن غسل کا حکم دیتے تھے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مساجد میں شوروغل سے منع فرماتے تھے۔ سائب بن یزید فرماتے ہیں: میں مسجد میں تھا کہ اچانک کسی شخص نے مجھے کنکری ماری۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے مجھے آہستہ سے کہا: جاؤ! ان دو(2) آدمیوں کو میرے پاس لاؤ، پھر ان سے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ» ”اگر تم مدینہ کے باشندے ہوتے تو میں تم دونوں کو سزا دیتا۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو!“ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا انتہائی ادب کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا»

”جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے نہ روکے۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی مسجد میں نماز ادا کرتی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو جانتی ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ بیوی نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں اس وقت تک مسجد جانے سے نہ رکوں گی جب تک آپ منع نہ کر دیں اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو وہ

---

[1] صحیح البخاري: 878 اور ملاحظہ کیجیے: فتح الباري: 2/415و430، والخلافة الراشدة للدكتور يحيى اليحيى، ص: 294. [2] صحيح البخاري: 470.

اس وقت مسجد ہی میں تھیں۔ ①

یہ واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اُمورِ شریعت کی قدر دانی اور کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کی درخشندہ مثال ہے۔ انھوں نے سنتِ رسول ﷺ کی خاطر اپنی چاہت کو مغلوب کر لیا۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کے درمیانی حصے میں نماز ادا کرنے کے شائق تھے۔ وہ اپنی عادت کے مطابق نماز پڑھتے تھے۔ جب رات کا آخری حصہ ہو جاتا تو اہلِ خانہ کو بیدار فرماتے اور کہتے: نماز کے لیے جاگو! نماز کے لیے جاگو!! پھر یہ آیت تلاوت فرماتے:

﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ ﴾

''اور اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دیجیے اور (خود بھی) اس پر قائم رہیے، ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں، اور (بہترین) انجام تو (اہلِ) تقویٰ کے لیے ہے۔'' ③

ایک رات وہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو کسی عوامی مسئلے کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے۔ نہ وہ سو سکے، نہ نماز پڑھ سکے۔ فرمایا: اللہ کی قسم! نہ میں سو سکتا ہوں، نہ نماز پڑھ سکتا ہوں۔ کوئی سورت پڑھتا ہوں تو یاد ہی نہیں رہتا کہ شروع میں ہوں یا سورت کے اختتام پر! پوچھا گیا: ایسا کیوں ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: لوگوں کے غم کی وجہ سے! ④

وہ رات کی نماز کی قضا دن کے وقت کر لیا کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے: «مَنْ نَّامَ عَنْ حِزْبِهِ أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ، فَقَرَأَهُ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَ صَلَاةِ الظُّهْرِ، كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ» ''جس شخص کا رات کا وظیفہ (نفلی نماز وغیرہ) یا اس کا کچھ حصہ رہ جائے، وہ اسے فجر اور ظہر کے مابین مکمل کر

---

① صحیح البخاري، حدیث: 5238، و رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے علاوہ بقیہ حصہ دیکھیے، فتح الباري: 383/2، حدیث: 900 کے تحت۔ ② التاریخ الإسلامي: 40/20,19. ③ طٰهٰ 132:20، ومحض الصواب: 635/2. (إسنادہ ضعیف) ④ الفاروق عمر للشرقاوي، ص: 214.

لے تو وہ اس کے لیے لکھ دیا جاتا ہے، گویا اس نے وہ وظیفہ رات ہی کو ادا کیا۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ وہ اذان دیا کریں۔ فرمایا: اگر خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ میں اذان بھی دے سکتا تو ضرور دیتا۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں بے حد عاجزی تھی۔ وہ اپنے پروردگار سے خوب دل لگا کر دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ان کی دعا کے مشہور الفاظ یہ تھے: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِي كُلَّهٗ صَالِحًا وَّلِوَجْهِكَ خَالِصًا وَّلَا تَجْعَلْ لِّأَحَدٍ فِيهِ شَيْئًا» ''اے اللہ! میرے سارے عمل نیک کر دے، اپنی رضا کے لیے خالص کر دے اور یہ ذرہ بھر بھی کسی غیر کے لیے نہ ہو۔ ③

مزید فرماتے: اے اللہ! اگر تو نے مجھے اپنے ہاں بدبخت لکھا ہے تو اسے مٹا دے اور نیک بخت لکھ دے، تو چیز کو مٹانے اور برقرار رکھنے پر قادر ہے۔ ④

فرماتے تھے: مجھے دعا کی قبولیت سے زیادہ دعا کی شرائط کا فکر ہوتا ہے کیونکہ جب مجھے دُعا کا طریقہ آ گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت یقینی بات ہے۔ ⑤

وہ عام لوگوں کو اطاعت گزار لوگوں کے قریب رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ کہتے تھے: تم اطاعت گزار لوگوں کے قریب رہا کرو۔ ان کی ہر بات توجہ سے سنو۔ ان لوگوں کو سچے اُمور الہام ہوتے ہیں۔ ⑥

وہ اپنے اللہ کی یاد میں کھوئے ہوئے انسان تھے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہنا بہت پسند کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے: اے ابو موسیٰ! ہمیں ہمارا رب یاد دلا دے! پھر وہ قرآن پڑھتے تھے تو سب حاضرین سنتے تھے اور بہت روتے تھے۔ ⑦

① صحيح مسلم، حديث: 747. ② الشيخان من رواية البلاذري، ص: 225. ③ الفتاوٰى: 232/1. ④ الفتاوٰى: 275/14. ⑤ الفتاوٰى: 118/8. ⑥ الفتاوٰى: 60/15. ⑦ الفتاوٰى: 51/10.

تراویح: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہ اولین شخصیت ہیں جنھوں نے باجماعت تراویح کا اہتمام فرمایا۔ انھوں نے باجماعت تراویح کا حکم تمام شہروں کے حکام کو ارسال فرمایا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ وہ رمضان المبارک کی ایک رات گھر سے نکلے۔ مسجد کی طرف آئے۔ دیکھا کہ لوگ مختلف ٹولیوں کی شکل میں تراویح ادا کر رہے ہیں۔ کہیں کوئی اکیلا ہی نماز پڑھ رہا ہے تو کہیں ایک مختصر سا گروہ باجماعت تراویح ادا کر رہا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ اگر میں ان سب نمازیوں کو ایک قاری کی اقتدا میں اکٹھا کر دوں تو یہ تراویح کا بہتر طریقہ ہوگا، پھر انھوں نے لوگوں کو ایک ہی امام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر یکجا کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن عبدِ نِالقاری جو اس واقعے کے عینی شاہد ہیں، فرماتے ہیں: پھر میں دوسرے دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر سے نکلا تو دیکھا لوگ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں تراویح ادا کر رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ نیا طریقہ کتنا اچھا ہے۔ جو لوگ سو رہے ہیں، وہ رات کے آخری حصے میں تراویح ادا کریں گے۔ وہ جاگنے والوں سے بہتر ہیں۔ لوگ بہر حال رمضان میں رات کے ابتدائی حصے میں قیام کرتے تھے۔ [1]

اس قصے سے یہ وہم نہیں ہونا چاہیے کہ تراویح کی ابتدا ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ یہ ان کی ایجاد نہیں تھی بلکہ تراویح کا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے جاری تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صرف یہ کیا کہ لوگوں کو ایک ہی قاری کی اقتدا میں جمع کر دیا...... لوگ پہلے متفرق طور پر تراویح ادا کرتے تھے اب یکجا ہو کر ادا کرنے لگے۔ [2]

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور ارشادات عالیہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

[1] صحيح البخاري، حديث: 2010. [2] محض الصواب: 349/1.

”جس نے رمضان المبارک میں بحالت ایمان، ثواب کے حصول کی غرض سے قیام کیا، اس کے تمام سابقہ گناہوں کی بخشش ہو جائے گی۔“[1]

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ رات گئے گھر سے نکلے اور مسجد میں جا کر نماز ادا فرمائی، لوگوں نے بھی ان کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ لوگوں میں اس بات کا چرچا ہو گیا۔ دوسرے دن پہلے سے بھی زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نماز ادا کی۔ صبح کے وقت یہ بات ہر طرف پھیل گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اگلی رات کو جوق در جوق مسجد میں پہنچ گئے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ چوتھی رات اتنے لوگ آئے کہ مسجد میں نہ سما سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے گھر سے نکلے۔ نماز فجر ادا فرمائی، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ خطبۂ حاجت پڑھا، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا»

”امابعد! بلاشبہ تمھارا اس طرح ذوق وشوق سے مسجد میں آنا مجھ پر مخفی نہ تھا۔ لیکن میں اس بات سے ڈرا کہ مبادا نماز تراویح تم پر فرض ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ممکن ہے تم اس میں کوتاہی کرو۔“[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انتقال فرمایا، اس وقت تراویح کا طریقہ اسی طرح تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس یکسانیت کو دیکھ کر ”بدعة“ کا لفظ استعمال کرنا لغوی اعتبار سے تھا کیونکہ کوئی بھی کام جس کی پہلے کوئی مثال موجود نہ ہو لغوی طور پر اس پر بدعت ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو نماز تراویح میں ایک امام کی اقتدا میں جمع کرنا اور پھر تمام شہروں میں باجماعت تراویح کا حکم نامہ ارسال فرمانا، ان کی نماز تراویح سے زبردست

[1] صحيح البخاري، حديث:2009. [2] صحيح البخاري، حديث:2012. [3] الفتاوٰى:23/31.

محبت اور اسے منظّم کرنے کے ذوق کا بین ثبوت ہے۔

زکاۃ، حج اور روزے: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ادائے فریضۂ زکاۃ کا نہایت توجہ سے اہتمام فرمایا۔ انھوں نے زکاۃ کی وصولی کے نظام کو منظّم کیا۔ اس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کی آمدنی میں بڑا اضافہ ہوگیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ادائے فریضۂ زکاۃ اور طریقِ وصولیِ زکاۃ کی تفصیلات اس وقت بیان کریں گے جب ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے شعبہ مالیات کے انتظام کی تفصیل درج کریں گے۔

حج کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے پورے دورِ خلافت میں مسلسل ہر سال حج کرتے رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھوں نے دس (10) حج کیے۔ بعض روایات کے مطابق انھوں نے نو (9) حج کیے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حج کے خصوصی انتظامات پر خاص توجہ دی۔ انھوں نے حج کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی عملے کا تقرر فرمایا اور ریاست کے تمام ذمہ دار حکام کے لیے درج ذیل امور کو فرضِ لازم قرار دیا:

① لوگوں کو حج کے اوقات سے آگاہ رکھنا اور حج کے مشاعر کی طرف سفر کرنا۔

② شریعت کے مطابق لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دینا۔

③ حج کے دوران میں اپنے فرائض ادا کرنا۔

④ شرعی ارکانِ حج کی پیروی کرنا۔

⑤ نماز کی امامت کرانا اور مشروع خطبات دینا۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اولاً حج کی ترغیب دیتے تھے، پھر انھیں حج کرنے کا حکم جاری کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے: میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی ریاست کے تمام شہروں میں اپنے ہرکارے بھیجوں، وہ جا کر بغور جائزہ لیں کہ جو بھی حج کی استطاعت رکھتا ہے مگر حج نہیں

① السلطة التنفيذية: 382/1. ② السلطة التنفيذية: 383/1.

کرتا، اس کے احوال سے مجھے مطلع کریں تاکہ میں اس پر جزیہ عائد کر دوں۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس امر کے بڑے آرزومند تھے کہ حج کے مہینوں کے علاوہ بھی بیت اللہ ہر وقت بارونق رہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ حج کے مہینوں ہی میں عمرہ ادا کر لیتے تھے اور باقی پورا سال عمرے کے لیے نہیں جاتے تھے۔ اس طرح بیت اللہ سال بھر ویران سا رہنے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حج کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی اسی طرح عمرہ ادا کریں جس طرح حج کے دنوں میں کرتے ہیں تاکہ بیت اللہ ایام حج کے علاوہ بھی سال بھر آباد رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اختیار کردہ یہ طریقہ افضل ترین طریقہ تھا۔ اس کا اقرار ان لوگوں نے بھی کیا جن کے نزدیک حج تمتع، افراد اور قران سے افضل ہے۔ اس کے قائل امام احمد وغیرہ ہیں۔ ②

صحیح سند سے ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا غلاف ہر سال صدقہ کر کے لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ③

روزے کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ پر عمل پیرا رہتے۔ وہ ایک دن روزے سے تھے۔ بادل چھایا ہوا تھا۔ انھوں نے اندازہ لگایا کہ سورج غروب ہو گیا ہے، چنانچہ روزہ افطار کر لیا لیکن تھوڑی ہی دیر میں سورج پھر نمودار ہو گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر انھوں نے فرمایا: معاملہ آسان ہے کیونکہ ہم نے تو اجتہاد کیا تھا۔ ④

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ ایک آدمی مسلسل روزے رکھتا ہے۔ وہ اس کے پاس گئے، اسے کوڑا مارا اور فرمایا: مسلسل روزہ رکھنے والے! کچھ کھا! ⑤

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عبادات کے سلسلے میں انتہائی محنت فرماتے تھے۔ وہ بہت زیادہ نفلی نماز ادا کرنے والے تھے۔ مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ آخری عمر میں روزوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔

① فرائد الکلام، ص: 173. ② الفتاوٰی: 26/146,147. ③ الفتاوٰی: 14/31. ④ الموطأ للإمام مالك: 1/303، نقلا عن الخلافة الراشدة، ص: 330. ⑤ فتح الباري: 4/261.

صدقہ و خیرات کرنے میں سب سے آگے تھے۔ ہر سال حج کرتے تھے۔ وہ نبی ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ اُن کے بعد بھی اہل باطل کے خلاف جنگوں میں شرکت کی۔ ان کے دور خلافت میں کفار سے جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان سب کا انھیں بھرپور ثواب ملے گا کیونکہ ان تمام جنگوں کے محرک وہی تھے۔[1] وہ عموماً اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ فرماتے تھے: «عَلَيْكُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّهٗ شِفَاءٌ وَّ إِيَّاكُمْ وَ ذِكْرَ النَّاسِ فَإِنَّهٗ دَاءٌ» ''اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو اس میں شفا ہے۔ لوگوں کا ذکر چھوڑ دو، اس میں بیماری ہے۔''[2] وہ یہ بھی فرماتے تھے: خلوت نشینی کی عادت ڈالو۔[3]

تجارت اور بازاروں کی خبر گیری

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بازار میں تجارت کرنے والوں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ انھیں دین حنیف کے مطابق معاملات طے کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ انھوں نے بازاروں کے احوال کی دیکھ بھال کے لیے بہت سے نگران مقرر کر رکھے تھے۔ انھوں نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے بازار اور عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کو دیگر بازاروں کا نگران مقرر فرمایا تھا۔[4]

سیرت خلفاء کا مطالعہ کرنے والا اس نتیجے پر بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام اسلامی شریعت کے مطابق ہوتا تھا۔ یہ نظام معاشرے کی ترقی کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا حتی کہ ایک مستقل شعبے کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس کی خصوصی طور پر جداگانہ شرائط وضع کی گئیں۔ کچھ شرائط اس کے نگرانوں کے بارے میں، کچھ شرطیں بالفعل اس فرض کو ادا کرنے والوں کے لیے اور کچھ شرطیں ادا

[1] محض الصواب: 637/2. [2] تفسير القرطبي: 336/16، ومحض الصواب: 677/2.
[3] الزهد لوكيع: 517/2 (إسناده صحيح). [4] السلطة التنفيذية: 408/1.

کیے جانے والے اعمال پر عائد کی گئیں۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بازاروں کے معاملات میں سخت ترین احتساب کا اہتمام فرماتے تھے۔ وہ اپنا کوڑا سنبھال کر بنفس نفیس بازاروں کا دورہ کرتے تھے۔ جو تاجر تادیب کا مستحق ہوتا اسے ادب سکھاتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ازار میں ملبوس دیکھا۔ اس میں چودہ (14) پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایک پیوند چمڑے کا تھا۔ وہ ہاتھ میں اپنا کوڑا اٹھائے اس حالت میں بازاروں میں چکر لگا رہے تھے کہ سوائے اس پیوند لگے ازار کے ان کے بدن پر کوئی قمیص تھی نہ گرمی سے بچاؤ کے لیے سر پر لپیٹنے کی کوئی چادر![2]

علامہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کے باوجود بے حد سادہ مزاج تھے۔ وہ اون کا لمبا کرتا پہنتے تھے۔ اس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ وہ اپنا کوڑا کندھے پر رکھے بازاروں کی خبر گیری فرماتے تھے۔ جہاں بھی ضرورت ہوتی اس کے مطابق لوگوں کی اصلاح فرماتے تھے۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے احتساب کی ایک مثال امام مسلم رحمہ اللہ نے مالک بن اوس بن حدثان سے روایت کی ہے۔ انھوں نے کہا: میں بازار گیا۔ میں نے تاجروں سے کہا: کون میرے ساتھ دراہم سے تبادلہ کرے گا؟ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں اپنا سونا دے دو۔ جب ہمارا خادم آئے گا تو ہم تمھیں چاندی دے دیں گے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! تجھے اسے ابھی اسی وقت چاندی دینی پڑے گی ورنہ تجھے اس کا سونا واپس کرنا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

[1] الرقابة المالية في الإسلام للدكتور عوف الكفراوي، ص: 66. [2] الطبقات الكبرٰى: 330/3.
[3] تاريخ الإسلام عهد الراشدين، ص: 268.

''چاندی سونے کے بدلے میں سود ہے مگر جب نقد ہو اور گندم گندم کے بدلے میں سود ہے مگر یہ کہ جب نقد ہو (اور دونوں کا وزن برابر ہو)۔ جو، جو کے بدلے میں سود ہیں مگر یہ کہ نقد ہوں (اور دونوں کا وزن برابر ہو)۔ کھجور کھجور کے بدلے میں سود ہیں مگر یہ کہ نقد ہوں (اور دونوں کا وزن برابر ہو)۔''①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے احتساب کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ ایک دفعہ انھوں نے بازار میں ایک آدمی کو دیکھا۔ اس نے دودھ میں پانی ملا رکھا تھا۔ انھوں نے اس کا دودھ زمین پر بہا دیا۔②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ذخیرہ اندوزی کے سخت خلاف تھے۔ انھوں نے حاطب بن ابی بلتعہ سے دریافت فرمایا: اے حاطب! تو اپنا سودا کس حساب سے بیچتا ہے؟ حاطب نے عرض کیا: میں دو (2) مد کے حساب سے بیچتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: تم ہمارے دروازوں کے سامنے ہمارے ہی علاقوں اور بازاروں سے سودا سلف خریدتے ہو، ہماری گردنوں سے گزرتے ہو اور پیمانہ اپنی مرضی سے مقرر کرتے ہو۔ صاع کے حساب سے سودا بیچو، صاع چار مد کا ہوتا ہے، اگر یہ بات قبول نہیں تو پھر ہمارے بازار میں سودا مت بیچو کہیں اور چلے جاؤ۔ وہاں سے مال خریدو اور جس طرح چاہو بیچو۔③

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بازار گئے، انھوں نے دیکھا کہ تاجروں نے بہت سا فالتو مال ذخیرہ کر رکھا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ تو ہمارے پاس رزق بھیجے اور جب یہ رزق ہمارے بازاروں میں پہنچ جائے تو کچھ لوگ بیواؤں اور مسکینوں کا رزق روک کر اپنے اضافی مال ذخیرہ کر لیں، پھر وہ تاجر انتظار کرتے رہیں کہ جب باہر سے مال لے کر آنے والے اپنا مال بیچ کر چلے جائیں تو پھر مرضی کا بھاؤ مقرر کریں۔

---

① صحيح مسلم، حديث: 1586. ② الحسبة في الإسلام لابن تيمية، ص: 60، والحسبة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 24. ③ موسوعة فقه عمر بن الخطاب لقلعجي، ص: 28.

میں اعلان کرتا ہوں کہ آج کے بعد کوئی بھی باہر سے ہمارے بازار میں اونٹوں کا قافلہ لانے والا تاجر جو بھی مال لائے گا، چاہے موسم سرد ہو یا گرم، وہ عمر کا مہمان ہو گا، وہ جلد بازی نہ کرے بلکہ جس طرح جی چاہے بیچے اور نہ چاہے تو نہ بیچے۔

مسلم بن جندب فرماتے ہیں: ایک دفعہ مدینے میں کھانے کا سامان آیا۔ بازار کے تاجر آئے اور وہ سامان خرید کر لے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے فرمایا: اے بازار والو! کیا تم ہمارے بازاروں میں تجارت کرتے ہو؟ لوگوں کو بھی اس میں شریک کرو۔ تم یہاں سے نکلو۔ باہر جاؤ، وہاں سے مال خرید کر لاؤ اور پھر بیچو۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ذخیرہ اندوزی کو صرف انسان اور جانوروں کی خوراک تک ہی محدود نہ رکھتے تھے۔ وہ ہر اس مال کا ذخیرہ کرنے سے منع فرماتے تھے جس کی مارکیٹ میں مانگ ہوتی تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ موطا میں روایت فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے بازاروں میں ذخیرہ اندوزی منع ہے۔ لوگ اپنے زائد مال کو یہ دیکھ کر ذخیرہ نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ہمارے بازار میں رزق مہیا فرما دیا ہے، جب وہ بک جائے گا، تب وہ اپنا مال مہنگے داموں بیچیں گے۔ آج کے بعد کوئی بھی باہر سے مال لانے والا جو اپنے کندھے پر مال اُٹھائے ہو گا، سردی ہو یا گرمی، وہ ہمارا مہمان ہو گا، وہ جلد بازی نہ کرے۔ جس طرح جی چاہے سکون کے ساتھ اپنا مال بیچے۔ [2]

جن نصوص کا میں نے تذکرہ کیا ہے اُن کا مقصد ذخیرہ اندوزی کی ممانعت ہے۔ ذخیرہ اندوزی سے من مانے بھاؤ مقرر کیے جاتے ہیں۔ اس طرح فقراء، مساکین اور یتیم متاثر ہوتے ہیں جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حاطب سے کی گئی گفتگو سے عیاں ہوتا ہے۔ حاطب دو مد کے حساب سے مال بیچ رہے تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا: تم ہمارے دروازوں کے سامنے ہمارے ہی علاقوں اور بازاروں سے سودا سلف خرید لیتے ہو، ہماری

[1] موسوعة فقه عمر، ص: 28. [2] موسوعة فقه عمر، ص: 29.

گردنوں سے گزرتے ہو، پھر اپنی مرضی سے بیچتے ہو، ایسا نہ کرو۔ صاع کے پیمانے سے بیچو۔

ذخیرہ اندوزوں کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ذخیرہ اندوزی میں کمزور طبقے کا استحصال ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ ہمارے پاس لوگوں کے ذریعے سے رزق بھیجتا ہے۔ جب یہ باہر سے آنے والے تاجر ہمارے بازار میں آجاتے ہیں تو کچھ لوگ اپنا سامان ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ اس طرح مساکین اور بیوائیں متاثر ہوتی ہیں۔ جب یہ آنے والے تاجر اپنا سامان بیچ کر چلے جاتے ہیں تو پھر ذخیرہ اندوز حضرات اپنے اموال من مانی قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان ذخیرہ اندوزوں کے بارے میں نہایت سخت ریمارک دیے تھے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکثر اوقات عوام الناس اور تجار کی سہولت اور اشیائے ضرورت کا بھاؤ مناسب سطح پر لانے کے لیے بذاتِ خود ضروری ہدایات جاری فرماتے تھے۔

ایک دفعہ ایک آدمی تیل لے کر آیا اور بازار کے بھاؤ کے بجائے اپنے بھاؤ سے بیچنے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا تو تم اپنا سودا بازار کے بھاؤ بیچو، ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم تمھیں اپنے نرخ پر مجبور نہیں کریں گے، پھر اس آدمی کو وہاں لوگوں سے دُور روانہ کردیا۔[2]

تجارت پیشہ افراد کے لیے حلال و حرام کی پہچان: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایسے آدمی کو کوڑے مارتے تھے جو تجارت کی غرض سے بازار میں بیٹھ جاتا اور اسے تجارت کے اسلامی احکام کا علم نہ ہوتا۔ وہ فرماتے تھے: «لَا يَقْعُدْ فِي سُوقِنَا مَنْ لَّا يَعْرِفُ الرِّبَا» ”جسے سود کے بارے میں کوئی علم نہ ہو وہ ہمارے بازار میں تجارت کے لیے نہ بیٹھے۔“[3]

وہ بازاروں کا چکر لگاتے اور کبھی کسی کو کوڑے بھی مارتے اور فرماتے: ہمارے بازار

---

[1] موسوعة فقه عمر، ص: 29. [2] تاريخ المدينة المنورة: 749/2، وموسوعة فقه عمر، ص: 177. [3] نظام الحكومة الإسلامية للكتاني: 17/2.

میں وہ آدمی کاروبار کرے جو عالم ہو بصورتِ دیگر وہ سمجھ لے کہ وہ دانستہ یا نادانستہ سود کھا رہا ہے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ریاست کے تمام معاملات و مسائل یکساں اہمیت کے حامل تھے۔ وہ کسی بھی معاملے میں کوتاہی کے قائل نہ تھے۔ وہ کسی بھی حالت میں حاکم کے لیے سستی کو ناقابلِ تصور سمجھتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منڈیوں کی اصلاح کے لیے قواعد وضع فرماتے اور وصولی و ادائیگی کے طریقے منظّم فرماتے۔ تجارت میں استحکام اور ٹھہراؤ کو یقینی بناتے۔ ان کے قواعد کی بدولت نہ دھوکے کی گنجائش ہوتی نہ ملاوٹ کی۔ وہ ذخیرہ اندوزی کا سختی سے سد باب کرتے تھے۔ انھوں نے شراب یا کسی اور کالے دھندے کا ہر امکان ختم کر دیا۔ انھیں تجارتی دنیا میں کوئی جہالت اور ناجائز بات قطعًا قبول نہ تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تجارت کے لیے نہایت مختصر مگر جامع فیصلہ صادر فرمایا کہ جو آدمی اسلامی آدابِ تجارت سے واقف نہ ہو وہ ہمارے بازار میں تجارت نہ کرے۔ اس طرح انھوں نے خرید و فروخت کے معاملات میں ہر خرابی کا دروازہ بند کر دیا۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قانون آج کل کی دنیا میں جاری ہونے والے قوانین میں سے اس قانون سے کس قدر مماثلت رکھتا ہے: جس شخص کو کسی کام کے بارے میں مطلوبہ عملی لیاقت کی ڈگری حاصل نہ ہو وہ شخص وہ کام نہیں کر سکتا۔ ③

آج کل ملکی سطح پر بازاروں کا نظام منظّم کرنے اور اس پر نگرانی مؤثر بنانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بازاروں کو ضابطے میں رکھنے کے لیے منڈیوں میں خاص تجارتی مراکز تعمیر کیے جاتے ہیں یا کوئی جگہ مخصوص کی جاتی ہے جہاں سے تجار کی اصلاح، راہنمائی اور آگہی کے لیے انھیں ایک ضابطے میں رکھا جاتا ہے۔ اس طرح سب لوگ سکون سے رہتے ہیں۔ اس

---

① نظام الحكومة الإسلامية: 17/2. ② شهيد المحراب، ص: 209. ③ شهيد المحراب، ص: 209.

عظیم کام کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کو اولیت اور مسابقت نصیب ہوئی۔ انھوں نے تجارتی نظام کو بے لگام نہیں چھوڑا۔ انھوں نے بہت سے نگران مقرر فرما رکھے تھے جو اس نظام کی حفاظت اور تنظیم کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے سلیمان بن حثمہ کو منڈیوں کا انچارج بنایا تھا جبکہ سائب بن یزید اور عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود کو ان کا معاون خاص اور عامل مقرر کیا تھا۔ یوں تجارتی شعبے کا ایک نگران اعلیٰ اور پھر اس کے ماتحت بہت سے نگران ہوتے تھے۔ بلاشبہ منڈیوں کی اس نظم بندی اور سہولت سے عوام کے لیے بڑی آسانیاں پیدا ہوئیں۔ وہ اپنی ضروریات پورا کرنے کے سلسلے میں بہت سی صعوبتوں کا سامنا کرنے سے بچ گئے۔ جب حاکم وقت تجارت کا نظام ٹھیک رکھنے کے بارے میں اس قدر توجہ دلاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے بھی اجر کا مستحق قرار پاتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تمام اقدامات بالکل درست، صحیح سالم، پوری طرح قابل عمل اور نتیجہ خیز تھے۔ ان مفید اقدامات نے ثابت کردیا کہ اسلام دنیا بھر میں زندگی کے ہر ہر گوشے میں ہر جگہ اور ہر زمانے کے لیے موزوں ہے جو ہر دور کی نسل کو ترقی کا راستہ دکھاتا ہے اور تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچاتا ہے۔ اسلام کسی کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ نہیں۔ اسلام کسی کو بے آسرا نہیں چھوڑتا۔ وہ سب کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتا ہے۔[1]

محنت اور کمائی کی ترغیب: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں کو محنت مزدوری کرنے اور حصول رزق کے لیے تگ و دو کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، ہم مغرب کے علاقے میں تھے۔ میرے پاس سامان کی ایک گٹھڑی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ تیرے پاس کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ سامان کی گٹھڑی ہے۔ میں اس سے بازار میں تجارت کروں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے قریشیو! سیرین اور اس جیسے دیگر حضرات تجارت میں تم پر غالب نہ

[1] شهيد المحراب، ص: 210.

آ جائیں کیونکہ تجارت خلافت و امارت کا تیسرا ستون ہے۔ حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو آدمی تین دفعہ ایک ہی جنس کی تجارت کرے اور نفع نہ ہو تو اسے کسی دوسرے کام کی تجارت کرنی چاہیے۔ ①

مزید فرمایا: «تَعَلَّمُوا الْمِهْنَةَ فَإِنَّهُ يُوشِكُ أَنْ يَّحْتَاجَ أَحَدُكُمْ إِلٰى مِهْنَتِهٖ» ''کوئی نہ کوئی فن ضرور سیکھا کرو۔ ممکن ہے تمھیں اس کی ضرورت پیش آ جائے۔'' ②

مزید فرمایا: اگر تجارت نہ ہوتی تو تم لوگوں کے دست نگر ہوتے۔ ③

مزید فرمایا: کمائی کا کوئی بھی ذریعہ چاہے وہ کتنا ہی حقیر اور ہلکا نظر آتا ہو، لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بدرجہا بہتر ہے۔ ④

مزید فرمایا: جب تم میں سے کوئی اونٹ خریدے تو بڑا اور موٹا تازہ اونٹ خریدے اگر نہ ملے تو اس کی تلاش میں دوسرے بازار کا رُخ کرے۔

مزید فرمایا: اے فقراء کی جماعت اپنے سر اٹھاؤ۔ تجارت کرو، اب راستہ واضح ہو چکا ہے اب تم لوگوں پر بوجھ مت بنو۔ ⑤

یہ بھی فرمایا: تم میں سے کوئی بیٹھے بٹھائے محض یہ دعا ہی نہ کرتا رہے: اے اللہ! مجھے رزق دے۔ ایسے شخص کو یقین کر لینا چاہیے کہ اس پر آسمان سے سونے چاندی کی برسات نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ یہ ہے کہ وہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے رزق عطا فرماتا ہے، پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو،

① نظام الحكومة النبوية :20/2. ② نظام الحكومة النبوية:20/2. ③ نظام الحكومة النبوية : 20/2. ④ نظام الحكومة النبوية : 20/2. ⑤ فرائد الكلام، ص : 129، وتنبيه الغافلين للسمرقندي، ص:211.

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، شاید تم فلاح پاؤ۔“ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب کسی نوجوان کو دیکھتے اور وہ انھیں اچھا معلوم ہوتا تو دریافت فرماتے: کیا تجھے کوئی کام آتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ملتا تو فرماتے: یہ نوجوان میری نظر سے گر گیا ہے۔ ②

مزید فرمایا: جہاد کے بعد میری سب سے محبوب تمنا یہ ہے کہ میری موت ایسی حالت میں آئے کہ میں اپنے کجاوے کی شاخوں کے درمیان رہ کر اللہ کی زمین میں اس کا فضل تلاش کر رہا ہوں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ﴾

”کچھ دوسرے لوگ زمین میں سفر کر رہے ہوں گے، (جو) اللہ کا فضل تلاش کر رہے ہوں گے۔“ ③

مسلمانوں کی سرکردہ شخصیات کو تجارت کی ترغیب: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بازار میں آئے، دیکھا کہ وہاں غالب اکثریت نبطیوں (عراق کے عجمیوں) کی ہے۔ وہ اُداس ہو گئے۔ لوگ جمع ہوئے تو انھوں نے لوگوں کو اس صورتِ حال کی خبر دی اور ترک تجارت پر ملامت کی۔ لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتوحات کے ذریعے سے تجارت سے بے نیاز فرما دیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اسی طرح رہے تو یاد رکھو کہ تمھارے مرد دوسرے مردوں کے اور عورتیں دیگر عورتوں کی دست نگر بن جائیں گی۔ ④

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ان ممتاز افراد کے بارے میں بڑے متفکر ہو جاتے تھے جو جہاد میں مصروف نہ ہونے کے باوجود تجارت سے غافل رہتے تھے۔ وہ ایسے لوگوں پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ ⑤

① الجمعة 10:62. نظام الحكومة الإسلامية : 20/2. ② نظام الحكومة الإسلامية : 20/2.
③ المزمل 20:73. نظام الحكومة الإسلامية : 20/2. ④ نظام الحكومة الإسلامية : 18/2.
⑤ الدولة الإسلامية في عصر الخلفاء الراشدين، ص : 161.

رات کے گشت کی صورت میں رعایا کی خبر گیری

بلاشبہ چوکیداری کا نظام محکمۂ پولیس کی خشتِ اول ہے۔ بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں چوکیداری نظام کے نگران اعلیٰ تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری خود سنبھالی۔ کبھی وہ اپنے ساتھ اپنے غلام اسلم کو رکھتے اور کبھی عبدالرحمٰن بن عوف کو!

درحقیقت چوکیداری کا مقصد چوروں، فسادیوں اور شر پھیلانے والوں کا تعاقب کرنا ہے۔ اس چوکیداری نظام کو محکمہ پولیس کی ابتدائی شکل بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ اہل ایمان دن کے وقت کسی بھی ناپسندیدہ امر کو روکنے اور اپنی حفاظت کرنے کی خود طاقت رکھتے تھے اور جب وہ سو جاتے تھے تو چوکیدار اُن کی حفاظت کرتے تھے۔ جب فسادی بڑھنے لگے اور دن کی روشنی میں بھی خلاف شریعت کام ہونے لگے تو دن کے وقت بھی حفاظتی اقدامات کی ضرورت محسوس ہوئی تو محکمۂ پولیس معرضِ وجود میں آیا۔ صحیح تعبیر کے مطابق محکمۂ پولیس مستقل چوکیداری ہی کا فرض انجام دیتا ہے۔ [1]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خود مسلمانوں کی نگہبانی فرماتے تھے۔ ان کے اس عمل نے اسلامی معاشرے کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ان دنوں مدینہ طیبہ اسلامی ریاست کا دارالخلافہ ہونے کے ساتھ ساتھ فرزندانِ اسلام کا گہوارہ اور احکامِ ریاست جاری ہونے کا مرکز تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینہ طیبہ کے راستوں میں گشت فرماتے تھے تاکہ اپنے عمال کی طرف سے کی جانے والی کوئی کوتاہی یا پوشیدہ رکھا گیا کوئی معاملہ خود دیکھ سکیں اور اس کا مداوا کرسکیں۔ انھوں نے بہت سے ایسے قواعد وضوابط وضع فرمائے جن کی ضرورت تھی اور بہت سے ایسے اصول وضوابط ختم کردیے جن کی کوئی ضرورت باقی نہ تھی۔

---

[1] عبقرية الإسلام في أصول الحكم، ص: 322.

اس سلسلے کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:[1]

نومولودوں کے وظیفے کا اجرا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم بیان فرماتے ہیں: ایک دفعہ مدینہ منورہ میں کچھ تاجر آئے۔ انھوں نے عید گاہ میں پڑاؤ ڈالا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیوں نہ آج ہم ان لوگوں کی چوکیداری کریں؟ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے موافقت فرمائی۔ دونوں رات کے وقت ان کی نگہبانی میں مصروف رہے اور نماز پڑھتے رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو اس کی ماں سے کہا: اللہ سے ڈر اور اپنے بچے کا خیال کر، پھر واپس اپنی جگہ آ گئے۔ رات کے آخری حصہ میں بچے کی دوبارہ آواز سنی تو دوبارہ فرمایا: تجھ پر افسوس! تو کیسی ماں ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں رات بھر تیرا بچہ سکون سے نہیں سویا، تو اس خاتون نے کہا: اے اللہ کے بندے! میں اسے کھانا کھلانا چاہتی ہوں لیکن یہ کھاتا ہی نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیوں نہیں کھاتا؟ اس نے کہا: کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ضابطہ ہے کہ وہ دودھ چھڑائے گئے بچے کا وظیفہ مقرر فرماتے ہیں۔ انھوں نے ہر دودھ چھڑائے ہوئے بچے کا وظیفہ مقرر کر رکھا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تیرے بیٹے کی عمر کتنی ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ چند مہینوں کا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کر، پھر صبح کی نماز پڑھی تو دوران نماز میں ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ شدتِ گریہ سے ان کی قراءت کی آواز بھی لوگوں تک نہ پہنچی۔ بعدازاں فرمایا: اے عمر! تیرا برا ہو تو نے کتنے مسلمانوں کے بچے قتل کر ڈالے، (ان سے فیاضی کا سلوک نہیں کیا) پھر ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے: اے لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلد بازی سے کام نہ لو ہم ہر مسلمان بچے کا وظیفہ مقرر کیے دیتے ہیں، پھر انھوں نے یہ حکم نامہ پوری اسلامی ریاست میں ارسال فرمایا۔[2]

---

[1] فن الحکم، ص: 264. [2] البدایة والنهایة: 140/7.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا معاشرہ کتنا بلند پایہ معاشرہ تھا۔ وقت کے سب سے بڑے فرمانروا نے انصاف کو کس معراج تک پہنچا دیا تھا جس کے سبب ہر مسلمان بچے کا نام وظائف پانے والوں کی فہرست میں لکھا گیا اور بیت المال سے اس کا حصہ مقرر ہو گیا کیونکہ بیت المال پر تمام مسلمانوں کا یکساں حق ہے۔ اس کا تمام تر ذمہ دار وہ شخص ہے جسے لوگوں نے اس کا امین اور نگران مقرر کیا ہے، لہٰذا اس کے لیے قطعًا جائز نہیں کہ وہ بیت المال کا کوئی پیسہ ناحق خرچ کرے یا کسی مستحق کا واجب وظیفہ بند کرے یا روک لے۔

فوجیوں کی گھروں سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ مدت: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حسب معمول ایک رات چوکیداری کا فرض انجام دے رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ گشت کرتے کرتے مدینے کی ایک بستی سے گزرے۔ وہاں ایک مکان سے ایک عورت کی انتہائی درد انگیز صدا سنائی دی۔ وہ اشعار کی زبان میں کہہ رہی تھی:

''آج کی رات لمبی ہو گئی۔ ستارے گردش میں ہیں۔ میں جاگ رہی ہوں۔ میرے پاس میرا رفیقِ زندگی نہیں ہے کہ میں اس سے کھیلوں۔ اندھیری رات میں اس کی روشنی چاند بن کر چمک رہی ہے۔ جو ہستی اُس سے دل بہلائے گی وہ کتنی خوش نصیب ہو گی۔ وہ پتلی کمر والا اپنے خاندان کا منظورِ نظر ہے۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو پوری کائنات کی پروا کیے بغیر اس چارپائی کی چُولیں توڑی جا چکی ہوتیں۔ میں صرف اُس ہر گھڑی نگرانی فرمانے والے سے ڈرتی ہوں جس کی طرف سے مقرر کردہ فرشتہ ایک پَل کی کوتاہی بھی لکھ لیتا ہے۔''①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کو ملبوسات اور کچھ خرچہ مرحمت فرمایا اور محاذ جنگ کے سالار کو حکم بھیجا کہ اس کے شوہر کو فوراً واپس بھیج دیا جائے۔②

① محض الصواب: 388/1 (سند منقطع ہے)۔ ② مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 89.

ایک روایت کے مطابق پھر وہ اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر گئے۔ انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ اس وقت کیسے تشریف لائے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پیاری بیٹی! یہ تو بتاؤ کہ عورت اپنے خاوند سے (دوری پر) کتنی مدت تک صبر کر سکتی ہے؟ حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: وہ ایک، دو اور تین مہینے تک صبر کر سکتی ہے جب چوتھا مہینہ ختم ہو جائے تو اس کا صبر جواب دے جاتا ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم نامہ جاری فرمایا: لَا تُحْبَسُ الْجُيُوشُ فَوْقَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ''چار (4) مہینے سے زیادہ دیر تک کسی فوجی کو محاذ جنگ پر نہ رکھا جائے۔''[1]

کسی بھی مجاہد کے اپنی بیوی سے دور رہنے کی یہ مدت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بصیرت و حکمت کی آئینہ دار ہے، لہٰذا اس حکم پر سب متفق ہو گئے۔[2]

جو مجاہدین اپنے احوال کی مناسبت سے اس مدت کی پاسداری نہ کرنا چاہتے، ان کے لیے الگ نظام وضع کیا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے کمانڈروں کو حکم نامہ بھیجا کہ وہ ان مجاہدین سے صاف بات کریں جو لمبے عرصے تک اپنے گھر نہیں جاتے۔ نہ اپنی بیویوں کو خرچہ بھیجتے ہیں۔ ایسے مجاہدین کو تاکید کی جائے کہ وہ اپنی بیویوں کے پاس واپس آئیں یا انھیں مناسب خرچہ ارسال کریں ورنہ انھیں طلاق دیں اور طلاق کی صورت میں پچھلے تمام واجبات ادا کریں۔[3]

مجاہدین کی عزتوں کی حفاظت: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے چوکیدارانہ نظام کی برکت سے مجاہدین کی عزتیں محفوظ ہو گئیں۔ ایک رات وہ مدینہ کے گلی کوچوں میں گھوم رہے تھے۔ ایک مکان سے اشعار پڑھنے کی آواز آئی۔ ان اشعار سے اٹکاؤ اور لگاؤ کی قابلِ گرفت بو آ رہی

---

[1] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 89، وأوليات الفاروق، ص: 289. [2] أوليات الفاروق، ص: 289. [3] أوليات الفاروق، ص: 170.

تھی۔ ایک عورت رات کے سناٹے میں شراب پینے اور ایک خوبصورت نوجوان سے آرزوئے ملاقات کا اظہار کر رہی تھی۔ اس کی یہ آرزو یا تو برحق تھی یا وہ عورت حقیقت سے قطع نظر محض دل بہلانے کے لیے یہ عاشقانہ اشعار گنگنا رہی تھی۔ بہرحال ظواہر کے اعتبار سے یہ اشعار قابلِ گرفت ہی قرار پاتے تھے۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

''کیا مجھے شراب مل سکتی ہے؟...... میں شراب پینا چاہتی ہوں کیا نصر بن حجاج سے ملاقات کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سن لیے اور صبح کے وقت فوراً نصر بن حجاج کو طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوا۔ وہ انتہائی خوبرو اور لمبے بالوں والا نوجوان تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بال مُنڈوا دیے۔ بال منڈوانے کے بعد وہ زیادہ خوبصورت لگنے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پگڑی باندھنے کا حکم دیا۔ پگڑی باندھ کر وہ اور بھی زیادہ حسن و جمال کا پیکر نظر آنے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مدینہ بدر کر کے بصرہ بھیج دیا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام عورتوں کو فتنے سے بچانے، برائی کا دروازہ بند کرنے اور ان مجاہدین کی عزتیں محفوظ رکھنے کے لیے کیا جو اللہ کے راستے میں محو جہاد تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام ان کی بے خطا ذہانت، بصیرت اور مصلحت عامہ کے لیے اُن کی حکمت و دانائی کا نادر شاہکار تھا۔ نصر بن حجاج کی خوبصورتی، اس کی زبردست کشش و جاذبیت، مجاہدین کا گھروں سے دُور سرحدوں پر ہونا اور مدینہ میں ہر قسم کے امن اور راحت کا ماحول موجود ہونا، یہ سب اسباب مل کر ایک بڑے فتنے کا دروازہ کھول سکتے تھے۔ بہتر یہی تھا کہ اس فتنے کا سبب بننے والے نوجوان کو کارزار جہاد کے کسی علاقے میں بھیج دیا جائے۔ تاکہ وہ وہاں جا کر جنگی مہارت حاصل کر لے اور محاذ پر موجود اپنے جنگی لیڈروں اور دیگر افراد کی دلیریوں سے استفادہ کر سکے۔ ان دنوں بصرہ شہر بڑی فوجی

[1] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص:91. (اس واقعے کی سند ضعیف ہے۔)

اہمیت اور حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ ایسا شہر ہی اس جیسے نوجوان کا مؤثر علاج تھا۔ [1]

جب اس شعر پر گنگنانے والی خاتون کو اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ خوف زدہ ہوگئی۔ اسے اندیشہ ہوا کہ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے سزا دیں گے، چنانچہ اس نے حیلے سے کام لیا۔ اور چند اشعار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجے، ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

اس خلیفۂ وقت سے کہہ دیجیے جو بڑا بردبار ہے......، میرا شراب یا نصر بن حجاج سے کیا واسطہ!

میں نے تو ان دونوں باتوں کے علاوہ صرف ابوحفص کا تذکرہ کیا تھا......، دودھ پینے اور اس کی خمار آلود عاجز نگاہ کا تذکرہ کیا تھا۔

بلاشبہ اس نے خواہشات کو تقوے کی لگام ڈال کر باندھ دیا ہے......، یہاں تک کہ خواہشات نے لگام اور کاٹھی ڈالنے کا اقرار کیا ہے۔

آپ اپنے گمان کو حقیقت خیال نہ کیجیے......، بلاشبہ معاملہ ایک اللہ سے ڈرنے اور اس کی رحمت کی اُمید پر مبنی ہے۔

یہ اشعار سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کو لکھا: مجھے تیری طرف سے خیر اور بھلائی ملی ہے۔ میں نے نصر بن حجاج کو تیری وجہ سے جلاوطن نہیں کیا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ مجھے خبر ملی تھی کہ وہ عورتوں کے پاس آمدورفت رکھتا ہے، اس لیے مجھے فتنے کا اندیشہ ہوگیا......۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو دیے اور فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے زیبا ہیں جس نے خواہشات کے گھوڑے کو لگام اور زین ڈال کر باندھ دیا اور خواہشات نے اس کا اعتراف بھی کر لیا۔ [2]

پھر کچھ مدت کے بعد ایک موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل بصرے کے گورنر کو

---

[1] أوليات الفاروق، ص: 82. [2] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 92. (سند ضعیف ہے۔)

ایک خط لکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایلچی وہاں کئی دن رکا رہا۔ ایک دن اعلان ہوا کہ مسلمانوں کا ایلچی واپس جا رہا ہے اگر کوئی واپسی کے لیے اپنا نامہ بھیجنا چاہتا ہے تو وہ اپنا نامہ جلد از جلد پہنچا دے۔ یہ سن کر نصر بن حجاج نے بھی ایک خط لکھا اور اسے دوسرے دیگر خطوں میں چھپا دیا۔ اس خط میں اس نے لکھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط اللہ تعالیٰ کے بندے امیر المومنین کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر سلامتی ہو۔ اما بعد! پھر کچھ اشعار لکھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

مجھے اپنی عمر کی قسم! آپ نے مجھے مدینے سے نکالا اور رسوا کیا، آپ نے جو سلوک کیا وہ آپ کے لیے روا نہ تھا۔

آپ نے مجھے بے قصور، بلا جرم مدینہ سے جلاوطن کیا، حالانکہ میرا حرمین شریفین میں ایک خاص مقام تھا۔

اگر کوئی حسینہ کسی دن کوئی آرزو کر بیٹھے جبکہ عورتوں کی اکثر تمنائیں محض فریب ہوتی ہیں۔

تو کیا آپ میرے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جائیں گے؟ اس کے بعد اب بقا کا کوئی تصور ہی نہیں۔ اب میں کسی مجلس میں کلام کے قابل نہیں۔

میری پاکبازی پر میرے خاندان کے نیک اور باعزت بزرگ اس گمان کی تردید کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

بس یہ ہم دونوں کی حقیقت ہے۔ کیا اب آپ مجھے واپس بلا لیں گے؟ اب تو میری طاقت اور بلندی دونوں چیزیں ختم ہو گئی ہیں۔

اے امام الہدیٰ! ایک مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہ دیں کیونکہ اس کی عزت اور پاسداری معروف ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھا اور ارشاد فرمایا: جب تک میری خلافت رہے اس وقت

تک یہ فیصلہ بدلنا ممکن نہیں، چنانچہ نصر بن حجاج بصرہ ہی میں مقیم رہا تا آنکہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ ①

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گشت کر رہے تھے، انھیں اچانک کچھ عورتوں کی گفتگو سنائی دی، وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں: بتاؤ مدینے کا سب سے زیادہ خوبصورت بانکا جوان کون ہے؟ ان میں سے ایک خاتون نے جواب دیا: وہ ابو ذؤیب ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو ذؤیب کو طلب فرمایا۔ وہ آیا تو مردانہ حُسن کا ایک شاہکار نکلا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا: یقیناً تو عورتوں کے لیے بھیڑیا ہے۔ یہاں سے فوراً چلا جا۔ ہمارے ہاں مدینے میں کبھی نہ رہنا۔ نوجوان نے عرض کیا: اگر آپ جلاوطن ہی کرنا چاہتے ہیں تو مجھے میرے چچا نصر بن حجاج کے پاس بھیج دیجیے۔ یہ دونوں افراد بنوسلیم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ غرضیکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو ذؤیب کو بھی بصرہ بھیج دیا۔ ②

مذکورہ اقدامات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کیسی کیسی گراں قدر صفات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ وہ مسلمانوں کے معاشرے میں پاکدامنی کو کس قدر زبردست اہمیت دیتے تھے، امتِ مسلمہ کے کس قدر خیر خواہ تھے، بالخصوص انھیں خواتین کی عزت و تکریم کا کس قدر قوی احساس تھا کہ وہ ان کے لیے لغزش کا ادنیٰ سے ادنیٰ امکان بھی ختم کر دیتے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انھیں کتنی محکم اور مؤثر قوتِ نافذہ میسر تھی، وہ جو حکم بھی دیتے تھے کسی بڑے سے بڑے طاقتور شخص کو بھی اس سے انکار کی مجال نہیں تھی۔ یقیناً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جامع کمالات، نہایت نڈر اور شیر دل لیڈر تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت لشکروں کی تگ و تاز، ان کی ترتیب و تہذیب، ان کی یکجائی

① مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 93,92. ② الشيخان من رواية البلاذري، ص: 212,211.

اور پھر انھیں مختلف محاذوں پر روانہ کرنے کا دور تھا۔ ہر صاحب قدرت ان جہادی لشکروں میں شامل ہوتا تھا۔ ایسے میں کس طرح ممکن تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں ان دونوجوانوں کی موجودگی کی اطلاع پاتے اور انھیں بدستور مدینہ ہی میں رہنے دیتے۔ ان نوجوانوں کے لیے ایسی عمر میں گھروں میں پڑے رہنے کا جواز بھی نہ تھا، لہٰذا انھیں اشعار کہنے کا موقع دینے اور عورتوں سے میل ملاپ کے خدشے سے بہتر تھا کہ انھیں وقت کے تقاضے کے تحت جلاوطن کر دیا جائے۔[1]

کیا تم قیامت کے دن میرا بوجھ اُٹھاؤ گے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم بیان فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حرۂ واقم کی طرف نکلے۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ جب ہم مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ''صرار'' نامی جگہ پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ آگ روشن ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اسلم! میرا خیال ہے یہاں رات کی تاریکی اور سردی کے سبب کوئی قافلہ رکا ہوا ہے۔ میرے ساتھ چل، پھر ہم تقریباً بھاگتے ہوئے گئے۔ ان کے قریب پہنچے۔ اچانک ہم نے ایک عورت دیکھی۔ اس کے ساتھ اس کے بچے بھی تھے۔ آگ جل رہی تھی۔ اس پر ہنڈیا چڑھی ہوئی تھی اور بچے بھوک سے چلا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ فرمایا: اے روشنی والو! تم پر سلامتی ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں آگ والا کہنے سے پرہیز کیا۔ اس عورت نے جواب دیا: وعلیکم السلام! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی اور فرمایا: کیا میں قریب آسکتا ہوں؟ اس عورت نے جواب دیا: اچھی نیت سے آگے بڑھو ورنہ دور رہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قریب ہوئے اور دریافت فرمایا: تمھارا کیا حال ہے؟ عورت نے جواب دیا: ہم اندھیری رات اور سردی کی وجہ سے یہاں ٹھہرے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت بولی: بھوک کی وجہ سے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ہنڈیا میں کیا ہے؟ اس نے کہا: صرف پانی ہے۔ میں دکھاوے

[1] أولیات الفاروق، ص: 83.

سے ان بچوں کو دلاسہ دے رہی ہوں تاکہ یہ خاموش ہو جائیں اور سو جائیں۔ ہمارے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے۔ بھلا عمر کو تمھاری کیا خبر؟ عورت نے کہا: ہمارے خلیفہ ہو کر اُنھیں ہماری خبر کیوں نہیں؟ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میری طرف پلٹے اور فرمایا: میرے ساتھ چل! ہم دوڑتے ہوئے آئے۔ آٹے کے گودام میں گئے۔ انھوں نے آٹے کا ایک بورا نکالا اور ایک ٹین گھی کا پکڑا، پھر مجھ سے فرمایا: اسے میری پشت پر لاد دو۔ میں نے عرض کیا: آپ مجھے اُٹھانے دیں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیری ماں نہ رہے۔ کیا قیامت کے دن بھی تو میرا بوجھ اُٹھائے گا؟ میں نے دونوں چیزیں ان کی کمر پر لاد دیں، پھر ہم دونوں تقریباً بھاگتے ہوئے دوبارہ وہاں پہنچے۔ آٹا اور گھی دونوں چیزیں اس عورت کے سامنے رکھ دیں، پھر کچھ آٹا نکالا اور فرمایا: اے خاتون! تو آٹا صاف کر۔ میں تیرے لیے گھی اور آٹے کے آمیزے سے حریرہ بناتا ہوں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہنڈیا کے نیچے پھونکیں مارنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ دھوئیں کے مرغولے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی سے باہر آرہے تھے۔ انھوں نے ان کے لیے سب کچھ پکایا، پھر ہنڈیا چولہے سے اتار لی اور خاتون سے فرمایا: تمھارے پاس کوئی برتن ہے تو لاؤ۔ وہ برتن لائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کھانا برتن میں ڈالا اور فرمایا: میں یہ کھانا ٹھنڈا کرنے کے لیے اسے پھیلاتا ہوں۔ تم بچوں کو کھلانا شروع کر دو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلسل کھانا پھیلاتے اور ٹھنڈا کرتے رہے اور بچے کھاتے رہے حتی کہ وہ سب خوب سیر ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے باقی کھانا خاتون کے پاس وہیں چھوڑ دیا، پھر وہ اور میں وہاں سے واپس آ گئے۔ واپس آتے وقت اس خاتون نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ تجھے جزا دے۔ موجودہ امیر المومنین کی بجائے تو خلیفہ ہوتا تو اچھا تھا۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کی بندی! زبان سے اچھی بات نکال۔ جب تو امیر المومنین کے پاس جائے گی تو ان شاء اللہ مجھے بھی وہیں پائے گی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

کچھ دور ہٹے۔ دوبارہ ان کی طرف پلٹے اور اوٹ میں بیٹھ گئے۔ میں نے عرض کیا: کیا اب آپ کو اور کوئی مصروفیت نہیں؟ انھوں نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ بچے آپس میں کھیل کود رہے ہیں اور کشتی میں مصروف ہو گئے ہیں، پھر وہ سکون سے سو گئے۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے اور میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اسلم! بھوک نے ان کی نیند اڑا دی تھی اور رونے پر مجبور کر دیا تھا۔ میرا جی چاہا کہ میں اُس وقت تک واپس نہ جاؤں جب تک ان کے اس اطمینان کا مشاہدہ نہ کر لوں جو تو نے ابھی دیکھا ہے۔ [1]

حافظ ابراہیم نے اس واقعہ کا نقشہ اپنے اشعار میں اس طرح کھینچا ہے:

اور کون ذات ہے جس نے اسے منہ کے بل ہنڈیا کے سامنے زمین پر لیٹے دیکھا
اس حال میں کہ آگ اس کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہ آگ جلا رہا تھا
اسی دوران میں اس کی ڈاڑھی میں بھی دُھواں گُھس گیا۔
اور اس کا چہرہ اس دھویں میں چھپ گیا۔
اس نے وہاں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو ایسی حالت میں دیکھا کہ
اللہ کی قسم! دیکھنے والے کا دل بھی گھبرا جائے
وہ شخص قیامت کی آگ سے ڈرتے ہوئے دُنیا کی آگ کا سامنا کر رہا تھا۔
اور اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ [2]

امیر المومنین! اپنے دوست کو بیٹے کی خوشخبری سنائیے! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت گشت پر تھے۔ ان کا گزر مدینے کی ایک کشادہ زمین پر ہوا۔ وہاں انھوں نے بالوں کا بُنا ہوا خیمہ دیکھا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔ آگے بڑھے تو اس خیمے سے ایک عورت کے رونے کی

---

[1] الكامل في التاريخ: 214/2، وتاريخ الطبري: 200/5. [2] العشرة المبشرون بالجنة للعفيفي، ص: 173.

آواز سنائی دی۔ وہاں ایک آدمی کو بھی بیٹھا دیکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سلام کیا اور دریافت فرمایا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ایک بادیہ نشین ہوں۔ میں امیر المومنین کی طرف آیا ہوں تاکہ ان کی مہربانی سے فائدہ اٹھاؤں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس گھر سے آنے والی رونے کی آواز کس کی ہے؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ اسے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تیار ہوں۔ مگر حاجت کیا ہے؟ وہ بولا: رونے والی عورت دردزہ میں مبتلا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اس کے پاس کوئی خاتون ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوراً واپس گھر پہنچے۔ اپنی بیوی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ نے تیرے لیے بڑا اجروثواب ارسال فرمایا ہے کیا تو اسے حاصل کرنا چاہتی ہے؟ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: جی ہاں۔ مگر معاملہ کیا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک اجنبی عورت ہے۔ دردزہ میں مبتلا ہے۔ اکیلی ہے۔ اس کے پاس کوئی خاتون نہیں ہے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: بہت اچھا! میں اس خاتون کی مدد کے لیے آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس عورت کے لیے بوقتِ ولادت کام آنے والی چیزیں تیل، کپڑا اور روئی لے لو اور غذائی چیزیں گھی وغیرہ بھی لے آؤ۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا یہ تمام چیزیں لے آئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آؤ چلو، پھر ہنڈیا اٹھائی اور چل دیے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں۔ مطلوبہ گھر آ گیا تو فرمایا: اس گھر میں چلی جاؤ۔ اور خود اس آدمی کے پاس بیٹھ گئے۔ اسے فرمایا: آگ جلاؤ! اس نے آگ جلائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہنڈیا چڑھا دی اور کھانا پکایا۔ تھوڑی دیر بعد زچہ کے ہاں ولادت ہو گئی۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے آواز دی: اے امیر المومنین! اپنے دوست کو بیٹے کی خوشخبری سُنا دیجیے۔ جب اس بدوی نے ''امیر المومنین'' کا لفظ سنا تو گھبرا گیا اور دور ہٹنے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنی جگہ پر اطمینان سے بیٹھے رہو، پھر وہ ہنڈیا اٹھائی اور دروازے پر رکھ کر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے

فرمایا: زچہ کو اچھی طرح کھلاؤ۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی، پھر ہنڈیا واپس دروازے کے پاس رکھ دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہنڈیا اس آدمی کے حوالے کر دی۔ اور فرمایا: تو بھی کھا لے تو رات بھر جاگتا رہا ہے، پھر اپنی بیوی کو آواز دی۔ فرمایا: اب تو باہر آجا اور اس بدوی سے کہا: کل ہمارے پاس آجانا۔ ہم تجھے تیری ضرورت کے مطابق عطا کریں گے۔ وہ بدوی اگلے دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بچے کا نام رجسٹر میں درج کیا اور اس کا روزینہ مقرر کر دیا۔ [1]

مخلوق کے سامنے اطاعت اور علیحدگی میں نافرمانی، ایسا ممکن نہیں! عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام بیان فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات کو گشت کر رہا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھک گئے۔ آدھی رات سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ وہ کچھ دیر ستانے کے لیے ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اچانک ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی: دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے کہا: اماں جان! کیا آپ کو امیر المومنین کے حکم کا علم نہیں ہے؟ ماں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ بیٹی نے کہا: ان کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں نے کہا: تو دودھ میں پانی ملا دے۔ یہاں نہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں نہ اعلان کرنے والا! اس لڑکی نے کہا: نہیں اماں جان! اللہ کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میں لوگوں کے سامنے تو اس کی اطاعت کروں اور علیحدگی میں نافرمانی کی مرتکب ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ ساری باتیں غور سے سن رہے تھے۔ اسلم سے فرمایا: اس دروازے پر شناختی نشان لگاؤ اور اس جگہ کو یاد رکھو، پھر آگے چل دیے۔ صبح کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلم کو بھیجا اور حکم دیا: خبر لاؤ کہ کہنے والی کون تھی اور جس سے بات کی گئی وہ کون تھی اور معلوم کرو کہ کیا وہ لڑکی شادی شدہ ہے؟ اسلم فرماتے ہیں: میں وہاں پہنچا۔ معلوم ہوا کہ وہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے۔ جس سے گفتگو ہوئی وہ اس کی ماں

[1] البداية والنهاية: 140/7.

تھی۔ میں نے آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مکمل رپورٹ دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام بیٹوں کو جمع فرمایا اور پوچھا: کیا تم میں سے کوئی شادی کرنا چاہتا ہے تاکہ میں اس کی شادی اس لڑکی سے کر دوں؟ اگر تمھارے باپ کو عورت کی حاجت ہوتی تو وہ اس لڑکی سے شادی کرنے میں پہل کرتا۔ حضرت عبداللہ اور عبدالرحمٰن دونوں نے عرض کیا: ہماری بیویاں تو موجود ہیں۔ عاصم نے عرض کیا: ابا جان! میری بیوی نہیں ہے اس لڑکی کی شادی مجھ سے کر دیجیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کی طرف پیغام نکاح بھیجا اور اپنے بیٹے عاصم کی شادی اس سے کر دی۔ اس لڑکی سے ایک بیٹی پیدا ہوئی، پھر اس بچی کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی اور پھر اس بچی کے بطن سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔ [1]

ابن عبدالہادی فرماتے ہیں: کچھ لوگوں نے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح بات یوں ہے کہ عاصم کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اور پھر اس بیٹی کے ہاں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح بنفس نفیس اپنی رعایا کی نگرانی فرماتے تھے۔ وہ رات کو گشت فرماتے اور ربِ کریم سے اجر کی اُمید پر رعایا کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری نبھاتے تھے۔ ان کے ہمہ گیر جامع سرکاری اقدامات صرف اسلامی ریاست کے دارالخلافہ ہی کے لیے نہ تھے بلکہ وہ اسلامی ریاست کے ہر کونے تک نگرانی کا کڑا اہتمام فرماتے تھے۔ آگے آنے والے صفحات میں ان شاء اللہ آپ اس سلسلے کی تفصیلات پڑھیں گے۔

جانوروں پر مہربانی

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی میں اپنے کامل ایمان کی وجہ سے نرمی اور نوازش کا دریا موجزن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جانوروں پر بھی بڑی شفقت اور مہربانی

[1] مناقب أمير المؤمنين لابن الجوزي، ص: 90,89. [2] محض الصواب: 391/1.

فرماتے تھے۔ ان کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نرم ہو چکا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر بے حد مہربان تھے۔ انھیں اسلام ہی نے یہ درس دیا تھا کہ ہر ذی روح جاندار سے حسن سلوک کرو اس کا بڑا اجر ہے۔ شرعاً ہرگز جائز نہیں کہ کسی جانور کے ساتھ بُرا سلوک کیا جائے۔ اسے ہرگز بلاوجہ قتل نہ کیا جائے۔ اس سے ایسا کام نہ لیا جائے جو اس کی ذمہ داری نہیں ہے، نہ اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ لادا جائے۔ ①

منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے: «أَنَّهُ مَسْئُولٌ عَنْ بَغْلَةٍ تَعْثُرُ فِي الْعِرَاقِ لَمْ يُسَوَّ الطَّرِيقُ» ''اگر سرزمین عراق میں زمین کی ناہمواری کی وجہ سے کوئی خچر بھی گر جائے تو اس کا میں ہی ذمہ دار ٹھہروں گا۔'' اس سلسلے میں مندرجہ ذیل واقعات انسانی تاریخ میں سونے کے پانی سے لکھ کر محفوظ کرنے کے قابل ہیں۔

اونٹ پر ظلم کرنے والے کی پٹائی: مسیّب بن دارم فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک اونٹ والے کی پٹائی کرتے دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے: تو اپنے اونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالتا ہے۔ ②

کیا تمھیں خبر نہیں کہ ان جانوروں کا تم پر حق ہے؟ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بہت بڑی فتح کی خوش خبری دینے حاضر ہوئے۔ انھوں نے پوچھا: تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟ میں نے جگہ بتائی۔ وہ میرے ساتھ چل پڑے حتی کہ ہماری سواریوں کے پاس آ پہنچے۔ وہ کھڑے ہو گئے۔ سب جانوروں کو یکے بعد دیگرے نظر گھما گھما کر دیکھنے لگے، پھر فرمایا: کیا تم اپنی سواریوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ان کا تم پر حق ہے؟ تم نے انھیں کچھ دیر کے لیے کھلا کیوں نہ چھوڑ دیا تاکہ یہ زمین پر چل پھر کر کچھ کھالیں۔ ③

① شهيد المحراب، ص: 226. ② محض الصواب: 469/2. ③ نظام الحكم في الشريعة والتاريخ: 605/2.

زکاۃ کے اونٹوں کی خبر گیری: ایک دفعہ عراق سے ایک وفد آیا۔ اس میں احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سخت گرمیوں کے دن تھے۔ کڑی دھوپ پڑ رہی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے سر پر ایک چادر لپیٹے زکاۃ کے اونٹوں کو قطران مل رہے تھے۔ احنف کو دیکھا تو فرمایا: اے احنف! کپڑے تبدیل کر لے اور آجا، امیر المومنین کا ہاتھ بٹا۔ یہ زکاۃ کے اونٹ ہیں۔ ان میں بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، آپ زکاۃ کے کسی غلام کو حکم کیوں نہیں دیتے جو یہ ڈیوٹی انجام دے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَأَيُّ عَبْدٍ هُوَ أَعْبَدُ مِنِّي وَمِنَ الْأَحْنَفِ؟» ”بھلا مجھ اور احنف سے بڑا غلام اور کون ہوسکتا ہے؟“ پھر فرمایا: وہ شخص جو مسلمانوں کے امور کا والی بنے، خیر خواہی اور ادائے امانت کے لیے اس پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو ایک غلام پر اپنے آقا کے لیے لازم ہیں۔[1]

جانور کو پسینہ آنے پر اظہارِ ملال: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تازہ مچھلی کھانے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ ان کے غلام یرفاَ نے جلدی سے سواری پکڑی، دو(2) راتیں جانے اور دو(2) واپس آنے میں صرف کیں اور مچھلیوں سے بھرا ہوا ایک بڑا ٹوکرا خرید لایا۔ یرفاَ ابھی اپنی سواری کا پسینہ پونچھ رہا تھا کہ اسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ معًا فرمایا: عمر کی خواہش پوری کرنے کے لیے ایک جانور کو اس قدر تکلیف اٹھانا پڑی۔ اللہ کی قسم! عمر اسے چکھے گا بھی نہیں۔[2]

بیمار اونٹ کی نسبت بھی مجھ سے سوال ہوگا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بیمار اور تھکا ہوا اونٹ دیکھا تو آگے بڑھے۔ اپنا ہاتھ اس اونٹ کی پشت پر پھیرنے لگے، پھر فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ اس اونٹ کے بارے میں بھی مجھ سے سوال کیا جائے گا۔[3]

---

[1] أخبار عمر، ص:343، نقلًا مناقب عمر لابن الجوزي. [2] الرياض النضرة، ص:408.

[3] الطبقات لابن سعد:215/3.

یہ وہ چند واقعات ہیں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانوروں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا مظہر ہیں۔ کاش! آج ہمارے پریشان رہنے والے نوجوان اپنی تاریخ کا مطالعہ کریں اور اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیں تا کہ انھیں معلوم ہو کہ انسانی معاشرے کو نفع پہنچانے والا کوئی قانون ایسا نہیں جس کی اسلام میں بنیاد نہ ہو۔ ہمارے نوجوانوں کو اہل مغرب سے متاثر نہیں ہونا چاہیے کہ حیوانوں پر شفقت و مہربانی کے اصول انھوں ہی نے وضع کیے ہیں اور یہ عمل ان کی رحم دلی کا عظیم مظاہرہ ہے۔ ہمارے عزیز نوجوانوں کو اس غلط فہمی کا شکار بھی نہیں ہونا چاہیے کہ جانوروں پر رحم کے قوانین بنانے میں اہلِ مغرب نے پہل کی ہے۔ اس قسم کا وسوسہ قطعًا بے بنیاد ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ شفقت و رحمت کا اصل سرچشمہ اسلام ہے۔ اسلام ہی نے سب سے پہلے جانوروں پر رحم اور شفقت کا سبق دیا ہے اور اللہ کی مخلوق پر شفقت اور مہربانی کرنے میں مسلمان ہی ساری انسانیت کے معلمِ اول ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ ہر دم، ہر آن، ہر گھڑی ہمارا نگہبان ہے۔ یہی حقیقتِ عظمیٰ ہدایت کا راز اور ہر خیر کی موجب ہے۔ یہی احساس عبادت کا مغز ہے۔ دیکھیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک مریض اونٹ کے بارے میں بھی اللہ رب العزت سے کتنا ڈرتے ہیں اور اس اندیشے میں گرفتار ہیں کہ ان سے اس کے بارے میں بھی سوال ہو گا۔ یہی اسلام کی حقیقت ہے۔ ہر دم اللہ سے ڈرنا اور اس کے زیرِ نگرانی ہونے کا احساس ہی دلوں کے لیے سکون کا باعث ہے۔ کیا کوئی حاکم جسے اللہ کے بندوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی گئی ہو، وہ اللہ کے خوف کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حساب سے بچ سکتا ہے؟ [2]

عہد فاروقی میں زلزلہ

ایک مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں زلزلہ آیا تو انھوں نے فرمایا: اے لوگو!

---

[1] شهيد المحراب، ص: 228. [2] شهيد المحراب، ص: 229.

یہ زلزلہ تمھارے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر دوبارہ زلزلہ آیا تو میں تمھارے ساتھ ہرگز نہ رہوں گا۔ [1]

[1] فرائد الکلام، ص: 140، نقلًا عن الداء والدواء لابن القیم، ص: 53.
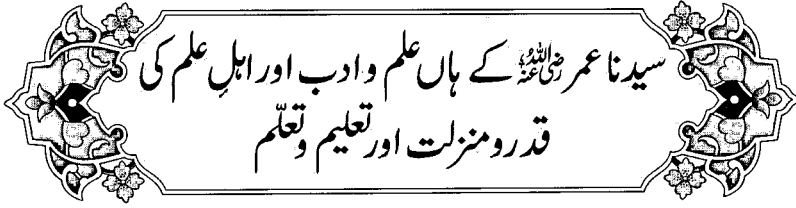
علم کی اہمیت اور اس کی ترویج

علم امت اسلامیہ کی شان و شوکت قائم کرنے میں نہایت اہم کردار کا حامل ہے۔ یہ بات ناممکنات میں سے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی ان پڑھ امت کو جو علم کے زیور سے آراستہ نہ ہو اتنی عظیم شان و شوکت سے نوازے۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والا واضح طور پر دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کریم ان آیات سے لبریز ہے جو علم کی شان بلند کرتی ہیں اور حصولِ علم کی ترغیب دیتی ہیں۔ قرآن کریم کی نازل ہونے والی اولین آیت ہی علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ ﴾

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔''[1]

قرآن کریم نے علم کو کفر کے مقابلے میں بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ کفر سراسر جہالت اور گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] العلق 1:96.

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝﴾

''کہہ دیں: کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے؟ نصیحت تو بس عقلوں والے ہی قبول کرتے ہیں۔''[1]

اور وہ واحد چیز جس کے حصول میں اضافے کی دعا کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا ہے وہ علم ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝﴾

''اور کہیں: اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔''[3]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ گئے تھے کہ دین کے علم اور سوجھ بوجھ کے ذریعے سے اللہ کی مدد اور تائید حاصل ہوتی ہے، اس لیے وہ دین کی سمجھ اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے علوم جاننے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ ان کا یہ جذبہ فقط اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تھا۔ وہ ہر حکم کی دلیل بھی تلاش کرتے تھے۔ انھیں یقین ہو گیا تھا کہ علم دین کے ساتھ عمل بھی شرطِ لازم ہے۔ اگر عمل نہ کیا گیا تو ساری برکتیں کافور ہو جائیں گی۔ انھوں نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ سے یہ دعا سیکھی تھی:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا»

''اے اللہ! بلاشبہ میں تجھ سے ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو بے فائدہ ہو۔ ایسے دل سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو اللہ سے ڈرتا نہ ہو، ایسے نفس سے بھی جو سیر ہی

[1] الزمر 9:39. [2] التمكين للأمة الإسلامية للصلابي، ص: 62. [3] طٰهٰ 114:20.

نہ ہوتا ہو اور ایسی دعا سے بھی جو قبول ہی نہ ہو۔‘‘[1]

پوری امت مسلمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی علمی وسعت کی معترف تھی۔ سب جانتے تھے کہ وہ اس امت کے ابتدائی دور کے عظیم فقیہ تھے۔ فہم و فراست کی گہرائی، مسائل کا حل تلاش کرنے میں مہارت اور مسائل کے استنباط میں اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بعد ان کی یہی وہ امتیازی خوبی تھی جس نے انھیں قابلِ رشک بلند مقام پر بٹھا دیا۔ جب خلافت کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر آ پڑی تو وہ مسلمانوں کے فقیہ کی حیثیت اختیار کر گئے۔ انھوں نے اپنی اجتہادی صلاحیتوں سے خوب کام لیا۔ اسلام کی حقیقت اور فلسفے کو سامنے رکھ کر انھوں نے عدالتی قوانین وضع فرمائے۔ وہ فقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہراول دستے میں شامل تھے۔ بعد میں آنے والے سلف صالحین نے ان کے علم و نظر اور شرعی احکام کی تہ تک پہنچنے کے سلسلے میں ان کی باریک بینی سے بڑا فائدہ اُٹھایا اور نیک نامی حاصل کی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حدیث اخذ کرنے میں انتہائی محتاط تھے۔ علمی مسائل پر صحابۂ کرام سے تبادلۂ خیال فرماتے تھے۔ انھوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان فیض ترجمان سے جو مسائل خود نہیں سنے تھے وہ ان کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ضرور مشورہ کرتے تھے۔

علم کی ترغیب کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ وہ اپنی رعایا کو بھی علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور اصلاح احوال کی کوشش فرماتے تھے۔ انھوں نے مدینہ طیبہ کو علوم دین اور فتووں کا گہوارہ بنا دیا اور مدینہ ایک ایسی عظیم الشان درسگاہ بن گیا جہاں سے بہت سے والی، علماء اور قاضی فارغ التحصیل ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہترین جماعت تیار فرمائی تاکہ وہ فتوحات کے بعد

[1] صحیح مسلم، حدیث:2722.

قائم شدہ ان مسجدوں کے مہتمم اعلیٰ بنیں جنھیں علمی اداروں کا درجہ حاصل تھا۔ انھوں نے اپنے فرائض عظیمہ کا حق ادا کرتے ہوئے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق تعلیم دینے کا بیڑا اٹھایا، علمی اداروں کے قیام کے لیے بڑی سرگرمی سے کام کیا، پھر ان درسگاہوں نے مسلمانوں کی نسلوں میں بڑا اہم مقام پیدا کر لیا اور بصرہ، کوفہ اور شام کے مدارس نے بڑی شہرت پائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ اور مکہ میں پہلے سے قائم درسگاہوں کی بھی تنظیم نو کی اور انھیں بڑی ترقی نصیب ہوئی۔

حدیث قبول کرنے میں احتیاط

ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر تشریف لائے اور تین مرتبہ سلام کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مصروف تھے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اجازت نہ ملی تو وہ واپس چلے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی مصروفیت سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا مجھے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی دی تھی؟ اسے آنے کی اجازت دو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ وہ تو واپس چلے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بلا بھیجا۔ وہ آئے تو ان سے واپس چلے جانے کی وجہ پوچھی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہمیں اسی طرح کرنے کا حکم ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اس سلسلے میں کوئی ثبوت پیش کرو، پھر انھیں ساتھ لے کر انصار کی ایک مجلس میں تشریف لائے اور ان سے یہ معاملہ دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا: اس مسئلے پر ہمارا سب سے کم عمر آدمی گواہی دے گا، چنانچہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے فرمایا: جی ہاں! ہمیں اسی طرح حکم ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بازاروں میں کاروبار کے لیے بہت مصروف رہتا تھا، اس لیے مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان معلوم نہ ہو سکا۔[1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: (36)-2153.

اچانک ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ پریشانی کی حالت میں آئے۔ انھوں نے کہا: میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے تین دفعہ اجازت طلب کی لیکن مجھے اجازت نہیں ملی۔ میں واپس آ گیا۔ بعدازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے سوال کیا کہ تو واپس کیوں چلا گیا؟ میں نے عرض کیا: میں نے تین دفعہ اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت نہ دی تو میں واپس چلا گیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے:

«إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ»

''جب تم میں سے کوئی کسی سے تین (3) دفعہ اجازت طلب کرے اور اُسے اجازت نہ ملے تو وہ لوٹ جائے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تجھے اس پر کوئی دلیل پیش کرنی پڑے گی۔ کیا تم میں سے کوئی اس فرمان کا گواہ ہے؟ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اس مسئلے میں تیری تائید میں وہ آدمی کھڑا ہوگا جو ہم سب سے کم سن ہے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں ہی سب سے کم سن تھا۔ میں سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اٹھا اور عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھیں خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے۔[1]

علمی مذاکرہ اور مسائل کی تحقیق

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ کو گود رکھا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ فرمایا: میں تمھیں قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم میں سے کسی نے گودنے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں فوراً کھڑا ہو گیا اور شہادت دی: اے امیر المومنین! میں نے سنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے کیا سنا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح مسلم، حديث: 2153.

کو یہ فرماتے سنا ہے:

«لَا تَشِمْنَ وَلَا تَسْتَوْشِمْنَ»

''عورتیں اپنا جسم گودیں نہ گدوائیں۔''[1]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عورت کا جنین ضائع کرنے کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں ایک لونڈی یا غلام دیت دینے کا حکم دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنا کوئی گواہ پیش کرو تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فیصلہ فرمایا تھا۔[2]

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی ایسے سفر کے دوران میں جنبی ہو جائے جہاں پانی میسر نہ ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک اُسے پانی نہ ملے وہ نماز نہ پڑھے۔ عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں؟ جب آپ اور میں اونٹوں پر سفر کر رہے تھے، ہم جنبی ہو گئے تھے۔ میں نے جانوروں کی طرح زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر اپنے بدن پر مٹی مل لی تھی اور آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو انھوں نے ارشاد فرمایا تھا:

«إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا»

''بس تجھے اسی طرح کرنا کافی تھا۔''

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر کے دکھایا۔

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمار! اللہ سے ڈر۔ عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر آپ

[1] صحيح البخاري، حديث:5946. [2] صحيح البخاري، حديث:6906,6905.

چاہیں تو میں یہ قصہ بیان نہیں کروں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ جو بات تو بیان کر رہا ہے تو اس کا خود ذمہ دار ہے۔ [1]

یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس کے تجربے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود گزرے لیکن اسے بھول گئے یہاں تک کہ اس کے خلاف فتویٰ بھی دے دیا۔ عمار رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ یاد رکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کو غلط قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ یہ بات اپنی ذمہ داری پر بیان کرو۔ [2]

حصولِ علم پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ آدمی اپنے گھر سے ایسی حالت میں نکلتا ہے کہ اس پر تہامہ کے پہاڑوں جیسے گناہ ہوتے ہیں مگر جب وہ علم حاصل کرتا ہے تو اس کی برکت سے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتا ہے۔ اللہ کی طرف لوٹتا ہے اور توبہ کرتا ہے، پھر جب گھر لوٹتا ہے تو اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، لہٰذا تم علماء کی مجلسوں سے دور نہ رہا کرو۔ [3]

فرمایا: «لَا يَكُونُ الرَّجُلُ عَالِمًا حَتّٰى لَا يَحْسُدَ مَنْ فَوْقَهٗ وَلَا يَحْقِرَ مَنْ دُونَهٗ وَلَا يَأْخُذَ عَلٰى عَمَلِهٖ أَجْرًا» ''کوئی شخص اس وقت تک عالم نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے سے بڑے عالم سے حسد کرتا رہے، اپنے سے چھوٹے عالم کو حقیر سمجھتا رہے اور اپنے عمل کا معاوضہ لیتا رہے۔''

فرمایا: اس سے پہلے کہ تم اپنی قوم کے سردار بنو، علم حاصل کر لو، ورنہ تمھاری خودسری تمھارے علم میں رکاوٹ بن جائے گی اور تم بدستور جہالت کے اسیر رہ کر زندگی گزارو گے۔ [4]

فرمایا: اگر علم تمھیں نفع نہیں دے گا تو نقصان بھی نہیں پہنچائے گا۔ [5]

فرمایا: ایک ہزار عابدوں کی موت ایک ایسے عالم سے کم نقصان دہ ہے جو حلال وحرام

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 323,322، وسنن النسائي، حديث: 317. [2] الفتاوىٰ: 135/20.
[3] مفتاح دارالسعادة: 122/1، وفرائد الكلام، ص: 135. [4] التبيان في حملة القرآن للنووي، ص: 60، وفرائد الكلام، ص: 163. [5] الزهد للإمام أحمد، ص: 174، وفرائد الكلام، ص: 168.

کا علم رکھتا ہو۔ ①

فرمایا: قرآن کے برتن اور علم کے چشمے بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے روزانہ رزق کی التجا کرو اگر زیادہ رزق نہ بھی ملا تب بھی تمھیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ②

فرمایا: علم سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ۔ متانت اور وقار سے رہنا سیکھو۔ جس سے تم نے علم سیکھا ہے اس کی عزت کرو اور جس نے تم سے علم سیکھا ہے اس کا بھی احترام کرو۔ متکبر علماء نہ بنو کہ تمھارا علم تمھاری جہالت کی عکاسی کرنے لگے۔ ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ علمائے کرام کو لغزش سے محتاط رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ عالم کی لغزش، منافق کا قرآن کریم کے دلائل لے کر بحث و مباحثہ کرنا اور گمراہ پیشوا یہ تینوں اسلام کی عمارت کو منہدم کر دیتے ہیں۔ ④

مدینہ منورہ میں رعایا کی تعلیم و تربیت کی بابت کاوشیں

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے اپنی روز مرہ کی گفتگو کے دوران میں ان کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھتے تھے اور ضروری امور میں ان کی رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ خصوصًا جمعے کے دن وہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کی بھلائی اور خیر خواہی کا نہایت دل سوزی سے اہتمام فرماتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے گنجینۂ بصیرت ہیں اور تاریخ میں محفوظ ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے چند خطبے: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبے میں ارشاد فرمایا: جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو وہ پانچ چیزوں سے تیار کی جاتی تھی: انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد۔ شراب اسے کہتے ہیں جو عقل کو ماؤف کر دے۔ تین امور ایسے ہیں جن کے

① فرائد الکلام، ص: 157، ومفتاح دار السعادۃ: 121/1. ② فرائد الکلام، ص: 159، والبیان والتبیین للجاحظ: 303/2. ③ أخبار عمر، ص: 263، ومحض الصواب: 686/2. ④ محض الصواب: 717/2.

بارے میں میری خواہش تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ وفات سے پہلے ہمیں اس کی تفصیلات فراہم فرما دیتے: دادا کی وراثت، کلالہ اور سُود کی تفصیلات۔ ①

ایک دفعہ انھوں نے لوگوں کے حقوق کے بارے میں خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! بعض اوقات کسی چیز کے لالچ کا انجام فقیری ہوتا ہے اور کبھی نااُمیدی مالداری میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ تم وہ چیزیں جمع کر رہے ہو جو کھاتے نہیں، ایسی اُمیدیں قائم کر رہے ہو جنھیں پا نہیں سکتے۔ تمھیں اس دھوکے کے گھر میں مہلت دی گئی ہے۔ نبی ﷺ کے زمانے میں تمھارا وحی کے ذریعے سے مؤاخذہ کیا جاتا تھا۔ پس جو شخص دل میں کچھ چھپائے گا وہ اپنے اس پوشیدہ بھید کے بارے میں پکڑا جائے گا اور جو اعلانیہ جرم کرے گا وہ بھی دھر لیا جائے گا۔ تم ہمارے سامنے اچھی سیرت پیش کرو، جبکہ تمھارے باطن کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔ جس نے ہماری آنکھوں کے سامنے برا فعل کیا اور اپنے باطن کو اچھا سمجھا، ہم اس کی تصدیق نہیں کریں گے اور جس نے اچھائی کا اظہار کیا، ہم اس کے ظاہر کی بنیاد پر اسے اچھا جانیں گے۔ یقین رکھو! بخل نفاق کی علامت ہے۔ اپنی بھلائی کے لیے خرچ کیا کرو۔

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔'' ②

اے لوگو! اس دنیا میں اپنا قیام عمدہ بناؤ۔ اپنے معاملات کی اصلاح کرو۔ اپنے رب سے ڈرو۔ اپنی عورتوں کو مصری پاپلین کا لباس مت پہناؤ۔ یہ کپڑا اگرچہ زیادہ باریک نہیں لیکن پھر بھی اس سے بدن کے اوصاف نمایاں ہوتے ہیں۔ اے لوگو! بلاشبہ میں چاہتا ہوں کہ میں برابر سرابر بری ہو جاؤں نہ اس خلافت کا مجھ پر بوجھ ہو، نہ میں کوئی فائدہ اٹھاؤں۔ میری تمنا ہے کہ چاہے میری زندگی زیادہ ہو یا کم، میں جب تک تمھارے

① الخلافة الراشدة للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 300. ② الحشر 9:59.

درمیان زندہ رہوں حق قائم کرتا رہوں۔ چاہے کوئی مسلمان اپنے گھر ہی میں بیٹھا رہے، میری کوشش ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کے مال سے اس کا حصہ اس کی دہلیز پر پہنچا دوں، خواہ اس نے اس مال کے لیے حصول کی کسی بھی دن کوئی محنت نہ کی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جو مال تمھیں عطا کیا ہے اس کی اصلاح کرو۔ نرمی اور نوازش سے کمایا ہوا تھوڑا سا رزق، اس زیادہ رزق سے کہیں بہتر ہے جو سختی کے ساتھ کمایا جائے۔ قتل ایسی اچانک موت ہے جو نیک اور بد دونوں کو دفعتًا لاحق ہو سکتی ہے۔ شہید وہ ہے جو اجر کا طلب گار ہوتا ہے۔

جب تم میں سے کوئی اونٹ خریدنا چاہے تو لمبے اور بڑے اونٹ کا قصد کرے۔ اسے اپنی لاٹھی مار کر آزمالے اگر وہ برداشت کر لے تو ایسے مضبوط دل گردے کا اونٹ خرید لے۔ [1]

ایک خطبے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دانائی سے بھرپور مضامین بیان فرمائے، پھر انھوں نے اپنے ملفوظات کی وضاحت بھی فرمائی۔ فرمایا کہ حقیقی مالداری قناعت سے نصیب ہوتی ہے اور حقیقی غربت طمع و لالچ کا نتیجہ ہے۔ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے امیدیں وابستہ نہ رکھنے کا نام قناعت ہے۔ جو اس طرح سوچے گا وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق پر قانع ہو گا اور جو اللہ کے دیے پر قناعت کرے گا، چاہے بظاہر وہ کم ہی ہو وہ خود کو بہر حال غنی اور مالدار سمجھے گا۔ اس کے برعکس وہ انسان جو لوگوں کی طرف دیکھے گا اور دل میں لالچ رکھے گا اس کا ضمیر فقیر ہو جائے گا، چاہے اس کے پاس دنیا کی سب سے زیادہ دولت ہو۔ اس کا مال اسے کفایت نہیں کرے گا کیونکہ اصل تونگری دل کی تونگری ہوتی ہے۔ بلاشبہ عقل سلیم تقاضا کرتی ہے کہ انسان اس دنیا میں ضرورت سے زیادہ مال جمع نہ کرے، اس کی امیدیں ایسی چیز سے وابستہ نہ ہوں جو اس کی رسائی سے بہت دور ہو۔ وہ دنیا کو دارفنا کی نظر سے دیکھے اور اس میں موجود رعنائی اور پُرکشش اشیاء کی طرف توجہ نہ دے۔ [2]

---

[1] فرائد الکلام، ص: 190، نقلًا عن التاریخ الطبري. [2] التاریخ الإسلامي: 266/20.

مؤاخذہ ظاہری صورتِ حال کے مطابق: وحی منقطع ہو جانے کے بعد فیصلوں اور قضا کی بنیاد جس امر پر رکھی گئی تھی اس خطبے میں اس کی تجدید کی گئی ہے کہ لوگوں کے فیصلے ان کے ظاہری اعمال پر ہوں گے۔ ان کے حقائق اور راز اللہ تعالیٰ کے سپرد کیے جائیں گے۔ حاکم لوگوں کے رازوں کے بارے میں مسئول نہیں۔ نہ یہ اس کے بس کی بات ہے وہ تو صرف لوگوں کی ظاہری اصلاح کا ذمہ دار ہے۔ اس طرح ایک بہتر معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ حاکم تو صرف یہ دیکھے گا کہ معاشرے میں بسنے والے افراد کا ظاہر اچھا ہے، ان میں کسی قسم کے فواحش ونواہی کا ارتکاب تو نہیں ہو رہا نہ کسی قسم کے اعلانیہ فسق و فجور ہیں۔ نہ فسق و فجور کی پشت پناہی ہو رہی ہے۔ اس صورت میں حاکم عوام پر اعتماد کرے گا اور انھیں اچھا جانے گا چاہے ان کے بعض افراد کے باطن بُرے ہی ہوں کیونکہ عرف اجتماعی ظاہری صلاح اور مکارم اخلاق کے ساتھ چلتا ہے۔ جبکہ پوشیدہ انحراف اور ٹیڑھے پن کا عرف اسلامی کلیتًا انکار کرتا ہے، لہٰذا پوشیدہ انحراف والے لوگوں کی سرگرمیاں انتہائی محدود ہو کر سمٹ جاتی ہیں۔

بسا اوقات بخیلی نفاق تک لے جاتی ہے: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: اے لوگو! یقین کر لو کہ بسا اوقات بخیلی نفاق کا ایک حصہ قرار پاتی ہے۔ یہ ان لوگوں میں عیاں ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں۔ صورتحال یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگ اپنے بعض مسلمان بھائیوں کی حالت زار اور ان کے علاقوں کا حال دیکھتے ہیں کہ ان پر کفار نے ظلم کیا ہے ان کی عزتیں پامال کی ہیں اور اُن کے گھر لوٹ لیے ہیں، پھر جب یہ مظلوم لوگ علم جہاد بلند کرتے ہیں اور دوسرے مسلمان بھائیوں سے مدد کے طلب گار ہوتے ہیں تو مسلمانوں میں پایا جانے والا بخیل گروہ اُن کی مالی امداد سے کوتاہی کرتا ہے۔ اس قسم کے مسلمان درحقیقت عملی نفاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ سراسر کمزور ایمان

کی نشانی ہے۔①

کاش! میں برابر سرابر ہی سرخرو ہو جاؤں: یہ امورِ خلافت کی ذمہ داری نبھانے کا انتہائی باریک بینی پر مبنی احساس ہی تھا جس کے زیرِ اثر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش! میں برابر سرابر بری کر دیا جاؤں۔ ولایت کی ذمہ داری حاکم کو اعلیٰ درجے کے نیک اعمال کی ترغیب دیتی ہے لیکن بہت سے خطرناک موڑ ایسے بھی آ جاتے ہیں جو حاکم وقت کو بُرے اعمال کی طرف لے جاتے ہیں۔ بہت سے ذمہ دار حاکم ایسے بھی ہیں جو اپنے کردار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور نیک لوگوں کے ہاں اچھے الفاظ سے یاد کیے جاتے ہیں کیونکہ وہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اپنا احتساب کرتے رہتے ہیں جبکہ کئی حکمران اس کے برعکس ہوتے ہیں اور وہ بُرے جانے جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کے پیروکار ہوتے ہیں اور لوگوں کی رضا کو اللہ رب العزت کی رضا پر ترجیح دیتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تاریخ کے وہ یگانہ عظیم انسان تھے جنھوں نے عدل کی اعلیٰ اقدار اور انصاف کا بلندترین معیار قائم فرمایا۔ اس کے باوجود ان کا یہ کہنا کہ ''کاش میں برابر سرابر بری کر دیا جاؤں!'' اس حقیقت کبریٰ کی علامت ہے کہ انھیں ہر آن اللہ رب العزت کا خوف دامن گیر رہتا تھا۔ اس حقیقت کا احساس ان کی پوری ہستی پر اس طرح چھا گیا تھا کہ وہ انھیں ہر دم خلافت کی ذمہ داریاں یاد دلاتا رہتا تھا۔ یوں وہ اپنے منصبی احساس ذمہ داری کے بوجھ تلے اس قدر دب گئے کہ فرضِ ولایت و خلافت کا اجرِ عظیم پانے کی بجائے گناہوں سے محفوظ رہنے اور برابر سرابر چھوٹ جانے ہی کو غنیمت سمجھنے لگے۔②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دانائی بھرے اقوال

* جو اپنے راز چھپا لیتا ہے بھلائی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

---

① التاريخ الإسلامي:267/20. ② التاريخ الإسلامي:267/20.

* جو اپنے آپ کو مواقع تہمت میں خود ہی پیش کر دے تو پھر وہ اپنے بارے میں بدگمانی کرنے والے پر اعتراض نہ کرے۔
* تو اپنے بھائی سے سنی ہوئی بات کو حتی الامکان کسی خیر اور بھلائی پر محمول کر۔ برائی پر محمول نہ کر۔ اپنے بھائی کی بات کا مطلب اچھا ہی خیال کر۔ جب تک واضح ثبوت نہ مل جائے بدگمانی سے پرہیز کر۔
* زیادہ قسمیں نہ کھاؤ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمھیں رسوا کر دے گا۔
* تمھارے بارے میں کوئی اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والا اقدام کرے تو تم اس وقت اس کا بدلہ چکانے والے نہ بنو جب تک کہ تم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری والا راستہ اختیار نہ کرو۔
* سچے دوستوں اور بھائیوں کو لازم پکڑو۔ ان سے فیض حاصل کرو۔ وہ تمھاری خوشحالی میں زینت کا سبب ہوں گے اور تنگی کے دنوں میں تمھارے بازو بنیں گے۔[1]

یہ سب زبردست حکمت کی باتیں ہیں۔ ہر ہر حکمت تربیت کی جولانگاہ میں لامتناہی وسعتوں کی حامل ہے۔ ان حکیمانہ باتوں کی تعلیق وتشریح مندرجہ ذیل ہے:

راز چھپاؤ، بھلائی پاؤ: انسان اپنے آپ کا خود حاکم ہوتا ہے۔ جب تک اس کا راز اس کے دل میں ہے، وہ یقیناً ایک محفوظ بات ہے لیکن جب وہ اپنا راز کسی ایک یا زیادہ افراد پر آشکارا کر دیتا ہے تو پھر وہ راز نہیں رہتا۔ اب اگر اپنا راز ظاہر کرنے والا آدمی اپنے راز کو دوبارہ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرے تو وہ اس کوشش میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا کیونکہ جو بات ہونٹوں سے نکل جاتی ہے وہ کوٹھوں پر چڑھے بغیر نہیں رہتی۔

شبہات والی جگہیں اور کام بدگمانی کو جنم دیتے ہیں: انسان سب سے پہلے اپنے آپ کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ اسے ہر ممکن طور پر اپنے آپ کو مواقع تہمت سے دُور رہنا اور

[1] تاريخ دمشق: 359/44، والتاريخ الإسلامي: 270/20.

اپنا معاملہ بہر حال صاف رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اس کے کسی عمل سے کوئی غلط اندازہ لگانے کی کوشش کرے تو اسے اپنے عمل کی فوراً وضاحت کر دینی چاہیے، چاہے یہ شخص معاشرے میں کتنا ہی نیک نام ہو اُسے اپنے عمل کی صفائی بہر حال پیش کرنی چاہیے۔ رسالت مآب ﷺ کی درخشاں مثال موجود ہے۔ وہ رات کو اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ کھڑے تھے۔ انھیں دو افراد نے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«عَلٰى رِسْلِكُمَا، إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ»

''یہیں ٹھہر جاؤ اور سن لو کہ میرے ساتھ صفیہ بنت حیی ہیں۔''[1]

گفتگو سے حتی الامکان اچھا مطلب اخذ کرنا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بدگمانی سے بچنے کے لیے یہ بڑی اچھی نصیحت تھی۔ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے لیے اچھا گمان رکھنا مطلوب چیز ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ ایسے الفاظ جو بظاہر اچھے مطلب کے حامل نہ ہوں انھیں بھی حتی الامکان خیر ہی پر محمول کرے جب تک معاملہ واضح نہ ہو جائے کہ متکلم نے شر ہی کا ارادہ کیا ہے۔ ہر مسلمان کو اپنی ذات کے بارے میں یا جو اس کے ماتحت ہو، اس کے بارے میں اسی طرح سوچنے کا حکم ہے تا کہ وہ غلط فہمی کی بنا پر کسی کا غلط مؤاخذہ نہ کر بیٹھے۔[2]

کثرت سے قسمیں کھانا رسوائی کا باعث بن جاتا ہے: اللہ کے نام کی قسم کھانا دراصل اس کے نام کی تعظیم ہے۔ جب تک قسم بقدر ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور خشیت دل میں موجود ہو تو قسم کھانے والے شخص کے موحد ہونے اور اللہ کی تعظیم کرنے پر دلالت کرتی ہے لیکن جب مسلمان اللہ کے مقدس نام کی کثرت سے قسم کھائے یہاں تک کہ ادنیٰ سے ادنیٰ باتوں میں بھی قسم کا استعمال کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قسم کھانے والے

[1] صحيح البخاري، حديث: 3281، والتاريخ الإسلامي: 271/20. [2] التاريخ الإسلامي: 271/20.

شخص کو اللہ رب العزت کے نام کی عظمت و جلالت کا کماحقہ احساس نہیں ہے۔ ایسا طرزِ عمل بے پروائی اور اہانت کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خود اُس کی اہانت کا سامان پیدا ہو جائے گا اور وہ انتہائی زبردست خسارے سے دوچار ہو جائے گا۔

اپنے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرنے والے سے اللہ کی اطاعت سے پیش آنا

اگر تمھارا واسطہ کسی ایسے شخص سے پڑ جائے جو تمھارے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے، تم پر ظلم کرے، تمھاری عزت برباد کرے یا تمھارا مال ہڑپ کر لے تو تم برائی کا بدلہ اچھائی سے دو۔ اپنے پروردگار کی نافرمانی نہ کرو۔ اختلاف کی حالت میں بھی اسلامی آداب کا خیال رکھو اور اپنے اس مسلمان بھائی کا حق نہ بھولو۔ اس کی سطح پر اُتر کر اس سے اخلاق سے گرا ہوا برتاؤ نہ کرو۔ اس کے مقابلے میں یہ تمھاری پہلی جیت ہوگی۔ اگر تم بلند ہمتی سے کام لو۔ بدلہ لینے کے لیے اپنا حق استعمال نہ کرو بلکہ اسے معاف کر دو تو یہ کمال اطاعت کا بڑا مبارک مظاہرہ ہوگا۔

کھرے لوگوں سے دوستانہ تعلقات: ممکن ہے کہ کوئی ایسا آدمی جو تمھارا نسبی بھائی نہ ہو لیکن ان سچے بھائیوں میں سے ہو جن کے دل آپس میں تقوے کی بنیاد پر جُڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے بھائی نسبی بھائیوں کے مقابلے میں زیادہ قربانی دینے اور احسان کرنے والے ہوتے ہیں۔ پس ایسے ہی متقی بھائیوں کو دوست بناؤ۔ سچے دوست اور بھائی اچھے حالات میں سعادت کا باعث بنتے ہیں۔ آدمی ان سے مل کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ نیکی اور احسان کے معاملات اور اصلاحی کاموں میں شریک ہو جاتا ہے۔ جب حالات دگرگوں ہوں، آشوب اور آزمائش کا وقت ہو اور آدمی مشقت کی کٹھن زندگی بسر کر رہا ہو تو ایسے بھائی سہارے کا کام دیتے ہیں۔ اپنی جیب سے اس پر خرچ کرتے ہیں۔ قربانیاں دیتے

ہیں، اس کی خاطر مشکل ترین کام کرنے پر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اپنی ضرورت پس پشت ڈال دیتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں۔ [1]

یہ وہ چند حکمت بھرے اقوال تھے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت لوگوں میں معروف تھے۔ ہمارے ہاں تنقید نگار، ادیب اور صحافی حضرات متنبّی کے اشعار سے نمایاں ہونے والی حکمتوں کو پسند کرتے ہیں۔ اس کے شعر و ادب کو اس زمانے کے تجربوں کا نچوڑ قرار دیتے ہیں لیکن دیکھا جائے تو متنبّی کے دانائی والے اقوال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال سے کسی بھی میدان میں کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ متنبّی نے تو اپنے دور کے لوگوں کے تجربات جمع کیے، جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فکر و نظر سے لوگوں کی رہنمائی کے لیے دانائی سے بھرپور باتیں ارشاد فرمائیں۔ ان کے ملفوظات و اقوال کو اسلوب حکمرانی، عدل و انصاف اور اخلاقیات میں نہایت ممتاز اور نتیجہ خیز حیثیت حاصل ہوئی اگرچہ بظاہر ان کے اقوال قوانین کی زبان میں نہیں لکھے گئے اور نہ وہ مفصل شکل میں دستیاب ہو سکے، اس کے باوجود ان کے ارشادات متداول حکمتوں اور منقول ضرب الامثال میں اپنی روشنی دکھاتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال زبان و بیان کی رُو سے بھی بڑے بلند مقام کے حامل ہیں اور بڑے دقیق حقائق کی خبر دیتے ہیں۔ ذرا ان کا یہی قول ملاحظہ فرمائیے:

«مَتَى اسْتَعْبَدْتُّمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا؟»

"تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے، جبکہ ان کی ماؤں نے تو انھیں آزاد جنم دیا تھا؟"

اسی طرح یہ ارشاد: «إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَا يَصْلُحُ لَهُ إِلَّا اللَّيِّنُ فِي غَيْرِ ضُعْفٍ وَالْقَوِيُّ فِي غَيْرِ عُنْفٍ» "امرِ خلافت میں نرمی کی ضرورت ہے کمزوری کی نہیں، قوت کی ضرورت ہے ظلم کی نہیں۔" ...... صرف یہ دو اقوال ہی ایسی گہری بصیرت کے حامل ہیں

[1] التاريخ الإسلامي: 272/20.

کہ دنیا آج تک ان سے استفادہ کرتی چلی آ رہی ہے اور قیامت تک ان جملوں کی صداقت و بصیرت کبھی ماند نہیں پڑے گی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کے بارے میں ارشاد فرمایا: میں اللہ کی جناب میں کسی بھی طاقتور کے ظلم اور متقی کی درماندگی کا شکوہ پیش کرتا ہوں۔ مزید فرمایا: جو شر کو جانتا ہی نہیں زیادہ امکان ہے کہ وہ شر میں مبتلا ہو جائے۔ مزید فرمایا: میں دغا باز نہیں ہوں۔ نہ کوئی دغا باز مجھے دھوکا دے سکتا ہے۔[1] مزید فرمایا: اللہ پاک اپنے بندوں کو جس چیز کا حکم دیتا ہے اس پر ان کی اعانت بھی فرماتا ہے اور جس کام سے منع فرماتا ہے اُس سے بچنے کی توفیق بھی عطا کرتا ہے۔[2]

مدینہ طیبہ کو علم و فتویٰ کا گہوارہ بنانا

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اس وقت مدینہ طیبہ اسلامی ریاست کا دارالخلافہ تھا، وہیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ذہنی نشو و نما پائی تھی اور استخراجِ احکام کا ملکہ حاصل کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اسلامی معاشرے میں پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ فتوحات کی کثرت اور اسلامی ریاست کی حدود وسیع سے وسیع تر ہوتی رہیں مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آمدہ جدید مسائل و معاملات کا حل ڈھونڈنے میں کبھی کوئی پریشانی پیش نہیں آئی۔

مدینہ طیبہ محل وقوع کے اعتبار سے تمام شہروں کے مقابلے میں سب سے بہتر جگہ پر واقع تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کا آخری دور مدنی معاشرے میں گزارا تھا اور امت کے انتہائی بلند پایہ لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ تربیت پائی تھی۔ یہی وہ فیضان تھا جو آئندہ نسلوں کے لیے مینارۂ نور بن گیا۔ اس طرح ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا گیا

[1] أخبار عمر، ص: 212. [2] أدب الدنیا والدّین للماوردي، ص: 311، و فرائد الکلام، ص: 111.

جس کا کوئی اور معاشرہ کبھی بھی مقابلہ نہ کر سکا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دس (10) سالہ دورِ خلافت میں ان کی ذاتی خصوصیات اور سیاسی بصیرت کے سبب مدینہ طیبہ قرآن، حدیث، فقہ اور تشریعی اُمور کے سلسلے میں اولین درسگاہ کی حیثیت اختیار کر گیا اور علمی وجاہتوں کے اعتبار سے اسے دو صدیوں تک عظیم ترین مقام حاصل رہا۔ اس کے وجوہ یہ تھے:

مدینہ طیبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا گہوارہ تھا۔ خاص طور پر سابقین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہیں رہتے تھے اور فی الحقیقت انھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے مدینے میں روک رکھا تھا۔ اس کا سبب ان کے بے مثال ایمان و اخلاص سے فیض یاب ہونا، امور رعایا میں ان سے مدد لینا، ان کے علم ونظر سے فائدہ اُٹھانا، ان کے اخلاص پر اعتماد کرنا اور ان کے گراں قدر مشوروں سے رہنمائی لینا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان نفوسِ قدسیہ کا علم اہل مدینہ میں رچ بچ گیا۔ عالم یہ تھا کہ صرف مدینہ ہی میں 130 جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مفتی کے منصب کے حامل تھے۔ ان میں سیدنا عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، عائشہ، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جیسے اجل علماء بھی تھے۔ افتاء وارشاد کا زیادہ تر کام یہی اصحاب رضی اللہ عنہم سرانجام دیتے تھے۔

ابو محمد ابن حزم فرماتے ہیں: اگر ان مذکورہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فتووں کو جمع کیا جائے تو ہر صحابی کی اس کے اپنے فتووں پر مشتمل علیحدہ طور پر ایک مستقل ضخیم کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔ [1]

افتاء وارشاد سے منسلک مذکورہ اہل علم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد حسب ذیل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نام آتا ہے جن سے نہ تو بہت زیادہ فتوے منقول ہیں نہ ہی بہت کم جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ آپ رضی اللہ عنہ سے زیادہ فتوے اس لیے منقول نہیں کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زیادہ

[1] المدينة النبوية فجر الإسلام لمحمد شراب: 45/2.

عرصہ زندہ نہیں رہے۔ اسی طرح ام سلمہ، انس بن مالک، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، عثمان بن عفان، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عمران بن حصین اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اگر ان میں سے بھی ہر صحابی اور صحابیہ کے فتوے علیحدہ علیحدہ یکجا کیے جائیں تو ہر ایک کا ایک ایک کتابچہ تیار ہوسکتا ہے۔ [1]

ان تمام عظیم المرتبت افراد میں سے اکثر و بیشتر مدینہ ہی میں رہے۔ ہاں اگر کوئی تعلیمی یا جہادی ضرورت پیش آتی تھی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلامی ریاست کی وسعت کے سبب پیدا ہونے والی اس ضرورت کی تکمیل کے لیے مذکورہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جسے چاہتے ان مہمات پر روانہ فرماتے تھے۔ اسی طرح مفتوحہ علاقوں کی علمی پیاس بجھانے کے لیے بھی یہ مقدس ہستیاں مختلف مقامات پر پہنچ کر لوگوں کو قرآن وسنت کے چشمے سے سیراب کرتی تھیں۔

غرضیکہ مدینہ طیبہ کو علم اور فقہ کا گہوارہ اور اہل شوریٰ اور اہل رائے حضرات کا مرکز بنانے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مساعیِ جمیلہ بارآور ثابت ہوئیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حسن تدبیر سے جو کامیابی حاصل ہوئی اس کا ثبوت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ملتا ہے جس میں انھوں نے ارشاد فرمایا: میں مہاجرین کی ایک جماعت کو قرآن پڑھاتا تھا، اس جماعت میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ میں منٰی میں عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ پر (ان کا منتظر) تھا، جبکہ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا آخری حج تھا۔ اسی دوران عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ واپس آئے اور کہنے لگے: اے ابن عباس رضی اللہ عنہما! کاش تو دیکھتا۔ آج ایک آدمی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے کہا: اے امیر المومنین! کیا

---

[1] المدينة النبوية فجر الإسلام والعصر الراشدي:2/45.

آپ نے فلاں آدمی کی بات سنی؟ وہ کہہ رہا تھا: اگر عمر فوت ہو جائیں تو میں فلاں آدمی کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی تو اسی طرح اچانک شروع ہوئی اور مکمل ہو گئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو طیش میں آ گئے اور فرمایا: میں آج شام لوگوں سے خطاب کروں گا اور جو افراد لوگوں کے حقوق غصب کرنا چاہتے ہیں اُن کی گوشمالی کروں گا۔ اس پر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے امیر المومنین سے عرض کیا: نہیں، اے امیر المومنین! آپ ایسا نہ کیجیے کیونکہ یہ حج کا موسم ہے۔ یہاں کُند ذہن اور نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی آئے ہوئے ہیں اور آپ کے قریب یہی لوگ ہوں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ آپ کی بات کا غلط مطلب اخذ کریں گے اور اسے آگے نشر کر دیں گے۔ وہ آپ کی بات غور سے سننے کی زحمت ہی نہیں کریں گے نہ آپ کے ارشادات کا صحیح مطلب سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ آپ رک جائیے۔ جب آپ واپس مدینہ منورہ پہنچ جائیں تب خطاب فرمائیں کیونکہ مدینہ ہجرت کا مقام اور سنت نبوی کا گہوارہ ہے۔ وہاں علماء اور اہل دانش کی مجلس بلائیے، پھر اپنے دل کی بات کہیے۔ اہلِ علم آپ کی بات غور سے سنیں گے اور اس کا درست مطلب اخذ کریں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! میں مدینہ پہنچتے ہی پہلی فرصت میں یہی کام کروں گا۔ [1]

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس اثر سے یہ دلیل حاصل ہوئی کہ اہل مدینہ کو علم اور فہم میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا کیونکہ عبدالرحمٰن اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں اکابر نے اس پر اتفاق کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ بات بالکل درست تھی۔ اہل مدینہ کے ساتھ علم و فقہ میں مشابہت رکھنے والوں کو بھی ایسا ہی مقام حاصل تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سلسلہ ہر دور اور ہر فرد کے عہد میں اسی طرح آگے چلتا رہا۔ [2]

---

(1) صحيح البخاري، حديث: 6830. (2) فتح الباري: 155/12، والمدينة المنورة فجر الإسلام: 46/2.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تعلیمی اصلاحات کے اس دور نے ان مدارس پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے جو معاشرتی ترقی اور فتوحات کی وسعت کے بعد معرضِ وجود میں آئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی درسگاہ کے طالب علم کچھ تو مدینہ ہی میں رہے اور انھوں نے علم کی شمع روشن رکھی۔ وہ مدینہ طیبہ میں رہ کر تعلیمات نبوی کے سرچشمے سے سیراب ہوتے رہے اور ایسے شاگرد ثابت ہوئے جنھوں نے علم کی دنیا میں بڑی نیک نامی کمائی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعض شاگرد نومسلموں کی تعلیم و تربیت اور دینی مسائل سمجھانے کی غرض سے مفتوحہ علاقوں میں متعین ہوئے۔

مدینہ طیبہ نے علم و فقہ کی دنیا میں رفیع الشان مقام حاصل کیا اور مدنی درسگاہ نے مفتوحہ علاقوں میں قائم ہونے والے تدریسی مراکز اور علمی اداروں میں بھی اپنے گہرے اثرات چھوڑے۔ بصرہ اور کوفہ میں قائم ہونے والے مدارس میں بھی مدنی درسگاہ ہی کا اثر تھا۔ مدنی درسگاہ میں علم و آگہی کو جو فروغ، اہمیت، رفعت اور مرکزیت حاصل ہوئی اس کے اسباب یہ ہیں:

مدینہ طیبہ مہبطِ وحی اور مرکزِ شریعت تھا۔ خلفائے راشدین کے عہد میں کوئی شہر بھی اس کے مدمقابل نہ تھا۔ خلفائے راشدین ہی کے زمانے میں مدینہ طیبہ فقہاء صحابہ کا مرکز رہا۔ ان میں سرفہرست خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو 35 ہجری میں شہید کر دیا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ کوفہ منتقل کر دیا، اس کے باوجود مدینہ طیبہ بدستور اہل علم اور اہل فتویٰ کا مرکز رہا کیونکہ فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدت دراز تک مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ انھیں قرنِ اول کے نصف ثانی سے بھی زیادہ عمریں عطا ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم وہ صحابہ تھے جن کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت عطا فرمائی۔

تابعین کے زمانے میں کبار تابعین نے مدنی مدرسے کی تعمیر نو میں حصہ لیا۔ مشہور فقہائے سبعہ بھی انھی میں سے تھے جن کی اسلامی علاقوں میں کہیں کوئی مثال نہیں ملتی تھی یہ فقہائے سبعہ ایک شاعر کے اس قول میں یک جا ہیں ۔

أَلَا كُلُّ مَنْ لَّا يَقْتَدِي بِأَئِمَّةٍ فَقِسْمَتُهُ ضِيزٰى عَنِ الْحَقِّ خَارِجَةٌ

فَخُذْهُمْ عُبَيْدُ اللّٰهِ عُرْوَةُ قَاسِمٌ سَعِيدٌ أَبُو بَكْرٍ سُلَيْمَانُ خَارِجَةُ

''خبردار! ہر وہ شخص جو ائمہ کی اقتدا نہ کرے اس کی تقسیم ظالمانہ اور حق سے نکلنے والی ہے۔

پس تو انھیں لازم پکڑ لے وہ عبیداللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابوبکر، سلیمان اور خارجہ رحمہم اللہ ہیں۔''

بعدازاں صغار تابعین کا زمانہ آیا۔ وہ دوسری صدی کے نصف اول کے آخر تک زندہ رہے۔ ان میں سے ابن شہاب زہری، نافع بن اسلم اور یحییٰ بن سعید انصاری رحمہم اللہ کا تذکرہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ پھر حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا دور آیا، وہ تبع تابعین میں سے تھے۔ وہ اپنے سے بیشتر کبار وصغار تابعین کے علم کو اپنے زمانے کے سب لوگوں سے بڑھ کر جاننے والے تھے۔

اہل مدینہ کے علم کی عظمت کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ دیگر شہروں سے بھی لوگ علم کے حصول کے لیے حجاز کا سفر کرتے تھے۔ یہ مقام و مرتبہ کسی اور شہر کو حاصل نہ تھا۔ بہت سے اسلامی شہروں کے علماء نے طلب علم کے لیے مدینہ کا رُخ کیا۔ انھوں نے اپنے علم کی تصدیق کے لیے اپنے علوم مدینہ طیبہ کے علمائے کرام کو سنائے، مدینے کے علماء دنیا میں مرجع کی حیثیت کے حامل تھے۔ وہ مختلف شہروں میں قاضی اور معلم کی حیثیت سے پہنچے۔[1] اس کی ابتدا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام اور عراق کے مفتوحہ علاقوں میں مدینہ منورہ

[1] المدينة النبوية فجر الإسلام والعصر الراشدي : 47/2.

کے علمائے کرام کو بھیج کر فرمائی تھی تا کہ یہ علماء نئے علاقوں کے لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان، عمار بن یاسر، عمران بن حصین اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم عراق تشریف لے گئے۔ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابو درداء، بلال بن رباح اور ان جیسے کئی اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شام چلے گئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سیدنا عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، ابی بن کعب، محمد بن مسلمہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے صحابۂ کرام موجود رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اس وقت عراق میں سب سے زیادہ صاحب علم کی حیثیت سے معروف تھے، لوگوں کو فتوے دیتے تھے، پھر جب وہ مدینہ طیبہ تشریف لاتے تو مدینہ کے علماء سے اس بارے میں مذاکرہ فرماتے تھے۔ اہل مدینہ انھیں بعض اوقات ان کے قول سے رجوع کراتے تو وہ اہل مدینہ ہی کا قول اختیار فرمالیتے تھے۔ ①

اسلامی ریاست میں موجود تمام مدارس میں مدینہ طیبہ ہی کی درسگاہ کا اثر پایا جاتا تھا۔ کوفہ کے علاوہ تقریباً تمام مراکزِ علم اہل مدینہ ہی کے علم پر اعتبار کرتے تھے اور انھی کے قول کو ترجیح دیتے تھے۔ شام اور مصر وغیرہ تمام علاقوں کے علماء خود کو مدینہ طیبہ کے علماء کا ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔ شام سے تعلق رکھنے والے امام اوزاعی ہوں یا شام کا کوئی اور عالم جو امام اوزاعی سے متقدم ہو یا متأخر اسی طرح مصر کے عالم لیث بن سعد ہوں یا ان سے متقدم یا متأخر کوئی اور عالم، سب اپنے آپ کو علمائے مدینہ کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے تھے۔ وہ اور ان کے جملہ متبعین اہل مدینہ ہی کے عمل کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بصرہ کے رہنے والے علماء ایوب، حماد بن زید، عبدالرحمٰن بن مہدی اور ان جیسے کئی دیگر فقہاء بھی اہلِ مدینہ ہی کا قول اختیار کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل مدینہ کا فکر وعمل ہر جگہ پھیل گیا۔ ②

---

① الفتاویٰ: 172/20. ② الفتاویٰ: 174/20.

اہل مدینہ کے بارے میں لوگوں کا اعتماد اتنا محکم تھا کہ ان کی اور ان کے مذہب کی عظمت سب کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ جب امام مالک رحمہ اللہ کی مرویات بیان فرماتے تھے تو ان کا گھر لوگوں سے بھر جاتا تھا اور مالک کے علاوہ کسی اور کی مرویات ہوتیں تو بہت کم لوگ آتے تھے۔ محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے تم سب سے بڑھ کر اپنے ہی احباب کی شان میں کوتاہی کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ جب میں امام مالک رحمہ اللہ کی مرویات بیان کرتا ہوں تو تمھاری بہتات سے جگہ تنگ پڑ جاتی ہے اور جب میں تمھارے اپنے کوفی احباب اور ساتھیوں کی مرویات بیان کرتا ہوں تو تم بادل نخواستہ آتے ہو۔[1]

اہل مدینہ سے علم حاصل کرنے کی وجہ سے لوگوں کی شان میں زبردست اضافہ ہو جاتا تھا۔ وہ دوسرے علاقوں کے علمائے کرام سے کہیں زیادہ بلند مرتبہ ہو جاتے تھے۔ وہ اہلِ مدینہ کے علم کو برتری کا معیار سمجھتے تھے۔ مکہ کے اہل علم مجاہد اور عمرو بن دینار نے فرمایا: ہم سب کی شان ہمیشہ ایک دوسرے کے برابر رہی۔ جب عطاء بن ابی رباح مدینہ گئے اور واپس آئے تو ان کی فضیلت ہم سے بڑھ گئی۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں مدینہ طیبہ کو فقہی علوم کا جو خصوصی گنجینہ میسر آیا، اس کا ایک سبب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ وہ ایک ملھم من اللّٰہ شخصیت تھے۔ ان کی صحیح آراء دیکھ کر ہی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ملہم قرار دیا تھا۔

ابتدائی دور میں معرضِ وجود میں آنے والے مدارِس اسلامیہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کے طول وعرض میں جگہ جگہ درسگاہیں قائم فرمائیں جن سے بہت سے علماء، داعیان الی اللہ، والی اور قاضی فارغ التحصیل ہوئے۔

---

[1] المدينة النبوية فجر الإسلام و العصر الراشدي :2/48. [2] المدينة النبوية فجر الإسلام : 2/48.

جب ہم اسلامی تاریخ میں قائم ہونے والی ابتدائی درسگاہوں پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہر مدرسے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کا اثر پاتے ہیں کیونکہ یہ تمام مدارس قائم کرنے والے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے علم سے متأثر اور فیض یافتہ تھے جن کی مختصر تاریخ مندرجہ ذیل ہے:

مکی مدرسہ

مکہ میں قائم مدرسہ نہ صرف اہلِ مکہ بلکہ دنیا کے کونے کونے سے بیت اللہ آنے والے حجاج، معتمرین اور دیگر زائرین کی توجہ کا مرکز رہا۔ اس لیے کہ مکہ نے ہر اس مومن کے قلب وذہن کو متأثر کر رکھا ہے جس نے اسے دیکھا ہے یا اسے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ابتدائی زمانے میں اگرچہ اس درسگاہ میں علم کی کمی تھی لیکن ان کے آخری دور اور تابعین عظام اور تبع تابعین کے دور میں علم میں گراں مایہ اضافہ ہوتا رہا اور ابن ابی نجیم اور ابن جریج جیسے کبار علماء سامنے آئے۔ [1]

زمانۂ تابعین میں حبر الأُمّہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت ممتاز حیثیت حاصل رہی۔ انھوں نے اپنے وسیع علم اور عزم و ہمت کا سرمایہ علمِ تفسیر عام کرنے میں صرف کر دیا۔ انھوں نے اپنے تلامذہ کو بھی اسی نہج پر چلایا، چنانچہ ان کے زیر اثر ایسے نامور علماء پیدا ہوئے کہ تفسیر کے میدان میں انھوں نے بڑا نام پایا اور اس درسگاہ نے تمام مدارس پر سبقت حاصل کر لی۔

اس مدرسے کی ترقی میں علمائے کرام نے بہت سے اسباب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سرفہرست جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس مدرسے کے رُوح رواں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جو زبردست اہمیت اور عظمت نصیب ہوئی، علمائے کرام

---

[1] الإعلان و التوبيخ لمن ذم التاريخ، ص: 292. [2] تفسير التابعين للدكتور محمد الخضري: 371/1.

نے اس کے اسباب بیان کیے ہیں جو انھیں دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر کتاب اللہ کی سوجھ بوجھ میں فائق تر ثابت کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ انھیں تفسیر وتشریح کے فن میں زبردست مہارت حاصل تھی۔

اجمالی طور پر وہ اسباب یہ تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے بارے میں دین کے حصول اور علم تفسیر کی دعا، کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسب فیض، استنباط مسائل میں اعلیٰ قابلیت، تفسیر سے لگاؤ، اپنے تلامذہ کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی طریقۂ کار کا استعمال، علم پھیلانے کی تمنا، ان کے اسفار، درازی عمر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قرب![1]

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما میں فہم و فراست اور حسنِ عمل کے آثار دیکھے تو انھیں اپنی مجلس میں جگہ دی، اپنے قریب بٹھایا، مجلس مشاورت میں شامل کیا اور ان کی رائے کا احترام فرمایا۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہ موقع غنیمت جانا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی سے خوب کسبِ فیض کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت نوجوان تھے، چنانچہ علم و آگہی کے حصول کا انھیں خوب موقع آسانی سے میسر آیا اور وہ سب سے آگے بڑھ گئے۔ تفسیر ہو یا کوئی اور علم وہ متقدم ہی نظر آتے۔ حضرت عامر شعبی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے میرے باپ نے کہا: اے بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں کہ امیر المومنین تجھے اپنا قرب بخشتے ہیں، تجھ سے علیحدگی میں ملاقات کرتے ہیں اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تجھے بھی مشورے میں شامل کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں میری تین نصیحتیں یاد رکھنا: ① اللہ سے ڈرتے رہنا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا کوئی راز کبھی فاش نہ کرنا۔ ② ہمیشہ سچ بولنا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تجھ پر کبھی جھوٹ کا واہمہ بھی نہیں گزرنا چاہیے۔ ③ ان کے حضور کبھی کسی کی غیبت نہ کرنا۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی صف میں صرف اس لیے

① تفسير التابعين: 1/374-395. ② حلية الأولياء: 1/318، وتفسير التابعين: 1/376.

شامل فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فکر و فہم کی گراں قدر نُدرتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل بھی آسانی سے حل کر لیتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں مجھ سے سوالات فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے: اے ابن عباس رضی اللہ عنہما! جب تک سب اپنا ما فی الضمیر ظاہر نہ کر دیں، تم جواب نہ دینا، پھر جب میں گفتگو کرتا تو فرماتے تھے: اے لوگو! تم سب اس نوجوان جیسا جواب لانے سے قاصر ہو جو ابھی تک لڑکپن کی عمر میں ہے۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انتہائی ادب کرتے تھے۔ جب ان کی مجلس میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم تشریف فرما ہوتے تھے تو بغیر اجازت گفتگو نہ فرماتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ بات محسوس فرما لیتے تھے، چنانچہ وہ علم و معرفت کے حصول کی خاطر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بات چیت کرنے کے مواقع مہیا کرتے رہتے تھے۔[2]

اس کی مثال گزشتہ صفحات میں آیت: ﴿ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ ﴾ ”کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ ہو۔“[3] اور آیت: ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ ﴾ ”(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے گی۔“[4] کی تشریح میں گزر چکی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بلاشبہ حضرت عمر کے علمی ہراول دستے میں سے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز اشراق سے فارغ ہو جاتے تو اپنے کھجوروں کے کھلیان میں تشریف لے آتے تھے، پھر وہ کچھ قرآن پڑھنے والے نوجوانوں کو بُلاتے تھے۔ ان میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہوتے تھے۔ وہ آتے قرآن پڑھتے اور ایک دوسرے کو پڑھاتے۔ قیلولے کا وقت ہو جاتا تو واپس چلے جاتے تھے۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ

---

[1] المستدرك للحاكم: 539/3، صحيحه الحاكم و وافقه الذهبي. [2] تفسير التابعين: 377/1.
[3] البقرة 266:2. [4] النصر 1:110.

فرماتے ہیں: ایک دفعہ لڑکے یہ آیات پڑھ رہے تھے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ﴾

''اور جب اس سے کہا جاتا ہے اللہ سے ڈر تو اس کی عزت اسے گناہ میں پھنسائے رکھتی ہے۔'' اور

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ ﴾

''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت شفیق ہے۔''[1]

یہ آیات سنتے ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پاس بیٹھے دوستوں سے کہا: ''دو آدمی لڑ پڑے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی اور دریافت فرمایا: تم نے کیا کہا؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: کچھ نہیں، اے امیر المومنین! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے یہ نہیں کہا کہ دو آدمی لڑ پڑے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما سمجھ گئے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بات سن لی ہے تو فرمایا:

یہ آیت مقدسہ بتا رہی ہے کہ وہ ظالم شخص جسے اللہ رب العزت سے ڈرنے اور ظلم و فساد سے باز آنے کی تلقین کی جائے تو اس کا گھمنڈ اسے اور زیادہ گناہ پر اُکساتا ہے۔ جس آدمی کا یہ حال ہو وہ ظلم و فساد سے کبھی باز آنے والا نہیں۔ اسے تو جہنم ہی کفایت کرے گا۔ پس جس نے جہنم کا ٹھکانا ڈھونڈا اس نے کتنا بُرا ٹھکانا ڈھونڈا۔ اس کے برعکس ایک آدمی ایسا ہے جو نفس پرستی کی جگہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے جذبے سے معمور ہوتا ہے اور اللہ رب العزت کی خوشنودی کی طلب میں اپنی جان بھی بیچ دیتا ہے، یعنی رضائے الٰہی کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے مخلص بندے کے لیے سراسر شفقت اور مہربانی

[1] البقرۃ 2:206، 207۔

فرمانے والا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہی وہ آدمی ہے جو پہلی قسم کے شخص کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہے مگر وہ اپنے تکبر کی وجہ سے اللہ کا حکم قبول نہیں کرتا بلکہ بدستور گناہ پر اڑا رہتا ہے۔ اس طرح گویا یہ شخص نیکی کی تلقین کرنے والے سے لڑنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی لیے میرا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل آگئے اور باہم لڑ پڑے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے یہ تشریحی ارشادات سُنے تو فرطِ مسرت سے فرمایا: «لِلّٰهِ تِلَادُكَ يَاابْنَ عَبَّاسٍ!» ''اے ابن عباس! تیرا یہ کمال اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن کے بارے میں کوئی سوال کرنا ہوتا تو فرماتے: اے غوطہ خور! غوطہ لگا![2] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب مشکل ترین مسائل درپیش ہوتے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے: اے ابن عباس رضی اللہ عنہما! ہم پر مشکل ترین مسائل آن پڑے ہیں انھیں تو اور تجھی جیسے (صاحب فراست) ہی حل کر سکتے ہیں، پھر وہ انھی کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ مشکل معاملے کے موقع پر وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا کسی اور کو طلب نہیں فرماتے تھے۔[3]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کو حاضر جواب، ذہین، زیادہ علم والا اور زیادہ بُردبار نہیں پایا۔ تحقیق میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بڑے کٹھن مسائل میں انھی کو بلاتے دیکھا ہے۔ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما آجاتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے: میرے روبرو ایک کٹھن مسئلہ آن پڑا ہے۔ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا حل پیش فرماتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے قبول فرما لیتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اردگرد اکثر بدری مہاجرین اور انصار ہوتے تھے۔[4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سب کو مخاطب فرما کر کہا کرتے تھے: «ذَاكُمْ فَتَى الْكُهُولِ، إِنَّ لَهُ

---

[1] تفسير الطبري: 4/245، والدر المنثور: 1/578. [2] فضائل الصحابة لأحمد: 2/981، رقم: 1940. [3] تفسير التابعين: 1/379. [4] طبقات ابن سعد: 2/369.

لِسَانًا سَؤُولًا وَّقَلْبًا عَقُولًا» ''یہ لڑکا بوڑھوں کا جوان ہے، اس کے پاس بہت سوال کرنے والی زبان اور بڑا فہیم دل ہے۔''[1]

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی زیادہ عزت بخشتے تھے۔[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنا زیادہ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کی معیت میں گزارتے تھے۔ ان سے سوال کرنے اور علم حاصل کرنے کے لیے ہر آن شائق رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تفسیر اور علم دوسرے صحابہ کی نسبت زیادہ نقل فرماتے اور لوگوں تک پہنچاتے۔ بعض اہل علم نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سارا علم بالعموم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے۔[3]

یہ وہ چند علمی خوبیاں تھیں جو انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قربت اور مہربانی کے باعث حاصل کیں اور مکی مدرسے کی پیشوائی کا منصب حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ اس وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما تمام علوم میں عمومًا اور تفسیر میں خصوصًا آگے بڑھنے کا حوصلہ پاتے چلے گئے۔[4]

مدنی مدرسہ

سابقہ صفحات میں مدنی مدرسے کے بارے میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کو علم اور فتووں کا گہوارہ بنانے کے لیے کس قدر زبردست کوششیں فرمائیں۔ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر علماء میں سے سب سے زیادہ علمی میدان میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شہرت پائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینہ میں رہنے کا پابند کر رکھا تھا۔ اسی طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بہت سے شاگرد بھی ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

[1] تفسیر التابعین: 379/1، وفضائل الصحابة لأحمد، رقم: 1555. [2] طبقات ابن سعد: 370/2. [3] تفسیر التابعین: 381/1. [4] تفسیر التابعین: 506/1.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف شہروں میں مختلف ڈیوٹیاں سونپ رکھی تھیں لیکن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ ہی میں فتوے جاری کرنے کا کام سونپے رکھا۔

حمید بن اسود فرماتے ہیں: اہل مدینہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ امام مالک رحمہ اللہ کے اقوال اپنائے۔[1]

حضرت زید رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے شاگردوں کا وسیع حلقہ عطا فرمایا۔ لوگوں نے ان کے اقوال کو حفظ کیا، ان کا علم پھیلایا اور ان کے منقولات عام کر دیے۔[2]

عامر شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرائض اور قرآنی علوم میں سب پر فائق تھے۔[3] علم الفرائض کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں شہادت دی اور فرمایا:

«أَفْرَضُهُمْ زَيْدُبْنُ ثَابِتٍ»

''صحابہ میں سب سے زیادہ فرائض کا علم جاننے والا زید بن ثابت ہے۔''[4]

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بہت سے فقہاء تابعین نے کسبِ فیض کیا۔ جن میں سے چھ (6) بہت مشہور ہوئے۔

علامہ ابن مدینی فرماتے ہیں: باوثوق ذرائع اور پختہ سند سے جو خبر ہم تک پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے جن لوگوں کی ملاقات ثابت ہے وہ سعید بن میسّب، عروہ بن زبیر، قبیصہ بن ذؤیب، خارجہ بن زید، ابان بن عثمان اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ تھے۔[5]

گزشتہ صفحات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ مدینے کی اس درسگاہ کا دیگر تمام علمی مراکز پر نہایت گہرا اثر تھا۔

---

[1] العلل لأحمد :259/3، رقم:5145، وتفسير التابعين:506/1. [2] تفسير التابعين: 506/1.
[3] تهذيب تاريخ دمشق:449/5، وتفسير التابعين:508/1. [4] جامع الترمذي، حديث :3791 وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. [5] تفسير التابعين:510/1.

بصری مدرسہ

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے بصرہ شہر آباد کیا تھا، جبکہ انھوں نے چودہ (14) ہجری کو اس کا نقشہ تیار کرلیا تھا۔ بصرہ شہر کے آباد ہونے کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ان شاء اللہ اس کے بارے میں مفصل بحث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں آبادیات کی ترقی کے عنوان کے تحت آئے گی۔ بصرہ شہر کوفہ سے تین سال پرانا ہے۔[1] یہاں کا مدرسہ جملہ علوم وفنون میں کوفی مدرسہ کے مقابل تھا۔ یہاں بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قیام فرمایا۔[2] ان میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ بعدازاں مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وہاں مسلسل تشریف لاتے رہے۔ آخر میں آنے والے صحابی انس بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔[3] اس مدرسے کے مشہور ترین مقیم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سرفہرست ابوموسیٰ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما تھے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو مکہ آئے، مسلمان ہوئے، انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی۔ ان کا شمار کبار علمائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ بصرہ گئے اور مقامی باشندوں کو دین کی تعلیم سے آراستہ کیا۔[4]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بے حد متأثر تھے۔ ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کے درمیان خط کتابت بھی جاری رہتی تھی۔ اس کی تفصیلات گورنروں اور قاضیوں کے تذکرے کے تحت آئیں گی۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ علم، عبادت، پرہیزگاری، حیا، عزتِ نفس، پاکدامنی، زہد اور اسلام پر استقامت جیسی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ ان کا شمار کبار علماء، فقہاء اور مفتیوں میں ہوتا تھا۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں انھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پہلے طبقے میں شمار فرماتے ہیں

---

[1] تفسیر التابعین : 422/1. [2] علامہ ابن حبان رحمہ اللہ نے پچاس سے زیادہ مشاہیر صحابہ کا تذکرہ فرمایا ہے جو بصرہ میں آئے۔ تفسیر التابعین:422/1. [3] طبقات ابن سعد : 26/7، وصحیح مسلم، حدیث : 622. [4] تفسیر التابعین : 423/1.

اور ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ بڑے نیک بخت عالم تھے۔ ہر دم کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والے تھے۔ ان کے قرآن پڑھنے کا انداز اور لہجہ انتہائی شاندار اور پرکشش تھا۔ قرآن پڑھنا اور لہجے کی عمدگی انتہا درجے کی تھی۔ انھوں نے دین کا نہایت بابرکت علم لوگوں تک پہنچایا۔ وہ اہل بصرہ کے سب سے بڑے قاری اور فقیہ تھے۔ [1]

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریب رہنے والے تھے۔ انھوں نے بہت سے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم، مثلاً: عمر، علی، ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسی مقدس ہستیوں سے کسبِ فیض کیا۔ خصوصًا وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑے متأثر رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بصرہ کی طویل مدت تک قائم رہنے والی ولایت کے دوران خط کتابت کے ذریعے سے رابطہ قائم رکھا۔ وہ ان کی خبرگیری فرماتے تھے۔ جب کوئی مشکل آڑے آتی تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ امام شعبی رحمہ اللہ نے انھیں امت کے مشہور ترین چار قاضیوں میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: اس امت کے چار قاضی ہوئے ہیں: عمر، علی، زید بن ثابت اور ابوموسیٰ اشعری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ [2]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جب مدینہ تشریف لاتے تو زیادہ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ رہتے تھے۔ ابوبکر بن ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ ایک دن ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عشاء کے بعد تشریف لائے۔ انھوں نے پوچھا: آپ اس وقت کیسے آئے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ سے کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس وقت؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں، کچھ علمی باتیں کرنی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ دونوں دیر تک باہم گفتگو کرتے رہے، پھر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب بھی ہم نماز ہی میں تھے۔ [3]

[1] تذكرة الحفاظ : 23/1. [2] سير أعلام النبلاء : 389/2. [3] أبو موسى الأشعري الصحابي العالم المجاهد لمحمد طهماز، ص:121.

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ جس طرح حصولِ علم کا شوق رکھتے تھے، اسی طرح وہ علم کو پھیلانے اور لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے آرزومند بھی رہتے تھے۔ وہ اپنے خطبوں میں لوگوں کو تعلیم وتعلم کی اہمیت اور افادیت سے رُوشناس کراتے تھے۔ ابو المہلب فرماتے ہیں: میں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا: جسے اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے، وہ اس خزانے کو لوگوں میں تقسیم کرے اور بغیر علم کے کوئی بات نہ کہے وگرنہ وہ متکلف اور بناوٹی آدمی سمجھا جائے گا اور دین سے نکل جائے گا۔ [1]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی مسجد کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ وہ روزانہ اپنا بہت سا وقت علمی مجالس کے لیے وقف فرماتے تھے۔ ان پر کوئی وقت ایسا نہ گزرتا جب وہ لوگوں کو علم سکھلانے اور مسائل سمجھانے میں مصروف نہ ہوتے۔ وہ جوں ہی نماز سے سلام پھیرتے، لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاتے، انھیں دین کا علم، خصوصًا قرآن کریم کی قراءت سکھلاتے تھے۔

ابن شوذب فرماتے ہیں: ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو تمام صفوں میں فرداً فرداً ہر آدمی کو قراءتِ قرآن کا سبق دیتے تھے۔ [2]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بہت خوش آواز اور شیریں لہجے کے حامل تھے۔ وہ جب تلاوتِ قرآن میں مصروف ہوتے تو لوگ اُن کے آس پاس جمع ہو جاتے تھے۔ وہ جب بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سے تلاوت قرآن ہی کی فرمائش کرتے تھے۔ [3]

اللہ تعالیٰ نے ان سے مسلمانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کا کام لیا۔ انھوں نے قرآن کی تعلیم کی جہاں تک ممکن ہوا پوری اسلامی ریاست کے شہروں میں اشاعت فرمائی۔ جہاں جہاں بھی جا سکے قرآنی تعلیم کا نور عام کرتے رہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنی

---

[1] الطبقات: 107/4. [2] سير أعلام النبلاء: 289/2. [3] أبو موسى الأشعري الصحابي العالم، ص: 126,125.

دلکش آواز اور نہایت پرکشش لہجے سے بڑا کام لیا۔ لوگ ان کی زبانِ مبارک سے قرآن سننے کے لیے جوق در جوق آتے تھے۔ بصرہ میں ان کے گرد شائقینِ علم کا بڑا گروہ جمع ہو گیا۔ انھوں نے طلباء کی گروپ بندی کی۔ ان کے علیحدہ علیحدہ حلقے بنائے۔ وہ باری باری سب کے پاس جاتے انھیں قرآن سناتے اور پھر اُن سے سنتے اور اغلاط کی تصحیح فرماتے۔ (1)

قرآن کریم کی تلاوت اور تعلیم و تدریس کی وجہ سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انتہائی مصروف رہتے تھے۔ حضر ہو یا سفر انھوں نے اپنا اکثر وقت اشاعتِ قرآن ہی میں صرف فرمایا۔

انس بن مالک فرماتے ہیں: مجھے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: تو نے اشعری کو کس حالت میں چھوڑا؟ میں نے عرض کیا: میں نے انھیں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے ہوئے چھوڑا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ بڑا دانا آدمی ہے مگر تم اسے یہ بات نہ بتانا۔ (2)

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جہاد کے لیے نکلتے تھے تو اس وقت بھی فقہ اور علمِ دین ہی کی اشاعت میں مصروف رہتے تھے۔ حطّاب بن عبداللہ رقاشی بیان فرماتے ہیں کہ ہم ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک لشکر میں تھے اور دریائے دجلہ کے ساحل پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ مؤذن نے ظہر کی اذان دی۔ لوگوں نے وضو کیا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، پھر سب لوگ ٹولیوں کی شکل میں بیٹھ گئے، پھر نماز عصر کا وقت آ گیا۔ مؤذن نے عصر کی اذان دی۔ لوگ نماز عصر کے لیے وضو کرنے اٹھے تو انھوں نے اپنے منادی کو حکم دیا: اعلان کردو کہ وضو صرف بے وضو ہو جانے والے پر لازم ہے۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی علمی کاوشیں رنگ لائیں۔ اُن کی آنکھیں اپنے گرد جمع ہونے والے علماء اور حفاظِ کرام کی وجہ سے ٹھنڈی ہوگئیں۔ صرف بصرہ ہی میں ان کے فیض یافتگان کی

(1) أبو موسٰى الأشعري الصحابي العالم، ص: 127. (2) أبو موسٰى الأشعري الصحابي العالم، ص: 128.

تعداد تین سو کے قریب تھی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں سے حفاظ قرآن کی فہرست طلب فرمائی تا کہ وہ ان کی عزت افزائی کریں اور ان کے روزینے مقرر کریں تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ہمارے ہاں جن احباب نے قرآن کریم حفظ کر لیا ہے ان کی تعداد تین سو(300) سے کچھ اوپر ہے۔ آپ ان افراد کے نام لکھ لیجیے۔ [1]

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سنت کی تعلیم اور روایت کو بھی فروغ دیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سی روایات بیان فرمائیں، پھر ان سے بہت سے صحابہ اور کبار تابعین نے مرویات روایت کیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان سے بریدہ بن حصیب، ابو امامہ باہلی، ابو سعید خدری، انس بن مالک، طارق بن شہاب، سعید بن میبّب، اسود بن یزید، ابو وائل شقیق بن سلمہ، ابوعثمان نہدی اور بہت سے دیگر حضرات نے مرویات روایت کیں۔ [2]

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت پابندی سے سنت پر عمل کرنے والے انسان تھے۔ اس کا ثبوت ان کی وہ وصیت تھی جو انھوں نے اپنے انتقال کے وقت فرمائی۔ سنت پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

بصری مدرسے کے دوسرے بڑے پیش رو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نجاری خزرجی تھے۔ وہ خادم رسول ﷺ کہلاتے تھے۔ وہ اس لقب پر فخر محسوس کرتے تھے۔ حق بھی یہی تھا کہ خادم رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ [3]

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کی دس(10) سال خدمت کی۔ اُس وقت میں ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ [4]

مزید فرمایا: نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو میں دس سال کا تھا اور جب آپ ﷺ نے رحلت فرمائی اس وقت میری عمر بیس سال تھی۔ [5]

[1] أبو موسیٰ الأشعري الصحابي العالم، ص: 129. [2] سير أعلام النبلاء : 381/2. [3] تهذيب الأسماء واللّغات : 127/1. [4] تفسير التابعين : 423/1. [5] صحيح مسلم، حديث :2029.

نبی ﷺ نے ان کے لیے مال اور اولاد کی کثرت اور عمر میں برکت کی دعا فرمائی۔

نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«اَللّٰهُمَّ! أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيهِ»

''اے اللہ! اس کا مال اور اولاد زیادہ کر دے اور اس میں برکت عطا فرما۔''[1]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صاحب التہذیب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے قریب قریب دوسو (200) راویوں کا حوالہ دے کر بتایا ہے کہ انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دو ہزار دوسو چھیاسی احادیث روایت کیں۔ ان میں سے دوسو اسی (280) روایات بخاری اور مسلم میں مشترک ہیں۔ امام بخاری ان کی اسی (80) روایات اور امام مسلم نوے (90) روایات کے ساتھ منفرد ہیں۔[3]

کبار تابعین علماء جیسے حسن بصری، سلیمان تیمی، ثابت بنانی، زہری، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، ابراہیم بن میسرہ، یحییٰ بن سعید انصاری، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر تابعین کا امام اور معلم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جاتا ہے۔[4]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سنت کو روایت کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی عظیم الشان ذمہ داری بخوبی نبھاتے رہے۔ علم ان کی مستند پہچان بن گیا تھا۔ انھوں نے خلافت راشدہ کے زمانے میں بہت سے اہم کام انجام دیے۔ خلفائے راشدین خصوصًا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے عہد میں اُنھیں مختلف مناصب پر فائز کیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر بنے تو انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو قرب بخشا اور خاص مقام عطا فرمایا۔

[1] صحيح مسلم، حديث: 2481. [2] سير أعلام النبلاء: 3/397. [3] سير أعلام النبلاء: 3/406، وتفسير التابعين: 1/423. [4] أنس بن مالك الخادم الأمين، عبدالحميد طهماز، ص: 135.

حضرت ثابت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ لوگ دنیاوی گفتگو کر رہے تھے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انس! ممکن ہے کہ ان لوگوں میں سے کسی کی زبان چمڑے کو بھی کاٹ ڈالے تو ادھر میرے پاس آ جا۔ ہم تھوڑی دیر اپنے رب کو یاد کر لیں، پھر مجھ سے فرمایا: بتاؤ لوگوں کو دین سے کس چیز نے پیچھے دھکیل دیا؟ میں نے عرض کیا: دنیا، شیطان اور نفسانی خواہشات نے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، بلکہ دنیا انھیں جلدی مل گئی اور یہ آخرت کو بھول گئے۔ اللہ کی قسم! اگر یہ آخرت کو آنکھوں سے دیکھ لیں تو کسی اور طرف رُخ کریں نہ کسی اور طرف جُھکیں۔ ①

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی پر بھروسا کرتے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں انھی کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بصرہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ فرمایا تاکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے لوگوں کے حالات دریافت کر سکیں۔ ②

''تستر'' کی فتح کے بعد ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس کو قیدیوں اور مال غنیمت کا نگران بنا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ فرمایا۔ ان قیدیوں میں ہُرمزان بھی تھا۔ ③

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سے لوگوں نے احادیث روایت کیں، ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی بہت بڑی تعداد شامل تھی، خصوصًا جن حضرات کا تعلق بصرہ سے تھا انھوں نے ان سے کثیر روایات بیان فرمائیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے اپنے عقیدت مندوں پر زہد اور عبادت کا بڑا گہرا اثر چھوڑا۔ وہ اپنے تلامذہ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ انھیں قریب بٹھاتے، عزت دیتے

① أنس بن مالك الخادم الأمين، ص: 149. ② أنس بن مالك الخادم الأمين، ص: 149. ③ أنس بن مالك الخادم الأمين، ص: 149.

اور ہمیشہ تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتے اور فرماتے تھے: «مَا أَشْبَهَكُمْ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! وَ اللّٰهِ لَأَنْتُمْ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ عِدَّةِ وَلَدِي إِلَّا أَنْ يَكُونُوا فِي الْفَضْلِ مِثْلَكُمْ وَإِنِّي لَأَدْعُولَكُمْ بِالْأَسْحَارِ» ''تم اصحاب محمد ﷺ سے کس قدر مشابہت رکھتے ہو۔ تم تو مجھے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہو۔ میرا کوئی بیٹا صرف اسی وقت میری طرف سے زیادہ عزت اور محبت کا مستحق ہو سکتا ہے جب وہ تم جیسا ہو۔ یاد رکھو! میں تمھارے لیے سحری کے وقت دعائیں کرتا ہوں۔''[1]

یہی وجہ تھی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ علمائے کرام کی ایسی رفیع الشان جماعت تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جنھوں نے ان سے علم حدیث حاصل کیا اور آئندہ نسلوں کو پہنچایا۔ اس طرح ان کے علوم نسل در نسل پھیلتے چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ثقہ تلامذہ ڈیڑھ صدی سے زائد عرصہ زندہ رہے اور علوم عالیہ کی روشنی پھیلاتے رہے۔[2]

کوفی مدرسہ

کوفہ میں تین سو کے قریب اصحاب شجرہ (بیعت رضوان والے) اور ستر (70) کے قریب بدری صحابہ رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور وہاں قیام فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا: اے اہل کوفہ! تم عرب کی اصل اور چوٹی کی حیثیت رکھتے ہو۔ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمھاری طرف بھیجا ہے اور تمھارے لیے پسند کیا ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ رکھنے کا خواہش مند تھا مگر میں نے اپنی ذات پر تمھیں ترجیح دی ہے۔[3]

ایک روایت میں ہے: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے عمار رضی اللہ عنہ کو امیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے افضل ترین افراد میں سے ہیں۔ ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ میں نے اپنے آپ کو نظر

[1] سير أعلام النبلاء: 363/5. [2] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 271. [3] مجمع الزوائد: 291/9. تمام رجال سوائے حارثہ کے صحیح کے ہیں۔ حارثہ بھی ثقہ ہے۔

انداز کر کے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمھارے پاس روانہ کیا ہے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو نمایاں اہمیت دی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانہ فرمایا اور انھیں لکھا: قرآن کریم قریش کے لہجے میں نازل ہوا ہے۔ آپ انھیں اسی لہجے میں پڑھائیں۔ قبیلۂ ہذیل کے لہجے میں نہ پڑھائیں۔ ②

جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ کوفہ جانے لگا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے الوداعی خطاب فرماتے ہوئے کہا: تم ایک ایسی بستی کی طرف جارہے ہو جس کے رہنے والے قرآن کثرت سے پڑھتے ہیں۔ ان کی آوازیں شہد کی مکھی کی آواز کی طرح ہیں۔ تم انھیں اس انداز میں احادیث نہ سنانا کہ وہ قرآن سے مشغول ہو جائیں۔ قرآن کو علیحدہ رکھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو۔ اب تم چلو۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہر دم قرآن ہی میں منہمک رہنے کو سُنت میں مشغول رہنے سے نسبتاً بہتر خیال کرتے تھے۔ اس کا ثبوت ان کے اس عمل سے ملتا ہے جب انھوں نے سنت کو لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ اس موقع پر انھوں نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لکھنے کا مشورہ دیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک مہینے تک استخارہ کرتے رہے، پھر ایک دن انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھرپور حوصلہ عطا ہوا، چنانچہ آپ نے فرمایا: میرا ارادہ تھا کہ سنتوں کو تحریر میں لاؤں، پھر مجھے دھیان آیا کہ تم سے پہلے بھی بعض قومیں گزری ہیں، انھوں نے کتابیں لکھیں، پھر وہ لوگ انھی کتابوں میں مشغول ہو گئے اور اللہ کی کتاب کو بُھلا بیٹھے۔ اللہ کی قسم! میں کتاب اللہ کو کسی بھی چیز سے خلط ملط نہیں ہونے دوں گا۔ ④

درحقیقت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قرآن کریم کو لوگوں کے دلوں میں خوب

---

① السلطة التنفيذية: 252/1. ② فتح الباري: 625/8، والخلافة الراشدة للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 309. ③ طبقات ابن سعد: 7/6، وفقه عمر لقلعجي، ص: 659. ④ تاريخ المدينة: 770/2، وموسوعة فقه عمر، ص: 659.

راسخ کر دیا جائے تا کہ وہ کتاب اللہ سے کسی طور پر غافل نہ ہو سکیں۔ یہاں تک کہ پورے معاشرے میں قرآن کریم اور اس کے معانی و مقاصد جڑ پکڑ جائیں۔ اس کے علوم لوگوں کے دلوں میں اُتر جائیں اور لوگ قرآن اور غیر قرآن کے درمیان تمیز کر سکیں۔ ①

قرآن کریم پر عمل کی تاکید خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں کی گئی تھی۔ قرآن سے انحراف کی وعید بھی اُسی زمانے سے تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو صرف نبی ﷺ کی اتباع کرنے والے صحابی تھے۔ ②

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ کے دین کی دعوت عام کرنے کے لیے ایک ایسی خصوصی جماعت تیار کر دی جو علم اور مسائل کے ادراک میں ممتاز مقام رکھتی تھی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نہ صرف اپنے تلامذہ کے دلوں میں زبردست اثر و رسوخ تھا بلکہ بعد میں آنے والے لوگوں میں بھی ان کے اثرات جلوہ گر ہوتے رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے علم کے بے حد معترف تھے۔ زید بن وہب بیان فرماتے ہیں: میں کچھ لوگوں کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ ایک کمزور سا دبلا پتلا آدمی آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھا تو ان کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ آپ نے فرمایا: یہ بڑا کھلا ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ یہ بہت بڑا ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ یہ بڑا کشادہ ظرف ہے جو علم سے لبریز ہے۔ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ ③

کوفی مدرسے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثرات تادیر قائم رہے۔ دیگر تمام مدارس کی نسبت اس مدرسے کے فیض یافتگان اپنے معلم گرامی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اقتداء کا زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی مدت مدید تک ان کے اثرات بدستور قائم و دائم رہے۔ ④

① الأنصار في العصر الراشدي، ص: 268. ② الأنصار في العصر الراشدي، ص: 260. ③ طبقات ابن سعد: 156/3، وحلية الأولياء: 129/1. ④ تفسير التابعين: 462/1.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علم و فقہ سے بڑے متاثر تھے۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے سامنے اپنا قول چھوڑ دیتے تھے۔ فرماتے تھے: اگر ایک پلڑے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا علم اور دوسرے پلڑے میں ساری دنیا کا علم رکھ دیا جائے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری نکلے گا۔ (1)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان امتیازی حیثیت حاصل ہوئی، خصوصاً قراءت کے میدان میں سب سے بلند مقام پایا۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ ستر (70) سے اوپر سورتیں سماعت کی تھیں۔ شقیق بن سلمہ فرماتے ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے ستر (70) سے زیادہ سورتیں سنی ہیں۔ اللہ کی قسم! پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم خوب جانتے تھے کہ مجھے کتاب اللہ کا علم سب سے زیادہ نصیب ہوا لیکن میں ان سب میں سے افضل نہیں تھا۔ (2)

مسروق فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی محفل میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا۔ انھوں نے فرمایا: اس آدمی سے میں اس وقت سے انتہائی محبت کرتا ہوں جب سے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: «اِسْتَقْرِؤُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَسَالِمٍ مَولٰى أَبِي حُذَيْفَةَ وَ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ» ''تم قرآن کی تعلیم چار آدمیوں سے حاصل کرو: عبداللہ بن مسعود، ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضوان اللہ علیہم اجمعین۔'' (3)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت اور تعلیم قراءت کی قدر و منزلت سے خوب واقف تھے۔ علقمہ فرماتے ہیں: ایک آدمی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے جانتے تھے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں کوفہ سے آرہا ہوں، وہاں

(1) العلم لأبي حنيفة، ص: 123، وتفسير التابعين: 1/463. (2) صحيح البخاري، حديث: 5000.
(3) صحيح البخاري، حديث: 3758.

میں نے ایک آدمی دیکھا وہ مصاحف کو اپنی زبانی تشریحات سے بھر رہا ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا طیش آیا، ان کی رگیں پھول گئیں اور خون کھولنے کو تھا۔ انھوں نے پوچھا: تو ہلاک ہو وہ کون ہے جو یہ کام کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ یک دم اتر گیا اور ان کی حالت بحال ہو گئی، پھر انھوں نے فرمایا: تو ہلاک ہو، اللہ کی قسم! اب جو مسلمان موجود ہیں میں ان سب میں سے صرف اسی ایک فرد کو اس کا اہل سمجھتا ہوں۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت سے ایسے تلامذہ چھوڑے جنھوں نے فقہ، علم، زہد اور تقویٰ میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان میں سے علقمہ بن قیس، مسروق بن اجدع، عبیدہ سلمانی، ابومیسرہ بن شرحبیل، اسود بن یزید، حارث جعفی اور مرہ ہمدانی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ [2]

شامی مدرسہ

شام کا علاقہ فتح ہوا تو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شام کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے۔ دور دور تک شہروں کے شہر بھر گئے ہیں۔ اب ایسے معلمین کی اشد ضرورت ہے جو انھیں قرآن کی تعلیم دیں اور شرعی مسائل سے آگاہ کریں۔ اس مقصد کے لیے آپ میری مدد فرمائیں۔ یہ مکتوب پڑھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت اور ابودرداء رضی اللہ عنہم کو شام روانہ فرمایا اور انھیں تاکید فرمائی: تم سب سے پہلے حمص سے تعلیم کا آغاز کرنا۔ تم وہاں مختلف اقسام کے لوگ پاؤ گے۔ ان میں سے بعض علم کے فوری حصول کی زیادہ بہتر استعداد والے ہوں گے۔ تم سب سے پہلے ایسے ہی لوگوں کو تعلیم کے لیے منتخب کرنا۔ جب تمھیں تسلی ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی وہاں رہے

[1] المستدرك للحاكم: 227/2، صححه الحاكم و وافقه الذهبي. [2] تفسير التابعين: 472/1-484.

جبکہ دوسرا دمشق اور تیسرا فلسطین چلا جائے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ سیدھے حمص پہنچے۔ جب انھیں اطمینان ہو گیا کہ لوگ مناسب علمی سطح پر پہنچ گئے ہیں تو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ وہاں رک گئے جبکہ ابو درداء رضی اللہ عنہ دمشق اور معاذ رضی اللہ عنہ فلسطین روانہ ہو گئے۔ ①

وہ علمی مدارس جن کی بنیاد مفتوحہ علاقوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وساطت سے رکھی گئی، لوگوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ان کا عظیم کردار سامنے آیا۔ شامی مدرسہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، ابو درداء رضی اللہ عنہ اور عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مساعیِ جمیلہ سے پروان چڑھا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا دمشق میں ایک عظیم الشان حلقہ قائم تھا۔ اس میں تقریبًا سولہ سو (1600) افراد شریک ہوتے تھے۔ لوگ دس (10) دس (10) افراد کی ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے اور نہایت شوق سے قرآن پڑھتے تھے۔ ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بہتر پڑھنے کا مقابلہ ہوتا تھا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ خود ان کے پاس کھڑے ہو کر حروف قرآن کے متعلق تعلیم و وضاحت فرماتے۔ ②

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ شام اور بالخصوص دمشق میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ اثر رکھتے تھے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو درداء رضی اللہ عنہ شام والوں کے عالم اور اہل دمشق کے قاری، فقیہ اور قاضی تھے۔ ③ وہ معدودے چند قراء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے۔ ④

ابو درداء رضی اللہ عنہ اہل شام کو حصولِ علم کی ترغیب دیتے تھے۔ فرماتے تھے: میں دیکھ رہا ہوں کہ علماء ختم ہو رہے ہیں۔ تمھارے ان پڑھ حضرات علم حاصل نہیں کر رہے۔ اس سے پہلے کہ علم ختم ہو جائے علم سیکھ لو۔ یاد رکھو! علماء کے اٹھ جانے سے علم بھی اُٹھ جاتا ہے۔ ⑤

تعلیم کی ترغیب کے سلسلے میں ان کا قول ہے: «كُنْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُحِبًّا أَوْ مُتَّبِعًا وَّلَا تَكُنِ الْخَامِسَةَ فَتَهْلِكَ» ”تو عالم، متعلم، محبّ یا متبع بن جا۔ اور پانچویں

---

① الأنصار في العصر الراشدي، ص: 259. ② غاية النهاية في طبقات القراء لابن الجوزي: 607/1. ③ التذكرة: 24/1. ④ تفسير التابعين: 526/1. ⑤ الأنصار في العصر الراشدي، ص: 256.

چیز مت بن ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔" حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پانچویں چیز سے مراد بدعتی ہے۔[1]

مزید فرمایا: لوگو! علم حاصل کرو۔ اگر علم حاصل نہ کر سکو تو اہل علم سے محبت کرو۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم ان سے بغض نہ رکھو۔[2] خبردار! علم حاصل کرو اور لوگوں کو سکھلاؤ، عالم اور متعلم اجر میں دونوں برابر ہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں میں کوئی بھلائی نہیں۔[3]

مزید فرمایا: تو اس وقت تک ہرگز عالم نہیں ہو سکتا جب تک کہ تو متعلم نہ بنے اور تو اس وقت تک علم سیکھنے والا نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے علم پر عمل نہ کر لے۔[4]

وہ فرماتے تھے: تو اتنا بھی فقیہ نہ بن کہ قرآن کے از خود مختلف مطالب بیان کرنے لگے۔[5]

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ شعر گوئی پسند نہیں فرماتے۔ اس کی کیا وجہ ہے، حالانکہ تقریباً تمام انصار نے شعر کہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں میں نے بھی شعر کہے ہیں۔ سنو:

يُرِيدُ الْمَرْءُ أَنْ يُّعْطَى مَنَاهُ
وَ يَأْبَى اللّٰهُ إِلا مَا أَرَادَا
يَقُولُ الْمَرْءُ فَائِدَتِي وَ مَالِي
وَ تَقْوَى اللّٰهِ أَفْضَلُ مَا اسْتَفَادَا

"انسان چاہتا ہے کہ ہر دم اس کی تمنائیں پوری ہوں لیکن اللہ پاک جو چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے۔

آدمی ہر دم اپنے فائدے اور مال کے پیچھے پڑا رہتا ہے، حالانکہ سب سے نفع بخش چیز تقوے کا حصول ہے۔"[6]

[1] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 256. [2] الطبقات: 430/1. [3] صفة الصفوة: 628/1.
[4] سير أعلام النبلاء: 347/2. [5] الطبقات: 430/1. [6] الأنصار في العصر الراشدي، ص: 256.

ایک روایت کے مطابق جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر بنانا چاہا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار فرمایا تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر آپ مجھے لازمًا شام ہی بھیجنا چاہتے ہیں تو میں وہاں صرف قرآن کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعلیم کا اہتمام کروں گا اور انھیں نماز پڑھاؤں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سے اسی بات پر راضی ہو گئے۔ (1)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا علم سے بدرجۂ غایت شغف اور محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ لوگوں کے قلوب میں اُن کی عزت و تکریم کوٹ کوٹ کر بھر گئی۔ ان کے گرد بہت سے تشنگانِ علم جمع ہو گئے۔ کوئی ان سے فرائض کا علم حاصل کرتا تھا۔ کوئی حدیث شریف کا مطلب سمجھتا تھا۔ کوئی حساب کتاب کے رموز سمجھتا تھا۔ کوئی کسی شعر کی وضاحت چاہتا تھا تو کوئی کسی خاص مصیبت اور مشکل کا حل معلوم کرتا تھا۔ (2)

یہی وجہ تھی کہ ان کا حلقۂ علمی، خصوصًا قرآن کریم کی تعلیم کے حوالے سے بڑا وسیع ہوگیا تھا۔ (3)

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے وعظ کے میدان میں بھی سبقت حاصل فرمائی۔ ایک دفعہ وہ اہل شام کے مجمع میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے اہل شام! تمھیں کیا ہو گیا؟ تم اتنا مال جمع کر رہے ہو جو تم خود کھا نہیں سکتے۔ اتنی عمارتیں بنا رہے ہو جو تمھاری سکونت کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہیں۔ ایسی امیدیں باندھ رہے ہو جو تم پا نہیں سکتے۔ خبردار! عاد اور ثمود نے بھی بصریٰ اور عدن کے مابین ڈھیر سارے اموال، نعمتیں اور اولاد جمع کر رکھی تھی۔ آج تم میں سے کون ہے جو ان کے ایوانوں کے کھنڈر مجھ سے صرف دو درہم میں خرید لے؟ (4)

ابو درداء رضی اللہ عنہ کی تعلیمات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس سوچ کی آئینہ دار تھیں جو امت کو ہر

(1) أصحاب الرسول: 2/209. (2) الأنصار في العصر الراشدي، ص: 256. (3) الأنصار في العصر الراشدي، ص: 256. (4) الاكتفاء للكلاعي: 3/311.

وقت خبردار چوکس اور جہاد کے لیے تیار رکھتی تھیں۔ ①

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جن سے پہلے اہل یمن اور پھر اہل شام نے بھرپور استفادہ کیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کی تعریف میں اپنے تلامذہ سے فرماتے تھے: بلاشبہ معاذ رضی اللہ عنہ ایک امت تھا، اللہ کا فرماں بردار، ایک اللہ کی طرف ہو جانے والا اور وہ مشرکوں سے نہ تھا۔حاضرین نے پوچھا: امت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ افراد جو لوگوں کو خیر و بھلائی کا درس دیتے ہیں، پھر دریافت فرمایا: کیا تمھیں علم ہے کہ قانت کا کیا مطلب ہے؟ حاضرین نے جواب دیا: نہیں، تو انھوں نے فرمایا: قانت سے مراد اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار ہے۔ ②

بلاشبہ معاذ رضی اللہ عنہ ایسے ہی تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ابراہیم خلیل اللہ سے تشبیہ دیتے تھے۔ اس کی وجہ ان میں پائی جانے والی بے مثل علمی استعداد، فقہ میں بھرپور مہارت اور سیرت و کردار کی بلندی تھی کیونکہ وہ اسلامی اندازِ فکر میں بڑی پختگی اور امتیازی شان کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اُن کے اسلامی فکر وفہم کی بدولت ہی کٹھن مسائل حل کرنے کی مہارت عطا فرمائی تھی۔ وہ اللہ کے محبوب بندے تھے۔ اسی سوچ کے سبب ان کو گنجلک مسائل کے حل کا ملکہ حاصل تھا۔ وہ مقبولِ خلائق اور مسلمانوں کے ہر دل عزیز رہنما بن گئے تھے۔ ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرماتے تھے: خواتین معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسا سپوت پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ ④

عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو کوئی معاملہ پیش ہوتا تو وہ اہل شوریٰ کو طلب فرماتے تھے۔ اس مجلس شوریٰ میں چند انصاری صحابہ معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم

① الأنصار في العصر الراشدي، ص: 120. ② سير أعلام النبلاء: 450/1. ③ الأنصار في العصر الراشدي: 285. ④ تهذيب الكمال للمزي: 113/28.

بھی شامل تھے۔ ①

یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم دین کی بڑی سوجھ بوجھ رکھتے تھے اور جدید مسائل کی حقیقی اور عملی تفسیر فرما سکتے تھے۔ ان کی یہی فطری صلاحیتیں تھیں جن کی بدولت وہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانے میں بھی فتوے دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت معاذ اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث سننے کے بے حد شائق تھے۔ فرماتے تھے: لوگو! ہمیں دو(2) دانش وروں کی روایات سناؤ۔ لوگ پوچھتے کہ وہ دو (2) دانش ور کون ہیں؟ تو جواب میں فرماتے تھے: وہ دونوں معاذ اور ابو درداء رضی اللہ عنہما ہیں۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب مقام جابیہ میں خطبہ ارشاد فرمایا تو کہا: اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔ ③

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ اسلامی ریاست کے لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ جیسا انسان دارالخلافہ مدینہ ہی میں رہے۔ وہ معاذ رضی اللہ عنہ کے مدینہ سے جانے پر راضی نہیں تھے۔ جب وہ شام چلے گئے تو فرمایا: ان کے چلے جانے سے مدینہ اور اہل مدینہ کے فقہ اور فتویٰ کے شعبے میں خلل آ گیا ہے۔ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھا کہ لوگوں کی بھلائی کے لیے معاذ کو مدینہ ہی میں روک کر رکھیے۔ لیکن انھوں نے فرمایا: ایک آدمی شہادت کا آرزو مند ہے تو میں اسے کیسے روک سکتا ہوں؟ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! بلاشبہ آدمی شہادت سے سرفراز ہو سکتا ہے، چاہے وہ اپنے گھر میں اپنے بستر ہی پر موجود ہو جبکہ وہ اپنے شہر سے مستغنی ہو (شہادت کا متمنی ہو)۔ ④

ظاہر یہ ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعدازاں ان کی رائے تبدیل کر دی تھی۔ سیدنا

---

① الطبقات:426/1. ② الأنصار في العصر الراشدي، ص:285. ③ سير أعلام النبلاء:452/1.
④ الأنصار في العصر الراشدي، ص:285، وسير أعلام النبلاء:285/1.

عمر رضی اللہ عنہ نے اُنھیں اہل شام کو تعلیم دینے کے لیے روانہ فرمایا اور پھر مستقل طور پر وہیں ٹھہرا دیا۔

معاذ رضی اللہ عنہ کا شام کی طرف جانا اہل شام کے لیے انتہائی سود مند ثابت ہوا کیونکہ معاذ رضی اللہ عنہ نے وہاں علم اور فقہ کے خزانے چھوڑے اور ان میں علمی ذوق پیدا کر دیا۔

ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں حمص کی مسجد میں گیا۔ وہاں میں نے تقریباً تیس (30) عمر رسیدہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ ان میں سرگیں آنکھوں اور چمکدار دانتوں والا ایک شخص ممتاز نظر آیا۔ وہ خاموش بیٹھا تھا۔ جب لوگ کسی مسئلے میں رہنمائی کی ضرورت محسوس کرتے تو اُسی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے پاس بیٹھے ایک آدمی سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ [1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ لوگوں کو حصول علم کی متواتر ترغیب دیتے تھے۔ وہ فرماتے تھے: وہ علم حاصل کرو جس علم کا حصول صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ ایسا علم خشیت کا سبب ہے۔ اسے طلب کرنا عبادت ہے۔ اس کا مذاکرہ اللہ کی تسبیح بیان کرنے کے مترادف ہے۔ اس کی تلاش میں نکلنا جہاد ہے۔ بے علم کو تعلیم دینا صدقہ ہے۔ علم کو اہل علم میں بانٹنا قربت کا ذریعہ ہے کیونکہ اس علم میں حلال وحرام کے نشانات چمکتے ہیں۔ علم اہل جنت کا امتیازی نشان، وحشت کے وقت اُنس، سفر کا ساتھی، تنہائی میں گفتگو کرنے والا، اچھے برے وقت کا راہنما، دوستوں کے ہاں زینت اور دشمن کے خلاف ہتھیار ہے۔ اللہ تعالیٰ علم کے سبب بہت سی قوموں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور انھیں بھلائی کا امام بنا دیتا ہے۔ اُن کے نقشِ قدم پر چلا جاتا ہے۔ ان کے افعال کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] الأنصار في العصر الراشدي، ص:285. [2] الأنصار في العصر الراشدي، ص:285، وحلية الأولياء:239/1.

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام ہی میں رہے تا آنکہ طاعون عمواس میں وہ بھی اس وبا کا شکار ہو گئے۔ ان کے احباب رو پڑے۔ پوچھا: تم کیوں روتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہم اس علم کی وجہ سے روتے ہیں جس کا سلسلہ اب ہم سے منقطع ہو جائے گا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علم اور ایمان کا مرتبہ قیامت تک قائم رہے گا۔ جو ان کا متلاشی ہوگا اسے علم کتاب وسنت سے ملے گا۔ ہر قول کو کتاب اللہ کے نور میں دیکھنا، قرآن کو کسی کے قول کے مطابق کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ①

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قرآن وہ ترازو تھی جس سے ہر چیز تولی جا سکتی تھی اور قرآن کو کسی قول پر قیاس نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قرآن کریم کی تعلیم کے لیے معاذ رضی اللہ عنہ کا جو طریقۂ کار تھا، وہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک اسی پر قائم رہے۔ موت کی غشی میں جب بھی انھیں ہوش آتا، وہ آنکھیں کھولتے اور فرماتے تھے: «رَبِّي اخْنُقْنِي خَنْقَكَ فَوَعِزَّتِكَ! إِنَّكَ لَتَعْلَمُ أَنَّ قَلْبِي يُحِبُّكَ» ''اے اللہ! مجھے اپنے پاس بلا لے۔ تیری عزت کی قسم! تو خوب جانتا ہے کہ میرا دل تجھ سے محبت کرتا ہے۔'' ②

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تھا۔ وہ پہلے شخص تھے جو فلسطین میں منصب قضا پر فائز ہوئے۔ پہلے وہ حمص میں تھے، پھر فلسطین آئے اور منصب قضا پر فائز ہوئے۔ اور پھر مستقل وہیں سکونت اختیار فرمائی۔ وہ قضا کے ساتھ ساتھ لوگوں کو زیور تعلیم سے بھی آراستہ فرماتے تھے۔ وہ مسلسل اپنے کام میں مصروف رہے تا آنکہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ ③

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہمیشہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سیاسی فکر وفہم کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے رہے۔ انھوں نے بہت سی تربیتی اور جہادی کوششوں کو فروغ دیا۔

① صفة الصفوة: 501/1، والأنصار في العصر الراشدي، ص: 84. ② صفة الصفوة: 501/1.
③ عبادة بن الصامت صحابي كبير وفاتح ومجاهد للدكتور وهبة الزحيلي، ص: 84.

عبادہ رضی اللہ عنہ سادہ اور عاجزانہ زندگی گزارنے والے صحابی تھے۔ وہ حمص پہنچے تو اہلِ حمص سے یوں مخاطب ہوئے: خبردار! بلاشبہ یہ دنیا آنکھوں سے نظر آنے والا قلیل سامان ہے۔ آخرت کا وعدہ سچا وعدہ ہے۔ خبردار! کچھ لوگ دنیا میں راغب اور کچھ آخرت کے طلب گار ہیں۔ تم آخرت کے طلبگار بنو۔ دنیا کے پیچھے مت بھاگو۔ ہر ماں کا بچہ اس کے پیچھے ہی دوڑتا ہے۔[1]

یہی وہ مقاصد تھے جنھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حاصل کرنا اور انھیں اہلِ اسلام کے دلوں میں راسخ کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایسے افراد منتخب فرمائے جو لوگوں کے سامنے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل کی آواز پیش کر دیتے تھے اور خود بھی ان پر عمل کرتے تھے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ نبھانے میں تا حد امکان کوشاں رہتے اور اللہ کے راستے میں کسی ملامت گر کی کوئی پروا نہ کرتے۔ جب وہ فلسطین میں قاضی تھے تو ایک دفعہ انھوں نے شام کے گورنر کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: میں اس سرزمین میں تیرے ساتھ نہیں ٹھہر سکتا۔ وہ مدینہ آ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبادہ! تم فلسطین سے کیوں آ گئے؟ انھوں نے پورا قصہ کہہ سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واپس وہیں چلے جاؤ، اللہ اس سرزمین کا برا کرے جس میں تیرے جیسے افراد نہ ہوں۔ سن لو کہ شام کے گورنر کا تم پر کوئی اختیار نہیں ہے۔[2]

عبادہ رضی اللہ عنہ داعی، معلم اور معاشرے کے ایک مثالی فرد کی حیثیت سے دوبارہ شام پہنچے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کو بھی لوگوں کو دین سکھانے کی غرض سے شام روانہ فرمایا۔ معاذ، ابو درداء اور عبادہ رضی اللہ عنہم وہ رجالِ کبار تھے جنھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس

[1] الاكتفاء للكلاعي: 310/3. [2] سير أعلام النبلاء: 122/2، والأنصار في العصر الراشدي، ص: 124.

مدرسے کی تاسیس کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ وہ ان حضرات کو اس مدرسے کے ستون قرار دیتے تھے۔ یہ مدرسہ ان علاقوں میں دعوت اور تعلیم و تربیت کے میدانوں میں سرگرمِ عمل رہا۔ ان مذکورہ افراد کے ساتھ دیگر کئی قابل قدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی شام پہنچے اور ان سب کی مساعیِ جمیلہ سے بہت سے تابعین تعلیم یافتہ بنے جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے مشہور ترین عائذ بن عبداللہ، ابوادریس خولانی اور مکحول ابوعبداللہ دمشقی رحمہم اللہ وغیرہ کا نام قابلِ ذکر ہے۔ ①

مصری مدرسہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو ان کے ساتھ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ ہم عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو مصر میں علمی اعتبار سے متقدم کہہ سکتے ہیں۔ انھیں مصر میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ اہل مصر نے ان سے دلی محبت کی۔ ان سے روایات اخذ کیں۔ ان کی مجلس اختیار کی۔ سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں: اہل مصر عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کرتے اور ان سے اسی طرح محبت کرتے تھے جس طرح اہل کوفہ کے لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ ②

مصریوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ ہی سے دین کا علم حاصل کیا۔ ان میں سرفہرست ابوالخیر مرثد بن عبداللہ الیزنی تھے جنھوں نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ ③

یہ وہ اہم مدارس تھے جو تحریک فتوحات کے نتیجے میں معرض وجود میں آئے اور جن کا قیام عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کے اہم کردار کی بدولت عمل میں آیا۔ جب بھی کوئی لشکر بغرض جہاد جمع ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے ایک معلم کا انتظام ضرور فرما دیتے تھے جو ان کے لیے احکام، معاملات، فقہی قواعد کی وضاحت اور قرآن کی تعلیم کا اہتمام

① تفسير التابعين:1/526-528. ② تفسير التابعين:1/540,541. ③ حسن المحاضرة :1/296.

کرتا تھا۔ ①

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو بہت سے علمی اور تربیتی مراکز کی ضرورت محسوس ہوئی اور کوفہ، بصرہ اور فسطاط جیسے اسلامی شہر بسائے گئے۔ ان شہروں میں فوجی چھاؤنیاں بھی تھیں۔ وہاں اسلامی لشکروں کا پڑاؤ ہوتا تھا۔ قیدی بھی لائے جاتے تھے، اس لیے وہاں علماء، فقہاء اور واعظین کی کثیر تعداد موجود رہتی تھی۔ ②

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ داعیان الی اللہ اور معلمین کو منتخب فرماتے تھے اور ان مفتوحہ علاقوں کی طرف روانہ فرما دیتے تھے۔ وہ جن منتخب حضرات کو بھیجتے تھے ان کی ذمہ داری کا تعین کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ انھیں میں نے لوگوں کو دین کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا ہے۔ ایک دفعہ انھوں نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا: اے اللہ! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان امراء کو مختلف علاقوں میں لوگوں کے مابین عدل قائم کرنے، دین اسلام کی تعلیم دینے، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دینے اور مال فے کو ان میں تقسیم کرنے کی غرض سے بھیجا ہے۔ ③

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جن معلموں اور مفتیوں کو دین کی تعلیم اور فتوے دینے کی ذمہ داری سونپی تھی، ان کے لیے انھوں نے بیت المال سے وظیفے مقرر فرمائے تھے۔ جو معلمین چھوٹے بچوں کو تعلیم دیتے تھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کا بھی خیال رکھتے تھے۔ مدینہ طیبہ میں تین معلم ایسے تھے جو چھوٹے بچوں کو دین کی تعلیم دیتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو پندرہ، پندرہ درہم ماہانہ وظیفہ دیتے تھے۔ ④

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دین کی تعلیم عام کرنا اپنا سب سے اہم فرض سمجھتے تھے، اسی لیے وہ شہروں

---

① الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية: 712/2. ② الإدارة العسكرية في الدولة الإسلامية: 712/2. ③ صحيح مسلم، حديث: 567. ④ السنن الكبرى للبيهقي: 124/6، والسلطة التنفيذية: 766/2.

اور دیہات میں دینی معلم بڑی کثرت سے بھیجا کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال کو اشاعت دین کی اہمیت اور ضرورت سے خاص طور پر روشناس کراتے اور اس سلسلے میں ان کی مدد کے لیے مستقل طور پر بہت سے علمائے کرام روانہ فرماتے تھے۔ یہ علماء حضرات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات کی روشنی میں اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے دس (10) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بصرہ روانہ فرمایا۔ ان میں عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ امیرالمومنین نے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تاکید فرمائی کہ وہ بصرہ کے لوگوں کو دینی مسائل سے اچھی طرح روشناس فرمائیں۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بھی بصرہ روانہ فرمایا تاکہ وہ اہل بصرہ کو دین کے مسائل سکھائیں۔ ان کا شمار فقیہ صحابہ میں ہوتا ہے۔ ②

تاریخ کے اوراق سے پتا چلتا ہے کہ شام کا علاقہ علمی اعتبار سے دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ روشن اور مرکزیت کا حامل تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جوں جوں فتوحات پھیلتی گئیں، اسی نسبت سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تعلیم دین کی ضرورت کا احساس بے چین کرتا رہا۔ انھوں نے گورنر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب ارسال فرمایا اور حکم دیا کہ ایک جامع مسجد بناؤ اسی طرح مختلف قبائل میں مساجد کی تعمیر پر خاص زور دیا۔ اور حکم دیا کہ جمعہ کے دن سب مسلمان جامع مسجد میں جمعہ ادا کریں (تاکہ وہ لوگ صحابۂ کرام کے ذریعے سے مسائل دین سے واقف ہوجائیں۔) اسی طرح انھوں نے گورنر کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور گورنر مصر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہی احکامات جاری فرمائے۔ اور شام کے جنگی کمانڈروں کو تاکید فرمائی کہ تم لوگ صحرا اور دیہاتوں میں پھیل کر شہروں کو خالی نہ چھوڑو۔ اور یہ کہ ہر شہر میں ایک ایک مسجد بناؤ اور ہاں! کوفہ، بصرہ اور مصر والوں نے جس طرح

① عصر الخلافة الراشدة، ص: 273. ② عصر الخلافة الراشدة، ص: 273.

قبائل کی مساجد بنائی تھیں تم اس طرح نہ بنانا۔ ①

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہت سی علمی جماعتوں کی تشکیل کی۔ ان جماعتوں کے ارکان اپنے اپنے فن کے ماہر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں مختلف شہروں کی طرف بھیجا۔ بڑھتی ہوئی فتوحات کے پیش نظر تمام امراء اور جنگی کمانڈروں کو حکم دیا کہ تمام مفتوحہ علاقوں میں سب سے پہلے مساجد کا قیام عمل میں لائیں تا کہ ان مسجدوں کے ذریعے سے اسلامی کلچر عام ہو جائے۔ مقامی لوگ اسلام کی تعلیمات سے کما حقہ آگاہ ہونے لگیں۔ اس طرح یہ مساجد علم و معرفت کا مرکز بن جائیں...... ۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے بننے والی مساجد بالآخر اعلیٰ درجے کی دینی دانشگاہیں بن گئیں۔ یہی وہ مساجد تھیں جہاں اسلامی تاریخ کے اولین علمی ادارے قائم ہوئے۔ یہیں سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ منشور کو سامنے رکھ کر فروغ اسلام کا جامع نقشہ بنایا اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے آگے بڑھے۔ انھوں نے امت کو انتہائی محنت اور لگن سے دین کی تعلیم دی۔ دینی علوم کی تدریس اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے فروغ کی ٹھیک ایسی ہی منصوبہ بندی تھی جس کا آغاز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں فرمایا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں اُن مساجد کی تعداد جہاں جمعہ ادا کیا جاتا تھا بارہ (12) ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قائم ہونے والے مراکزِ تعلیم لوگوں کو تعلیم کے علاوہ دینی تربیت بھی دیتے تھے اوران کی عادتیں سنوارنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے تھے، پھر جب محسوس کیا گیا کہ مساجد سے الگ بچوں کی تعلیم کے لیے علیحدہ تدریسی مراکز ہونے چاہئیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جداگانہ درسگاہیں تعمیر کرائیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی اساتذہ مقرر فرمائے۔ ③

① عصر الخلافة الراشدة، ص: 275. ② نظام الحكومة الإسلامية: 262/2. ③ السلطة التنفيذية: 768/2.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے طالبانِ علم کو مختلف علوم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ ان کے لیے حصول علم کے راستے آسان اور کشادہ کیے اور ان کے لیے خصوصی وظائف مقرر فرمائے۔ انھوں نے اپنے گورنروں کو یہ بھی لکھا کہ وہ تعلیمی میدان میں شاندار کارکردگی دکھانے والوں کو انعامات سے نوازیں۔ انھوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بچا ہوا مال قرآن کی تعلیم حاصل کرنے والے طالبان علم کو دیا جائے۔ ①

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے ترغیب کا یہ انداز امت اسلامیہ کے نوخیز نوجوانوں کے لیے کتاب اللہ حفظ کرنے اور اس کے جملہ علوم حاصل کرنے میں انتہائی ممد و معاون ثابت ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ترغیب کے تحت ان کی مالی امداد بھی ہو جاتی تھی اور وہ مزید علم حاصل کرنے کے شائق نظر آتے تھے۔ یہ طریقہ خاص طور پر ان علاقوں کے باشندوں کے لیے بہت مفید اور مبارک ثابت ہوا جہاں کے لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حسن تدبیر سے کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حاصل کرنے کے لیے ان کے بچوں کی چھپی ہوئی صلاحیتیں خوب نکھر کر سامنے آئیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قرآن اور سنت کے ساتھ جملہ متعلقہ علوم کے فروغ کو بھی بڑی اہمیت دیتے تھے۔ خصوصًا عربی زبان سیکھنے کی بڑی تلقین فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا: ''عربی زبان سیکھو! یہ عقل کو پختہ کرتی ہے اور مروت میں اضافہ کر دیتی ہے۔'' ②

مزید فرمایا: ''نحو (عربی گرامر) اس طرح سیکھو جس طرح سنن اور فرائض سیکھتے ہو۔'' ③

مزید فرمایا: '' قرآن کی نحوی ترکیب اس طرح سیکھو جس طرح اس کے حفظ پر توجہ دیتے ہو۔'' ④

مزید فرمایا: ''سب سے بُری لکھائی لمبے لمبے خط کھینچنا ہے۔ سب سے بُری قراءت تیز

① أشهر مشاهير الإسلام: 541,540/2. ② معجم الأدباء: 19/1. ③ البيان والتبيين للجاحظ: 219/2. ④ ألف باء للبلوي: 42/1، وأوليات الفاروق، ص: 458.

رفتاری سے پڑھنا ہے۔ سب سے اچھی لکھائی وہ ہے جو خوب واضح ہو۔"①

تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عربی رسم الخط کی غلطی پر سرزنش بھی فرماتے تھے کیونکہ کاتب ایسے کام کا ذمہ دار ہے جس میں اسے ماہر ہونا چاہیے اور اسے اپنی ذمہ داری بخوبی نبھانی چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا۔ اسے پڑھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا: تمھارے کاتب نے خط لکھنے میں لفظی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اسے ایک کوڑا مارو۔②

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے کاتب نے ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک خط لکھا تو اس نے بسم اللہ...... کی "سین" نہیں لکھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اسے ایک کوڑا مارو۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس حکم پر عمل کیا۔ کاتب کو ایک کوڑا مارا۔ کاتب نے وجہ دریافت کی تو فرمایا: یہ کوڑا "سین" نہ لکھنے کی وجہ سے مارا گیا ہے۔③

اُمت مسلمہ کی بقائے بزرگی، عزت، قوت اور ترقی کا کوئی بھی معاملہ ہوتا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اُسے بے حد انہماک کے ساتھ بہتر سے بہتر طور پر انجام دیتے تھے۔ اسی لیے اُنھوں نے کسی بھی ایسے مسئلے میں جس کا تعلق سیاست، اقتصادیات، فوج، تعلیم، ادب یا کسی اور شعبے سے ہوتا، ذرہ بھر کمی یا کوتاہی نہیں برتی۔ انھوں نے ہر مسئلہ اپنی زبردست ذہانت کے تحت ایک نئی سوچ، انتہائی محنت اور جاں فشانی سے حل کیا۔

سیاست کے میدان میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بلندی اور دُور اندیشی اور امتِ اسلامیہ کی نگہداشت میں ان کے بھرپور انہماک کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ وہ سختی کے وقت سختی اور نرمی کے وقت نرمی سے کام لیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مملکت اسلامیہ کے تمام چھوٹے

① تدریب الراوي للسیوطي، ص: 152. ② مناقب أمیر المؤمنین لابن الجوزي، ص: 151. ③ مناقب أمیر المؤمنین لابن الجوزي، ص: 151.

بڑے حکام باہم خط کتابت میں غلطیوں سے اجتناب کریں اور ایسے واضح اور فصیح معیار کی عربی لکھیں جس کا عالی شان نمونہ قرآن کریم کی فصیح و بلیغ زبان میں ملتا ہے۔ [1]

عراق، ایران، شام، مصر اور مغربی علاقوں میں ہونے والی عظیم فتوحات کا سہرا ان برگزیدہ علمی، فقہی اور دعوتی ماہرین کے سر ہے جنھوں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے براہِ راست تربیت حاصل کی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان جلیل القدر ہستیوں کی عظیم صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ہر اہم موقع پر انھی کی خدمات حاصل کیں۔ ان ہستیوں نے ایسی رفیع الشان علمی اور فقہی بنیادیں قائم فرمائیں کہ فتوحات کے لیے مطلوبہ قافلے خود بخود مہیا ہوتے چلے گئے۔ صاحب علم و فضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لوگوں کی اصلاح اور تربیت فرمائی۔ وہ مختلف علاقوں سے معتد بہ جماعتیں اکٹھی کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے نومسلموں کو فصیح عربی سکھائی۔ ان کی عجمی لکنت ختم کی۔ اس طرح نئے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں نے اسلام کی معیاری زبان سیکھ لی اور مفتوحہ علاقوں میں اسلامی علوم وفنون کا ذوق پیدا ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد اہلِ عجم میں بھی علم و ادب کے زبردست علماء اور شائقینِ حرب وضرب پیدا ہو گئے اور انھوں نے علمی اور عسکری میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

مفتوحہ علاقوں میں قائم ان علمی اور فقہی مدارس سے عظیم علماء اور فقہاء پیدا ہوئے جنھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا علم اپنے بعد آنے والوں کو منتقل کیا جس سے کتاب اللہ اور سنت رسول کی روایت کا علم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سنداً متصل ہو گیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جو سنت کا علم لوگوں تک پہنچایا اس میں سب سے پہلے اللہ کی مہربانی، پھر اس کے بعد ان مدارس علمیہ کا دخل تھا جو مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ اور مصر وغیرہ میں قائم ہوئے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان علمی مدارس سے فیض یافتہ حضرات کی طرف مکمل توجہ فرمائی۔ ان

---

(1) أوليات الفاروق، ص:458. (2) الدور السياسي للصفوة، ص:463,462.

کی ضروریات کا خیال رکھا۔ ان کی کوششوں کی قدر فرمائی تا آنکہ یہ درخت بار آور ہو گیا اور اس کا میوہ پک کر تیار ہو گیا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ذوقِ شعروادب

ہم تک پہنچنے والی اطلاعات کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدینہ طیبہ میں شعر گوئی کی تحریک عروج پر تھی۔ عربی شعر کی تاریخ کی کوئی کتاب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ اُن کے دور میں ادبی تنقید اور ادبی تنقید سے متعلقہ مختلف آراء کا معیار بڑا بلند تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شعر گوئی کے سلسلے میں خصوصی محفلیں بھی منعقد ہوتی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ادبی کتب کا دارومدار ثقہ راویوں اور ان کی سند پر نہیں ہے، تاہم یہی ادبی کتب ان اخبار و اشعار کا منبع و مرجع ہیں جن کا تعلق خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے ساتھ ہے، البتہ چند رجزیہ اشعار ایسے ضرور موجود تھے جو زمانہ نبوت میں زبان زدِ عام تھے اور ان کا تذکرہ کتب حدیث میں ملتا ہے۔[1] اسی طرح نابغہ جعدی،[2] امیہ بن ابی صلت اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار کا چرچا ضرور تھا۔[3]

عہد عمر کے شعر اور شعراء سے متعلق مواد ادبی کتابوں میں ہے جن میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور شعر گوئی

خلفائے راشدین میں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شعر سننے اور اس کی اصلاح کرنے بلکہ خود شعروادب کی ترجمانی کرنے میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ سیدنا

---

[1] مجمع الزوائد:126/8. [2] المدينة النبوية فجر الإسلام:98/2. [3] البيان للجاحظ:241/1، والأدب في الإسلام للدكتور نايف معروف، ص: 169.

عمر رضی اللہ عنہ کو چاہے کوئی بھی معاملہ درپیش ہوتا وہ اس سلسلے میں شعر ضرور پڑھتے تھے۔ ①

ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نئے کپڑے زیب تن کیے گھر سے نکلے۔ لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی اور انھوں نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا تو انھوں نے فوراً یہ اشعار پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:

ہرمز کے خزانے اس کا ایک دن بھی دفاع نہ کر سکے، قوم عاد کے لوگوں نے ہمیشہ رہنے کا ارادہ کیا لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے۔

وہ بادشاہ کہاں ہیں جن کے غنیمت و ہبہ والے اونٹوں کے ریوڑوں کو ہر سمت سے قاصد انھی کی طرف ہانک کر لاتے تھے؟

یہاں موت کا حوض ہے جس میں ہر ایک کو اترنا ہے جس طرح سابقہ لوگ اس میں اترے اسی طرح سب کو اترنا ہے۔ ②

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وادی محسر میں چلتے ہوئے یہ شعر کہتے تھے:

تیری طرف وہ اس حال میں آئے گی کہ اس کا تنگ لباس ڈھیلا ہو گیا ہو گا اور اس کا دین عیسائی مذہب کے خلاف ہو گا۔ ③

یہ شعر نجران کے ایک عیسائی کا ہے۔ اس نے یہ شعر اس وقت کہا جب وہ مسلمان ہو گیا اور حج کی غرض سے مکہ پہنچا۔

قبیلۂ اوس کی ایک دانا عورت سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں سوال کیا گیا کون سا منظر سب سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے؟ وہ بولی: سرسبز باغات کے درمیان سفید رنگ کے محل بڑے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر عدی بن زید کا شعر پڑھا جس کا ترجمہ یوں ہے:

---

① البيان للجاحظ: 141/1، والأدب في الإسلام للدكتور نايف معروف، ص: 169. ② الأدب في الإسلام للدكتور نايف معروف، ص: 170. ③ مسند الشافعي، ص: 122.

جیسے گھر کے باغیچے میں ہاتھی دانت سے بنی ہوئی گڑیا ہوں یا کھلے ہوئے پھولوں والے باغیچے میں سفید انڈے ہوں۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ہم رات کو سفر کر رہے تھے۔ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قریب ہی تھا کہ اچانک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کوڑے سے اپنے قدم پر ضرب لگائی اور کہا:

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ يُقْتَلُ أَحْمَدُ   وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُونَهٗ وَنُنَاضِلُ

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ   وَنَزْهَلُ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلُ

”رب کعبہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے گا۔ ہم اُن کے دفاع میں نیزہ زنی اور تیر اندازی کریں گے۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم انھیں دشمن کے حوالے کر دیں یہاں تک کہ ہم سب مار دیے جائیں، اور ہم اپنے بیوی بچوں سے بے نیاز ہو کر ان کا دفاع کریں گے۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا:

کسی سواری نے آج تک اپنے اوپر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا سوار نہیں بٹھایا۔

نہ اپنے استعمال سے پہلے عمدہ پوشاک پہنانے اور تقسیم کرنے والا سوار نہیں بٹھایا ہے اور نہ سبقت لے جانے والے کو بہت عطا کرنے والا۔ [2]

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حافظے میں بہت سے پُرانے اور نئے ہم عصر شعراء کے اشعار محفوظ تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشعار کا بڑا استحضار رکھتے تھے اور صورتحال کے مطابق فوری طور پر شعر سُنا دیتے تھے۔ انھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کے خلاف کینے کا اظہار کرنے والی ہند بنت عتبہ کے اشعار بھی بلا کم و کاست

[1] مسند الشافعي، ص:209، وأدب الإملاء للسمعاني، ص:71. [2] تاريخ الطبري:218/5.

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو سنا دیے۔ یہ ان کے عمدہ حافظے کی مستند دلیل ہے۔ پھر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کا جواب دیا تھا۔ ①

ہم بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بڑے حساس تھے۔ وہ شعر سمجھنے اور پرکھنے اور برمحل پڑھنے کے ماہر تھے۔ وہ شاعر نہیں تھے لیکن اشعار کے بارے میں بڑی جچی تلی رائے ظاہر فرماتے تھے۔

دیانتدار ادیبوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شاعر قرار دینے والوں کی تردید کی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک کھلی کتاب تھے۔ ان کی کوئی بھی صلاحیت لوگوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ عام لوگوں میں بہت بیٹھتے تھے۔ ان کے احوال معلوم کرتے تھے۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شاعر ہوتے تو لوگ یقیناً ان کے بلند پایہ کلام کو حرزِ جان بنا لیتے۔

ادب کی دنیا میں دورِ اول کے ناقدین نے بھی لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شاعر نہیں تھے، لہٰذا ابن سلام نے اپنی طبقات میں، ابن قتیبہ نے الشعرو الشعراء میں اور جاحظ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب البیان میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شاعر نہیں کہا۔ ہاں، انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فصاحت و بلاغت اور ادب کا تذکرہ ضرور کیا ہے۔ ②

علامہ مبرّد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور متمم بن نویرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب متمم نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کا مرثیہ کہا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اگر میں بھی شعر کہنا جانتا تو تیری طرح اپنے بھائی زید بن خطاب کا مرثیہ کہتا۔ ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسے اشعار پسند فرماتے تھے جو اسلامی زندگی کی ترجمانی اور اس کے اصولوں کی تصویر کشی کرتے تھے۔ اسلامی مقاصد کے خلاف اور دینی قدروں کے منافی اشعار ان کے لیے ناقابل برداشت تھے۔ وہ لوگوں کو اچھے مطالب پر مشتمل بلند پایہ اشعار

① عمر بن الخطاب لمحمد أبي النصر، ص:209. ② عمر بن الخطاب، ص:210. ③ الكامل في الأدب:300/2.

کہنے اور یاد رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ فرماتے تھے: اچھے شعر کہنے سیکھو۔ ان میں بہت سے محاسن ہوتے ہیں اور ان سے سبق لے کر انسان بہت سی برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ اشعار میں دانا لوگوں کی حکمت بھری باتیں ہوتی ہیں اور اچھے اشعار اچھے اخلاق کی راہ دکھاتے ہیں۔ ①

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر عراق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: اپنے ہاں لوگوں کو اچھے شعر کہنے کی ترغیب دلاؤ۔ اچھے اشعار سے اخلاق کی بلندیاں، صوابدیدی صلاحیت اور انساب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اشعار کو دل کی کشادگی اور انسان میں اچھے احساسات بیدار کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ اشعار کی فضیلت اور نفع مندی کے بارے میں فرماتے تھے: انسان کا سب سے بہترین فن شعر کہنا ہے۔ اچھے اشعار کی بدولت انسان کسی اچھے آدمی کا دل موم اور برے کا دل حق کی طرف مائل کر لیتا ہے۔ ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بچوں کی تربیت کے سلسلے میں لوگوں کو توجہ دلاتے تھے کہ انھیں شعر گوئی کا سلیقہ سکھاؤ۔ فرماتے تھے: اپنے بچوں کو تیراکی اور تیر اندازی سکھاؤ۔ انھیں حکم دو کہ چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہونا سیکھیں اور انھیں بہترین معانی والے دانشمندانہ اشعار یاد کراؤ۔ ④

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جاہلی اشعار یاد رکھنے کے شوقین تھے کیونکہ اشعار کا لغوی طور پر کتاب اللہ سے تعلق ہوتا تھا، فرماتے تھے: اپنے دیوان کو لازم پکڑو۔ سامعین نے عرض کیا: یہ دیوان کیا چیز ہے؟ فرمایا: جاہلی اشعار۔ ان میں تمھاری کتاب کی تفسیر اور تمھارے کلام کے معانی پوشیدہ ہیں۔ ⑤

---

① أدب الإملاء للسمعاني، ص: 71. ② العمدة لأبي رشيق: 15/1. ③ الأدب في الإسلام للدكتور نايف معروف، ص: 171. ④ الكامل في الأدب: 227/1. ⑤ المعجم الكبير للطبراني: 129/7، والأدب الإسلامي، ص: 171.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگرد خاص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سوچ ایک ہی تھی۔ وہ فرماتے تھے: جب تم کتاب اللہ کی تلاوت کرو اور کسی لفظ کا مطلب نہ سمجھ سکو تو اسے عرب کے اشعار میں تلاش کرو، عربی اشعار عرب والوں کا دیوان ہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ اہل جاہلیت کا سب سے بڑا علم شعر گوئی ہی تھا۔ ایک موقع پر فرمایا: ہم لوگوں کا علم اشعار میں تھا۔ اس سے زیادہ صحیح علم ہمارے پاس نہ تھا۔ اسلام آیا تو اہل عرب جہاد کی طرف مائل ہوئے اور رومیوں سے معرکہ آرائی میں مصروف ہو گئے۔ اس طرح شعر گوئی سے غافل رہنے لگے۔ جب اسلام غالب آیا، فتوحات ہوئیں اور عرب والے اپنے شہروں میں پرسکون ہو گئے تو دوبارہ شعر گوئی کی طرف مائل ہو گئے۔ وہ کسی مدون دیوان کی طرف پلٹے نہ کسی خاص کتاب کی طرف رجوع کیا۔ وہ صرف زبانی کلامی شعر کہتے تھے۔ بہت سے اہل عرب طبعی موت مر گئے یا قتل ہو گئے۔ اس طرح اشعار کا بہت کم مجموعہ محفوظ رہا اکثر حصہ ضائع ہو گیا۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسے شاعر کو پسند فرماتے تھے جو اپنے اشعار سے دلوں کو ایمان و یقین سے لبریز کر دے اور اسلامی قدروں اور ایمان کو دلوں میں بھر دے اور ان اشعار میں اسلامی اقدار کی خوبیاں اُجاگر کر کے انھیں لوگوں کے احساسات بیدار کرنے کا ذریعہ بنا دے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شعر و ادب کو اچھی سیرت سازی کا بڑا مؤثر ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے اشعار رواج پا جائیں جو جذبۂ للّٰہیت اور مضبوط دین داری کی بنیاد پر کہے گئے ہوں اور ان بلند پایہ اوصاف کی عکاسی کریں جن کی اسلام نے ترغیب دی ہے۔ وہ دینی اقدار اور اسلامی اصولوں سے بیگانہ اشعار کے قریب بھی نہیں پھٹکتے تھے اور اس قسم کے شعر کہنے والے شاعروں کی بڑی سختی سے گوشمالی کرتے تھے۔ ان کی طبیعت بڑی حساس

---

[1] الأدب في الإسلام، ص: 171، والعمدة لأبي رشيق: 17/1. [2] طبقات الشعراء لابن سلام: 25/1، و أدب صدر الإسلام، ص: 87.

تھی۔ ذوق نہایت بلند اور پاکیزہ تھا۔ وہ فوراً اشعار کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ جن اشعار سے اسلام کی عظیم اقدار اُجاگر ہوتیں انھیں بہت پسند فرماتے تھے۔ بصورت دیگر انھیں ناقابلِ توجہ سمجھتے تھے۔ [1]

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حطیئہ اور زبرقان بن بدر

منقول ہے کہ شاعر حطیئہ کا اصل نام ابوملیکہ جرول بن اوس تھا۔ وہ قطیعہ بن عبس قبیلے سے تھا۔ وہ قحط سالی سے گھبرا کر عراق جارہا تھا تاکہ وہاں خوشحالی کی زندگی بسر کرسکے۔ راستے میں زبرقان بن بدر بن امرئ القیس بن خلف تمیمی سعدی سے ملاقات ہوگئی۔ زبرقان اپنی قوم کی طرف سے زکاۃ کا مال لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جارہا تھا۔ زبرقان حطیئہ کو پہچان گیا۔ اُس نے اس سے گفتگو کی، اسے اس کے حالات کا علم ہوا تو زبرقان نے اسے اپنے قبیلے میں قیام کی پیشکش کی۔ کہا کہ یہاں رہو اور میری واپسی تک انتظار کرو۔ حطیئہ رک گیا۔ وہاں بغیض بن عامر بن شماس بن لؤی بن جعفر أنف الناقہ بھی موجود تھا۔ یہ شخص زبرقان کا مخالف تھا۔ اس نے حطیئہ کو زبرقان کے خلاف بھڑکا دیا اور اپنے ساتھ ملا لیا۔ حطیئہ نے زبرقان کی ہجو لکھی اور بنو أنف الناقہ کی مدح میں اشعار کہے۔ زبرقان کی ہجو میں حطیئہ نے یہ اشعار کہے:

مَا كَانَ ذَنْبُ بَغِيضٍ لَّا أَبَا لَّكُمْ فِي بَائِسٍ جَاءَ يَحْدُو آخِرَ النَّاسِ

”تمھارا باپ نہ رہے! بغیض نے کوئی جرم نہیں کیا وہ تو تنگدستی کی حالت میں سب سے آخر میں یہاں آیا۔“

لَقَدْ مَرَيْتُكُمْ لَوْ أَنَّ دِرَّتَكُمْ يَومًا يَّجِيءُ بِهَا مَسْحِي وَ إِبْسَاسِي

”یقیناً میں نے تم سے بھلائی کا مطالبہ کیا (لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا) کاش کسی دن وہ

[1] عمر بن الخطاب لمحمد أبي النصر، ص: 218.

تمھاری دودھ والی اونٹنی کے تھنوں کو ہاتھ لگانے اور آواز دینے سے اس کا دودھ حاصل ہوجائے تو اُسے میرے تھپکی دینے ہی سے تمھیں دودھ نصیب ہوگا۔“

دَعِ الْمَكَارِمَ لَا تَرْحَلْ لِبُغْيَتِهَا وَاقْعُدْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الطَّاعِمُ الْكَاسِي

”تو عزت پانے کی کوشش ترک کردے، گھر میں بیٹھ جا! بلاشبہ تو محض کھانے پینے اور لباس پہننے والا ہی ہے۔“

مَنْ يَّفْعَلِ الْخَيْرَ لَايَعْدَمْ جَوَازِيَهُ لَا يَذْهَبُ الْعُرْفُ بَيْنَ اللّٰهِ وَالنَّاسِ

”جو بھلائی کرنے والا ہوتا ہے اسے اس کا انعام مل جاتا ہے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے درمیان نیکی ختم نہیں ہوتی۔“

مَاكَانَ ذَنْبِي أَنْ فَلَّتْ مَعَاوِلُكُمْ مِنْ آلِ لَّأَبِي صَفَاةٍ أَصْلُهَا رَاسِي

”میرا کوئی گناہ نہیں کہ تمھاری کدالیں کند ہوگئیں۔ آلِ ابوصفاۃ کے مقابلے میں اور ان کی بزرگی تو ثابت ہے۔“

قَدْ نَاضَلُوكَ فَسَلُّوا مِنْ كِنَائِنِهِمْ مَجْدًا تَلِيدًا وَّنَبْلًا غَيْرَ أَنْكَاسِي

”ان لوگوں نے تم سے اپنے ترکش سے تیراندازی کی موروثی بزرگی کو قائم رکھا اور صحیح سالم تیر چلائے۔“[1]

یہ توہین آمیز اشعار زبرقان کی نظر سے گزرے تو اسے بڑا طیش آیا۔ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ہتک عزت کا دعویٰ دائر کردیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس نے کیا کہا ہے؟ زبرقان نے شعر پڑھ کر سنائے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کوئی باضابطہ ہجو نہیں ہے۔ اس میں صرف ڈانٹ ڈپٹ ہی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد سن کر زبرقان نے کہا: کیا یہ اشعار سننے کے بعد میری غیرت مجھے اجازت دے گی کہ مجھے کچھ کھانے پینے اور

[1] عمر بن الخطاب لمحمد أبي النصر، ص:220,219.

پہننے کا ہوش رہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ انھوں نے فرمایا: یہ نہ صرف ہجو ہے بلکہ حطیئہ نے تو اس پر گندگی اُچھالی ہے۔ یہ سُن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئہ کو قید کر دیا۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود شعر و ادب کے بہت بڑے پارکھ تھے۔ وہ شعر کے رموز سے خوب واقف تھے لیکن اس موقع پر چونکہ وہ قاضی کی حیثیت سے زبرقان کا مقدمہ سن رہے تھے، اس لیے انھوں نے شعر گوئی کے ماہرفن کو بلا کر اس کی رائے لی، پھر اپنا فیصلہ سنایا اور ہجو گو شاعر کو قید کر دیا۔

اس سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے چچا عقاد کہتے ہیں کہ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی یہ شخصی خوبی فراموش کر دی کہ وہ ایک اعلیٰ پائے کے ادیب اور نقاد بھی ہیں۔ اُس وقت انھیں صرف اسی حقیقت کا ادراک اور استحضار رہا کہ وہ ایک جج ہیں۔ بعض شبہات کی وجہ سے وہ حد نافذ کرنے سے گریز فرماتے رہے اور اپنا فیصلہ اس وقت تک کے لیے موقوف کر دیا جب تک انھوں نے اس باب میں اہل تخصص کی رائے معلوم نہ کر لی۔ یہ عمل ان کے کمالِ انصاف کی بڑی مستند پہچان ہے۔ ②

حطیئہ نے جب جیل کا کڑوا مزہ چکھا تو اپنی صفائی میں اشعار کہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایسے اشعار کے ساتھ رحم کا خواست گار ہوا۔ جن میں اس کی طرف منسوب باتوں کی نفی تھی اور عذر خواہی کا وہی طریقہ اپنایا گیا جو نابغہ کا نعمان بن منذر کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس نے لکھا:

میں آپ کی بزرگی کی پناہ پکڑتا ہوں، بلاشبہ مجھے دشمنوں نے ایسا کرنے کی ترغیب دی۔
پست لوگوں کے کینے پر میرا مؤاخذہ نہ کیجیے، ہر دور میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔
اگر یہ لوگ سچ کہتے ہیں تو عذر خواہی کے لیے ہماری عورتیں پا پیادہ آپ کی خدمت

① الأدب في الإسلام، ص: 172. ② عبقرية سيدنا عمر رضی اللہ عنہ، ص: 246.

میں پہنچیں گی۔

وہ ننگے سر ہوں گی اور ننگے پاؤں ہوں گی۔ برہنہ پا ہونے کا شکوہ بھی نہیں کریں گی۔ بس مسلسل فریاد اور آہ و بُکا کر رہی ہوں گی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئہ شاعر کی معذرت قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور اس کی درخواست مسترد کر دی۔ اس نے دوبارہ نہایت درد انگیز الفاظ میں معافی طلب کی اور عرض کیا:[1]

مَا ذَا تَقُولُ لِأَفْرَاخٍ بِذِي مَرَخٍ   زُغْبِ الْحَوَاصِلِ لَامَاءٌ وَلَا شَجَرُ

''اس سرزمین میں موجود ان معصوم بچوں کو آپ کیا جواب دیں گے جو ایسی بنجر زمین میں پڑے ہیں جہاں پانی اور درخت کا نام ونشان تک نہیں۔''

أَلْقَيْتَ كَاسِبَهم فِي قَعْرِ مَظْلِمَةٍ   فَاغْفِرْ عَلَيْكَ سَلَامُ اللّٰهِ يَاعُمَرُ

''آپ نے ان کے واحد سرپرست کو اندھیری کوٹھڑی میں پھینک دیا آپ پر اللہ کی سلامتی ہو! مجھے معاف فرما دیجیے۔''

أَنْتَ الْإِمَامُ الَّذِي مِنْ بَعْدِ صَاحِبِهٖ   أَلْقَتْ إِلَيْكَ مَقَالِيدُ النُّهَى الْبَشَرُ

''آپ ایسے خلیفہ ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب لوگوں نے آپ کو دانش ور، دانا اور دور اندیش تسلیم کیا۔''

مَا اٰثَرُوكَ بِهَا إِذْ مَا قَدَّمُوكَ لَهَا   لٰكِنْ بِكَ اسْتَأْثَرُوا إِذْ كَانَتِ الْأَثَرُ

''لوگوں نے آپ کو آپ کی خلافت کے لیے نامزدگی کے بعد آپ کو نہیں چنا بلکہ انھوں نے بذاتِ خود اپنے آپ کو آپ کے چناؤ کے لیے خاص کر لیا۔ حق بھی یہی تھا۔''

---

[1] الكامل في الأدب:2/725.

فَامْنُنْ عَلٰى صِبْيَةٍ بِالرَّمْلِ مَسْكَنُهُمْ بَيْنَ الْأَبَاطِحِ تَغْشَاهُمْ بِهَا الْقِرَرُ

''ایسے بچوں پر ترس کھائیے جو صحرائی علاقے میں رہتے ہیں۔ جہاں سیلابوں کے ریلے گزرتے ہیں اور راتیں انتہائی سرد ہیں۔''

أَهْلِي فِدَاؤُكَ مَا بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ مِنْ عَرْضِ دَاوِيَةٍ تَعْمٰى بِهَا الْخُبُرُ

''میرا تمام خاندان آپ پر قربان! میرے اور ان کے درمیان اتنا وسیع جنگل ہے جہاں تجربہ کار لوگ بھی راستہ بھول جاتے ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئہ کے یہ رقت آمیز الفاظ پڑھے تو انتہائی متأثر ہوئے اور رو پڑے، انھوں نے اس شرط پر حطیئہ کو رہا کر دیا کہ آئندہ وہ کبھی مسلمانوں کی ہجو نہیں کرے گا۔ انھوں نے مسلمانوں کی عزت کے تحفظ کی خاطر اسے 3 ہزار درہم بھی مرحمت فرمائے۔ اسی پابندی کا شکوہ کرتے ہوئے حطیئہ نے کہا تھا:

وَأَخَذْتَ أَطْرَافَ الْكَلَامِ فَلَمْ تَدَعْ شَتْمًا يَّضُرُّ وَلَا مَدِيحًا يَّنْفَعُ

''آپ نے میرے اشعار پر پابندی لگا دی۔'' اب میرے قلم سے کوئی نقصان دہ کلام نہ نکلے گا۔ نہ کسی ممدوح کو نفع مند کلام کوئی فائدہ دے گا۔''

وَحَمَيْتَنِي عِرْضَ اللَّئِيمِ فَلَمْ يَخَفْ ذَمِّي وَأَصْبَحَ آمِنًا لَّا يَفْزَعُ

''آپ نے مجھ سے برے آدمی کی عزت بچالی اب اسے میری مذمت کا کوئی خدشہ نہیں وہ مجھ سے بے خوف ہو گیا ہے۔''

ایسا لگتا ہے کہ حطیئہ نے دل سے کسی کی ہجو ترک کرنے کا عزمِ مصمم نہیں کیا تھا، اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بلایا، اپنے سامنے بٹھایا اور اس کی زبان کاٹ دینے کی دھمکی دی۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! بلاشبہ میں نے اپنے باپ اور ماں کی ہجو کی، میں نے اپنی بیوی کی ہجو کی حتی کہ میں نے اپنی ذات کی بھی ہجو کی۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسکرا

پڑے اور اسے معاف فرما دیا۔ ①

بہر حال حطیئہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہجو کرنے سے باز رہا اور کسی کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ صاحب ''زهر الآداب'' نے بیان کیا ہے کہ بنوعجلان اپنے نام پر بہت فخر کرتے تھے۔ انھیں اپنی اس پہچان پر ناز تھا کیونکہ یہ نام ان کے جدامجد عبداللہ بن کعب نے ان کی خُوئے مہمان نوازی کی وجہ سے رکھا تھا کیونکہ وہ لوگوں کی مہمان نوازی کے آداب بجا لانے میں بڑی جلدی کرتے تھے، لہٰذا یہ نام ان کے لیے شرف وعزت کا سبب بن گیا۔ ایک دفعہ قیس بن عمرو بن کعب نجاشی نے ان لوگوں کی ہجو کرتے ہوئے کہا:

یہ لوگ خاندانی طور پر ملعون ہیں۔ کمینے، کمزور اور ناکارہ لوگوں کا ٹولہ ہیں۔

ان کا نام ''عجلان'' اس وجہ سے پڑ گیا کہ وہ کہتے: ''اے غلام! پیالہ پکڑ۔ دودھ نکال اور جلدی کر۔''

بیان کیا جاتا ہے کہ بنوعجلان نے نجاشی کے خلاف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو قید میں ڈال دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑوں کی سزا بھی سنائی۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف ہجویہ اشعار پر متعلقہ شاعروں کی گرفت فرماتے تھے بلکہ مسلمانوں کی عزت کو مجروح کرنے، مسلمانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض پیدا کرنے اور مسلمان عورتوں کے اوصاف بیان کرنے والوں کا بھی انتہائی سختی سے نوٹس لیتے تھے۔ اس کی تفصیلات ڈاکٹر واضح صمد نے بیان فرمائی ہیں۔ ③

① الكامل في الأدب: 725/2. ② زهر الآداب للقيرواني: 54/1، والأدب في الإسلام، ص: 92.
③ أدب صدر الإسلام للدكتور واضح الصمد، ص: 93,92.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اشعار کا اثر

بیان کیا جاتا ہے کہ امیہ بن اسکر کنانی اپنی قوم کا سردار تھا، اس کا ایک ہی بیٹا تھا، اس کا نام کُلاب تھا۔ امیہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ گیا، وہاں کچھ عرصہ ٹھہرا۔ ایک دن اس کی ملاقات طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ اس نے ان سے پوچھا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ انھوں نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ! یہ سن کر وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سلسلے میں بات کی۔ انھوں نے اُس کا نام ایران جانے والے ایک لشکر کی فہرست میں درج کر دیا۔ امیہ کھڑا ہوا اور عرض کیا: اے امیر المومنین! میں اس مہم پر ضرور روانہ ہوتا اگر میں جوان ہوتا لیکن اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ یہ سن کر اس کا بیٹا آگے بڑھا، وہ انتہائی عبادت گزار اور پرہیز گار تھا، اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں اپنی جان کا اللہ سے سودا کر چکا ہوں۔ میں اپنی دنیا کے بدلے آخرت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت اس کا باپ کھجور کے درخت کے سائے تلے کھڑا تھا۔ وہ فرط محبت سے اپنے بیٹے سے لپٹ گیا اور کہنے لگا: میرے بیٹے! تو اپنے ماں باپ کو، جنھوں نے تجھے پالا پوسا ہے، اس بڑھاپے میں چھوڑ کر نہ جا! کیونکہ اب ہم دونوں کو تیری سخت ضرورت ہے۔ بیٹے نے جواب دیا: ابا جان! میں ان دونوں کو اس چیز کے لیے چھوڑ رہا ہوں جو ان سے بہتر ہے، پھر اس نے اپنے باپ کو راضی کر لیا اور جہاد کے لیے روانہ ہو گیا۔ ایک دن امیہ اپنے کھجور کے درخت کے سائے میں کھڑا تھا اچانک اس نے دیکھا ایک کبوتری اپنے بچوں کو بلا رہی ہے۔ اُمیہ نے یہ منظر دیکھا تو رو پڑا، پھر جب بڑھیا نے دیکھا تو وہ بھی رو پڑی۔ امیہ نے بے ساختہ اشعار کہے:

لَمَنْ شَيْخَانِ قَدْ نَشَدَا كُلَابًا كِتَابَ اللّٰهِ لَوْ قَبِلَ الْكِتَابَ

''بوڑھے ماں باپ کا کون پرسان حال ہو گا...... انھوں نے کُلاب کو کتاب اللہ کا

واسطہ دیا کاش! کلاب اسے مان لیتا۔"

أُنَادِيهِ فَيُعْرِضُ فِي إِبَاءٍ فَلَا وَ أَبٰى كُلَابٌ مَا أَصَابَ

"میں کلاب کو اپنے پاس بلاتا ہوں لیکن وہ انکار کرتا ہے...... اللہ کی قسم! کُلاب نے صحیح قدم نہیں اُٹھایا۔"

إِذَا هَتَفَتْ حَمَامَةٌ بَطْنَ وَجٍّ عَلٰى بَيضَاتِهَا ذِكْرًا كُلَابَا

"جب بطن وج میں کبوتری نے اپنے بچوں کو پکارا...... تو اس نے ہم دونوں کو کلاب کی یاد دلا دی۔"

فَإِنَّ مُهَاجِرَيْنِ تَكَنَّفَاهُ فَفَارَقَ شَيخَهُ خَطْئًا وَّخَابَا

"ہم مہاجر ماں باپ نے کلاب کو اپنی آغوش بخشی لیکن کُلاب نے غلطی کی کہ وہ بوڑھے والدین کو چھوڑ کر چلا گیا۔"

تَرَكْتَ أَبَاكَ مُرْعِشَةً يَدَاهُ وَأُمُّكَ مَا تَسِيغُ لَهَا شَرَابَا

"اے کلاب! تو اپنے باپ کو اس حال میں چھوڑ گیا کہ اس کے ہاتھ کانپتے ہیں...... اب تیری ماں کے حلق سے پانی کا گھونٹ بھی نہیں اُتر رہا۔"

تَنْفُضُ مَهْدَهٗ شَفَقًا عَلَيْهِ وَتُجَنِّبُهٗ أَبَاعِرَهَا الصَّعَابَا

"کلاب کی ماں کتنی شفقت سے کلاب کا گہوارہ صاف کرتی تھی...... اور اُسے اپنی سرکش اونٹنیوں سے بچاتی تھی۔"

فَإِنَّكَ قَدْ تَرَكْتَ أَبَاكَ شَيْخًا يُطَارِقُ أَيْنَقًا شَرْبًا طَرَابَا

"اے کلاب! تو نے اپنے بوڑھے باپ کو اس حالت میں چھوڑ دیا...... کہ وہ اونٹنیوں کو گھاٹ پر لے جانے کے لیے حدی خوانی کرتا ہے۔"

إِذَا ارْتَعَشْنَ أَرِقًّا لَا سَرَاعًا   أَثَرْنَ بِكُلِّ رَابِيَةٍ تُرَابَا

''جب یہ اونٹنیاں تیز چلتی ہیں......تو ہر ٹیلے پر گردو غبار اڑاتی ہیں۔''

فَإِنَّكَ وَالْتِمَاسَ الْأَجْرِ بَعْدِي   كَبَاغِي الْمَاءِ يَتْبَعُ السَّرَابَا

''اے کلاب! میرے بغیر تیرا اجر حاصل کرنا......سراب کے پیچھے پانی کے لیے بھاگنے والے کی طرح ہے۔''[1]

امیہ کی نظر کمزور تھی۔ اسے ایک آدمی نے پکڑا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد میں تھے۔ وہاں اس بوڑھے نے یہ اشعار کہے:

أَعَاذِلُ قَدْ عَذَلْتَ بِغَيرِ عِلْمٍ   وَمَا تَدْرِينَ عَاذِلَ مَا أُلَاقِي

''اے ملامت گر! تو نے بغیر سوچے سمجھے میری ملامت کی، کسی ملامت گر کو کیا معلوم، جو مجھ پر گزر رہی ہے۔''

فَأَمَّا كُنْتَ عَاذِلَتِي فَرُدِّي   كُلَابًا إِذْ تَوَجَّهَ لِلْعِرَاقِ

''کیا تو صرف میری ملامت ہی کر سکتا ہے۔ تو نے کلاب کو عراق جانے سے روک کیوں نہ دیا۔''

وَلَمْ أَقْضِ اللُّبَانَةَ مِن كُلَابٍ   غَدَاةَ غَدٍ وَآذَنَ بِالْفِرَاقِ

''میں نے تو ابھی تک کلاب سے اپنی کوئی خدمت نہیں لی تھی کہ اُس نے جدائی کا اعلان کر دیا۔''

فَتَى الفِتْيَانِ فِي عُسْرٍ وَّ يُسْرٍ   شَدِيدُ الرُّكْنِ فِي يَوْمِ التَّلَاقِي

''کلاب تنگی اور آسانی میں کام آنے والا مضبوط نوجوان ہے۔ وہ مصیبت کے وقت مضبوط بازو بننے والا ہے۔''

---

[1] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبو النصر، ص: 226.

فَلَا أَبِيكَ مَا بَالَيْتَ وَجْدِي وَلَا شَفَقِي عَلَيْكَ وَلَا اشْتِيَاقِي

''اے کلاب! تجھے تیرے باپ کا واسطہ تو نے میرے احساسات کی پروا نہیں کی۔ نہ تو میری مہربانی اور چاہت کو خاطر میں لایا۔''

وَإِبْقَائِي عَلَيْكَ إِذَا شَتَوْنَا وَضَمُّكَ تَحْتَ نَحْرِي وَاعْتِنَاقِي

''تو نے سردیوں کو راتوں میں میرے فدا ہونے کا بدلہ بھی نہ دیا۔ جبکہ میں تجھے اپنی گردن اور سینے کے درمیان چھپا لیتا تھا۔''

فَلَوْ فَلَقَ الْفُؤَادُ شَدِيدَ وَجْدٍ لَهَمَّ سُوَادُ قَلْبِي بِانْفِلَاقِ

''اگر شدت غم سے میرا دل پھٹ جائے۔ تو میرے دل کا سیاہ خون بھی مزید شدت غم سے پھٹ جائے۔''

سَأَسْتَعِدِّي عَلَى الْفَارُوقِ رَبًّا لَهُ دَفْعَ الْحَجِيجِ إِلٰى بَسَّاقِ

''میں اپنے رب سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف اس طرح گزارش کروں گا جس طرح حاجی میدان عرفات میں جبل رحمت پر معروضات کرتا ہے۔''

وَأَدْعُو اللّٰهَ مُجْتَهِدًا عَلَيْهِ بِبَطْنِ الْأَخْشَبَيْنِ إِلٰى دُفَاقِ

''میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف سرزمین مکہ میں اپنے رب کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلاؤں گا۔''

أَنَّ الْفَارُوقَ لَمْ يَرْدُدْ كُلَابًا عَلٰى شَيْخَيْنِ هَامَهُمَا زَوَّاقِ

''کہ فاروق نے کلاب کو واپس نہیں بلایا۔ اور قریب الموت بوڑھے والدین کے حوالے نہ کیا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی یہ فریاد سن کر رو پڑے۔ انھوں نے فوراً ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ کلاب کو فوراً واپس بھیج دیا جائے۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ کلاب واپس آ کر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے پاس اوٹ میں بٹھا دیا اور امیہ کو بلا بھیجا۔ جب امیہ آ گیا تو اس سے علیحدگی میں کچھ دیر گفتگو کی اور دریافت فرمایا: اگر آج کے دن تم سے پوچھا جائے کہ تمھیں کون سی چیز سب سے زیادہ پیاری ہے تو تمھارا کیا جواب ہوگا؟ اس نے کہا: میری یہ خواہش ہوگی کہ میرا بیٹا کلاب یہاں ہو اور میں اس کی مہک سونگھوں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کلاب کو بلایا۔ اسے پا کر بوڑھا اپنی جگہ سے اچھل پڑا، لپک کر بیٹے کو گلے سے لگایا اور اُسے سونگھنے لگا اور پھر ہچکیاں لے کر رونے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور تمام حاضرین رو پڑے۔[1] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کلاب سے فرمایا: تو اپنے باپ کے پاس رہ، تیرا جہاد ان کی خدمت کرنا ہے۔ ان کی زندگی پوری ہونے کے بعد تم اپنی مرضی پوری کر لینا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کلاب کو کچھ مال مرحمت فرمایا کہ اپنے باپ کے ساتھ مل کر اسے خرچ کر لو۔

امیہ کے کہے ہوئے اشعار اکثر قافلے والے گنگنایا کرتے تھے۔ جب کلاب کو پتہ چلا تو اس نے کہا:

”تیری عمر کی قسم! میں نے ابو کلاب کو بڑھاپے کی حالت میں غمزدہ اور پریشان نہیں چھوڑا۔“

”اور نہ اُم کلاب کو کہ وہ سوتے وقت کلاب کی یاد میں روتی ہے۔“

”میں جہاد پر مال یا منصب حاصل کرنے نہیں گیا تھا۔ میں تو صرف اللہ سے ثواب کی اُمید لے کر گیا تھا۔“

کلاب مضبوط اسلام والا شخص تھا۔ وہ اپنے والدین کی خدمت میں مصروف رہا تا آنکہ دونوں ماں باپ خالق حقیقی سے جا ملے۔[2]

---

[1] الأدب الإسلامي للدكتور نايف معروف، ص: 180. [2] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبو النصر، ص: 228.

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ شیبان بن مخبل سعدی معروف شاعر تھا۔ وہ ایرانیوں کے خلاف جہاد کی غرض سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل دیا۔ اس کے والد مخبل نے اس کے جانے کے بعد اس کی یاد میں انتہائی کرب کا اظہار کیا۔ وہ بہت بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا۔ بے قابو ہو کر کہنے لگا:

''کیا شیبان مجھے ہر رات اسی طرح ہلاک کرے گا؟ اس کی جدائی کی وجہ سے میرا دل دھڑکتا رہتا ہے۔''

''پے در پے حوادث نے میری کمر ٹیڑھی کر دی۔ کیا آپ کو خبر نہیں کہ قریب کھڑا ایک آدمی بھی مجھے دو نظر آتے ہیں۔''

''شیبان بتائے کہ وہ تو کہتا تھا کہ وہ میری کبھی نافرمانی نہ کرے گا۔ اے شیبان! تو نے مجھ سے جُدا ہو کر میری نافرمانی اور گناہ کیا۔''

''تیری قبر میں کبھی گناہ داخل نہ ہو گا مگر اس وقت جب نگران فرشتہ تجھ پر یہ فردِ جرم عائد کرے گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنے تو متأثر ہو کر رونے لگے۔ انھوں نے فوراً سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شیبان کو واپس بھیج دو، جب وہ آ گیا تو اسے اس کے باپ کی طرف روانہ کر دیا۔[1]

محض یہ چند واقعات ایسے نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اشعار سنے اور متأثر ہوئے بلکہ اس قسم کے بہت سے اور واقعات بھی بیان کیے جاتے ہیں جن میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ خراش بن ابو خراش ہذلی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہجرت کی۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ دشمن کے قبائل کے خلاف صف آرا ہوا اور دشمن کی سرزمین پر آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ ابو خراش مدینہ آیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں اپنے بیٹے کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس نے مزید بتایا کہ میرے سب اہل خانہ مر چکے ہیں اور

[1] أدب صدر الإسلام، ص: 90.

بھائی مارے جا چکے ہیں۔ میرا اس بیٹے کے سوا کوئی سہارا اور مددگار نہیں۔ وہ بھی مجھے چھوڑ کر جہاد کی غرض سے چلا گیا ہے، پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

''خبردار! کیا ہے کوئی جو میرا پیغام خراش تک پہنچائے کہ تیرے پاس بڑی دور سے خبر آئی ہے؟''

''تیرے پاس وہ بھی خبر لا سکتا ہے جو ننگے پاؤں اور بغیر زادِ راہ ہو۔''

''تو اُسے پکارتا ہے تاکہ اس کے پیچھے کلیب آئے، وہ نہیں آئے گا، وہ لڑکا بے وقوف ہو چکا ہے۔''

''اس نے حلم کے ساتھ لوٹا دیا کہ اس میں کچھ نہ تھا گویا اس کے آنسو چاندی کے موتی ہیں۔''

''وہ صبح کے وقت ریوڑ کو پانی پلانے والا تھا اور شام کو شام کے لشکر جرار کا مضبوط جز بن گیا۔''

''خبردار اے خراش! جان لے بہترین مہاجر وہ شخص ہے جو زاہد ہو۔'' ''میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو مجھ سے دور ہو کر نیکی تلاش کر رہا ہے۔ یہ تو ایسے ہے جیسے شکاری نے اپنے سینے پر خون لگا لیا ہو (تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس نے شکار کیا ہے) حالانکہ اس نے شکار نہ کیا ہو۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سُن کر بہت متاثر ہوئے اور خراش کو واپس اس کے باپ کے پاس بھیجنے کا حکم نامہ جاری فرمایا، پھر یہ قانون بنا دیا کہ اب کوئی نوجوان اس وقت تک جہاد کے لیے نہ جا سکے گا جب تک کہ وہ اپنے والدین سے اجازت حاصل نہ کر لے۔[2]

مندرجہ بالا واقعات میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اشعار سن کر انتہائی متاثر ہوتے تھے اور رو دیتے تھے۔ ایک ایسا شخص جو مردِ آہن اور فولاد جیسے ارادوں کا حامل سمجھا

[1] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص: 230. [2] الأغاني للأصفهاني: 189/13.

جاتا تھا درحقیقت کتنا نرم دل تھا۔ مذکورہ واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کتنے حساس اور رحم دل انسان تھے۔ وہ ان بوڑھے والدین کے رنج میں برابر کے شریک رہے جو اپنے بچوں کی قربت کے ضرورت مند تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت بڑے انسان تھے۔ وہ جس مظلوم یا بے کس انسان کو دیکھتے، انتہائی بے چین ہو جاتے اور اس کی فوری مدد فرماتے تھے۔[1]

ادبی تنقید کا ملکہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کی ذات بابرکات سے انتہائی متأثر تھے حتیٰ کہ ادب، شعر اور شعراء پر کوئی حکم لگانے کے بارے میں بھی ٹھیک نبی علیہ السلام ہی کا طریقۂ کار اختیار فرماتے۔ بہت سی ادبی نصوص کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بہت سی آراء اور اصلاحات مروی ہیں۔ ان میں اکثر اقوال اس دور کے ہیں جب وہ خلیفۂ وقت تھے، یعنی ان کی زندگی کے آخری دس (10) برس کے دوران یہ اقوال ان سے منقول ہوئے۔ ان آثار کی روشنی میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ادب سے کس قدر لگاؤ رکھتے تھے خصوصًا اس وقت جب شعر و ادب کے معاملے میں وہ اوجِ کمال تک پہنچ چکے تھے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان خوبیوں کا تذکرہ کریں جن کی بدولت ان کا تنقیدی شعور بہت پختہ اور بالیدہ ہوگیا تھا اور اسی تنقیدی شعور نے انھیں ایک نادر شخصیت بنا دیا۔ وہ دورِ جاہلیت میں بھی اپنی ادبی خصوصیات کے باعث ممتاز تھے اور اسلام نے تو ان کی تمام خوبیوں کو قابلِ رشک بنا دیا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جاہلیت کی زندگی میں جاہلی اقتدار کے محافظ اور ذمہ دار فرد سمجھے جاتے تھے۔ انھیں قریش میں بلند مرتبہ حاصل تھا اور قریش ان دنوں تمام عرب کی نظروں کا محور اور دلوں کا سنگم تھے۔

[1] أدب صدر الإسلام، ص: 90.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے اور دورِ خلافت آیا تو تب بھی انھوں نے ایک ممتاز مرتبہ پایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جاہلی اور اسلامی شاعری دونوں کی خوب پہچان رکھتے تھے۔ مشرکین، مرتدوں اور دشمنانِ اسلام نے اسلام کے خلاف جو کچھ اپنے اشعار یا کسی بھی پیرائے میں کہا تھا وہ اسے خوب جانتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت ہی سے عرب کے تمام احوال مثلاً: عقائد، تاریخ، نسب، سلوک اور علم کو خوب جانتے تھے۔ ان کے علم کی اسی وسعت نے انھیں شعر و ادب پر تنقید کا شعور بخشا اور اس پر اظہارِ رائے کے قابل بنا دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شروع سے ہی ادبی محفلوں میں بیٹھنے کے شوقین تھے۔ ان محفلوں میں افسانہ گوئی، داستان سرائی، شعر گوئی، ادبی اسلوب، ادبی بول چال اور پھر اس پر اپنی اپنی رائے کا اظہار جیسے اُمور بھی پائے جاتے تھے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ ایسی مجالس کے متلاشی ہوئے جن میں لوگ اعلیٰ درجے کے ادبی کلام اور محاوروں کا اس طرح چناؤ کرتے تھے جس طرح عمدہ پھل کو چُنا جاتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز اور جہاد کے بعد تیسرے نمبر پر ادبی ذوق کے دلدادہ تھے۔ وہ نبی علیہ السلام کے راز دانوں میں سے تھے اور داستان گوئی پر بڑی دسترس رکھتے تھے۔ وہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے مسجد کے ایک کونے میں ایک کھلی جگہ اسی کام کے لیے مخصوص کر لی۔ اس کا نام بطحاء تھا۔ یہاں شعر و شاعری کے دلدادہ اور ادب سیکھنے والے حضرات تشریف لاتے تھے۔[1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روشن بصیرت، عظیم تنقیدی مرتبے اور تیر بہدف تنقید کرنے کے ماہر تھے۔ انھیں فطرت اور الہام دونوں طرح کی بھرپور مدد میسر تھی۔ انھیں ایسی شفاف بصیرت حاصل تھی کہ وہ جو خیال ظاہر فرماتے وہ درست ہوتا تھا۔ وہ ہر سننے والی آواز اور دیکھنے والی چیز کو بھرپور توجہ اور احساس سے سنتے اور دیکھتے تھے۔ وہ ادبی نصوص اور اس

[1] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص: 244.

میں موجود فکری اور جمالیاتی ذوق کا پورا احساس وادراک رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی طبیعت انتہائی حساس تھی۔ وہ ہر چیز کی حقیقت اور ہر معاملے کی تہ تک فوراً پہنچ جاتے تھے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دل کی گہرائیوں سے تیر بہدف خیالات کا اظہار فرماتے۔ اس اظہار پر ان کا ضمیر مطمئن ہوتا تھا۔ وہ ان خیالات کے بیان اور اپنی پسند یا ناپسند کی وضاحت کا بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ روایت میں ہے کہ متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک کا مرثیہ کہا جو مرتدین کے خلاف جنگوں میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور جب متمم اس شعر پر پہنچا:

"اس میں کسی طرح کی کوئی بے حیائی نہیں تھی۔ وہ صورت اور سیرت دونوں اعتبار سے بہت اچھا تھا۔"

تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری خواہش ہے کہ جس طرح متمم نے اپنے بھائی مالک کا مرثیہ کہا ہے اسی طرح میں بھی اپنے بھائی زید بن خطاب کا مرثیہ کہوں۔ یہ سُن کر متمم نے کہا: اے ابوحفص! اگر مجھے یہ یقین ہو جاتا کہ میرا بھائی بھی وہاں پہنچ گیا ہے جہاں آپ کا بھائی پہنچا ہے تو میں کبھی اس کا مرثیہ نہ کہتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے تجھ سے بہتر کسی کا اظہارِ تعزیت نہیں دیکھا۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متمم کا مرثیہ سمجھا اور اس میں موجود ندرت کو فوراً محسوس کر لیا۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ادبی نصوص کی بڑی قدر فرماتے تھے اور اسے ایسا درجہ دیتے تھے جو بڑا یگانہ اور قابل رشک تھا۔

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہرم بن سنان کے ایک بیٹے سے کہا: زہیر نے تمھارے

---

[1] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص: 246. [2] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص: 247، والكامل للمبرد: 300/2.

بارے میں بہت عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! ہم اُسے باقاعدہ عطیات دیتے تھے تبھی وہ ہمارے بارے میں فصیح و بلیغ اشعار کہتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «ذَهَبَ مَا أَعْطَيتُمُوهُ وَبَقِيَ ما أَعْطَاكُمْ» ''جو کچھ تم نے اُسے دیا وہ سب ختم ہو گیا اور جو کچھ اس نے تمھیں دیا وہ باقی ہے۔''①

شعروادب کی جانچ پرکھ کی یہی وہ خوبیاں تھیں جنھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ادبی ذوق کو معراج کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا جس کے نتیجے میں وہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں عظیم ادبی مقام پر فائز ہوئے۔②

وہ قواعد وضوابط جن کے پیش نظر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک نص کو دوسری نص پر یا ایک شاعر کو دوسرے شاعر پر ترجیح دیتے تھے، ان کا تعلق کلام کی شکل وصورت سے ہوتا تھا، جو مندرجہ ذیل تھے:

عربی زبان کی صحت وسلامتی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذوق سلیم کی بنیاد اعلیٰ فصاحت اور عربی زبان کی صحت وسلامتی پر تھی، وہ لفظی غلطیوں سے متنفر تھے اور ان سے دور بھاگتے تھے۔ جب کسی عبارت میں لفظی غلطی پاتے تو بیزار ہو جاتے تھے۔ اسے نہ صرف پرے رکھ دیتے تھے بلکہ اس کے قائل یا لکھنے والے کی بھی خوب خبر لیتے تھے۔③

سادہ الفاظ کا انتخاب اور پیچیدہ الفاظ سے اجتناب: مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زہیر کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور اس کے اشعار کو اچھا سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ وہ نہ تو کلام میں کوئی پیچیدگی پیدا کرتا ہے نہ اجنبی الفاظ کی بھرمار کرتا ہے۔ وہ کسی آدمی کی اُسی خوبی کی تعریف کرتا ہے جس کی تحسین کا وہ مستحق ہوتا ہے۔④

پیچیدہ کلام وہ ہوتا ہے، جس میں تکرار ہو اور پھر بھی اصل مدعا واضح نہ ہونے پائے اور

① المدينة النبوية فجر الإسلام والعصر الراشدي: 106/2. ② عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص: 248. ③ عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص: 248. ④ المدينة النبوية فجر الإسلام والعصر الراشدي: 102/2.

اجنبی الفاظ وہ ہوتے ہیں جو غیر معروف ہوں اور جنھیں سن کر لوگ بدک جائیں۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے اسلامی ذوق کے مطابق شعر کہنے کا اصول اور ضابطہ سمجھ میں آتا ہے، یعنی شعر ایسا ہو جس کا مطلب واضح اور الفاظ آسان ہوں، مبالغہ آرائی سے دور اور سچائی سے بھرپور ہو کیونکہ اشعار کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اس کے مخاطب عام لوگ ہوتے ہیں، اس لیے اشعار آسان اور بلند پایہ ہونے چاہئیں۔ [2]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جن ماہرین ادب نے آج تک علم الادب کے جتنے اصول وضع کیے ہیں، انھوں نے اپنے مباحث میں ادائے مطالب کی آسانی، فصاحت و بلاغت اور کلام کی بلند خیالی کو اس علم کی جان قرار دیا ہے۔ یہ اصول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کی سوچ کے آئینہ دار ہیں۔ ہاں، اگر موقع کی مناسبت سے کسی خاص منہج، نظم یا ابواب بندی کی ضرورت ہو تو علمائے فن نے اس کا لحاظ رکھا ہے۔ [3]

پوری وضاحت طلب کرنے کی تاکید: ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا: مجھے نیا حکم نامہ ارسال کرنے میں اس لیے تأمل ہوا کہ مجھے ابھی تک پوری طرح علم ہی نہیں کہ تم نے کیا پیش قدمی کی ہے اور تمھارے دشمن کی اس وقت کیا پوزیشن ہے۔ مجھے مسلمانوں کے تمام مقامات اور مدائن اور تمھارے درمیان واقع تمام علاقوں کی ایسی واضح تصویر کشی درکار ہے جیسے میں یہاں بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اپنے معاملے سے واضح طور پر آگاہ کرو۔ [4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ آخری جملہ ''مجھے اپنے معاملے سے واضح طور پر آگاہ کرو۔'' یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کلام میں وضاحت و صراحت کے قائل تھے۔ مزید برآں اس نص سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ کلام میں سچائی کے طلبگار تھے۔

---

[1] المدينة النبوية فجر الإسلام والعصر الراشدي: 102/2. [2] المدينة النبوية فجر الإسلام والعصر الراشدي: 102/2. [3] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص: 250. [4] مجموعة الوثائق السياسية، ص: 414.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ایک انتہائی اہم اور لطیف تنقیدی معیار تھا جو اُنھوں نے اپنے تمام عمال کو لکھ بھیجا تھا۔ وہ انھیں قسم دیتے تھے کہ وہ عدل و انصاف کا بے لاگ اہتمام کریں، متنازعہ امور کے مقدمات اچھی طرح غوروفکر سے سمجھیں اور پھر اپنا فیصلہ صادر کریں۔ وہ فرماتے تھے: جو بات تیرے دل میں کھٹکے اس کی بار بار وضاحت طلب کر۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک دن ایک خاص معاملے میں خطبہ ارشاد فرمانا چاہتے تھے۔ انھوں نے یہ اسلوبِ بیان اختیار فرمایا: ''مجھے ایک ایسی بات کی خبر ملی ہے جس نے مجھے تعجب میں ڈال دیا ہے۔'' ...... یہ جملہ غور سے پڑھیے۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مخصوص اسلوب کا ترجمان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک گفتگو دراصل بخوبی سمجھانے کا وسیلہ اور وضاحت و راہنمائی کا راستہ ہے۔ اس لیے گفتگو سچی، صاف اور آسان ہونی چاہیے۔ اس میں کسی قسم کی اجنبیت یا ڈھکی چھپی بات نہیں ہونی چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کلام میں تکلفات اور گہرے مطالب پسند نہیں فرماتے تھے۔ [1]

الفاظ بقدر معانی ہوں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے تھے: تم ٹال مٹول سے بچو۔ [2]

امام دارمی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کلام میں الفاظ کی بلا وجہ بہتات ہے، لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کلام میں فضول اور فالتو الفاظ سے اجتناب فرماتے تھے کیونکہ اس سے بیان کردہ مضمون کا حلیہ بگڑنے اور افکار پریشان ہونے کا خدشہ ہو جاتا ہے۔ اس سے اکتاہٹ بھی پیدا ہوتی ہے اور بلا وجہ ناپسندیدہ تکرار سے دلائل کی عمدگی اور خوبصورتی مفقود ہو جاتی ہے۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: «إِنَّ شَقَائِقَ الْكَلَامِ مِنْ شَقَائِقِ اللِّسَانِ فَأَقِلُّوا مَا اسْتَطَعْتُمْ» ''کلام میں بدصورتی زبان کی وجہ سے آتی ہے، اس لیے تم حتی الامکان کم

---

[1] عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص: 251. [2] سنن الدارمي: 9/1، نقلًا عن عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص: 252. [3] عمر بن الخطاب أبي النصر، ص: 252.

سے کم الفاظ استعمال کرو۔“[1]

الفاظ کا برمحل استعمال: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسے الفاظ سے بھی متنفر تھے جنھیں زبردستی غیر مناسب موقع پر بروئے کار لایا جاتا کیونکہ اس سے مفہوم میں جھول پڑ جاتا ہے۔ مطلب عیب دار معلوم ہوتا ہے اور کلام کی ساری رونق اور تازگی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بنوحسحاس کے غلام سحیم کو اس کے ایک شعر پر تنبیہ فرمائی۔ اس نے کہا تھا:

”اے عُمیرہ! اس بات کو چھوڑ کہ تو صبح سویرے جانے کے لیے تیار ہو گیا، انسان کے لیے بڑھاپا اور اسلام دونوں باعتبار نصیحت کافی ہیں۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو اسلام کا حوالہ بڑھاپے سے پہلے دیتا تو بہتر تھا۔ دراصل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسے شائستہ اور بلند ذوق کے حامل تھے جو انھیں اسلام کی بدولت حاصل ہوا اور پروان چڑھا۔ ان کا خیال تھا کہ بڑھاپے سے زیادہ اسلام مومن کے دل میں زیادہ مؤثر تنبیہ کا ذریعہ ہو سکتا ہے، اس لیے مناسب یہ تھا کہ سحیم اسلام کی اہمیت کے پیش نظر اس کا تذکرہ پہلے کرتا اور بڑھاپے کا حوالہ بعد میں دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے یہ جملہ سننا گوارا نہ کیا۔[2]

حسنِ تجزیہ کی داد: سیدنا عمر جب کسی شعر میں ایسی فنی خوبی پاتے جو ان کے ذوق اور حُسنِ فکر کی آئینہ دار ہوتی تو وہ اس پر انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ وہ مسلسل اس شعر کو اپنی زبان سے دہراتے تھے۔ یہ بات ان کے حُسن ذوق اور احساس کی گہرائی کی عکاسی کرتی تھی۔ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبدہ بن طیب کا قصیدہ پڑھا۔ اس کی ابتدا اس شعر سے ہوئی:

هَلْ حَبْلُ خَوْلَةَ بَعْدَ الْهِجْرَةِ مَوْصُولُ　　أَمْ أَنْتَ عَنْهَا بَعِيدُ الدَّارِ مَشْغُولُ

---

[1] شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد: 112/3. [2] المدينة النبوية للدكتور شرّاب: 102/2، وعمر بن الخطاب لأبي النصر، ص: 253.

''کیا خولہ سے علیحدگی کے بعد بھی تیرا اس سے تعلق ہے؟ یا تو کہیں گھر سے دُور کسی کام میں مشغول ہے۔''

اور جب وہ اس شعر پر پہنچے:

وَالْمَرْءُ سَاعٍ لِّأَمْرٍ لَّيْسَ يُدْرِكُهٗ وَالْعَيْشُ شُحٌّ وَّإِشْفَاقٌ وَّتَأْمِيلُ

''ضروری نہیں کہ آدمی ہر منزل کو کوشش کر کے پا لے۔ زندگی بخل، لالچ اور تمناؤں کا مجموعہ ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عبدہ بن طیب کے ان اشعار کو سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: واقعی زندگی بخل، لالچ اور آرزو ہی ہے۔ وہ شاعر کو اس کے حسن فہم کی داد دیتے تھے۔ [1]

اسی طرح ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زہیر بن ابی سلمی کا یہ شعر پڑھا:

''بلاشبہ حق ثابت کرنے کے تین طریقے ہیں: قسم، بحث و تمحیص اور مقدمے کی وضاحت۔''

''یہ تینوں امور ہر مقدمے میں مؤثر ہوتے ہیں، اگر تینوں میسر آئیں تو یہ انتہائی تسلی بخش بات ہے۔'' [2]

ان اشعار میں زہیر نے یہ خیال پیش کیا کہ ان مذکورہ تین اشیاء: قسم، محاکمہ یا واضح ثبوت میں سے کسی ایک کے ذریعے سے حق واضح ہوسکتا ہے۔ اس حُسن تقسیم کی وجہ سے اسے ''قاضی الشعراء'' کا لقب دیا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زہیر کے علم سے بڑے متاثر ہوئے۔ وہ جاہلی شاعر ہونے کے باوجود حق کے راستے جانتا تھا۔ طلوعِ اسلام نے ان راستوں کی تائید فرمائی۔ [3]

مذکورہ بالا اصول وضوابط کے علاوہ کچھ اور بھی ایسے ضوابط تھے جنھیں وہ شعر وادب میں

---

① البيان والتبيين: 240/1، والمدينة النبوية للدكتور شرّاب: 105/2. ② عمر بن الخطاب للدكتور أبي النصر، ص: 254. ③ أدب صدر الإسلام، ص: 96.

جلوہ گر دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ ادیبوں اور شاعروں کو تلقین فرماتے تھے کہ وہ اپنی تخلیقات میں اسلامی تعلیمات کے حامل ضابطے خاص طور پر ملحوظ رکھیں۔

ادب کو بطورِ فن جن قواعد و ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے ان کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ ضابطے بھی شامل کر لیے جائیں تو آپ شائقینِ ادب کے روبرو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال کی روشنی میں اسلامی ادب کے صحیح خدو خال بخوبی پیش کر سکتے ہیں۔

شعر و ادب کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ضابطے

شعر و ادب کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ضابطے یہ ہیں:

① سچائی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خیالات کی عکاسی اور عمدہ احساسات کی تصویر کشی میں سچائی کو اولین اہمیت کا اساسی عنصر سمجھتے تھے۔ وہ صداقت پسند تھے۔ صداقت ہی کی تلقین فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے انھیں مُخَبَّلْ السعدی اور امیہ بن اسکر کنانی کے قصائد بہت پسند تھے۔

② جدت: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تاکید فرماتے تھے کہ شاعر اور ادیب اسلامی تعلیمات کی چھاؤں میں رہ کر اپنی تخلیقات میں جدت پیدا کریں اور شگفتہ اسلوب میں دینی اور اخلاقی رموز و نکات اُجاگر کریں۔

③ محکمی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ ادیب اپنے کلام میں مضبوط دلائل سے محکمی کی شان پیدا کریں اور جو بات کہیں بڑے احسن پیرائے میں کہیں۔

④ اسلامی اخلاقیات کا لحاظ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سچائی، جدت اور محکمی کے ساتھ ساتھ اس خصوصیت پر زور دیتے تھے کہ شاعروں اور ادیبوں کے کلام میں کسی کی ہجو اور گھٹیا بات نہیں ہونی چاہیے۔ شراب و شباب کے تذکرے نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ اس قسم کے تذکرے سیرت کے فساد کی علامت ہوتے ہیں۔ گزشتہ صفحات میں حطیئہ اور سحیم جیسے شعراء کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ ان شعراء کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو مشورے دیے تھے، وہ اُن کے

ادبی ذہن کے عکاس ہیں۔ [1]

اس قسم کی ایک اور مثال بھی ہے۔ نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراقی شہر میسان کا عامل بنا کر بھیجا۔ وہ تو وہاں چلے گئے۔ لیکن ان کی بیوی نے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ انھوں نے عورتوں کی ترجیحات سامنے رکھیں اور اپنی بیوی کو مائل کرنے کی غرض سے کچھ اشعار لکھ کر اپنی بیوی کو ارسال کر دیے۔ ان اشعار کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ انھوں نے کہا:

''کوئی شخص میری بیوی کو یہ پیغام پہنچا دے کہ اس کے شوہر کو میسان شہر میں شیشے اور سبز رنگ کے برتنوں میں مشروب پلائے جاتے ہیں۔''

''میں جب چاہتا ہوں میری خدمت کے لیے بڑے بڑے سردار اور موسیقار مہیا کیے جاتے ہیں وہ ہر موڑ پر میرا استقبال کرتے ہیں۔''

''جب تو میری ہم نشین ہو گی تو مجھے بڑے برتن سے پلانا، چھوٹے دہانوں والے برتن سے نہ پلانا۔''

''جب ہم مضبوط اور عالیشان محل میں بیٹھیں گے تو ممکن ہے امیر المومنین کو ہماری ہم نشینی پسند نہ آئے۔''

ان اشعار کی اطلاع سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی مل گئی۔ جب انھوں نے یہ اشعار سُنے تو بڑے کرب سے فرمایا: اللہ کی قسم! اس نے مجھے دکھ پہنچایا ہے، پھر اُسے معزول کر دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نعمان رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا انوکھی بات نہیں تھی کیونکہ نعمان رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امیر اور امام ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے نمونے کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ ان اشعار کے اثرات کا اگرچہ ایسے شخص کی زندگی میں عمل دخل نہیں ہوسکتا جس نے ہجرت کی سعادت حاصل کی ہو مگر نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں دین کی بنیادی اقدار کی پاسداری نہیں کی، نہ اسلامی تعلیمات کا خیال رکھا۔ اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول

[1] عمر بن الخطاب للدكتور أبي النصر، ص:255-262.

کر دیا اور ان کے اشعار پر انھیں سرزنش فرمائی۔ (1)

شعر و ادب کے بارے میں تنقیدی جائزوں کے یہ وہ خدوخال تھے جن کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ممتاز ادیب شمار ہوتے تھے۔ ان جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی اسلامی دور میں ادبی تنقید کا معیار کس قدر کھرا اور بلند پایہ تھا اور اس کی منزل کیا تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ادب کو صحیح نہج پر ڈالنے کے لیے صرف فنی ذوق ہی کا خیال نہیں رکھا بلکہ ادبی کلام کی وضاحت بھی کی اور اس کا عیب و ہنر بھی بیان کیا۔ مزید برآں کسی بھی کلام کی خوبی یا قباحت کو پرکھنے کے لیے شاعروں کے قصائد کی تحلیل کے سلسلے میں نہایت باریک بینی کے ساتھ سب سے جدا اسلوب اختیار فرمایا۔ عربی شعر و ادب پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے قائم کردہ نقد و نظر کا معیار عربی ادب پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔ جب تک عربی ادب زندہ ہے اور عربی کی عبارتیں عیوب سے پاک، بلاغت سے لبریز، سچائی سے مزین، منظر کشی میں منفرد اور مافی الضمیر کے اظہار و اعلان میں واضح اور بے غبار ہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معیار نقد و نظر اپنی افادیت کا ثبوت دیتا رہے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ادبی اصول اتنے جامع اور نافع ہیں کہ ان سے کوئی ادیب اور شاعر اختلاف نہیں کر سکتا۔ (2)

اگر ہم اس خلیفۂ راشد کی ثقافتی، تہذیبی اور ادبی خدماتِ جلیلہ مفصل طور پر بیان کرنا چاہیں تو اس کے لیے بہت سے مباحث اور فصول درکار ہیں۔ اس سلسلے میں تفصیلی مطالعہ کے لیے ڈاکٹر محمد ابوالنصر کی کتاب "عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ" ڈاکٹر نایف معروف کی "الأدب الإسلامي في عهد النبوة و خلافة الراشدين" ڈاکٹر واضح الصمد کی "أدب صدر الإسلام" اور ڈاکٹر محمد محمد حسن شرّاب کی کتاب "المدينة النبوية فجر الإسلام والعصر الراشدي" بہترین کتابیں ہیں۔

---

(1) عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص : 263. (2) عمر بن الخطاب للدكتور محمد أبي النصر، ص :265.

تعمیر وترقی اور عہد فاروقی میں رُونما ہونے والے سانحات
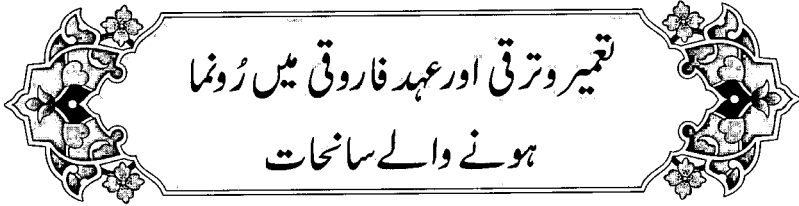
تعمیر وترقی

مسجد نبوی کی توسیع

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں توسیع کرائی۔ انھوں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا گھر مسجد نبوی میں شامل کر دیا۔ مسجد نبوی دس (10) ہاتھ قبلہ کی جانب، بیس (20) ہاتھ غربی جانب اور ستر (70) ہاتھ شمالی جانب وسیع کر دی گئی۔ ساری مسجد کی تعمیر دوبارہ اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں سے کی گئی۔ لکڑی کے ستون لگائے گئے، چھتیں ٹہنیوں سے تیار کی گئیں اور اسے اُوپر سے ڈھانپ دیا گیا تاکہ لوگ بارش سے محفوظ رہ سکیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو سرخ یا زرد رنگ کرنے سے منع کر دیا مبادا نمازیوں کی توجہ میں خلل انداز ہو۔[1] مسجد مٹی سے بنائی گئی۔ اور کنکریاں بچھا کر اس کا فرش تیار کیا گیا تاکہ یہ فرش نمازیوں کے لیے صاف ستھرا رہے اور چلنے والوں کو بھی سہولت رہے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حرم مکی میں بھی چند تبدیلیاں کیں۔ انھوں نے بیت اللہ کے ساتھ ملا

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 227، وفتح الباري: 98/4. [2] أخبار عمر، ص: 126.

ہوا مقام ابراہیم دیوار سے ذرا دور ہٹا دیا اور وہاں نصب کرایا جہاں وہ آج کل موجود ہے تاکہ طواف کرنے اور نماز پڑھنے والوں کو آسانی رہے، پھر اس پر ایک مضبوط اور محفوظ شیشہ نما گنبد بنا دیا۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حرم مکی کے اردگرد بہت سے گھر خرید لیے اور انھیں حرم میں شامل کر دیا۔ بعض لوگوں نے اپنے مکان بیچنے سے انکار کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے مکان زبردستی گرا کر ان کی قیمتیں مقرر کر دیں جو بعدازاں ان گھروں کے مالکوں نے وصول کر لیں۔ انھوں نے مسجد حرام کے گرد ایک دیوار تعمیر کرائی۔ اس پر دیے روشن کیے جاتے تھے۔ ②

بیت اللہ کا غلاف ایام جاہلیت میں چمڑے سے تیار کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ یمنی کپڑے کا غلاف چڑھایا، بعدازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قباطی طرز کا غلاف چڑھایا۔ ③ یہ باریک اور سفید کپڑا تھا جو مصر میں تیار ہوتا تھا۔ ④

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں میں بہت سی مساجد بھی تعمیر کرائیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی جامع مسجد، عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی جامع مسجد اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فسطاط کی جامع مسجد تعمیر کرائی۔ یہ بڑی مساجد نہ صرف مسلمانوں کے لیے عبادت کی جگہ تھیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ دینی علوم کا مرکز، باہمی تعارف کا ذریعہ، عدالتی فیصلوں کا مقام اور خلیفہ اور دیگر عمال کے احکام وصول کرنے کی جگہ بھی تھیں۔ ⑤

راستوں اور بری و بحری وسائلِ نقل و حمل کی نگہداشت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سرکاری خزانے کا کچھ حصہ اسلامی ریاست کے مختلف

① عصر الخلافة الراشدة، ص: 227، وفتح الباري: 169/8. ② أخبار عمر، ص: 126، وعصر الخلافة الراشدة، ص: 227. ③ أخبار مكة للأزرقي: 253/1، وأخبار عمر، ص: 126. ④ عصر الخلافة الراشدة، ص: 228. ⑤ عصر الخلافة الراشدة، ص: 228.

شہروں کو آپس میں ملانے کے لیے صرف کیا۔ اُنھوں نے اس دور کے وسائل کے مطابق بہت سے اُونٹوں والوں کو مقرر فرمایا اور انھیں یہ ذمہ داری سونپی کہ جن لوگوں کے پاس سواری نہ ہو وہ اُنھیں ریاست میں جہاں وہ چاہیں ان کی مطلوبہ جگہ پہنچائیں۔ انھوں نے جزیرہ، شام اور عراق کے مابین سفری سہولتوں کا خاص طور پر اہتمام فرمایا۔

انھوں نے ''دارالدقیق'' کے نام سے ایک بہت بڑا گودام بھی بنوایا جہاں ہر وقت ستو، کھجوریں، مُنقّی اور زندگی کی ضروریات کا دیگر سامان موجود رہتا تھا۔ وہاں سے مسافروں اور مہمانوں کو مطلوبہ غذائی اجناس فراہم کی جاتی تھیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان پورے راستے میں مسافروں کے لیے نہایت سہولت بخش انتظامات فرمائے تاکہ دوران سفر میں ان کی ضرورتیں آسانی سے پوری ہوسکیں۔ انھوں نے آب رسانی کا خاص طور پر اہتمام فرمایا۔ جگہ جگہ پانی فراہم کرنے کے ٹھکانے بنوائے۔ اس طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے والوں کو پانی آسانی سے میسر آنے لگا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر معاملے میں قرآن کریم سے راہنمائی لیتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آباد کاری ہی سے باہمی رابطے بڑھیں گے جن کے نتیجے میں امن پھیلے گا اور کسی مسافر کو سفر کے دوران زادِ راہ اور پانی اپنے ساتھ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مختلف قبائل اور عمّال کی طرف بھی اس قسم کے احکام ارسال فرماتے تھے۔ کثیر بن عبداللہ اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے بیان فرماتے ہیں کہ ہم سترہ (17) ہجری کو عمرہ ادا کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی معیت میں محو سفر تھے۔ راستے میں خانہ بدوش لوگ ملے۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان عمارتیں بنانا چاہتے ہیں کیونکہ اس علاقے میں کوئی عمارت نہیں ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں عمارتیں

---

[1] الدور السياسي للصفوة، ص:190,189.

بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ تاہم یہ شرط عائد کی کہ مسافروں کو پانی اور سایہ فراہم کرنا ہوگا۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ذمیوں سے کیے جانے والے معاہدوں میں بھی راستوں کی اصلاح کی شرط عائد فرماتے تھے۔ ان کے بعض عمال نے بھی اُن کے اتباع میں ایسا ہی اقدام کیا۔

جب نہاوند فتح ہوا تو اہلِ ماھین (ماہ بہرذان اور ماہ دینار) آئے۔ انھوں نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے امان طلب کی اور جزیہ دینے کا اقرار کیا۔ انھوں نے دونوں علاقوں کے باشندوں سے معاہدہ کرلیا۔ اس معاہدے کا متن درجِ ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ امن نامہ ہے جو حذیفہ بن یمان نے اہل ماہ دینار کو لکھ دیا ہے۔ انھیں ان کی جان، اموال اور زمینوں کے بارے میں امان دے دی گئی ہے۔ انھیں اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ان کے اور ان کی شریعت کے مابین کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی۔ ② یہ معاہدہ اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک وہ مسلمانوں کے عامل کو سالانہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے اور یہ جزیہ ہر بالغ پر اس کے مال میں حسب وسعت لاگو ہوگا۔

مزید برآں ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ مسافروں کی رہنمائی اور رستوں کی دیکھ بھال کریں گے۔ مسلمانوں کے لشکر جب وہاں سے گزریں گے تو ان کی ایک دن اور ایک رات مہمان نوازی کریں گے۔ اُن کے ساتھ کسی قسم کی دغا بازی نہیں کریں گے، اگر کوئی دھوکا کرے گا یا اس عہد نامے کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے گا تو ہمارا ذمہ اس سے بری ہوگا۔ اس عہد نامے پر قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ اور نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے بطور گواہ دستخط کیے اور یہ تحریر محرم 19 ہجری کو لکھی گئی۔ ③

① الأحكام السلطانية للماوردي، ص: 188,187. ② أشهر مشاهير الإسلام: 342/2. ③ أشهر مشاهير الإسلام، ص: 342/2.

اس عہد نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عمال اصولِ شہریت سے کتنے آگاہ اور باخبر تھے۔ وہ وطن عزیز کی سیاست اور سلامتی کے تقاضوں کو خوب سمجھتے تھے اور آباد کاری کی اہمیت سے واقف تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے کی ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے والی تجارتی اور جنگجو قوموں کی طرح اپنی ضروریات کے تقاضے اچھی طرح سمجھ لیے تھے اور ان تقاضوں کا ایک حصہ ذمیوں پر بھی لازم کر دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 16 ھ سے عراق کی سرزمین میں ترقیاتی کاموں میں مصروف رہے۔ انھوں نے مختلف شہروں کی آباد کاری کے لیے نہریں کھدوائیں، پل تعمیر کرائے اور راستے ہموار کرائے۔ [1]

اسی طرح ''اہل الرہا'' کے ساتھ معاہدہ ہوا۔ طے پانے والے عہد نامے میں عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی طرف سے ''رہا'' کے پادری کو لکھا گیا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ لڑے بغیر ہمارے لیے شہر کے دروازے کھول دو۔ اگر تم یہ بات مان لوگے تو ہم تمھاری جان اور مال کے علاوہ تمھارے تمام زیرنگین لوگوں کو پناہ دے دیں گے۔ اس سلسلے میں تم پر ایک شرط یہ لاگو ہوگی کہ تم اپنے ہر شخص کے بدلے ہمیں ایک دینار اور گندم کی مخصوص مقدار ادا کرنے کے پابند ہوگے۔ مزید برآں تمھیں راستہ بھولے ہوئے لوگوں کی رہنمائی پُلوں کی دیکھ بھال، رستوں کی نگہبانی اور مسلمانوں کی خیرخواہی کرنی ہوگی۔ اس عہد نامے پر اللہ گواہ ہے اور اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ بابلیون قلعہ کے قریب سے ایک خلیج دریائے نیل سے بحراحمر کی طرف چلتی تھی جو حجاز اور مصر کو آپس میں ملاتی تھی اور اس کی وجہ سے تجارتی سرگرمیوں میں بڑی آسانی رہتی تھی مگر اب رومیوں نے اسے بے کار کر دیا ہے اور وہ ختم ہو چکی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ خلیج دوبارہ کھودی جائے، چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس خلیج کو دوبارہ کُھدوایا۔ اس طرح حجاز کے

[1] أشهر مشاهير الإسلام: 342/2. [2] أشهر مشاهير الإسلام: 346/2.

شہروں اور مصر کے دارالخلافہ فسطاط کے درمیان راستے آسان ہو گئے اور دونوں سمندروں کے مابین تجارت پھلنے پھولنے لگی اور خوشحالی کا سامان پیدا ہو گیا۔ مزید برآں اس خلیج کے کنارے پر فسطاط شہر میں تفریح گاہیں قائم ہوئیں۔ گھنے درخت لگائے گئے اور رہائش گاہیں تعمیر ہوئیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس خلیج کا نام ''خلیج امیر المؤمنین'' رکھا۔ ①

والی مصر نے اس راستے کے ذریعے سے اہل حرمین کے لیے بہت سا غلہ ارسال فرمایا۔ اس سے اہل حرمین کو بہت فائدہ ہوا، پھر یہ سلسلہ مستقل جاری ہو گیا۔ عمر بن عبدالعزیز وہ آخری خلیفہ ہیں جنھوں نے اسی راستے سے غلہ بھیجا۔ بعد کو آنے والے حکام نے اس خلیج کو اپنی غفلت اور عدم توجہی کی وجہ سے ناکارہ کر دیا اور اس میں ریت بھر گئی اور بطحائے قلزم کے ساحل پر بحری مگرمچھوں نے قبضہ کر لیا۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں سر زمین عراق میں ایک نہر کھدوائی اس کی لمبائی تین فرسخ تھی۔ یہ نہر ''خور'' سے بصرہ تک چلی گئی۔ اس سے دریائے دجلہ کا پانی بصرہ تک پہنچ گیا۔ ③

نہروں کی کھدائی، خلیجوں کی بحالی، ڈیموں اور پلوں کی تعمیر اور راستوں کی نگہداشت کے انتظامات، یہ وہ فلاحی اور ترقیاتی کارنامے ہیں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ترجیحی بنیاد پر انجام دیے اور اسلامی ریاست کے بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ انھی فلاحی اور ترقیاتی کاموں پہ صرف ہوا۔ ④

چھاؤنیوں کی تعمیر

فوجی چھاؤنیوں کی طرز پر سرحدوں کی آبادی، نئے شہروں کی تعمیر اور ان شہروں کا ترقیاتی کام عہد فاروقی کا اہم کارنامہ ہے۔ عہد فاروقی میں مسلمانوں کی فتوحات بہت بڑھ گئیں، چنانچہ سرحدوں کے قریب بہت سے شہر بسائے گئے، باہمی رابطہ کے لیے راستے

① الفاروق عمر للشرقاوي، ص:255,254. ② أخبار عمر، ص:127. ③ عصر الخلافة الراشدة، ص:230. ④ عصر الخلافة الراشدة، ص:230.

ہموار اور آسان بنائے گئے، وسیع پیمانے پر زمینیں زیرِ کاشت لائی گئیں، مسلمانوں کو جہادی مراکز اور جدید مفتوحہ علاقوں کی طرف ہجرت کرنے کی ترغیب دی گئی تاکہ ان علاقوں میں اسلام پھیلے اور وہاں موجود مجاہدین کو افرادی قوت اور سامانِ جنگ میسر آتا رہے۔ [1]

سب سے اہم جو شہر بسائے گئے ان میں بصرہ، کوفہ، موصل، فسطاط، جزیرہ اور سرت قابلِ ذکر ہیں۔ [2]

یہ تمام شہر قبائل اور ان کے پرچموں کی بنیاد پر تمام فوج کے مابین تقسیم کیے گئے، پھر ان شہروں میں فلاحِ عامہ کی تمام سہولتیں فراہم کی گئیں۔ بازار بنائے گئے۔ مساجد تعمیر کی گئیں۔ مجاہدین کے گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے چراگاہیں بھی مخصوص کی گئیں۔ حجاز اور جزیرۂ عرب کے دیگر علاقوں اور شہروں کے لوگوں کو ان شہروں میں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی تاکہ یہ علاقے مستقل اور مضبوط فوجی مرکز بن جائیں۔ اور وہاں سے دشمنوں کی سرزمین میں پہنچنے کے لیے فوجوں کی تیاری کے سلسلے میں مدد حاصل ہو سکے اور اسلام کی دعوت دور دور تک پہنچا دی جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نئے شہر بساتے وقت یہ خصوصی حکم جاری فرمایا کہ ان شہروں اور دارالخلافہ کے درمیانی راستے بہت آسان بنائے جائیں۔ درمیان میں کوئی سمندر یا دریا حائل نہ ہو۔ ان دنوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ خیال کرتے تھے کہ اہلِ عرب کو ابھی سمندر میں سفر کرنے کا تجربہ نہیں ہے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مصر میں اسلامی لشکر نہری اور بحری راستے آسانی سے پار کر سکتا ہے تو انھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دریائے نیل اور بحرِ احمر کے درمیان ایک نہر کھودنے کا حکم دے دیا تاکہ حجاز کی طرف غلہ پہنچایا جا سکے۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی سرزمین کا رقبہ وسیع ہونے کی وجہ سے بہت سے شہر بسائے

---

[1] اقتصاديات الحرب في الإسلام للدكتور غازي بن سالم، ص:245. [2] تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل المصري، ص: 333-340. [3] اقتصاديات الحرب في الإسلام، ص:245.

اور فوجی لشکروں کی تنظیم نو کی۔ فتوحات کی بہتات کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان علاقائی فاصلے بڑھنے لگے۔ ان حالات میں اسلامی لشکروں کو سفر کی تھکاوٹ اتارنے اور آرام کے لیے چھاؤنیوں کی ضرورت محسوس ہوئی، مزید برآں نہایت ضروری ہوگیا کہ جب وہ جہاد سے واپس آئیں تو اثنائے راہ میں انھیں شدید سردی میں ٹھہرنے کا قابل اطمینان ٹھکانا میسر آئے۔ ان اسباب کی وجہ سے نئے شہروں کو بسانا ایک ناگزیر ضرورت بن گیا تھا۔

اسلامی فتوحات کا اصل ہدف اسلامی دعوت کو عام کرنا اور دیگر اقوام، قبائل اور افراد کو دین کی دعوت پیش کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے نہایت ضروری تھا کہ غیر مسلم اقوام کے سامنے اسلامی سیرت کے عملی نمونے پیش کیے جائیں تاکہ غیر مسلم اقوام انھیں دیکھیں اور سبق حاصل کریں اور تمام قبائل و افراد اسلامی معاشرت اور ثقافت سے مستفید ہوں، لہٰذا ان شہروں کو اسلامی طرز پر اس طرح بنایا گیا کہ پورے معاشرے میں اسلامی نظام زندگی جگمگا اُٹھا اور یہ شہر اسلامی معاشرے کی ایک درخشاں مثال بن گئے۔ کوفہ، بصرہ، فسطاط اور موصل اس طرح قائم ہوئے کہ ان کے عین درمیان میں مسجدیں تھیں اور مسجدوں کے اردگرد مجاہدین اسلام کے گھر تھے۔ ان شہروں میں اسلامی فکر اور اسلامی اُصول پوری طرح کارفرما تھے جس کا کامل نمونہ ساری اسلامی فوج میں جھلملاتا نظر آتا تھا۔ ہر مجاہد کی زندگی میں کتاب اللہ کی مکمل نمائندگی جلوہ نما تھی، یوں مسلمانوں کا معاشرہ ایسا بن گیا تھا جس پر صرف اللہ ہی کے احکام کی فرمانروائی تھی اور تمام مسلمان ہر وقت اللہ کے راستے میں جان کی بازی لگانے کے لیے تیار رہتے تھے۔

مختلف شہروں میں قائم ہونے والے ایسے معاشروں کے باعث مفتوحہ علاقوں میں اسلام کا نور چمک اُٹھا جس کی برکت سے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کی خیرخواہی کی گئی، عادلانہ نظام نافذ کیا گیا اور ان معاشروں نے نومسلموں کو خندہ پیشانی سے گلے لگایا۔ یہ اسلامی فکر و عمل کی تبلیغ و دعوت کا نہایت مفید اور مستحسن اسلوب تھا۔

شام کے علاقے میں کوئی نیا شہر نہیں بسایا گیا کیونکہ یہ علاقہ ایسے گھروں پر مشتمل تھا جنھیں رومی شہری چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور بہت سے باشندے ازخود ہی جلاوطن ہو گئے تھے۔ مسلمان ان گھروں کے مکین بن گئے کیونکہ یہ گھر مجاہدین کو بطور مال غنیمت دستیاب ہوئے تھے، اس لیے انھیں گھر تعمیر کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ مزید برآں شام کے علاقے میں اہل عرب کی کثرت تھی۔ تقریباً ہر قبیلے کا کوئی نہ کوئی رشتے دار وہاں پہلے ہی موجود تھا، یہی وجہ تھی کہ اسلامی افواج نے شام میں جلد از جلد کامیابیاں حاصل کر لیں۔ [1]

اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بسائے جانے والے اہم ترین شہروں کا احوال سنیے:

بصرہ

بصرہ کے لغوی معنی ہیں: سخت ٹھوس پتھریلی زمین۔ بصرہ کے معنی کنکریوں والی زمین بھی بتائے گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سفید نرم پتھروں والی سرزمین کو بصرہ کہا جاتا ہے۔ بصرہ شہر دجلہ اور فرات کے سنگم پر واقع ہے، اس علاقے کو شط العرب کہا جاتا ہے۔ [2]

بصرہ شہر بسانے کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں کی طرح اہلِ عرب کی طبیعت اور ذوق کا خاص خیال رکھا۔ اس شہر کا محل وقوع پانی اور چراگاہوں سے قریب تھا اور سبزہ زار کی طرف ہموار بری راستہ جاتا تھا۔

بصرہ میں مسلمانوں کی آمد کا سبب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں پیدا ہوا۔ اس وقت صورتِ حال یہ پیش آئی کہ قطبہ بن قتادہ ذھلی یا سوید بن قطبہ (علی اختلاف الروایہ) ایک فوجی دستے کے ساتھ ایرانیوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انھیں اسی طرف مستقل کمانڈر بنا دیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو صحابیٔ رسول عتبہ بن

[1] تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل المصري، ص: 333. [2] الفاروق عمر بن الخطاب لمحمد رشيد رضا، ص: 177.

غزوان رضی اللہ عنہ کو اس مقام کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ عتبہ رضی اللہ عنہ سابقون اولون میں سے تھے۔ ان سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس جانب سے اہل اہواز ، ایرانیوں اور میسانیوں کو اپنے ساتھیوں کی مدد سے روک کر رکھو اور قطبہ یا سوید کو ان کے ساتھ تعاون کرنے کا حکم دیا۔ عتبہ رضی اللہ عنہ تین سو شہسواروں کو لے کر وہاں پہنچے، دوسری طرف قطبہ بکر بن وائل اور تمیم کے ہمراہ اُن سے آملے۔ عتبہ رضی اللہ عنہ ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر چودہ (14) ہجری میں وہاں پہنچے۔ عتبہ رضی اللہ عنہ نے وہاں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور بصرہ کی بنیاد رکھنے کی اجازت طلب کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا کہ ایسا مقام تلاش کرو جہاں پانی اور چراگاہ قریب ہو۔ اس ہدایت کی روشنی میں عتبہ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کا انتخاب فرمایا جہاں آج بصرہ موجود ہے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھا: میں نے ایک ایسا مقام تلاش کر لیا ہے جو سبزہ زار کے قریب ہے اور اس سے آگے پانی کے ذخائر موجود ہیں۔ ان میں بانس اور نرکل کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس خط کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ٹھیک ہے۔ تم اس مقام پر شہر آباد کرو۔ عتبہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے۔ انھوں نے بانسوں کی مدد سے ایک سادہ مسجد تیار فرمائی اور پھر مسجد کے ساتھ ایک دارالامارہ تعمیر کرایا، پھر وہاں بانسوں کی کثرت سے استفادہ کرتے ہوئے مجاہدین نے ان بانسوں کی مدد سے سات بڑی بڑی بیرکیں تعمیر کیں۔ وہ جب جہاد کی غرض سے جاتے تو بانسوں سے بنی ہوئی ان بیرکوں کو اکھاڑ دیتے تھے۔ اور سارے بانس باندھ کر ایک جگہ رکھ دیتے تھے۔ جب واپس آتے تو دوبارہ انھیں نصب کر کے کھڑا کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ اتفاقاً ان خشک نرکلوں کو آگ لگ گئی۔ انھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اینٹ کی عمارتیں بنانے کی منظوری طلب کی۔ اس وقت عتبہ رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ 17 ہجری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیرات کی منظوری دی، لہٰذا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مسجد اور دارالامارہ مٹی اور اینٹوں سے اور چھتیں نرکلوں سے بنائیں، بعدازاں یہ چھتیں

بھی پتھر اور اینٹوں سے بنا دی گئیں۔ انھوں نے تمام قبائل کے لیے محلوں کے نقشے بنا کر دے دیے۔ اور سب سے بڑی سڑک وہاں سے نکالی جہاں باڑہ تھا اور اس کی چوڑائی ساٹھ (60) ہاتھ مقرر کی۔ علاوہ ازیں دیگر چھوٹی سڑکوں کی چوڑائی 20 ہاتھ مقرر کی گئی، جبکہ عام گلیوں کی چوڑائی 7 ہاتھ رکھی گئی اور نقشے میں ہر محلے کے درمیان ایک کھلی جگہ مختص کی گئی۔ یہ مجاہدین کے لیے گھوڑے باندھنے کے علاوہ قبرستان کا کام بھی دیتی تھی۔ نقشے کے مطابق سب گھر ایک دوسرے کے ساتھ متصل رکھے گئے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اہلِ بصرہ کے لیے ایک نہر کھدوانے کا بھی حکم دیا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نہر ابلہ کھدوائی، پھر اسے بصرہ کی طرف تین فرسخ تک دراز کیا۔ ②

ان اقدامات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہروں کی نقشہ بندی میں بھی مسلمانوں کو سبقت حاصل ہے۔ اہل بصرہ ابلہ، دست اور میسان کی فتوحات کی وجہ سے خوشحال ہو گئے تھے۔ ③ لوگ اس خوشحالی کو دیکھ کر بصرہ کی طرف راغب ہوئے۔ نئے آنے والے صرف خوشحالی کے طلبگار تھے، جبکہ پہلے آنے والے مجاہدین تھے۔ اس طرح وہاں تجار اور قبائل کا اختلاط ہوا اور بصرہ کی آبادی بہت بڑھ گئی۔ ④

سیرت نگاروں نے تاریخی روایات کی روشنی میں لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نئے شہر بساتے وقت جن فوجی اور اقتصادی امور کا خیال رکھا وہ حسب ذیل تھے:

① عرب سرزمین کی سرحدوں سے قریبی علاقوں کا انتخاب تاکہ یہ شہر عرب اور عجم کے درمیان مضبوط قلعوں کی حیثیت اختیار کر جائیں اور دشمن ان مضبوط قلعوں کو عبور نہ کر سکے۔

② اہل عرب کی طبیعت سے مطابقت خاص طور پر ملحوظ رکھی گئی کیونکہ اس وقت اہل عرب جہاد فی سبیل اللہ کے روح رواں تھے۔ وہ اونٹوں کی وجہ سے چراگاہوں والی سرزمین کے

---

① تاريخ الدعوة الإسلامية، ص:334,333. ② تاريخ الدعوة الإسلامية، ص:334. ③ تاريخ الدعوة الإسلامية، ص:334. ④ فتوح البلدان للبلاذري، ص:341.

علاوہ کہیں اور بسیرا نہ کر سکتے تھے۔

③ عرب سرزمین کی برّی جانب کی ایک طرف کا انتخاب تا کہ عرب والوں کو ایک طرف تو اپنے جانوروں کے لیے چارہ میسر آئے اور دوسری طرف یہ جگہ اہل عجم کے نزدیک سبزہ اور پانی کے قریب ہو تا کہ ان شہروں سے دودھ، روٹی، پھل اور گندم وغیرہ حاصل کر سکیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب بصرہ شہر بسانے کے سلسلے میں عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا تو فرمایا: یہ زمین سرسبز ہے۔ چشموں، چراگاہوں اور ایندھن والے علاقوں کے قریب ہے۔①

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے احکام و اقدامات جنگی، سیاسی اور آبادیوں کی مضبوط منصوبہ بندی کے لحاظ سے انتہائی مناسب تھے تا کہ امن اور جنگ دونوں حالتوں میں کوئی پریشانی نہ اُٹھانی پڑے۔

اس منصوبہ بندی سے پانی کے سرچشمے بھی محفوظ ہوئے، غذائی امداد کے راستے بھی قریب ہوئے اور اہل مصر کے لیے ایندھن جیسی ضرورت کے وسیع ذخائر بھی میسر آئے۔

نئے شہر بسانے کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ تاکید بھی فرماتے تھے کہ وہاں کوئی دشوار قدرتی رکاوٹ، مثلاً: سمندر وغیرہ نہ ہو، تا کہ دارالخلافہ سے اسلامی افواج کو وہاں بروقت مدد بہم پہنچانے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔②

شہر بساتے وقت آبادیوں کے لیے ایسی منصوبہ بندی بھی کی گئی جن میں فوجیوں کی قبائلی حیثیت پیش نظر رکھی گئی۔ ہر قبیلے کے گھر ایک دوسرے کے پڑوس میں بنائے گئے۔③

کوفہ

تقریباً تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ کوفہ شہر کے بانی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ اُنھی نے کوفہ کے لیے موجودہ سرزمین منتخب فرمائی۔ انھوں نے جب ایرانیوں کے

① فتوح البلدان، ص: 275. ② اقتصاديات الحرب في الإسلام، ص: 247. ③ دراسة في تاريخ المدن العربية الإسلامية للدكتور عبدالجبار ناجي، ص: 183.

خلاف مدائن کی فتح کے بعد بہت سی کامیابیاں حاصل کر لیں تو بعدازاں یہ شہر بسایا۔ کوفہ شہر بساتے وقت ان تمام اُمور کا خیال رکھا گیا جو بصرہ شہر بساتے وقت رکھا گیا تھا۔ فوجی ضروریات نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مجاہدین کے لیے خیمہ بستیاں بسانے پر مجبور کر دیا تھا۔ [1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کے بعد کوفہ شہر کی بنیاد رکھی اور کوفہ کے لیے اس سرزمین کا انتخاب کیا جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے معیار کے مطابق تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قادسیہ اور مدائن کی فتوحات کے وقت مجاہدین کے چہروں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان شہروں میں بدہضمی کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ انھوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کوفہ شہر بسانے کے لیے ایسی سرزمین کا انتخاب کیا جائے جو ان کے اور ان کے اونٹوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہو۔ انھوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو جگہ کا معائنہ کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ دونوں حضرات کوفہ کی مجوزہ جگہ پہنچے۔ اس کا محل وقوع حیرہ اور فرات کے درمیان تھا۔ اسی مقام کا نام کوفہ رکھ دیا گیا کیونکہ یہاں ریت اور سنگریزے کثرت سے تھے۔ کوفہ کے معنیٰ بھی ریت اور سنگریزے ہیں۔ [2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سترہ (17) ہجری میں مدائن سے کوفہ آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ مجاہدین خیمہ بستیاں قائم کریں اور خیموں ہی میں رہیں کیونکہ خیموں کی رہائش میں جفاکشی قائم رہتی ہے، جہاد کی طرف توجہ مائل رہتی ہے، اس طرح انھیں تزکیۂ نفس بھی حاصل ہوتا ہے، دشمن پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھتی ہے اور دشمن کی کسی بھی حرکت پر فوراً ایکشن لیا جا سکتا ہے۔

جب اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے نرکلوں اور بانسوں سے گھر تعمیر کرنے کی درخواست کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جی نہ چاہا کہ ان کی درخواست مسترد کریں، اس لیے انھیں اجازت دے

[1] دراسة في تاريخ المدن العربية الإسلامية للدكتور عبد الجبار ناجي، ص: 183. [2] تاريخ الدعوة الإسلامية، ص: 335.

دی، چنانچہ مجاہدین نے نرکلوں کی مدد سے گھر تعمیر کر لیے۔ جب آگ لگنے کے واقعات ہوئے اور ان کے گھر جل گئے تو انھوں نے اینٹوں سے تعمیر نو کا منصوبہ پیش کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی منظوری بھی دے دی اور فرمایا: تم اینٹ استعمال کر لو لیکن کوئی تین (3) کمروں سے زیادہ کمروں کا گھر نہ بنائے۔ نہ اُونچے اور لمبے گھر بنائے، پھر عتبہ اور اہلِ بصرہ کی طرف بھی یہی حکم نامہ ارسال فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے گلی محلوں کی ترتیب لگانے اور مکمل نگرانی کے لیے عاصم بن دلف ابو الجرداء اور اہل بصرہ کے لیے ابوالہیاج ابن مالک اسدی کو مقرر فرمایا۔ ابوالہیاج نے کشادہ راستوں کو چالیس (40) ہاتھ اور اس سے ملحقہ راستوں کو تیس (30) ہاتھ اور پھر ان راستوں کے درمیانی راستوں کو بیس (20) ہاتھ جگہ دی، جبکہ چھوٹی گلیوں کے لیے صرف سات (7) ہاتھ مقرر کیے اور ہر شخص کے ذاتی استعمال کے لیے ساٹھ (60) ہاتھ جگہ مقرر کی۔ سب سے پہلے مسجد کا نقشہ تیار ہوا، پھر اس مسجد میں ایک ماہر تیر انداز کو کھڑا کیا گیا۔ اس نے دائیں بائیں آگے اور پیچھے تیر پھینکے۔ یہ تیر جن مقامات پر گرے ان کے پیچھے سے مسجد کی حد بندی ہوئی۔ مسجد کے اگلے حصے میں ایک برآمدہ تعمیر کیا گیا جو دو (2) سو ہاتھ رقبہ پر مشتمل تھا۔ اس کی بنیاد سنگ مرمر کے ستونوں پر رکھی گئی۔ سنگِ مرمر اس وقت کسریٰ کے بادشاہ سے حاصل کیا گیا۔ اس کی بلندی رومی عبادت گاہوں کی بلندی کی طرح رکھی گئی۔ سعد رضی اللہ عنہ کے لیے اس کے برابر میں ایک گھر تعمیر کیا گیا۔ مسجد اور گھر کے درمیان ایک سُرنگ نما راستہ رکھا گیا۔ اس کی لمبائی 200 ہاتھ تھی۔ کوفہ میں بیت المال بھی تعمیر ہوا۔ اس تعمیراتی کام کی ذمہ داری ایک فارسی سردار کو سونپی گئی۔ [1]

اس شہر کے قیام کے بعد یہاں مجاہدین کا مستقل بسیرا ہو گیا۔ بعدازاں ایرانی جرنیل رستم کا خاص دستہ جسے "جند شہنشاہ" یعنی شہنشاہ کا لشکر کہا جاتا تھا، جس کی تعداد 4 ہزار فوجی

[1] تاريخ الطبري: 17/5.

بتائی جاتی ہے، وہاں قیام پذیر ہوا، انھوں نے اس شرط پر پناہ حاصل کی تھی کہ وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں جنھیں چاہیں اپنا حلیف بنا سکتے ہیں اور انھیں اسلامی ریاست کی طرف سے روزینہ بھی دیا جائے گا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ سب کچھ عطا فرمایا تھا۔ ان کا ایک نگران تھا اُس کا نام دیلم تھا، اس لیے ان سب کو دیلم کا عجمی دستہ کہا جاتا تھا۔ [1]

اسی طرح روایات کے مطابق یہاں نجران کے یہودی اور عیسائی بھی آباد ہوئے۔ انھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جزیرۂ عرب سے جلاوطن کردیا تھا۔ یہ لوگ کوفہ کے ایک محلّہ نجرانیہ میں قیام پذیر ہوئے۔ [2]

بصرہ اور کوفہ کی آباد کاری کے بعد ان دونوں شہروں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ساری ریاست میں خصوصًا فوجی مہارت اور علم و ادب میں برتری کے حوالے سے ان کا خوب چرچا ہوا۔ ایک دور ایسا آیا کہ دارالخلافہ ہی کوفہ منتقل ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت جبکہ امت اسلامیہ کی طاقت ان شہروں میں منتقل ہو چکی تھی، کوفہ کو دارالخلافہ منتخب فرمایا۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ اور کوفہ کی درست اور مضبوط بنیادوں پر منصوبہ بندی فرمائی تھی۔ انھوں نے ان شہروں کے راستوں کو کشادہ رکھا اور ان کا ایک خوبصورت نظام تخلیق کیا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نظریۂ آبادیات کے عنوان سے ہمیشہ ان کی عظمت کا آئینہ دار رہے گا۔ کوفہ کا شہر بیک وقت شہریوں اور بادیہ نشینوں کے لیے یکساں طور پر موزوں تھا۔ یہاں کی آب و ہوا بے حد صحت بخش تھی کیونکہ راستوں کی کشادگی شہروں کے لیے وہی حیثیت رکھتی تھی جو بدن کے لیے پھیپھڑے کی حیثیت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو خیموں میں رہنے کی ترغیب دیتے تھے کیونکہ رہائش کا یہ اندازِ مجاہدانہ بروقت اقدام کے لیے موزوں اور دشمن پر

---

[1] تاریخ الدعوة، ص: 336. [2] تاریخ الدعوة الإسلامية، ص: 336. [3] تاریخ الدعوة الإسلامية، ص: 338.

رعب طاری کرنے کے لیے بہت مناسب تھا مگر وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ لوگوں نے وہاں پکی اینٹ سے عمارتیں بنا لیں۔ [1]

فسطاط

جس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ شہر کے بانی مانے جاتے ہیں، اسی طرح عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فسطاط شہر کے بانی تصور کیے جاتے ہیں۔ جب اُنھوں نے اسکندریہ فتح کر لیا تو وہیں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا کہ جب تک میں تمھارے پاس نہ پہنچ جاؤں تم سمندر کے پار نہ جانا، چنانچہ وہ اسکندریہ سے فسطاط پہنچے۔ [2]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے فسطاط میں ایک مسجد تعمیر کرائی علاوہ ازیں اسکندریہ میں بھی مسجد تعمیر کرائی، جبکہ فسطاط والی مسجد اُنھی کے نام سے مشہور ہوئی، پھر انھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے ایک گھر تعمیر کرایا۔ اسے انھوں نے دارالخلافہ قرار دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ اس عمارت کو مسلمانوں کا بازار بنا دو۔ [3] ابن عبدالحکم کی روایت کے مطابق عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مسجد کے قریب اپنے لیے دو گھر تعمیر کرائے۔ ابن عبدالحکم فرماتے ہیں: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے اس گھر کا نقشہ تیار کرایا جو آج کل بھی اسی مسجد کے دروازے کے قریب واقع ہے۔ مسجد اور اس گھر کے درمیان ایک راستہ بھی ہے۔ دوسرا گھر راستے کی دوسری طرف سے متصل تھا۔ [4] جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک گھر منہدم کرنے کا حکم دیا تو وہ دونوں گھروں میں سے کبھی ایک کو دارالاقامہ اور دوسرے کو دارالامارہ کے طور پر استعمال کر لیتے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ موجود بہت سے کبار صحابہ کو اس کام پر

---

[1] الخلفاء الراشدون، ص: 182. [2] فتوح مصر لابن عبدالحكم، ص: 91. [3] عمرو بن العاص القائد والسياسي، ص: 135. [4] فتوح مصر، ص:97,96.

مامور فرمایا کہ وہ مختلف قبائل کی جداگانہ حیثیت پیشِ نظر رکھ کر نقشہ بنائیں، چنانچہ انھوں نے نقشے میں ہر قبیلے کے لیے علیحدہ علیحدہ رہائش گاہیں متعین کیں۔ انھیں آج کل محلے کہا جاتا ہے لیکن ان دنوں آج کل کی طرح دو قبیلوں کے درمیان اس قسم کی سڑکیں موجود نہ تھیں بلکہ اس وقت تو موجودہ طرز کی سڑکوں کا نام و نشان بھی نہ تھا صرف گزرگاہوں ہی کا تصور تھا۔

نقشہ تیار کرنے والی کمیٹی میں معاویہ بن خدیج تجیبی، شریک بن سُمی غطیفی، عمرو بن محرم خولانی اور حویل بن ناشرہ معافری شامل تھے۔ انھوں نے لوگوں کو زمینیں دیں اور قبائل کی جداگانہ حیثیت قائم رکھی۔ یہ کام اکیس (21) ہجری میں انجام پایا۔[1]

اس شہر کے تمام محلوں کا ذکر مشکل ہے لیکن ان میں چند اہم گلی محلوں کے نام یہ ہیں: اسلم، لیتون، بنو معاذ، بلی، بنو بحر، مھرہ، لخم، غافق، صدف، حضرموت، تجیب، خولان، مذحج، مراد، یافع اور معافر۔ ان محلوں میں دیگر قبائل کے علاوہ اشعری لوگ بھی آباد تھے۔[2]

مذکورہ بالا قبائل کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فتوحات میں بہت سے عربی اور غیر عربی قبائل شامل تھے، نیز ان کے حوالے سے وہاں آباد محلوں کی کثرت اور ہر قبیلہ کی خاص جگہ متعین ہونے کے سبب باہمی محبت، روز مرہ کے معاملات میں شراکت اور باہمی تعاون کا پتہ چلتا ہے، مزید برآں ان قبائل کی ترتیبِ آبادکاری سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ تنظیمی صلاحیتوں کا علم بھی ہوتا ہے۔[3]

ان قبائل کے درمیان مسجد تعمیر کی جاتی تھی۔ ابن ظهیرہ اپنی کتاب "الفضائل الباهرة في محاسن مصر والقاهرة" میں لکھتے ہیں کہ ابن زولاق نے وہاں موجود بہت سی مسجدوں کا ذکر کیا ہے۔ اُن میں سرفہرست عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام سے منسوب

[1] عمرو بن العاص القائد والسياسي، ص: 136. [2] فتوح مصر، ص: 115-129. [3] عمرو بن العاص القائد والسياسي، ص: 137.

مسجد تھی اور باقی مساجد بھی دیگر ممتاز لوگوں کے ناموں سے موسوم تھیں۔ [1]

انھوں نے مزید لکھا ہے کہ مصر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعمیر کردہ مساجد کے علاوہ بھی بہت سی مسجدیں تھیں۔ انھیں فتوحات کے بعد تعمیر کیا گیا۔ ان مسجدوں کی تعداد تقریباً دو سو تینتیس (233) تھی۔ وہ سب اپنے خاندان اور قبائل کے حوالے سے بنائی گئی تھیں۔ [2]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فسطاط شہر بسانے کے سلسلے میں بڑی موزوں سرزمین میسر آئی۔ یہ زمین ایک طرف تو شمالاً جنوباً دریائے نیل کے قریب تھی، دوسری طرف وہاں سے دارالخلافہ کی طرف آمد و رفت کا راستہ بہت آسان تھا۔ [3]

سرت (لیبیا)

مصر کی فتح کے بعد غربی مصر کا مقام برقہ، مجاہدین اسلام کے لیے ایک کمین گاہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ وہاں سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکروں کو لے کر طرابلس کی طرف پیش قدمی کی۔ سب سے پہلے برقہ اور طرابلس کے درمیان واقع علاقہ ''سرت'' کے لوگوں کو مطیع کیا، پھر مسلمانوں نے ''سرت'' کو کمین گاہ بنا لیا۔ وہاں سے 22 ہجری میں مغرب کی طرف آگے بڑھے۔ یہ شہر اسلامی افواج کے لیے ہمیشہ ایک محفوظ مستقر کا کام دیتا رہا۔ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اسلام کی اشاعت کے لیے یہیں سے اپنی حوصلہ مند سپاہ کو آگے بڑھایا اور فزان، ودان، زویلہ اور سوڈان پر لشکر کشی کی۔ [4]

بہت سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علمائے تابعین کی جماعتیں محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان شہروں میں پہنچیں۔ وہاں دعوت و تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ کے میدانوں میں سرگرم رہیں اور ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دینے کا مقدس فرض بھی انجام

[1] أهل الفسطاط للدكتور صالح أحمد العلي، ص: 38. [2] أهل الفسطاط للدكتور صالح أحمد العلي، ص: 38. [3] تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل المصري، ص: 339. [4] تاريخ الدعوة الإسلامية، ص: 340.

دیتی رہیں۔ مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، دمشق اور فسطاط اس قدر پرکشش شہروں کی حیثیت اختیار کر گئے کہ لوگ علم کی طلب اور جہاد میں شرکت کے لیے ان شہروں میں کھنچے چلے آتے تھے۔ بہت سے لوگ اسلامی افواج میں شامل ہونے کے لیے اپنے نام لکھوانے آتے تھے۔ تجارت اور کئی دوسرے پیشوں سے وابستہ لوگ بھی وہاں جا پہنچے۔ اس طرح یہ تمام شہر ترقی کے گہوارے بن گئے۔ ان میں علوم و معارف کے چشمے اُبلنے لگے اور صنعت و حرفت کے میدان میں بڑی ترقی ہوئی۔ [1]

دنیاوی خوشحالی میں مگن ہونے کا ڈر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس امر سے بڑے خائف رہتے تھے کہ مبادا مسلمان دنیاوی خوشحالی میں مگن ہو جائیں کیونکہ وہ دنیا میں رغبت کو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے نہایت نقصان دہ سمجھتے تھے۔

جب اہل کوفہ اپنے شہر میں آباد ہو گئے اور اہل بصرہ نے بھی اپنے شہر میں استقرار پکڑا تو لوگوں نے اپنے آپ کو پہچاننا شروع کر دیا اور جس چیز سے وہ خالی ہو گئے تھے وہ چیز ان کی طرف واپس آ گئی۔ پھر اہل کوفہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نرکلوں سے عمارتیں بنانے کی اجازت مانگی تو اہلِ بصرہ نے بھی ایسی ہی اجازت طلب کی۔ اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: لوگو! معسکر میں رہنا تمھاری لڑائی کے لیے زیادہ تیز کرنے والا ہے اور زیادہ مناسب ہے۔ اس طرح جہاد کے لیے مستعدی رہے گی اور یہ چیز تمھاری روح کے لیے پاکیزگی کا باعث بنے گی مگر میں تمھاری مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے بتاؤ یہ نرکل کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نرکل ایک خودرو کانٹے دار بوٹی ہے جو پانی پڑنے سے سخت ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس طرح چاہو مکان بنا لو، چنانچہ بصرہ اور کوفہ والوں نے نرکل کی مدد سے تعمیرات کر لیں۔ [2]

[1] اقتصاديات الحرب في الإسلام، ص: 250. [2] تاريخ الطبري: 15/5.

بعد ازاں جب کوفہ اور بصرہ دونوں شہروں میں آگ لگنے کے واقعات پیش آئے، خاص طور پر کوفہ میں تو آگ اس قدر پھیلی کہ چھپر بھی جل کر راکھ ہو گئے اور نرکلوں کا ایک گٹھا بھی باقی نہ بچا۔ لوگ اس آگ کی ہولناکی کا تذکرہ کرنے لگے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ ان سے اینٹوں سے عمارات تعمیر کرنے کی اجازت لے آئیں۔ ان لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آگ لگنے کا قصہ سنایا۔ لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب آگ کا قصہ سنا تو اینٹ کے مکان بنانے کی اجازت دے دی اور فرمایا: تم میں سے کوئی بھی تین (3) سے زیادہ کمروں پر مشتمل گھر تعمیر نہ کرے، نہ بلا وجہ ایک دوسرے سے بڑھ کر تعمیرات کی جائیں۔ نبی علیہ السلام کی سنت کو لازم پکڑو اس طرح تم دنیا میں عزت و ریاست کے حق دار قرار پاؤ گے۔ یہ ہدایات سن کر لوگ واپس کوفہ آئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ رضی اللہ عنہ اور اہل بصرہ کو بھی ایسا ہی حکم نامہ جاری فرمایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی طے کیا کہ عمارتوں کو میانہ روی سے زیادہ اونچا نہ کیا جائے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ میانہ روی کیا چیز ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: جس میں نہ فضول خرچی ہو اور نہ تم حدِ اعتدال سے باہر نکلو۔ [1]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام مقدس ہستیاں دنیاوی وجاہتوں سے بے پروا تھیں۔ وہ تو صرف ایسے گھر چاہتے تھے جو انھیں دھوپ، بارش، سردی اور گرمی سے بچا سکیں۔ وہ بڑے بڑے پُرتعیش محلات کے ہرگز آرزومند نہ تھے۔ اولاً انھوں نے بانس اور نرکلوں ہی کے مکانات بنانے پر اکتفا کیا جو وہاں وافر مقدار میں میسر تھے لیکن جب ان مکانوں کو آگ لگ گئی تو بامر مجبوری وہ اینٹوں کے مکان بنانے لگے۔ اس کے باوجود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دنیاوی رغبت سے بہت خائف تھے۔ وہ بلا وجہ عمارتوں کی تعمیر کے خلاف تھے۔

[1] تاريخ الطبري: 16/5.

انھیں خدشہ تھا کہ کہیں لوگ اسی شوق میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ انداز فکر دراصل ان کی فراست اور پیش بینی کا آئینہ دار تھا۔ ان کے دماغ پر مستقبل کے اس خطرے کی پرچھائیاں پڑنے لگی تھیں کہ فتوحات کے بعد جب اُمت مسلمہ مالدار ہو جائے گی تو پختہ اینٹوں کے ایوان بنانے لگے گی۔ اسی خطرے کے سد باب کے لیے انھوں نے ہمیشہ امت مسلمہ کو فضول خرچی سے روکا اور دنیاوی تعیشات سے دور بھاگنے کی تاکید فرمائی۔ وہ ہمیشہ میانہ روی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ارشادات کے مطابق سب سے بُری عمارت وہ ہے جو فضول خرچی کے قریب ہو اور میانہ روی کی حدود سے خارج ہو گئی ہو۔ فضول خرچی کا سب سے بڑا مظہر تعمیرات کا شوق پالنا ہے کیونکہ عمارات کی تعمیر دولت اور وقت دونوں کے خرچ کی متقاضی ہوتی ہے۔ جب انسان ان کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے تو پھر کسی اور کام کا نہیں رہتا۔[1]

ہر چند سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لمبی چوڑی عمارتوں کے قائل نہ تھے، وہ لوگوں کو ان کاموں سے روکنا چاہتے تھے لیکن وہ ایسی عمارت بنانے کے مخالف بھی نہ تھے جو کم سے کم مدت میں تیار ہو جائے۔

ہمارے آج کل کے زمانے میں عمر عزیز کے بہت سے سال عمارتیں بنانے ہی میں صرف ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات تو اس کام میں اتنی وسعت آجاتی ہے کہ آدمی اپنا بہت سا قیمتی مال عمارت کو بہتر بنانے ہی میں صرف کر دیتا ہے۔

اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ سالہا سال گزر جاتے ہیں مگر بڑے بڑے بنگلے اور بلڈنگیں بنوانے والے حضرات کو زکاۃ ادا کرنے کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالی شان بلڈنگیں اور بنگلے بنوانے والے اپنی عمارات کو جمال و کمال کا اعلیٰ نمونہ دیکھنے ہی کی فکر میں رہتے ہیں تاکہ وہ اپنے اعلیٰ معیار زندگی کا فخریہ مظاہرہ کر سکیں۔ اس دُھن

[1] التاريخ الإسلامي: 22/20,19.

میں وہ اپنی قیمتی زندگی کے سالہا سال گنوا دیتے ہیں اور اسلامی فرائض کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ انھیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ وہ اپنے مال کی زکاۃ دیں اور مجاہدین فی سبیل اللہ پر بھی کچھ خرچ کریں۔ کبھی کبھار تو وہ اسلام کے بنیادی رُکن نماز اور دینی علم حاصل کرنے میں بھی کوتاہی کر جاتے ہیں۔ [1]

فضول خرچی اور بخل سے بچنے کی نصیحت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ اور اہل بصرہ کو تاکید فرمائی تھی کہ تم فضول خرچی کے قریب مت جانا اور حد اعتدال سے تجاوز نہ کرنا۔ ان کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ شرعی عمارت وہ ہے جس کا بنانے والا فضول خرچ نہ ہو، یعنی وہ شرعی حد سے تجاوز نہ کرے اوراعتدال کی حد سے باہر نہ نکلے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے لیے ان کی باقاعدہ حدبندی کر دی کیونکہ ہر شہر کے لوگوں کا اپنا اپنا ایک ظرف اور ذوق تھا جس کے زیر اثر وہ فضول خرچی، اعتدال پسندی یا کنجوسی سے کام لے سکتے تھے، لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے میانہ روی اور اعتدال پسندی ہی کا حکم دیا تاکہ وہاں کے معتدل اور متشرع لوگ میانہ روی ہی کو اپنا معیار بنالیں۔ [2]

اتباعِ سنت ریاست کے استحکام کا باعث ہے

تم اس نہج پر چلو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے تھے اس طرح تمھیں لوگوں پر حکومت اور زمین میں شرف عطا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

[1] التاريخ الإسلامي:22/20,19. [2] التاريخ الإسلامي :23/20,19.

''جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی، اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا، اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دنیا سے بے رغبتی کی یہ چند مثالیں ہیں۔ ان کے عہد مبارک میں باوجودیکہ تمام مسلمان زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، پھر بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دور اندیش نظریں مستقبل پر پڑ رہی تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ امت مسلمہ کی آنے والی نسلیں بھی سادگی اور تقوے کی زندگی بسر کریں اور دنیاوی زیب و زینت کے دھوکے میں آکر ہلاک نہ ہوں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور میں حاصل ہونے والی فتوحات کے نتیجے میں، جبکہ ایران اور روم کے کچھ علاقے فتح ہو چکے تھے، حاصل ہونے والے اموال غنیمت اور اموال فے کی کثرت سے بھی خائف تھے مبادا دولت کی کثرت سے مسلمان لوگ دنیاوی عیش و عشرت میں مبتلا ہو جائیں۔ انھوں نے اس سلسلے میں ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا اور مسلمانوں کو بہتر رویہ اپنانے کی رغبت دلائی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! بلاشبہ تم پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تسبیح واجب ہے۔ اس نے تمھیں دنیا و آخرت کی عزت سے سرفراز فرما کر اپنی حجت قائم کر دی ہے۔ حالانکہ تم ایسے احوال کے طلبگار نہ تھے، نہ ان میں کوئی رغبت رکھتے تھے۔ تم کچھ بھی نہ تھے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنی عبادت اور اپنی پہچان حاصل کرنے کے لیے پیدا فرمایا۔ اگر وہ چاہتا تو تمھیں سب سے حقیر مخلوق بنا دیتا اور تم کو کوئی

[1] النور 24:55.

خصوصی اہمیت حاصل نہ ہوتی۔

اللہ نے تمھارے لیے بر و بحر مسخر فرمائے اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا تاکہ تم ہر دم اس کا شکر ادا کرو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تمھارے کان اور آنکھیں بنائیں، تمھیں ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جو اس نے تمھارے علاوہ تمام بنو آدم کو بھی عطا فرمائیں اور بعض ایسی نعمتوں سے بھی نوازا جو صرف تمھارے جیسے متدین افراد کو مرحمت فرمائیں۔ رفتہ رفتہ یہ نعمتیں تمھارے ہر خاص و عام کے لیے وسیع ہو گئیں، تمھاری ریاست کے ہر طبقے تک پہنچ گئیں۔ یہ خصوصی نعمتیں جو تمھارے صرف ایک فرد کو حاصل ہیں اگر اللہ تعالیٰ انھیں سب لوگوں میں تقسیم فرما دے تو وہ سب لوگ اس کا شکر ادا کرنے سے قاصر رہیں۔ تمھاری ایک خصوصی نعمت، یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان ہی تنہا وہ بے مثل نعمت ہے جس کے باعث تمھیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ نعمت ہے کہ اس کے آگے تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔

تمھیں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں حکومت عطا فرمائی، دنیا والوں پر غالب فرمایا، تمھارے دین کی مدد فرمائی۔ اچھی طرح سن لو! تمھارے دین کے خلاف صرف دو (2) قسم کے لوگ ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے مطیع اور تابعِ فرمان ہو چکے ہیں، تمھیں جزیہ ادا کرتے ہیں۔ وہ اپنے پسینے کی کمائی تمھیں دے کر اپنی زندگی محفوظ کر چکے ہیں۔ محنت وہ کرتے ہیں، نفع تمھیں ملتا ہے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کا ہر لمحہ خوف و ہراس میں گزرتا ہے کہ مبادا اللہ تعالیٰ کے لشکر ان پر حملہ آور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ہے۔ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ وہ کہیں نہیں چھپ سکتے۔ ان کے لیے بھاگنے کی بھی کوئی جگہ نہیں، جہاں وہ محفوظ رہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے لشکر وہاں پہنچ چکے ہیں۔ وہ خوش حالی اور مالی فراوانی سے لبریز ہیں۔ مسلسل حملے ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی سرحدوں کی حفاظت ہو رہی ہے۔ اور امت مسلمہ کو اتنی جلیل القدر عافیت حاصل ہے جو پورے اسلامی دور میں کبھی حاصل نہ ہوئی

تھی۔ تمام تعریفوں کے لائق صرف اللہ عزوجل ہے جس نے ہر علاقے میں اتنی عظیم فتوحات عطا فرمائیں۔ اور اس قدر نعمتوں سے سرفراز فرمایا جن کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ کسی شکر کرنے والے کا شکر، ذکر کرنے والے کی زبان اور عبادت میں محنت کرنے والے کی عبادت بھی ان نعمتوں کا حق ادا نہیں کرسکتی۔ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کی مدد، رحمت اور مہربانی ہی سے ادا ہوسکتا ہے۔

ہم اپنے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ تو نے ہی ہمیں یہ نعمتیں عطا فرما کر آزمایا، تو ہی ہمیں اپنی اطاعت وفرماں برداری کی توفیق عنایت فرما اور جلد از جلد اپنی رضا سے سرفراز فرما۔

اللہ کے بندو! اس آزمائش اور اللہ تعالیٰ کی ان بے پایاں نعمتوں کا فرداً فرداً اور اپنی محفلوں میں تذکرہ کرو۔ اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

﴿ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ﴾

''اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال اور انھیں اللہ کے دن یاد دلا۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ سے ارشاد فرمایا:

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾

''اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں کمزور شمار ہوتے تھے۔''[2]

اگر تم اس زمین پر کمزور ہوتے، دنیا کی بھلائی سے محروم ہوتے، محض حق ہی پر قائم ہوتے، اللہ ہی پر ایمان رکھتے، اسی میں راحت محسوس کرتے، اللہ رب العزت کی معرفت رکھتے، اس کا دین اختیار کرتے، مرنے کے بعد والی زندگی میں اچھے انجام کے اُمیدوار ہوتے تو اتنا بھی کافی تھا لیکن یاد کرو، تمھاری گزران کتنی تنگ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمھاری جہالت کی انتہا نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایسا عظمت مآب پیغمبر ﷺ عطا فرمایا جس نے تمھیں جہنم سے بچایا۔ اس نے تمھاری دنیا سے کچھ بھی نہ لیا اور تمھیں تمھاری

[1] إبراهيم 5:14. [2] الأنفال 26:8.

آخرت کے بارے میں یقینی خوشخبری دی۔ تم بہت تنگ گزران کے سبب اس دنیا سے اپنا حصہ وصول کرنے کے زبردست خواہش مند تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ تم لوگوں پر غالب آجاؤ۔ دیکھ لو! اب اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع کر دی ہیں۔ اب جو چاہے ان دونوں کو جمع کر سکتا ہے۔ میں تمھیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں جو تمھارے ارادوں کے درمیان حائل ہے تا کہ تم اللہ کے حق کو پہچانو، اس کا حق ادا کرنے کے لیے عملی قدم بڑھاؤ اور اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت پر کار بند رکھو۔ تمھیں ان نعمتوں کی خوشی اور لذت کے دوران اِن کے چھن جانے کا خوف بھی لاحق رہنا چاہیے اور ان نعمتوں کا کسی اور کے ہاتھوں میں چلے جانے کا ڈر بھی رہنا چاہیے۔ یہی وہ طریقہ ہے جو نعمتوں کے حصول اور ان میں اضافے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ بنتا ہے۔ اے لوگو! تمھیں بھلے کاموں کی نصیحت کرنا اور برے کام سے روکنا مجھ پر فرضِ لازم ہے، پس میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ [1]

---

[1] تاريخ الطبري: 5/211-213.

عہدِ فاروقی میں رونما ہونے والے سانحات

قحط سالی اور اقتصادی بحران

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِحکومت میں اسلامی مملکت ایک بہت بڑی آفت سے دوچار ہوگئی۔ دنیا کی تمام قوموں، ملکوں اور معاشروں میں اس قسم کی قدرتی آفات عمومًا آتی رہتی ہیں۔ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ قوانین سب کے لیے یکساں ہیں۔ ان میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں سب سے بڑی آفتیں عام الرمادہ، یعنی ''خاک اڑنے کا سال'' اور طاعونِ عمواس تھیں۔ اب ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان کوششوں کا ذکر کریں گے جن کی بدولت انھوں نے ان آفتوں کا مقابلہ کیا۔ انھوں نے ان آفات سے نمٹنے کے لیے کون کون سے دنیاوی اسباب اختیار کیے؟ کس بے قراری سے اپنے رب کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور کس اضطراب سے تڑپ تڑپ کر دُعائیں مانگیں؟ یہ منظر الفاظ کے قالب میں یوں ڈھلتا ہے:

اٹھارہ (18) ہجری میں جزیرۂ عرب میں سخت قحط سالی برپا ہوئی۔ اس قدر بھوک اور فاقہ کشی پھیل گئی کہ جنگلوں کے درندوں تک نے شہروں کا رخ کرلیا۔ آدمی بکری ذبح کرتا مگر اس کی بگڑی ہوئی سوکھی سڑی شکل دیکھنے سے جی چراتا۔ بہت سے جانور بھوک سے مر گئے۔ اس سال کو عام الرمادہ، یعنی خاک اڑنے کا سال قرار دیا گیا کیونکہ قحط سالی کی

وجہ سے ہواؤں کے جھکڑ گرد اڑا رہے تھے۔ قحط سنگین شکل اختیار کر گیا۔ ایک ایک لقمہ بھی نہایت گراں قیمت ہو گیا۔ لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ دور دراز دیہات سے لوگ بھاگ کر شہروں میں آئے اور شہروں والے مضافات کی طرف نکل گئے۔ بہت سے لوگ امیرالمؤمنین کی خدمت میں آئے۔ وہ اس آفت کا حل تلاش کرنا چاہتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خود اس سلسلے میں سب سے زیادہ حساس اور اس آفت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں سخت تناؤ کا شکار تھے۔ [1]

وہ اقدامات جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں اٹھائے، مندرجہ ذیل تھے:

بحران میں خلیفۂ وقت کا مثالی کردار

عام الرمادہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گھی اور روٹی کا چُورا بنا کر لایا گیا۔ انھوں نے ایک بدوی کو بھی اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی۔ بدوی روٹی کے ساتھ پیالے کے کناروں سے چکنائی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید تو نے عرصۂ دراز سے چکنائی نہیں چکھی۔ اُس نے کہا: جی ہاں! ہم نے مُدت سے گھی اور تیل نہیں دیکھا۔ نہ کسی کو گھی اور تیل کھاتے دیکھا ہے یہ سُن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ جب تک سب لوگ خوشحال نہ ہو جائیں گے، میں گوشت اور گھی نہیں کھاؤں گا۔ سب راوی اس بات پر متفق ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی قسم پوری کر دکھائی۔ اس کا ثبوت یہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ بازار میں گھی کا ڈبہ اور دودھ کا ایک کٹورا بکنے کے لیے آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے چالیس (40) درہم کے عوض یہ دونوں چیزیں خرید لیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: امیرالمؤمنین! اللہ نے آپ کی قسم کو پورا کر دیا اور آپ کو اجرِ عظیم سے نوازا۔ بازار میں یہ ڈبہ اور کٹورا بکنے کے لیے آیا تو میں نے آپ

[1] فن الحكم، ص: 68، والبداية والنهاية: 98/7، وتاريخ الطبري: 75/5.

کے لیے یہ دونوں اشیاء چالیس (40) درہم میں خرید لیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے یہ چیزیں بہت مہنگی خریدی ہیں، لہٰذا ان دونوں کو صدقہ کر دے۔ میں نہیں چاہتا کہ کھانے میں اسراف سے کام لوں، پھر فرمایا: «كَيْفَ يُعْنِينِي شَأْنُ الرَّعِيَّةِ إِذَا لَمْ يَمَسَّنِي مَا مَسَّهُمْ» ''(میں چاہتا ہوں کہ مجھے عام لوگوں کی حالت کا استحضار رہے) اور مجھے لوگوں کے احساسات کا اس وقت تک صحیح ادراک نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود میرے حالات بھی انھی جیسے نہ ہوں۔'' [1]

غور فرمایئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس روشن جملے میں کتنا بڑا سبق چمک رہا ہے۔ انھوں نے عام لوگوں کی حالت کا صحیح صحیح اندازہ لگانے کے لیے جو کچھ فرما دیا ہے وہ حالتِ عامہ کے انعکاس کا بڑا جامع اصول ہے جس سے ساری دنیا کے دانشور ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس آفت سے اس قدر متأثر ہوئے کہ ان کا رنگ ہی بدل گیا۔ عیاض بن خلیفہ فرماتے ہیں: میں نے عام الرمادہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ان کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا، حالانکہ وہ عربی النسل تھے، دودھ پیتے اور گھی کھاتے تھے مگر جب لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے گھی اور دودھ خود پر حرام کر لیا۔ وہ مسلسل زیتون کا تیل کھاتے رہے اور بھوک برداشت کرتے رہے، اس طرح ان کی صحت بُری طرح متأثر ہوئی۔ [3]

اسلم کہتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ اس آفت کو دُور نہ فرماتا تو ممکن تھا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے دکھوں کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو جاتے۔ [4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ [5]

عام الرمادہ میں شام کے وقت تیل میں روٹی ڈال کر لائی جاتی تھی جسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] تاریخ الطبري: 78/5. [2] فن الحكم، ص: 71. [3] الطبقات: 314/3. [4] الطبقات: 315/3، ومحض الصواب: 363/1. [5] محض الصواب: 362/1.

تناول فرما لیتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ اونٹ ذبح کیے گئے اور لوگوں کو کھلائے گئے تو لوگوں نے اس گوشت میں سے کچھ عمدہ حصے، کوہان اور جگر وغیرہ علیحدہ کر لیے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے۔ انھوں نے دریافت فرمایا: یہ کہاں سے آئے؟ لوگوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! یہ اُن اونٹوں کا گوشت ہے جو ہم نے ذبح کیے تھے۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا: تعجب ہے اگر میں خود عمدہ چیزیں کھاؤں اور لوگ نکمی چیزیں اور ہڈیاں کھائیں تو مجھ سے بُرا حکمران کون ہوگا! پھر فرمایا: یہ اٹھا لو، میرے لیے دوسرا کھانا لاؤ، چنانچہ اُن کی خدمت میں روٹی اور تیل پیش کیا گیا۔ انھوں نے روٹی کا ٹکڑا لیا اور اسے تیل میں ڈبویا ہی تھا کہ فرمایا: اے یرفأ! یہ برتن اٹھاؤ اور اہل یثمغ کو دے آؤ میں تین (3) دن سے اُن کے پاس نہیں جا سکا، میرا خیال ہے کہ ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ کھانا ان کے دستر خوان پر پہنچا دو۔ [1]

یہ تھے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جنھوں نے اسلامی حکمرانی کی بے مثل مثال قائم فرما دی۔ رعایا کو ترجیح دی اور اپنی ہستی کو بھلا دیا۔ عام لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں بہتر کھانا کھاتے تھے مگر وہ سادہ غذا پر اکتفا کرتے تھے۔ وہ رعایا کے متعلق احکامات پر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ خود عمل کرتے تھے۔ وہ زندگی کی مشقتیں اُن سے کہیں زیادہ خود برداشت کرتے تھے۔ وہ نہ صرف خود پر بلکہ اپنے تمام خاندان پر سرکاری ضابطوں کا اطلاق فرماتے تھے۔ اس طرح ان کے بال بچے اور خاندان کے دیگر عزیز عام رعایا سے بڑھ کر مشقتیں برداشت کرتے تھے۔ عام الرمادہ میں ایک دن انھوں نے اپنے کسی بچے کے ہاتھ میں تربوز دیکھ لیا۔ فوراً فرمایا: تجھ پر تعجب ہے اے امیر المؤمنین کے بیٹے! تو پھل کھا رہا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تنگی کا شکار ہے! بچہ رو پڑا اور وہاں سے بھاگ گیا مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چین سے نہ بیٹھے۔ وہ تحقیق فرماتے رہے کہ بچے کے پاس تربوز کہاں سے آیا۔

[1] الطبقات : 312/3، والشيخان من رواية البلاذري، ص :294.

بالآخر انھیں اس وقت قرار آیا جب یہ پتہ چلا کہ بچے نے یہ تربوز ایک مٹھی گٹھلیوں کے بدلے خریدا ہے۔①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا زبردست احساس تھا۔ اس احساس نے انھیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ انھوں نے قحط سالی اور بھوک و افلاس دور کرنے کے لیے دینی اور دنیاوی دونوں طریقے اختیار فرمائے۔ وہ ہمیشہ نماز پڑھنے والے، استغفار کرنے والے اور ہر دم مسلمانوں کی روزی روٹی کی فکر میں لگے رہنے والے مردِ مجاہد تھے۔ وہ آفت کے دنوں میں ہر دم رعایا کی فکر میں لگے رہے۔ جو لوگ مدینہ آئے یا دیہات ہی میں مقیم رہے انھیں ان سب کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ وہ عوام کے ساتھ ساتھ رہے اور انھی کی طرح ہر مشقت جھیلتے رہے۔②

رمادہ کے سال میں پناہ گزینوں کے ہجوم

اسلم بیان فرماتے ہیں کہ جب عام الرمادہ، یعنی قحط سالی کا سال تھا تو جزیرۂ عرب کے ہر کونے سے لوگوں نے مدینہ کا رخ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہنگامی بنیادوں پر کام کیا۔ بہت سے لوگوں کا عملہ ان کی خبر گیری کے لیے مقرر کر دیا۔ میں نے ایک دن انھیں فرماتے ہوئے سنا: اُن لوگوں کی گنتی کرو جو آج شام یہاں کھانا کھائیں گے۔ معلوم ہوا کہ ان کی تعداد 7 ہزار ہے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیمار اور مجبور لوگوں کی فہرست تیار کرائی تو ان کی تعداد 40 ہزار نکلی جو بعدازاں 60 ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ نظام اسی طرح چلتا رہا حتی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، پھر میں نے دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے لوگوں کو نواحی قصبات و دیہات میں جانے اور وہاں کے باشندوں کو غذائی ضروریات کا سامان فراہم کرنے کا حکم دیا۔ قصبات و دیہات میں اتنی کثرت سے ہلاکتیں ہوئی تھیں کہ

① الطبقات: 315/3، ومحض الصواب: 363/1. ② فن الحکم، ص: 71، و الطبقات: 315/3.

تقریبًا دو تہائی افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مامور کردہ لوگ فجر دم ہی لنگر پکانا شروع کر دیتے تھے۔ وہ گاڑھے دودھ کا گھی اور آٹے کا پکوان تیار کرتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کام کرنے والے کارکنوں کی ڈیوٹیاں لگا رکھی تھیں۔ انھوں نے پناہ گزینوں کے لیے ایک مستقل جداگانہ شعبہ قائم کر دیا تھا۔ ہر عامل اپنی ڈیوٹی سے باخبر تھا۔ اپنی ڈیوٹی میں کوئی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ نہ کسی دوسرے کے کام میں دخل دیتا تھا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے ایسے کارکن بھی تعینات کیے جنھیں مدینے کے اردگرد سے آنے والے قحط زدہ لوگوں کا جائزہ لینے کا حکم تھا۔ خوراک کی تلاش میں مدینہ پہنچنے والے لوگوں کی فوری خبر گیری کی جاتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں تقسیم ہونے والے کھانے کی خود نگرانی فرماتے تھے حتی کہ سالن بھی چکھ کر جانچتے تھے۔ شام کے وقت سب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سب کی دن بھر کی کارروائی تفصیل سے سنتے اور اس دوران حسب ضرورت مزید احکام و ہدایات بھی جاری فرماتے۔ [2]

مصر، شام اور عراق سے مدد آنے تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قحط زدہ لوگوں کو آٹے کے سرکاری گوداموں سے کھانا کھلاتے رہے۔ غذائی گودام بہت بڑے اقتصادی ادارے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان گوداموں سے مدینہ آنے والوں کو آٹا، ستو، کھجور اور منقیٰ تقسیم کیے جاتے تھے۔ یہ ادارہ اتنا وسیع تھا کہ نو مہینے تک مسلسل ہزاروں لوگوں کو خوراک فراہم کرتا رہا یہاں تک کہ بارش ہوئی اور قحط سالی ختم ہوگئی۔ [3]

غذائی کفالت کا یہ نظام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبردست ذہانت کا آئینہ دار ہے کہ انھوں نے اسلامی ریاست میں جہاں بہت سے ادارے بنائے وہاں خاص طور پر خوراک کے بڑے

---

[1] الكفاءة الإدارية للدكتور عبدالله قادري، ص: 107. [2] الكفاءة الإدارية، ص: 115. [3] المدينة النبوية فجر الإسلام: 38،37/2.

بڑے گودام بھی تعمیر کرائے جو قحط سالی میں کام آئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آنے والے پناہ گزینوں کے لیے خود کام کرتے تھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ابن حنتمہ پر رحم فرمائے۔ میں نے انھیں قحط سالی کے سال دیکھا وہ اپنی پشت پر خوراک کے دو بورے اور ایک تیل کا ڈبہ اٹھائے لیے جا رہے تھے۔ وہ اور ان کا غلام اسلم باری باری یہ بوجھ اٹھا رہے تھے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا تو پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں یہاں قریب ہی جا رہا ہوں، پھر میں آگے بڑھا اور اُن سے تعاون کیا۔ میں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کا غلام اسلم وہ سامان اُٹھائے ضرار نامی جگہ پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ بیس گھروں پر مشتمل قبیلۂ محارب کی ایک جماعت موجود تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: تم لوگ کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا: تنگدستی یہاں کھینچ لائی ہے، پھر انھوں نے ہمارے سامنے ایک مردار کا چمڑا نکالا جو بُھنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ بوسیدہ ہڈیوں کا چورا بھی تھا جسے وہ کھاتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی چادر اُتاری اور ان لوگوں کے لیے کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو کھانا کھلایا حتی کہ سب سیر ہو گئے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلم رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیجا۔ وہ وہاں سے چند اونٹ لے آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو اونٹوں پر سوار کرایا اور انھیں الجبانہ میں لے آئے اور انھیں پہننے کے لیے کپڑے دیے۔ جب تک قحط ختم نہ ہوا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلسل ایسے لوگوں کی خدمت اور خبر گیری میں مصروف رہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے، پھر گھر تشریف لے جاتے اور مسلسل نماز میں مصروف رہتے۔ جب رات کا آخری حصہ شروع ہو جاتا تو پہاڑی راستوں کی طرف نکل جاتے اور (لوگوں کی ممکنہ آمد کے پیش نظر) وہاں چکر لگاتے رہتے تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے ایک دفعہ سحری کے وقت سُنا، وہ کہہ رہے تھے: «اَللّٰھُمَّ! لَا

[1] أخبار عمر، ص: 111.

تَجْعَلْ هَلَاكَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلٰى يَدَيَّ، اَللّٰهُمَّ! لَا تُهْلِكْنَا بِالسِّنِينَ وَارْفَعْ عَنَّا الْبَلَاءَ» ''اے اللہ! امت محمد ﷺ کی ہلاکت میرے ہاتھوں نہ کر۔ اے اللہ! ہمیں قحط سالی سے ہلاک نہ کر۔ اے رب کریم! ہماری اس آفت کو دور فرما دے......'' وہ مسلسل یہی دعا کرتے رہے۔ [1]

بنو نصر سے تعلق رکھنے والے ایک فرد مالک بن اوس فرماتے ہیں: عام الرمادہ کے دوران میری قوم کے ایک سو (100) گھرانے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور جبانہ میں قیام کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو بھی آجاتا تھا وہ اسے کھانا کھلاتے تھے اور جو نہ پہنچ پاتا، اس کے پاس آٹا، کھجور اور سالن بھیج دیتے تھے۔ میری قوم کے لوگوں کو ماہانہ اتنا سامان بھیج دیتے تھے جو ان کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ وہ مریضوں کی خبر گیری فرماتے رہے۔ انھوں نے ہلاک ہونے والوں کے لیے کفن کا انتظام بھی فرمایا۔ ان دنوں میں نے دیکھا کہ لوگ مر رہے ہیں اور تلچھٹ کھا رہے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود لوگوں کے جنازے پڑھائے۔ ایک دفعہ میں نے دیکھا، انھوں نے دس (10) افراد کا اجتماعی جنازہ پڑھایا۔ جب قحط سالی ختم ہوگئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو تم جن دیہاتوں میں رہتے تھے وہاں واپس چلے جاؤ، پھر ان میں سے کمزور لوگوں کو خود سہارا دے کر ان کے گھروں اور شہروں تک پہنچاتے رہے۔ [2]

حزم بن ہشام اپنے باپ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عام الرمادہ میں دیکھا وہ ایک عورت کے قریب سے گزرے وہ عورت گھی اور آٹے سے کھانا تیار کر رہی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: تم جس طرح پکا رہی ہو، یہ پکوان اس طرح تیار نہیں کیا جاتا، پھر کفگیر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے خود چلا کر فرمایا: کوئی عورت ہنڈیا میں اس وقت تک آٹا نہ ڈالے جب تک کہ پانی گرم نہ ہو جائے۔

[1] أخبار عمر، ص: 111. [2] أخبار عمر، ص: 112، ومناقب عمر لابن الجوزي، ص: 61.

پانی گرم ہونے کے بعد تھوڑا تھوڑا ڈالتی جائے اور اُسے کفگیر سے حرکت دیتی رہے۔ اس طرح بہت اچھے آمیزے کا خوب رچا پچا پکوان تیار ہوگا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ جب تک قحط سالی رہی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی کسی بیوی کے قریب بھی نہ پھٹکے۔[1]

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیٹ سے گڑگڑانے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ قحط سالی کے زمانے میں مسلسل تیل ہی کھاتے رہے اور گھی کو اپنے آپ پر حرام رکھا۔ ایک دفعہ گڑگڑاہٹ ہوئی۔ انھوں نے فوراً اپنے پیٹ میں دو انگلیاں مار کر فرمایا: «تَقَرْقَرِي، إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ عِنْدَنَا غَيْرُهُ حَتّٰى يَحْيَ النَّاسُ» ''تو گڑگڑاتا ہے تو گڑگڑائے جا۔ جب تک لوگ خوشحال نہیں ہوں گے تجھے تیل کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔''[2]

دیگر شہروں سے مدد کا حصول

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کی وبا پر قابو پانے کے لیے نہایت تیزی سے ہنگامی اقدامات کیے۔ انھوں نے ان شہروں سے فوراً غذائی امداد طلب کی جو قحط کی زد سے محفوظ اور خوش حال تھے۔ انھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو، جو اس وقت مصر کے گورنر تھے، لکھا: اللہ کے بندے عمر بن خطاب امیر المومنین کی طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف۔ تجھ پر سلامتی ہو، امابعد: کیا تم مجھے اور میرے ساتھ دیگر افراد امت کو ہلاکت میں اور خود اپنے آپ کو اور اپنے ہاں کے باشندوں کو خوشحال دیکھنا چاہتے ہو؟ جلد از جلد کمک بھیجو۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے اللہ کے بندے امیر المؤمنین کی طرف۔ آپ پر سلامتی ہو، میں آپ کو اس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے

[1] أخبار عمر، ص: 116. [2] الحلية: 48/1.

پیغام ارسال کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، امابعد: آپ کے پاس مدد آرہی ہے تھوڑا سا انتظار کیجیے۔ میں آپ کے پاس غذائی اجناس کا اتنا بڑا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا اگلا حصہ (مدینہ میں) آپ کے پاس اور پچھلا حصہ (اِدھر مصر میں) مجھ سے متصل ہو گا۔ میں مزید بحری راستے کے ذریعے سے بھی غلہ بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ [1]

چنانچہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹوں پر آٹا لاد کر بری راستے سے روانہ کیا۔ اس کے علاوہ بحری بیڑے بھیجے جن پر آٹا اور گھی لدا ہوا تھا۔ مزید برآں پانچ ہزار چادریں بھی ارسال فرمائیں۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقے میں بھی اپنے ہر عامل کو حکم دیا کہ ہماری طرف اتنا غلہ ارسال کرو جو یہاں ہمارے لیے کافی ہو۔ بلاشبہ ہمارے ہاں قحط زدہ لوگ......سوائے اس کے جس پر اللہ اپنی رحمت فرمائے......موت کی آغوش میں جا سکتے ہیں۔ [3]

اسی طرح کے احکام عراق اور ایران کے گورنروں کے نام بھی ارسال فرمائے جن کی تعمیل میں سب نے غلہ بھیج دیا۔ [4]

علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ چار ہزار اونٹوں کا قافلہ لے کر حاضر ہوئے۔ ان اونٹوں پر غلہ لدا ہوا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہی کو حکم دیا کہ وہ یہ غلہ مدینہ کے آس پاس ٹھہرے ہوئے لوگوں میں تقسیم کریں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس فرض کو انجام دے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں چار ہزار درہم مرحمت فرمائے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ان کی حاجت نہیں۔ میں تو صرف اپنے اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہوں اور اس کی بارگاہ عالی میں جو ثواب ہے وہ حاصل کرنا چاہتا ہوں، اس لیے آپ مجھے یہ دنیاوی سامان نہ دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ

[1] أخبار عمر، ص: 115. [2] أخبار عمر، ص: 115. [3] الفاروق عمر، ص: 262. [4] الفاروق عمر، ص: 263.

درہم رکھ لو۔ بے شک تم ان کے طلبگار نہیں ہو لیکن رقم قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ انکار فرما دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے قبول کر لو۔ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک علاقے کا عامل بنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی اسی طرح مال مرحمت فرمایا تھا۔ میں نے بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو تم جیسا ہی جواب دیا تھا لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مال قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ سن کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دراہم قبول فرما لیے اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔ بعدازاں ہر طرف سے لوگ غلہ لے کر آنے لگے۔ [1]

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے غلے سے لدا ہوا تین ہزار اونٹوں کا قافلہ ارسال فرمایا۔ عراق سے بھی ایک ہزار اونٹوں کا قافلہ پہنچا جس پر آٹا لدا ہوا تھا۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ساری خوراک اہل مدینہ اور آنے والے پناہ گزینوں میں تقسیم فرمائی اور اس میں سے بادیہ نشینوں کا حصہ بھی نکالا، پھر عرب کے سارے علاقوں میں غذائی اجناس تقسیم کر دیں۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قحط کے دنوں میں اونٹوں کا ایک قافلہ نجد کے بادیہ نشینوں کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اس پر آٹا، گھی اور تیل لدا ہوا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا: تم اس قافلے سے پہلے ہی اہل نجد کی طرف روانہ ہو جاؤ اور جن گھرانوں کو یہاں لا سکتے ہو لے آؤ اور جو نہ آسکیں تو ان کے ہر گھرانے کو سامان سے لدا ایک اونٹ دے آنا اور انھیں حکم دینا کہ ایک چادر موسم گرما اور دوسری موسم سرما میں استعمال کریں۔ جو اونٹ ذبح کریں اس کی چربی محفوظ کر لیں اور اس کے گوشت کو خشک کر کے محفوظ کر لیں، پھر چربی اور آٹا ملا کر پکائیں اور کھاتے رہیں حتی کہ قحط ختم ہو جائے اور حالات بدل جائیں۔ [3]

---

[1] تاريخ الطبري: 80/5. [2] الفاروق عمر، ص: 262. [3] الفاروق عمر، ص: 262.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو، جو شہروں کے مضافات میں رہتے تھے، ماہانہ ضروریات کا سامان کھانے اور کپڑے کی شکل میں ارسال فرما دیتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ لنگر ہر وقت تیار ہوتا رہنا چاہیے، چنانچہ بڑی بڑی دیگیں نصب کر دی گئی تھیں۔ ماہر باورچی نماز فجر کے فوراً بعد ہی کھانا پکانا شروع کر دیتے تھے، پھر یہ کھانا لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ اگر اللہ نہ کرے یہ قحط سالی ختم نہ ہوئی تو ہم ہر گھرانے کے ساتھ ضرورت مند افراد کا اضافہ کریں گے اور حسب استطاعت ان سب کی خوراک کا انتظام کریں گے لیکن اگر فراہمیٔ خوراک میں دشواری پیش آئی تو ہم اس گھرانے کے ساتھ، جس کے پاس کھانے کو کچھ ہے، ان لوگوں کو متصل کر دیں گے جو غذا سے یکسر محروم ہیں۔ یہ انتظام اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ ہمیں بارانِ رحمت سے نہ نوازے۔ [1]

ایک روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ بھوک اور افلاس کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو میں ہر ضرورت مند فرد کو مسلمانوں کے گھروں سے وابستہ کروں گا۔ اس طرح لوگ آدھا آدھا پیٹ بھر کر گزارا کر لیں گے تو ہلاک نہیں ہوں گے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خشک سالی اور فاقہ کشی کے اس آشوب میں کس قدر مستعد اور بیدار تھے اس کا اندازہ ان کے اس اقدام سے کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے فوراً متعدد کمیٹیاں بنا دیں اور انھیں مختلف علاقوں میں خوراک کی ترسیل پر مامور کر دیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے امداد آئی۔ یہ امداد ابھی شام کی سرحدوں کے قریب ہی پہنچی تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا سٹاف روانہ کر دیا اور حکم دیا کہ جونہی خوراک کی یہ کھیپ

---

[1] الفاروق عمر، ص:263. [2] السياسة الشرعية للدكتور إسماعيل بدوي، ص:403، ومحض الصواب:364/1.

جزیرۂ عرب میں داخل ہو تو وہ اپنے زیرِ نگرانی اسے ضرورت مند افراد میں تقسیم کر دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سٹاف نے حکم کی تعمیل کی اور دائیں بائیں غذائی اجناس تقسیم کرنی شروع کر دیں۔ یہ اجناس جن اونٹوں پر لد کر آئی تھیں وہ اونٹ بھی ذبح کر دیے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عملہ کھانا پکوا کر محتاجوں کو کھلاتا رہا اور انھیں پہننے کے کپڑے بھی دیتا رہا، پھر جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے بحری کمک پہنچی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ حکم دے کر روانہ کر دیا کہ وہ تمام خوردنی اجناس اہل تہامہ میں بانٹ آئے۔ [1]

بارش طلبی اور نمازِ استسقاء

سلیمان بن یسار بیان فرماتے ہیں: عام الرمادہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم اپنے بارے میں اللہ سے ڈرو اور جو تمھارے پوشیدہ اعمال ہیں ان کی جانچ پڑتال کرو۔ تم میرے ذریعے سے اور میں تمھارے ذریعے سے آزمائش میں ہوں۔ معلوم نہیں کہ ربِ ذوالجلال کی ناراضی میری وجہ سے ہوئی یا تمھاری وجہ سے یا ہمارا پروردگار ہم سبھی سے ناراض ہے۔ آؤ ہم سب اپنے اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلائیں کہ وہ ہمارے دلوں کی اصلاح فرمائے، ہم پر رحمت فرمائے اور قحط سالی کا خاتمہ فرما دے۔ اس دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلند ہاتھوں سے دعا کرتے ہوئے زار و قطار روتے دیکھا گیا۔ لوگوں نے بھی خوب رو رو کر دعائیں کیں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے اُتر آئے۔ [2]

اسلم رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ سب نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: «أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي أَخْشٰى أَنْ تَكُونَ سُخْطَةٌ عَمَّتْنَا جَمِيعًا فَأَعْتِبُوا رَبَّكُمْ وَانْزِعُوا وَتُوبُوا إِلٰى رَبِّكُمْ وَ أَحْدِثُوا خَيْرًا» "اے لوگو! میرا خیال ہے کہ ہمارا مالک حقیقی ہم سب سے روٹھ گیا ہے، پس گناہوں سے باز آ جاؤ۔ اپنے رب کے سامنے

[1] أخبار عمر، ص: 110. [2] الطبقات: 322/3، والشيخان من رواية البلاذري، ص: 323.

اپنی صفائی پیش کرو، توبہ کرو اور اچھے اعمال انجام دو۔''[1]

عبداللہ بن ساعدہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے نماز مغرب کے بعد لوگوں کو مخاطب فرمایا اور کہا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو، اس کی طرف رجوع کرو، اس سے فضل و کرم کی درخواست کرو، رحمت کی بارش مانگو، عذاب والی بارش نہ مانگو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رب کریم سے مسلسل اسی طرح فریاد اور گریہ و زاری کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال ہوئی اور حالات معمول پر آ گئے۔[2]

امام شعبی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دعائے استسقاء کے لیے نکلے۔ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ آیات تلاوت فرمائی:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴾

''چنانچہ میں نے کہا: تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا۔''[3]

مزید پڑھا:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾

''اپنے رب سے بخشش طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔''[4]

یہ آیات تلاوت کرنے کے بعد وہ منبر سے اتر آئے۔ پوچھا گیا: آپ نے دعائے استسقاء کیوں نہیں کرائی؟ انھوں نے فرمایا: میں نے زمین و آسمان اور منازل قمر کے خالق و مالک سے اس طرح دعا کی ہے جس سے بارش کا نزول یقینی بات ہے۔[5]

---

[1] الطبقات: 322/3، وأخبار عمر، ص: 116. [2] الشیخان من روایة البلاذري، ص: 319.
[3] نوح 71:10، 11. [4] ھود 11:52. [5] الشیخان من روایة البلاذري، ص: 320.

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دعائے استسقاء کے لیے نکلنے کا فیصلہ فرمایا تو اپنے تمام عمال کو لکھا کہ وہ بھی اس دن نکلیں، عاجزی اختیار کریں اور گڑگڑا کر دعائیں کریں کہ اے اللہ! اس آفت (قحط سالی) کو ہم سے دور فرما دے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب ایک اور مرتبہ دعائے استسقاء کے لیے نکلے تو انھوں نے اپنے شانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک آویزاں کر رکھی تھی۔ وہ عیدگاہ پہنچے، لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور بہت آہ وزاری کی۔ عورتوں نے بھی خوب خشوع و خضوع سے دعائیں کیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کثرت سے استغفار کرتے رہے۔ واپس آنے لگے تو اپنے ہاتھ بلند فرمائے۔ چادر کے پلو تبدیل کیے۔ دائیں حصے کو بائیں طرف اور بائیں حصے کو دائیں طرف کر لیا، پھر ہاتھ پھیلائے۔ بہت روئے، خوب آہ وزاری سے دعائیں کیں، پھر اس قدر روئے کہ ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ [1]

صحیح بخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لیے دعا کرائی اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: «اَللّٰهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَ إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا» ”اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی کے ذریعے سے تجھ سے بارش کے طلبگار ہوتے تھے اور تو ہمیں بارش عطا فرماتا تھا۔ اب ہم اپنے پیغمبر کے چچا کے ذریعے سے تجھ سے بارش کے خواستگار ہیں۔ یا اللہ! بارش عطا فرما۔“ [2]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب استسقاء کا ارادہ کیا تو اس طرح عرض کیا: اے اللہ! میں اس آفت کے مقابلے سے عاجز آ گیا ہوں۔ جو کچھ تیرے پاس ہے وہ بہت وسیع ہے، پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے اللہ! ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] الطبقات: 321,320/3، وتاريخ المدينة المنورة لابن شبة: 742/2. [2] صحيح البخاري، حديث: 1010.

چچا اور پیغمبر ﷺ کے دیگر بڑے عزیزوں کے ذریعے سے تیرا قرب چاہتے ہیں، بلاشبہ تیرا ہی ارشاد عالی ہے اور تیرا فرمانا برحق ہے:

﴿ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ﴾

"اور رہ گئی دیوار تو وہ شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک شخص تھا۔"[1]

اے اللہ! تو نے اس دیوار کو ان کے باپ کی نیکی کے سبب برقرار رکھا۔ اے اللہ! اپنے پیغمبر ﷺ کے چچا کے سبب پیغمبر ﷺ کی لاج رکھ...... اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ وہ فرما رہے تھے: اے اللہ! بے شک جو آفت بھی آتی ہے، وہ گناہوں کی وجہ ہی سے آتی ہے اور جو مصیبت بھی ٹلتی ہے وہ توبہ کی بدولت ٹلتی ہے۔ اے رب کریم! مجھے امت مسلمہ کے لوگ تیرے پیغمبر ﷺ کے چچا ہونے کی نسبت یہاں لے آئے ہیں۔ یہ ہمارے گناہگار ہاتھ تیرے سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لیے جھکی ہوئی ہیں۔ ہمیں بارش عطا فرما۔ اے ارحم الراحمین! ہمیں مایوس نہ کر۔ اے اللہ! تو نگہبان ہے۔ تو کسی گمراہ کی طرف سے بھی بے توجہ نہیں ہوتا۔ تو اِس دُنیا کے عارضی گھر میں بے کس کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔ اب حالت یہ ہے کہ بچہ بھی بلبلا رہا ہے، بڑا بھی گھبرا رہا ہے اور ہر طرف سے گریہ بلند ہو رہا ہے۔ تو ہمارے ظاہر اور باطن کو خوب جانتا ہے۔ اے اللہ! اس سے پہلے کہ لوگ مایوس ہو جائیں اور ہلاک ہو جائیں انھیں بارش عطا فرما۔ تیری رحمت سے کافر قوم کے علاوہ کوئی ناامید نہیں ہوتا۔[2] اسی دوران کہ ابھی دعا جاری تھی بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا۔ لوگوں نے ایک دوسرے سے کہنا شروع کر دیا: ارے! کیا تم آسمان کا منظر دیکھ رہے ہو؟ پھر ہر طرف سے

---

[1] الكهف 82:18. [2] الفاروق عمر بن الخطاب لمحمد رشيد رضا، ص: 217.

بادل اُمنڈ آئے۔ وہ آپس میں مل گئے۔ ہوا چلی اور تھم گئی اور پھر ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ اللہ کی قسم! ابھی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ لوگوں نے بھیگ جانے کے خوف سے اپنے تہ بند اونچے کر لیے اور دیواروں کی آڑ لینے لگے۔ لوگوں نے بے ساختہ فرطِ مسرت سے کہا: «هَنِيئًا لَّكَ يَا سَقِيَ الْحَرَمَيْنِ» ''اے عباس! اے حرمین شریفین کے لوگوں کو پانی پلانے والے تجھے مبارک ہو!''

فضل بن عباس بن عتبہ بن ابولہب فرماتے ہیں:

''میرے چچا کی برکت سے اللہ نے حجاز اور اہل حجاز کو پانی عطا فرمایا اس شام کو جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عباس کے بڑھاپے کے توسل سے پانی مانگ رہے تھے۔''

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قحط سالی میں عباس رضی اللہ عنہ کو لے کر اللہ کی طرف متوجہ ہوئے انھوں نے ابھی واپسی کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا کہ بارش آ گئی۔''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے تھے کیا اس سے بھی بڑا کوئی اور اعزاز ہوسکتا ہے۔''

اس موقع پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مسلسل قحط سالی کی حالت میں ہمارے خلیفہ نے اللہ تعالیٰ سے بارش مانگی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سفید پیشانی کی برکت سے بارش ہوگئی۔''

''وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور ان کے والد کی جگہ تھے۔''

''اللہ تعالیٰ نے اُن کی برکت سے تمام شہروں کو زندہ کر دیا ناامیدی کے بعد تمام شہروں میں ہر طرف ہریالی پھیل گئی۔''[1]

ایک روایت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دعائیہ الفاظ اس طرح منقول ہیں: اے اللہ! بلاشبہ بغیر گناہ کے کوئی آفت نہیں آتی۔ یقیناً ہر آفت توبہ سے ختم ہو جاتی ہے۔ اے اللہ! تیرے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا جو تعلق ہے اُس کی وجہ سے لوگ مجھے یہاں تیرے حضور

[1] الفاروق عمر بن الخطاب، ص: 217.

لے آئے ہیں۔ اے رب کریم! ہمارے یہ گناہوں بھرے ہاتھ اور پیشانیاں تیرے حضور حاضر ہیں۔ ہم تجھ سے بارش کی التجا کرتے ہیں۔ ہمیں بارش عطا فرما۔ کہا جاتا ہے کہ ابھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا جاری ہی تھی کہ آسمان پر پہاڑوں کی طرح بادل اُمنڈ آئے، پھر تو ساری دھرتی جل تھل ہوگئی اور لوگ خُوشحال ہو گئے۔ [1]

قحط سالی کے دوران حدود کے نفاذ میں توقف

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ (قحط سالی کے دور) میں چوری کی حد موقوف کر دی تھی اور یہ کوئی حد کو معطل کرنے کا معاملہ نہیں تھا جیسا کہ بعض حضرات نے لکھا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حد اس لیے موقوف کی کہ اس سال اس حد کے نفاذ کی شرطیں پوری نہیں ہو پائیں، لہٰذا اس حالت میں حد کو موقوف کردیا گیا۔ جو آدمی ان دنوں کسی کی ملکیت سے شدت بھوک اور کھانا نہ ہونے کی وجہ سے کچھ چرا لیتا تھا، اسے مجبور تصور کیا جاتا تھا چور تصور نہیں کیا جاتا تھا، اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں کا ہاتھ نہیں کاٹا جنھوں نے کسی کی اونٹنی ذبح کر کے کھا لی تھی۔ ان غلاموں کے مالک حاطب نے اس اونٹنی کی قیمت ادا کر دی تھی۔ [2] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی میں کھجوروں کی چوری کے مقدموں میں بھی ہاتھ کاٹنے سے روک دیا۔ [3] اس سلسلے میں فقہی مذاہب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فہم و فراست سے بہت متأثر نظر آتے ہیں۔ مغنی میں ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر کہیں بھوک و افلاس ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، یعنی اگر کوئی فاقہ کش کوئی چیز چرا کر کھا لے تو اس کا ہاتھ کاٹنا لازم نہ ہوگا کیونکہ وہ مجبور اور مضطر کے حکم میں داخل ہے۔

علامہ جوزجانی رحمہ اللہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: قحط سالی میں کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سلسلے میں امام احمد رحمہ اللہ

[1] الخلافة الراشدة والدولة الأموية للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 302. [2] الخلافة والخلفاء الراشدون سالم البهنساوي، ص: 165. [3] مصنف عبدالرزاق: 242/10.

سے پوچھا کہ کیا آپ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس موقف کے قائل ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب کسی ملزم کو ضرورت نے مجبور کر دیا ہو اور وہ سخت بھوک و افلاس کا شکار ہو تو میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹوں گا۔[1]

یہ واقعہ اس امر کا ثبوت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مقاصد شریعت کے بارے میں کس قدر محتاط تھے اور کیسی بصیرت اور باریک بینی سے کام لیتے تھے۔ انھوں نے ظواہر پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ شریعت کی اصل منشا اور جوہر کو دیکھا، انھوں نے اس سبب پر غور فرمایا جو کسی چور کو چوری کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ بھوک ایک ایسی حالت ہے جو مجبوراً ممنوعہ کام بھی کرا دیتی ہے۔ انھوں نے حاطب رضی اللہ عنہ کے غلاموں کے بارے میں فرمایا: اے لوگو! تم اپنے غلاموں سے کام لیتے ہو اور انھیں کھانے کو کچھ نہیں دیتے۔ اگر ان میں سے کسی نے بامر مجبوری عام حالات میں بھی حرام چیزوں میں سے کچھ کھا لیا تو ان کے لیے حلال ہوگا۔[2]

عام الرمادہ میں زکاۃ کی وصولی میں تاخیر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ (قحط سالی کے دور) میں زکاۃ کی وصولی بھی موقوف کر دی۔ جب بھوک مٹ گئی، افلاس ختم ہو گیا اور زمین سرسبز و شاداب ہو گئی تو عام الرمادہ (قحط سالی کے دور) کی زکاۃ وصول فرمائی گویا کہ یہ ان پر بطور قرضہ برقرار رہی۔ جب لوگوں کی مجبوری ختم ہو گئی تو وصول کر لی گئی۔ اس اقدام کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا اور رقم کی اشد ضرورت تھی۔[3]

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ (قحط سالی کے دور) میں زکاۃ کی وصولی مؤخر کر دی۔ انھوں نے زکاۃ لینے والے عمال کو کہیں

---

[1] المغني لابن قدامة: 278/8. [2] إعلام الموقعين: 11/3، والاجتهاد في الفقه الإسلامي، ص: 136. [3] الخلافة والخلفاء الراشدون، ص: 166.

روانہ نہ فرمایا۔ جب اگلے سال قحط سالی ختم ہوگئی تو عاملین کو زکاۃ کی وصولی کے لیے بھیج دیا اور تاکید فرمائی کہ دو دو بکریاں وصول کرو۔ ایک بکری کو تقسیم کر دو اور دوسری کو ایک سال کی زکاۃ کے طور پر جمع کراؤ۔ ①

طاعون

ہجرت کے اٹھارھویں سال عمواس میں طاعون پھوٹ پڑا۔ ② یہ بڑی خوفناک وبا تھی۔ تاریخ اسے طاعونِ عمواس کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس آفت کو عمواس کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ عمواس قدس اور رملہ کے درمیان واقع ایک بستی کا نام ہے۔ وہاں سے یہ وبا پھوٹی اور پھر شام کے تمام علاقوں میں پھیل گئی۔ ③

میرے ناقص علم کے مطابق اس وبا کا صحیح تعارف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کرایا ہے۔ انھوں نے طاعون کے بارے میں اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا: ہمیں طاعون کے بارے میں اہلِ لغت، اہلِ طب اور اہلِ فقہ کی تحقیق موصول ہوئی ہے۔ راجح بات یہ ہے کہ طاعون ایک سوجن، ابھار یا پھوڑے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا سبب بلڈ پریشر یا خون کا ایک عضو میں اکٹھا ہو جانا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ عضو بے کار ہو جاتا ہے۔ جبکہ بعض بیماریاں ایسی ہیں جو فضائی آلودگی سے پیدا ہوتی ہیں، انھیں مجازاً طاعون کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ ان بیماریوں میں ایک وبائی کیفیت ہوتی ہے جن کے اثرات طاعون کی طرح عمومی اعتبار کے ہوتے ہیں یا پھر اس لیے ان وباؤں کو طاعون کہہ دیا جاتا ہے کہ ان سے بھی طاعون کی طرح بہت سی ہلاکتیں واقع ہوتی ہیں۔ ④

وبا اور طاعون میں فرق واضح کرنے کا مطلب نبی علیہ السلام کے اُس فرمان کی صحت پر دلیل قائم کرنا ہے جو انھوں نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ طاعون مدینہ میں داخل نہ ہوگی۔

① الشيخان من رواية البلاذري، ص :324. ② تاريخ القضاعي، ص:294. ③ خلاصة تاريخ ابن كثير لمحمد كنعان، ص:236. ④ فتح الباري :180/10.

اس سے واضح ہے کہ دوسری کوئی وبا مدینہ میں داخل ہو سکتی ہے اور گزشتہ ادوار میں مدینہ وبائی امراض کی لپیٹ میں رہ بھی چکا ہے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بہت سے معرکے ہوئے، اس کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں سے بعض مسائل پیدا ہوئے۔ مُردوں کے تعفن سے بیماریاں پھیل گئیں۔ یہ ایک طبعی امر تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ارادۂ کونیہ اور مشیت کے مطابق یہ سانحہ رونما ہوا جس کی حکمت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حجاز اور شام کی سرحد سے واپسی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے 17 ہجری میں دوسری مرتبہ شام کے علاقوں کا دورہ کرنے کی غرض سے سفر شروع کیا، بہت سے مہاجرین اور انصار ان کے ہمراہ تھے۔ جب وہ حجاز اور شام کی حد ''سرغ'' میں پہنچے تو فوجی کمانڈروں نے انھیں اطلاع دی کہ شام کے علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے احباب سے مشورہ فرمایا۔ فیصلہ ہوا کہ واپس مدینہ کا رخ کیا جائے۔ ③ اس واقعے کی مکمل تفصیل گزر چکی ہے۔ ④

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے واپس آنے کے بعد طاعون عمواس کا سخت تباہ کن حملہ ہوا جو شام کے علاقوں تک پھیل گیا۔ بہت سے لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ جن میں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل، یزید بن ابی سفیان اور حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر اصحاب بھی شامل تھے۔ حارث کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے، اسی طرح سہیل بن عمرو، عتبہ بن سہیل اور بہت سے سرکردہ دوسرے لوگ بھی اسی آفت کا شکار ہوئے۔ یہ بیماری اس وقت ختم ہوئی جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر کیا

① أبو عبيدة عامر بن الجراح لمحمد شرّاب، ص: 220. ② الخلفاء الراشدون للنجار، ص: 224. ③ الخلفاء الراشدون للنجار، ص: 223,222. ④ عہد خلافت کے ذیل میں ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا شورائی نظام پر عمل'' کے تحت یہ تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

گیا۔ انھوں نے خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! یہ بیماری آگ کی طرح جوش مارتی ہے۔ اس سے ہیجان پیدا ہوتا ہے، لہٰذا تم پہاڑوں کی طرف نکل جاؤ۔ لوگ پہاڑوں کی طرف چلے گئے اور جدا جدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور لوگوں کو اس آفت سے نجات ملی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی خبر ہوئی تو انھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہ کیا۔[1]

طاعون کی وجہ سے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات

طاعون پوری شدت سے پھیل گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس آفت سے بچانے کی کوشش کی۔ انھوں نے لکھا: اے ابوعبیدہ! تم پر سلامتی ہو، امابعد: تمھیں ایک ایسی مصیبت نے آن گھیرا ہے کہ میں بھی آپ کے قریب ہوں میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ جیسے ہی میرا یہ خط ملے اسے اپنے ہاتھ سے اس وقت تک جدا نہ کرو جب تک کہ فوراً میرے پاس نہ پہنچ جاؤ۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کر لیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی بھلائی کے لیے انھیں وبا سے نکالنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے جواب لکھا: اے امیر المؤمنین! مجھے آپ کے ارادے کی خبر ہو چکی ہے۔ میں یہاں اسلامی لشکروں کے درمیان ہوں اور ان سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتا۔ میں ان سے اس وقت تک جُدا نہیں ہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور سب کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ فرما دے۔ اس لیے اے امیر المؤمنین! مجھے اس حکم پر عمل کرنے سے معذور سمجھیے۔ مجھے اِدھر مجاہدین کی سپاہ ہی میں رہنے دیجیے۔

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا یہ مراسلہ پڑھا تو رو پڑے۔ لوگوں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! کیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے؟ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گویا انتقال ہی کر گئے ہیں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا کہ آپ نے لوگوں کو ایک نشیبی زمین میں ٹھہرا رکھا ہے۔ انھیں کسی اونچی جگہ لے جائیں۔ جب یہ خط پہنچا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ

[1] الخلفاء الراشدون للنجار، ص: 225، وتاريخ الطبري: 36/5.

کو بلایا اور فرمایا: اے ابو موسیٰ! آپ امیر المؤمنین کا خط دیکھ رہے ہیں۔ آپ جائیں لوگوں کے لیے کوئی بلند جگہ تلاش کریں تا کہ میں لوگوں کو لیے آپ کے پیچھے آسکوں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ اُن کی بیوی طاعون میں مبتلا ہو گئی ہیں۔ وہ دوبارہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھیں اپنی بیوی کے بارے میں اطلاع دی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ منگوایا۔ اُنھوں نے اونٹ کی رکاب میں اپنا پاؤں رکھا ہی تھا کہ بیماری کا حملہ ہو گیا۔ فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے طاعون نے آلیا ہے۔[1]

حضرت عروہ بیان فرماتے ہیں: حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ طاعون عمواس سے محفوظ تھے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ! آلِ ابو عبیدہ کا حصہ کہاں ہے؟ پھر ان کے جسم پر ایک پھنسی نکل آئی۔ لوگوں نے کہا: یہ خطرناک نہیں ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يُّبَارِكَ اللّٰهُ فِيهَا» ”مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت فرمائے گا۔“[2]

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس مرض میں مبتلا ہونے سے پہلے لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! یہ بیماری تمھارے رب کی رحمت، تمھارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا اور تم سے پہلے نیک لوگوں کی موت کا سبب ہے۔ ابو عبیدہ اپنے اللہ کے حضور دست بدعا ہے کہ وہ اس میں سے مجھے بھی حصہ عطا فرمائے۔[3]

جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ طاعون میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا: میں تمھیں ایک وصیت کرنا چاہتا ہوں، اگر تم اسے قبول کرلو تو زندگی اور موت کے بعد یکساں خیر اور بھلائی سے رہو گے۔ نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، روزہ رکھو، صدقہ و خیرات کرو، حج کرو، عمرہ کرو، صلہ رحمی کرو، آپس میں محبت کرو، اپنے حاکموں سے وفادار رہو اور ان کی خیانت نہ کرو۔ دیکھو! تمھیں دنیا غافل نہ کر دے۔ اگر کسی کو ایک ہزار سال کی زندگی بھی مل جائے تو اس کا انجام بھی میرے جیسا ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے سب بنو آدم

[1] تاريخ الطبري: 35/5. [2] تاريخ الذهبي، ص: 174. [3] تاريخ الطبري: 36/5.

کے لیے موت لکھ دی ہے۔ آخر کار سبھی موت کی آغوش میں جانے والے ہیں۔ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے جو اپنے رب کا خوب فرماں بردار ہو اور اپنی آخرت کے لیے خوب عمل کرنے والا ہو، پھر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امامت فرمائی۔ اسی دوران میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمتوں اور رضا سے سرخرو فرمائے، آمین۔ [1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے لوگو! اللہ سے خالص توبہ کرو۔ اگر بندہ اپنے اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس نے خالص توبہ کی ہوگی تو لازماً وہ اسے معاف فرما دے گا۔ جس پر قرضہ ہو وہ اسے ضرور ادا کرے۔ انسان ہمیشہ اپنے قرضہ کے عوض گروی رہتا ہے۔ جو آدمی تم میں سے اپنے کسی بھائی سے قطع تعلقی کرنے والا ہو اسے اس سے ملاقات کرنی چاہیے، اس سے صلح کرنی چاہیے اور مصافحہ کرنا چاہیے۔ کسی مسلمان کے لائق نہیں کہ وہ تین (3) دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے قطعِ تعلق رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اے لوگو! تمھیں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا شدید صدمہ ہوا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنے گمان کے مطابق تم میں سے سب سے زیادہ کریم، صاحب اخلاق، صاف سینے والا، کینے سے بہت دور، لوگوں کا خیرخواہ، لوگوں پر نہایت شفیق اور مہربان ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ ان کے لیے اللہ سے رحمت کی دعا کرو، ان کا جنازہ پڑھو۔ اللہ ان کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف فرمائے۔ اللہ کی قسم! اُن جیسا والی تمھیں کبھی میسر نہ آئے گا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ سامنے رکھا گیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، نماز جنازہ پڑھائی۔ تدفین کے لیے قبر کے کنارے پر آئے۔ معاذ رضی اللہ عنہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔ جب ان پر مٹی ڈال دی گئی تو معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت

[1] الاکتفاء: 306/3.

ہو۔ اللہ کی قسم! میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وہ تعریفات بیان کروں گا جو میں خوب جانتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں ان کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہیں کروں گا، ورنہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب لاحق ہونے کا ڈر ہے۔ اے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ! اللہ کی قسم! تم اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والوں میں سے تھے۔ ان لوگوں میں سے تھے جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں، ان لوگوں میں سے تھے کہ جب کسی جاہل سے پالا پڑ جاتا ہے تو سلام کہہ دیتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے تھے جو راتیں اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کی حالت میں بسر کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے تھے کہ جب خرچ کرتے ہیں تو افراط وتفریط سے کام نہیں لیتے بلکہ معتدل رہتے ہیں، اللہ کی قسم! میرے علم کے مطابق تم انتہائی عاجز اور جھکنے والوں میں سے تھے۔ اُن لوگوں میں سے تھے جو یتیموں اور مسکینوں پر شفقت اور مہربانی کرتے ہیں اور سرکش اور متکبرین سے انتہائی متنفر رہتے ہیں۔ ①

لوگ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر انتہائی غمگین ہو گئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کی رحلت کا سب سے زیادہ دُکھ ہوا۔ وہ طویل عرصے تک ان کے غم میں مبتلا رہے۔ ②

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا: امابعد: آپ ایسے آدمی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے اجر کے اُمیدوار رہیے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں امانت دار، اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم کرنے والا اور ہمارے اور آپ کے ہاں انتہائی قریب اور عزیز تھا۔ وہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اگلے اور پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرمائے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. ہم اللہ تعالیٰ سے اس صبر پر ثواب کے امیدوار ہیں اور اسی پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ میں نے آپ کی خدمت میں یہ خط آپ کی آگاہی کے لیے لکھا۔ یہاں حالت یہ ہے کہ ہر طرف موت پھیلی ہوئی ہے۔ یہ وبا عام ہوتی جا رہی ہے۔ ہر شخص کی موت اس تک پہنچ رہی ہے۔ جو ابھی تک نہیں مرا، وہ عنقریب مر

① الاکتفاء: 307/3. ② الاکتفاء: 307/3.

جائے گا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اللہ اسے ہر مرنے والے کے لیے دنیا سے بہتر بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندہ رکھے یا ہلاک کر دے، ہم بہر حال اس کے کرم کے ملتجی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام اہل اسلام کی طرف سے بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ ہم آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت، رضا مندی اور جنت کی دُعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر سلامتی، رحمت اور برکات نازل فرمائے۔ [1]

یہ خط سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو موصول ہوا تو وہ بہت روئے اور اپنے پاس بیٹھے ہوئے سب لوگوں کو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سنائی۔ [2]

اگرچہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر راضی تھے۔ اس کے باوجود وہ بے حد غمگین ہوئے اور زار و قطار روتے رہے۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کچھ دن لوگوں کی امامت فرمائی۔ طاعون شدت اختیار کرنے لگا۔ لوگ کثرت سے مرنے لگے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔ فرمایا: اے لوگو! یہ آفت تمھارے رب کی رحمت ہے۔ تمھارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا ہے۔ تم سے پہلے نیک لوگوں کی موت ہے۔ بلاشبہ معاذ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ وہ اس میں سے آلِ معاذ رضی اللہ عنہ کا حصہ عطا فرمائے، پھر ان کا بیٹا عبدالرحمٰن اس مرض میں مبتلا ہو گیا۔ [3]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو اس حالت میں دیکھا تو فرمایا:

﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ﴾

"تیرے رب کی طرف سے یہ برحق ہے پس تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔" [4]

---

[1] الاكتفاء: 309/3. [2] الاكتفاء: 310/3. [3] تاريخ الطبري: 36/5. [4] البقرة 2:147.

مزید فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے!

﴿سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾

''اگر اللہ نے چاہا تو تو ضرور مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔''[1]

تھوڑی دیر کے بعد معاذ رضی اللہ عنہ کا بیٹا انتقال کر گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد وہ واپس گھر پہنچے ہی تھے کہ خود بھی طاعون کا شکار ہو گئے۔ مرض شدت اختیار کرتا چلا گیا۔ لوگ مزاج پُرسی کے لیے مسلسل ان کے پاس آنے لگے۔ وہ لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا: ''میرے بھائیو! نیکیاں کیے جاؤ، ابھی تمھارے پاس زندگی کی کچھ مہلت باقی ہے، اپنی بقایا زندگی میں بہتر سے بہتر عمل کرو، اس سے پہلے کہ تم عمل کے لیے وقت مانگو لیکن تمھیں مہلت نہ ملے۔ اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرلو، اس سے پہلے کہ تم ہلاک ہو جاؤ اور تمھارا مال تمھارے ورثاء کے حوالے ہو جائے۔ خوب جان لو کہ تمھارے اموال میں تمھارا سوائے اس کے کچھ نہیں ہے جو تم نے کھا لیا، پی لیا، پہن لیا، خرچ کر لیا اور یوم آخرت کے لیے آگے بھیج دیا۔ باقی سب ورثاء کے لیے ہے۔

مرض نے مزید شدت اختیار کی تو فرمایا: «رَبِّ اخْنُقْنِي خَنْقَكَ، فَأَشْهَدُ أَنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي أُحِبُّكَ» ''اے میرے رب مجھے جلدی سے اپنے پاس بلا لے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تو خوب جانتا ہے کہ میں تجھ سے کتنی محبت کرتا ہوں۔''[2]

موت کا وقت آپہنچا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خوش آمدید! موت کو خوش آمدید! موت کا فرشتہ جو فاقے کی حالت میں آیا۔ جو پشیمان ہوا اس نے فلاح نہ پائی۔ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں دنیا میں بل کھاتی نہروں اور سرسبز درختوں کی وجہ سے زندہ رہنا نہیں چاہتا تھا۔ میں تو صرف راتوں کو عبادت کی لذتیں اٹھانے، دن کے اوقات میں تیرے احکام بجا لانے، سخت گرمی کی دوپہر میں پیاسوں کو پانی پلانے اور ذکر کی

[1] الصّٰفّٰت 102:37. [2] الاکتفاء: 308/3.

مجلسوں میں علمائے کرام کے ساتھ شریک ہونے کے لیے زندہ رہنا چاہتا تھا۔ [1] اور پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رحلت فرما گئے۔ اس وقت ان کی عمر 38 سال تھی۔ [2]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ والی بنے۔ انھوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ وہ خود قبر میں اترے، ان کی میت لحد میں اتاری۔ ان کے ساتھ بہت سے مسلمانوں کا مجمع تھا۔ جب عمرو رضی اللہ عنہ معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر سے باہر نکلے تو فرمایا: اے معاذ! تم پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔ ہمارے علم کے مطابق تم مسلمانوں کے خیرخواہ اور ان کے بہترین آدمی تھے، جاہل کو ادب سکھلاتے تھے، نافرمان لوگوں پر سختی کرتے تھے اور اہل ایمان کے ساتھ انتہائی شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ [3]

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بعد فوج کی کمان عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آگئی۔ انھوں نے خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! یہ آفت انفشار خون سے پیدا ہوتی ہے، آگ کی طرح جسم میں بھڑکتی ہے، لہٰذا تم پہاڑوں کے پرفضا مقامات پر چلے جاؤ، پھر وہ وہاں سے نکلے اور دوسرے لوگ بھی نکل کھڑے ہوئے اور پہاڑوں میں پھیل گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو دور فرما دیا۔ [4]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا: آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی نازل ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ امابعد: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے ہیں اور مسلمانوں میں موت (کی وبا) پھیل گئی ہے۔ لوگوں نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کہ جنگل میں دور نکل جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ کسی کا مقیم رہنا اسے اس کی موت کے قریب نہیں کرتا اور ایسے ہی اگر کوئی موت سے بھاگنا چاہتا ہے تو اس کی کوئی تدبیر اسے موت سے نہیں بچا سکتی اور وہ تقدیر سے جان

[1] حلية الأولياء:1/228-244. [2] حلية الأولياء:1/228-244. [3] الاكتفاء:3/309. [4] البداية والنهاية:7/95.

نہیں چھڑا سکتا۔ والسلام علیکَ ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ①

جب یہ خط سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو موصول ہوا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر پا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت افسردہ اور دلگیر ہو گئے۔ کیونکہ حضرت معاذ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما دونوں کی اموات یکے بعد دیگرے واقع ہوئی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور تمام لوگ اس المناک خبر پر ہچکیاں لے کر روئے اور انتہائی غم زدہ ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ معاذ رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے، اللہ کی قسم! ان کی موت کی وجہ سے اس امت کی صفوں سے علم کا بہت بڑا خزانہ اُٹھ گیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ کے بہت سے بے لاگ اور صائب مشوروں سے ہم بہت مستفید ہوئے اور بڑی خیر و برکت پائی، معاذ نے ہمیں بڑا علم دیا اور بہت سی بھلائیوں کی طرف رہبری فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انھیں نیک لوگوں والی جزا عطا فرمائے۔ ②

تیسرے مشہور قائد جو طاعون عمواس میں فوت ہوئے، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ انھیں ''یزید الخیر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ ابوسفیان کی اولاد میں سب سے زیادہ معزز فرد تھے۔ ان کے علاوہ ایک اور عظیم سپہ سالار شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طاعون عمواس کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہوئے۔ ③

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دورۂ شام

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے بہت سے کمانڈر اور دلیر فوجیوں کی ہلاکت پر انتہائی غمزدہ تھے۔ انھیں امرائے شام کی طرف سے بہت سے خطوط موصول ہوئے۔ ان میں انھوں نے مرنے والوں کی میراث کی تقسیم کے علاوہ اور بہت سے مسائل کا حل دریافت کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور اہل شام کے لیے جو نت نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے، اُن کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ تبادلۂ خیالات کے بعد طے پایا کہ سیدنا

① مجموعة الوثائق السياسية، ص:490. ② الاكتفاء:310/3. ③ الكامل في التاريخ:172,171/2.

عمر رضی اللہ عنہ متاثرہ علاقوں کے دورے پر جائیں گے اور پہلے شام کا سفر کریں گے۔ اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا: اہل شام کی وراثت کا نظام بگڑ گیا ہے۔ میں پہلے شام کے علاقوں میں جاؤں گا، وراثتوں کو ورثاء میں تقسیم کروں گا، اس کے علاوہ بہت سے دیگر امور کی بھی اصلاح کروں گا۔ بعدازاں وہاں سے دوسرے شہروں میں جاؤں گا اور اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔ انھوں نے مدینہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا اور خود عازم سفر ہو گئے۔ ①

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شام پہنچے۔ اُنھوں نے صورتِ حال کا بنفسِ نفیس جائزہ لیا۔ تمام اموال کی تقسیم فرمائی، پھر گرمیوں اور سردیوں میں جہاد کے لیے جدا جدا فوجی دستوں کی تشکیل کی۔ شام کی سرحدوں اور حساس مقامات کو محفوظ بنایا۔ حسب صلاحیت مختلف لوگوں کو جُدا گانہ ذمہ داریاں سونپیں۔ اُنھوں نے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو تمام اضلاع کے ساحلی علاقوں کا نگران مقرر فرمایا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کا گورنر مقرر کیا۔ اسلامی افواج اور کمانڈروں کی تنظیم نو کی۔ عمومی طور پر تمام لوگوں کے مختلف اُمور کی جانچ پڑتال کی۔ طاعون میں جاں بحق ہونے والوں کی وراثت ان کے وارثوں میں تقسیم فرمائی۔ ②

نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اگر آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے لیے کہا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اذان سن کر ہر وہ شخص جس نے نبی علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا رویا حتی کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اور جنھوں نے حضور علیہ السلام کا زمانہ نہیں دیکھا تھا، صحابہ کو روتا دیکھ کر وہ بھی نبی علیہ السلام کی یاد میں رونے لگے۔ ③

---

① الفاروق عمر بن الخطاب لمحمد رشيد رضا، ص: 230. ② الخلفاء الراشدون للنجار، ص: 325، والفاروق عمر بن الخطاب لمحمد رشيد رضا، ص: 230. ③ الخلافة الراشدة، ص: 236.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ واپس آنے سے پہلے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا: خبردار! بلاشبہ مجھے تمھارا نگہبان اور والی بنایا گیا۔ میں نے اپنی اس ذمہ داری کو نبھایا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عائد فرمائی۔ ہم نے تم میں مالِ فے تقسیم کیا۔ تمھارے گھروں کی حفاظت کی۔ سفر کو محفوظ کیا جو کچھ ہمارے پاس تھا تمھیں پہنچایا۔ ہم نے تمھارے لشکر ترتیب دیے۔ تمھارے گھر بسائے۔ تمھیں فراخی ٔ راحت دی۔ تمھارے شام کے علاقوں کا بندوبست کیا۔ یہ علاقے تم پر تقسیم کیے۔ تمھارے روزینے مقرر کیے۔ تمھیں خوراک، عطیات اور مالِ غنیمت عطا کیا۔ علاوہ ازیں کسی کے پاس کوئی اور (مفید) تجویز ہو تو پیش کرے۔ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ہم اس پر عمل کریں گے۔[1]

یہ خطبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بلال کی اذان کے بعد اور نماز سے پہلے ارشاد فرمایا تھا۔

طاعون عمواس مسلمانوں پر آنے والی وہ آفت تھی جس کی زد میں آ کر بیس ہزار (20,000) سے زیادہ لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ یہ تعداد شام کی آبادی کا نصف تھی۔ ان دنوں مسلمان اس خدشے سے پریشان تھے کہ مبادا رومیوں کی طرف سے حملہ ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر رومی اس موقع کو بھانپ لیتے اور اسلامی شہروں پر چڑھ دوڑتے تو دفاع کرنا انتہائی دشوار ہو جاتا۔ لیکن اللہ نے کرم فرمایا۔ رومیوں کے دلوں میں ناامیدی نے قدم گاڑ دیے اور وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے سے باز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اسلامی حکومت کے زیر سایہ شہروں کے غیر مسلم باشندے مسلمانوں سے بڑے خوش اور مطمئن تھے۔ جب تک رومیوں کو ان لوگوں کا تعاون حاصل نہ ہوتا وہ حملہ آور نہیں ہو سکتے تھے، پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کا رعب ہر شخص کے دل میں بیٹھ گیا تھا، مزید برآں رومی جنگوں سے اکتا چکے تھے اور آرام و سکون کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔[2]

[1] البداية والنهاية: 79/7. [2] أشهر المشاهير: 361/2.

طاعون زدہ علاقے میں جانے کی ممانعت

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ وَ إِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَّ أَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِّنْهُ»

''اگر تم اس وبا کے بارے میں سنو کہ وہ کسی جگہ پھوٹ پڑی ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر یہ وبا تمھارے علاقے میں پھوٹ پڑے تو اس سے بھاگنے کی کوشش میں اپنے علاقے سے مت نکلو۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسی حالت میں کسی شہر میں داخل ہونے یا وہاں سے نکلنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض حضرات نے اس نہی کو ظاہر پر محمول کیا ہے اور بعض حضرات نے اس کی تاویل کی ہے اور انھوں نے طاعون زدہ علاقے سے نکلنا مباح سمجھا ہے۔ جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو طاعون زدہ سرزمین سے نکالنے کی کوشش کی تھی لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے نکلنے سے انکار کر دیا تھا، اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو نشیبی جگہ اور جوہڑوں اور تالابوں والے مقام سے کسی بلند اور صاف ستھری آب و ہوا والی جگہ پر منتقل کریں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کی تعمیل کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا مکتوب گرامی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت تحریر کرایا تھا جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ''سرغ'' نامی جگہ پر تھے۔ ان دونوں حضرات نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے وہ حدیث بھی سنی تھی جو انھوں نے طاعون والی سرزمین میں داخل ہونے یا وہاں سے نکلنے کی ممانعت کے بارے میں بیان کی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس مدینہ آ گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت طاعون کی وبا ابتدائی مراحل میں تھی۔ جب سیدنا

[1] صحيح البخاري، حديث: 5729، وصحيح مسلم، حديث: 2219.

عمر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو انھیں خبر ملی کہ طاعون کی وجہ سے بہت سی اموات واقع ہوگئی ہیں۔
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا طاعون والی سرزمین سے نکلنے کا جواز ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے معاصر تھے اور انھوں نے اس آفت کا مقابلہ بھی کیا تھا۔ ان میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ بہر حال طاعون کے علاقے سے نکلنے کے بارے میں اختلاف ہے، جبکہ دخول کے بارے میں ممانعت کے سب قائل ہیں۔
بعض علماء نے طاعون زدہ علاقے سے اس شرط پر نکلنا جائز قرار دیا ہے کہ نکلنے والے کا نظریہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے فرار ہونے کا نہ ہو اور نہ وہ یہ گمان کرے کہ متأثرہ علاقے سے نکل آنے کی وجہ سے وہ مرنے سے بچ جائے گا۔
کسی خاص ضرورت یا علاج کی غرض سے نکلنا بھی جائز ہوگا۔ وبا زدہ علاقے کو چھوڑنا اور عمدہ آب و ہوا والی جگہ چلے جانا مستحب اور مطلوب ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پیشکش سے انکار کیا، اس کے کئی اسباب تھے۔ جن میں صحت عامہ، معاشرتی، سیاسی احوال اور لیڈرشپ سے متعلقہ معاملات سرفہرست تھے جن کی رعایت کرنا اور لحاظ رکھنا ہمارے دین کا حکم ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ایک بلند ترین امانتدار قیادت کی زندہ مثال تھی۔ بلاشبہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس امت کے امین تھے۔ انھوں نے طاعون زدہ علاقے سے نہ نکلنے کی علت بیان فرماتے ہوئے کہا: بلاشبہ اس وقت میں مسلمانوں کی افواج کے ساتھ ہوں۔ میں انھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔
بعض علماء نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی اس تعلیل پر مفصل گفتگو فرمائی ہے، یعنی اگر لوگ وہاں سے مسلسل نکلنا شروع کر دیتے تو اس مرض کے مریض یا دوسرے معذور افراد اپنی خبر گیری، دیکھ بھال اور خیر خواہی سے محروم ہو جاتے کیونکہ ان کے زندہ سکنے یا فوت ہونے کے بعد ان کی کوئی خبر نہ لیتا اور اگر طاعون کی سرزمین سے بلاسبب نکلنا جائز ہوتا تو سب طاقتور حضرات وہاں سے بھاگ جاتے، اس طرح کمزور لوگوں کی بڑی دل شکنی ہوتی۔

جنگ کے وقت بھی بھاگنے سے اسی لیے منع کیا گیا ہے کہ اس سے استقامت اختیار کرنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور بے یارو مددگار ہونے کی بنا پر وہ دشمن سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس جگہ طاعون پھوٹ پڑے وہاں جو شخص وبا میں مبتلا ہو اس کا نکلنا تو بے سود ہی نہیں مضر بھی ہے کیونکہ اس طرح اس کا مرض دیگر تندرست افراد میں بھی منتقل ہو سکتا ہے، البتہ جو اس مرض میں مبتلا نہ ہوا ہو، اسے علاج کی غرض سے اس شرط پر نکلنا جائز ہے کہ یکبارگی سب کے سب وہاں سے نہ نکل آئیں بلکہ کچھ ایسے لوگ بھی وہاں باقی رہیں جو مریضوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ [1]

[1] أبو عبيدة عامر بن الجراح لمحمد شرّاب، ص:232-237.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

کے دورِ خلافت میں محکمۂ مالیات کا قیام
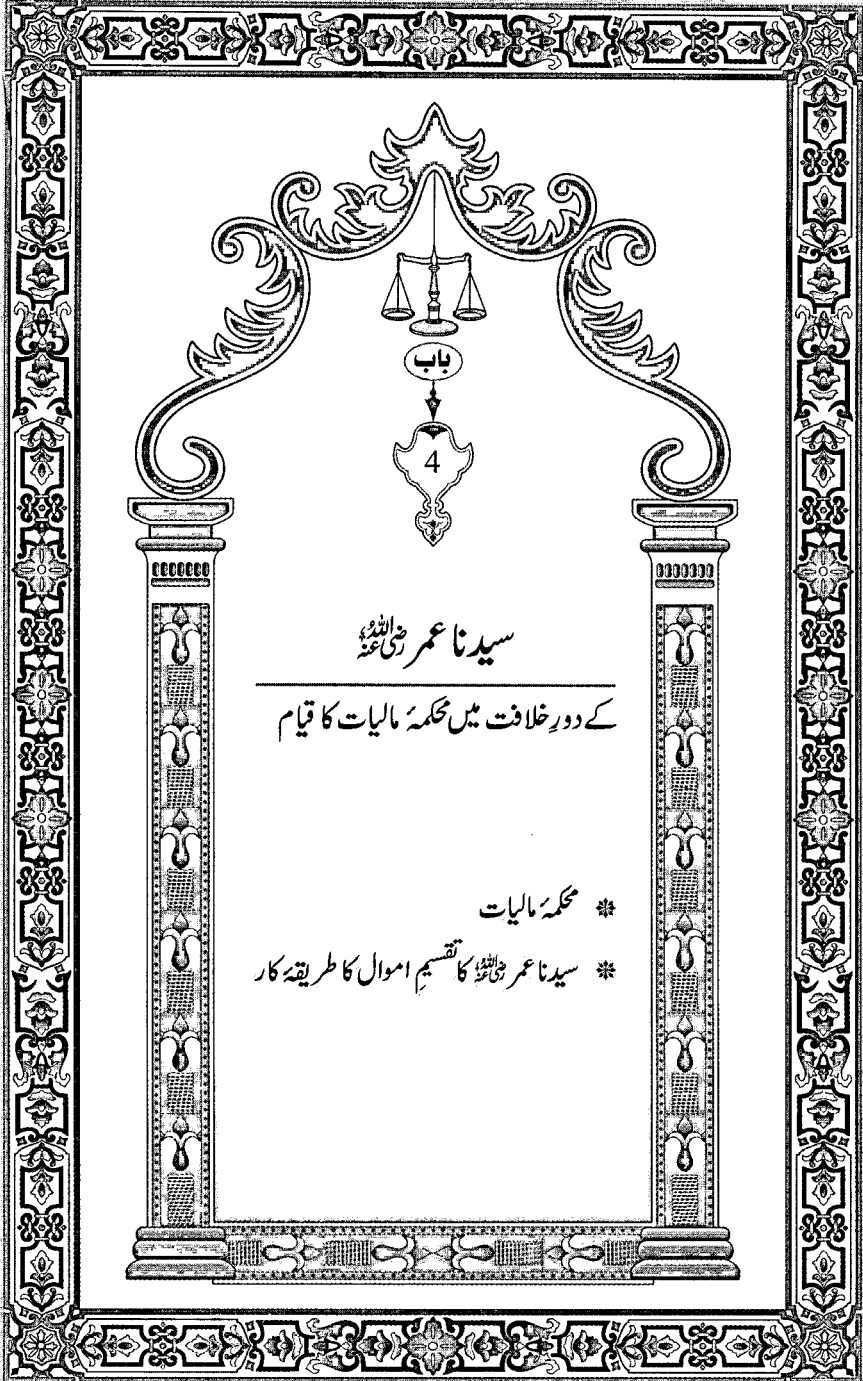
* محکمۂ مالیات
* سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تقسیمِ اموال کا طریقۂ کار

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آمدنی کے ذرائع

خلافت راشدہ کے عہد زریں میں مسلمان مال کی تمام انواع و اشکال کو اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ سارا مال اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، انسان اسے نیابتًا استعمال کرتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ شروط کے مطابق ہی مال خرچ کرنا چاہیے۔ قرآن کریم ہر مالی معاملے میں اسی حقیقت کی تائید کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ﴾

''اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس (مال) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمھیں جانشین بنایا ہے۔''[1]

مزید فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! ہم نے تمھیں جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرو۔''[2]

---

[1] الحدید 7:57. [2] البقرۃ 254:2.

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ اس نیکی کے بارے میں فرماتے ہیں جو سب بھلائیوں کی اساس ہے:

﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ﴾

''اور مال سے محبت کے باوجود اسے رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور گردنیں چھڑانے کے لیے خرچ کرے۔''[1]

اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا درحقیقت اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ مال جو اس کے ہاتھ میں ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝﴾

''اور آسمان ہی میں تمھارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔''[2]

بندے کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے، اس لیے بندے کے اس اعتراف سے کہ یہ سب مال اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، ساری مخلوق سے نیکی کے جذبات ابھرتے ہیں۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اموالِ ریاست کو اسی ایمانی جذبے سے دیکھا۔ آمدنی کے وسائل وسیع ہو چکے تھے۔ اسلامی ریاست نے بہت سے دیگر علاقوں کو زیرنگیں کر لیا تھا۔ بہت سی اقوام اُن کی عملداری میں آ گئی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام اقوام سے اسلامی ریاست کے تعلقات مستحکم فرمائے۔ ان میں سے کچھ اقوام صلح کے ذریعے سے اور کچھ جہاد کے نتیجے میں اسلامی ریاست کی عملداری میں داخل ہوئی تھیں۔ ان فتوحات کی وجہ سے وہ تمام زمینیں جو صلح صفائی کے ساتھ یا فتح یابیوں کے ذریعے سے زیرنگیں ہوئیں، وہ مسلمانوں

---

[1] البقرة 2:177. [2] الذّٰريٰت 51:22. [3] دراسات في الحضارة الإسلامية لأحمد إبراهيم الشريف، ص:253.

کے قبضے میں آ گئیں، مزید برآں وہ زمینیں بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئیں جن کے رہائشی وہاں سے بھاگ گئے تھے یا جن کے مالک مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس علاقے کے حکمران تھے۔ ان مفتوحہ علاقوں کے اکثر مکین یہودی اور عیسائی اہل کتاب تھے جن سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کے احکام کے مطابق حسن سلوک کا برتاؤ کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں، چاہے آمدنی ہو یا خرچ، لوگوں کے حقوق کی بات ہو یا اس سلسلہ میں کسی سرکاری بندوبست کا معاملہ، مالیات کا شعبہ نہایت منظّم بنا دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ریاست کی آمدنی کے ذرائع انتہائی وسیع ہو گئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی تنظیم اور ترقی میں بہت مصروف رہے۔ انھوں نے بہت سے ماہر لوگ بھی اسی کام پر متعین فرما رکھے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مالی آمدنی کے ذرائع زکاۃ، غنائم، مال فے، جزیہ، خراج اور تجارتی ٹیکس تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آمدنی کے یہ تمام ذرائع منظّم کیے اور امت کی بہتری کے لیے اس نظام میں ایسے قوانین مرتب کیے جو شریعت کے بنیادی مقاصد سے ہم آہنگ تھے۔ کیونکہ اس وقت ایسے نت نئے حالات سامنے آ رہے تھے جو ان سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں موجود نہیں تھے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کتاب و سنت کے نفاذ کے لیے انتہائی مؤثر اور متحرک شخصیت کے مالک تھے۔ وہ مسلمانوں کے معاملات کو کبھی پس پشت نہیں ڈالتے تھے۔ اپنے آپ کو کسی معاملے میں ترجیح نہیں دیتے تھے۔ ہر معاملے میں مشورہ کرتے تھے۔ اپنی رائے نہیں ٹھونستے تھے۔ جیسے ہی کوئی نیا معاملہ پیش آتا، وہ سب سے مشورہ کرتے تھے اور پھر متفقہ رائے پر عمل کرتے۔ [2]

---

[1] دراسات في الحضارة الإسلامية لأحمد إبراهيم الشريف، ص: 254. [2] مبادئ النظام الاقتصادي الإسلامي للدكتور سعاد إبراهيم صالح، ص: 213.

یہاں ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آمدنی کے ذرائع کا جائزہ لیتے ہیں۔

زکاۃ

زکاۃ اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ اس کا تعلق پورے معاشرے سے ہے۔ یہ آسمان سے نازل ہونے والا پہلا اسلامی حکم ہے۔ مالدار مسلمانوں کے اموال کھیتی، پھل، سونا، چاندی، سامان تجارت اور مویشیوں میں سے معروف نصاب کے مطابق مال لیا جاتا ہے اور انھی کے فقراء میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کے درمیان ہمدردی اور اجتماعی تعاون کی فضا پیدا ہو اور مالدار اور فقراء دونوں طبقوں کے درمیان الفت و محبت کے جذبے فروغ پائیں۔

زکاۃ کا تعلق مال سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مال انسانی زندگی میں اعصاب کی حیثیت رکھتا ہے، بعض لوگ مال کی وجہ سے خوش بخت اور بعض بدبخت بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں یہی قانون ہے اور اللہ کے طریقے میں آپ تبدیلی نہیں دیکھیں گے۔ لوگوں کی زندگی میں مال کی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے اسے انتہائی اہمیت دی اور زکاۃ کا ایسا مؤثر اور شفقت بھرا نظام قائم کیا ہے جس سے لوگوں کے دلوں میں باہمی الفت پیدا ہو جاتی ہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلے۔ انھوں نے زکاۃ کے لیے علیحدہ ادارہ قائم فرمایا۔ اس کی تنظیم نو کی، زکاۃ کی وصولی کے لیے عمال مقرر فرمائے اور انھیں ان نئے علاقوں کی طرف بھیجا جو اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے تھے۔ خلافتِ راشدہ کی یہ خوبی بہت نمایاں ہے کہ اس مبارک زمانے میں کسی کی حق تلفی نہیں کی گئی۔ بیت المال میں نہایت دیانتداری سے اموال جمع کیے گئے اور انتہائی عدل سے کام لیا گیا۔

[1] سياسة المال في الإسلام في عهد عمر بن الخطاب للدكتور عبدالله جمعان السعدي، ص: 8.

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے عامل کو دیکھا کہ وہ زکاۃ کے مال میں ایک ایسی بکری بھی لایا تھا جو بڑے تھنوں اور زیادہ دودھ دینے والی تھی۔ آپ نے فرمایا: اس بکری والوں نے یہ بکری خوش ہو کر نہیں دی ہو گی، تم لوگوں کو فتنے میں مت ڈالو۔ [1]

اہل شام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمارے پاس بہت سے اموال گھوڑوں اور غلاموں کی شکل میں موجود ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے زکاۃ وصول کی جائے تاکہ یہ عمل ہمارے لیے پاکیزگی کا باعث بنے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو عمل مجھ سے پہلے میرے دونوں ساتھیوں نے کیا میں بھی وہی کروں گا، پھر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں سے مشورہ طلب کیا۔ ان میں علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بہتر ہے بشرطیکہ یہ کوئی ایسا مقرر شدہ جزیہ نہ ہو جو آپ کے بعد بھی لیا جائے۔ [2]

دکتور اکرم ضیاء عمری فرماتے ہیں: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ غلاموں اور گھوڑوں پر زکاۃ فرض کی جائے کیونکہ اب مسلمانوں کے پاس غلام اور گھوڑے بکثرت موجود ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑوں اور غلاموں کو تجارتی اموال میں شمار فرمایا اور غلاموں پر، چاہے وہ بچے ہوں یا بڑے، ایک دینار، یعنی 10 درہم بطور زکاۃ مقرر فرمائے۔ عربی گھوڑے پر 10 جبکہ غیر عربی گھوڑے پر 5 درہم زکاۃ مقرر فرمائی۔ ہاں، انھوں نے خدمت کرنے والے غلاموں اور جہاد والے گھوڑوں پر زکاۃ متعین نہیں فرمائی تھی کیونکہ یہ دونوں تجارتی اموال میں سے نہ تھے بلکہ جو ان دونوں کی زکاۃ دیتا تھا اسے اس کے عوض دو بورے گندم ہر دو ماہ بعد دی جاتی تھی۔ ان بوروں میں تقریباً دوسونو (209) کلو گندم ہوتی تھی اور یہ گندم زکاۃ سے قیمت میں زیادہ تھی۔ ایسا اس لیے تھا کہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے:

---

[1] الموطأ للإمام مالك: 256/1، وعصر الخلافة الراشدة، ص: 194. [2] الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 14/1، حديث: 82، اس روایت کی سند صحیح ہے۔

«لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَلَا فِي عَبْدِهِ صَدَقَةٌ»

''مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام کی زکاۃ نہیں ہے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدفون مال ملنے کی صورت میں اس سے خمس وصول فرماتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو سرمایہ کاری کی ترغیب دیتے تھے، مبادا اس طرح مسلسل سالہا سال گزرنے کے بعد لوگوں کے اموال ختم ہو جائیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک یتیم کا مال تھا۔ یہ انھوں نے حکم بن عاص ثقفی کو دے رکھا تھا تاکہ وہ اس مال کو تجارت میں لگائے اور اسے زکاۃ ختم نہ کر دے۔[2] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تجارت کا وقت نہ تھا۔ وہ امور خلافت میں مصروف رہتے تھے۔[3] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یتیم کے اس مال کا نفع دیکھا کہ وہ 10 ہزار درہم سے لے کر ایک لاکھ درہم تک جا پہنچا۔ ان کو تجارتی طریقے میں شک گزرا۔ معلوم ہوا کہ تاجر یتیم کے ساتھ صلۂ رحمی کی آڑ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قریب ہونا چاہتا تھا۔ انھوں نے سارا منافع رد کر دیا۔ صرف اصل راس المال لے لیا کیونکہ وہ ایسے نفع کو خبیث تصور فرماتے تھے۔[4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام نائبین پر یہ قانون لاگو کر دیا کہ کسی بھی سرکاری منصب سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔ اس لیے جب وہ دیکھتے کہ تجارت کے ذریعے سے ان کے عمال کی جائیداد بڑھ رہی ہے تو وہ ساری جائیداد تقسیم فرما دیتے تھے۔[5] اس بارے میں مزید تفصیلات اس وقت پیش کی جائیں گی، جب عمال کے بارے میں تفصیلی بحث ہو گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان زمینوں سے زکاۃ کی مد میں عشر وصول فرماتے تھے جو بارشوں اور نہروں کے پانی سے سیراب ہوتی تھیں۔ اور جن کھیتوں کو رہٹ کے ذریعے سے سینچا جاتا

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 628، (صحيح) امام ترمذی فرماتے ہیں: اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ [2] عصر الخلافة الراشدة، ص: 195,194. [3] عصر الخلافة الراشدة، ص: 195، والأموال لابن زنجويه: 990/3، اس کی سند صحیح ہے۔ [4] الأموال لأبي عبيد، ص: 455 نقلا عن عصر الخلافة الراشدة، ص: 195. یہ اثر صحیح ہے۔ [5] عصر الخلافة الراشدة، ص: 195.

تھا، ان کھیتوں سے بیسواں حصہ وصول کرتے۔ یہی سنت ہے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ باغ والوں کے ساتھ ان کی کھجوروں کا تخمینہ لگانے میں نرمی کی تلقین فرماتے تھے۔ ②

جب شہد سے خاطر خواہ منافع بخش کام شروع ہو گیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی عشر وصول فرمایا۔ ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں گندم کی پیداوار کثرت سے ہونے لگی۔ انھوں نے صدقۂ فطر گندم سے ادا کرنے کی اجازت دے دی۔ گندم کا وزن ان سے قبل ادا کیے جانے والے جو، کھجور اور منقیٰ کے وزن سے نصف ہوتا تھا۔ ④

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس طریقۂ کار میں لوگوں کے لیے آسانی تھی کیونکہ اگرچہ جنس مختلف ہو گئی تھی مگر زکاۃ کی مد میں عمدہ مال قبول کیا گیا۔ ⑤

زکاۃ کا نصاب ہر سال مقرر کرنے کے حوالے سے جو بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے وہ ثابت نہیں ہے۔ محض چند اشارے ملتے ہیں جو مبہم اور ناکافی ہیں۔ ان میں کسی فیصلہ کن مقدار کا تذکرہ نہیں ملتا۔

یہ بھی منقول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ربذہ کی زمین زکاۃ کے اونٹوں کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ وہ وہاں اللہ کے راستے میں بھیجنے کے لیے سواریاں تیار فرماتے تھے۔ منقول ہے کہ اس طریقے سے وہ تقریباً 40 ہزار سواریاں تیار فرماتے تھے۔ ⑥

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مالیاتی نظام کی نگرانی کرنے والوں کے نام یہ بتائے گئے ہیں: انس بن مالک اور سعید بن ابی ذباب قبیلہ سراۃ پر، حارث بن مضرب عبدی، عبداللہ بن

① المصنف لعبدالرزاق: 134/4، (صحیح) وعصر الخلافة الراشدة، ص: 195. ② عصر الخلافة الراشدة، ص: 195. (صحيح) ③ عصر الخلافة الراشدة، ص: 195. (صحيح) ④ عصر الخلافة الراشدة، ص: 196. (صحيح) ⑤ فتح الباري: 313/3، نقلا عن عصر الخلافة الراشدة، ص: 196. ⑥ الحياة الاقتصادية في العصور الإسلامية الأولى للدكتور محمد بطاينة، ص: 104.

ساعدی، سہل بن حثمہ، مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم بنو کلاب پر، سعد الاعرج یمن پر اور سفیان بن عبداللہ ثقفی طائف میں نگران مقرر تھے جو زکاۃ وصول کیا کرتے تھے۔ [1]

جزیہ

جزیہ اس ٹیکس کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کی ذمہ داری میں آئے ہوئے اہل کتاب اور دیگر کفار پر لاگو ہوتا ہے۔ [2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جزیہ اس خراج کو کہا جاتا ہے جو کفار کو ذلیل اور حقیر کرنے کے لیے اُن پر لاگو کیا جائے۔ [3]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝﴾

”ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں ٹھہراتے جسے اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے، اور دین حق کو قبول نہیں کرتے، وہ جو اہل کتاب میں سے ہیں، (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ ذلیل ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔“ [4]

جزیہ اہل کتاب اور شبیہ اہل کتاب، یعنی اہل مجوس سے لیا جاتا ہے اور اس پر اجماع ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابتدا میں مجوسیوں کے بارے میں متذبذب تھے کہ ان سے جزیہ لیا

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 197,196. [2] السياسة الشرعية لابن تيمية، ص: 114,113، والمعاهدات في الشريعة للدكتور الديك، ص: 313. [3] أهل الذمة في الحضارة الإسلامية لحسن المِمِّي، ص: 39. [4] التوبة 29:9.

جائے یا نہ لیا جائے۔ ان کی یہ پریشانی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دُور کر دی۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے روبرُو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک بیان کیا اور بتایا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول فرمایا تھا۔ [1]

مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ریاض الجنہ میں تشریف فرما تھے۔ اس موقع پر انھوں نے فرمایا: میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ مجوس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے؟ یہ لوگ اہل کتاب نہیں ہیں۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: «سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ» ''ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کرو۔'' [2]

ایک اور حدیث میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجوس سے جزیہ نہیں لینا چاہتے تھے۔ انھیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَخَذَهَا مِنْ مَّجُوسِ هَجَرَ» ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول فرمایا تھا۔'' [3]

علمائے کرام نے مجوسیوں سے جزیہ وصول کرنے کی تعلیل میں بیان کیا ہے کہ وہ بھی دراصل اہل کتاب ہی تھے۔ بعدازاں وہ آگ کے پجاری بن گئے۔ اس وقت سوادِ عراق والوں سے بھی جزیہ لیا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے علاوہ ایران کے مجوسیوں سے بھی جزیہ وصول فرمایا اور جزء بن معاویہ کو لکھا کہ تمھارے علاقے میں جو مجوسی ہیں اُن سے جزیہ وصول کرو۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی ہے: «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَخَذَهَا مِنْ مَّجُوسِ هَجَرَ» ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول فرمایا تھا۔'' [4]

جزیہ آزاد و عاقل مرد پر واجب ہوتا ہے۔ عورت، بچے، دیوانے اور غلام پر جزیہ لاگو نہیں ہوتا کیونکہ یہ سب کسی کی اولاد یا کسی اور کے تابع ہیں۔ اس طرح جزیہ ایسے مسکین یا

[1] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص :235. [2] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص :235، نقلا عن مصنف ابن أبي شيبة :141/1. [3] صحيح البخاري، حديث:3157,3156. [4] صحيح البخاري، حديث:3157.

اپاہج لوگوں سے بھی وصول نہیں کیا جا سکتا جنھیں صدقہ دیا جاتا ہو لیکن اگر اپاہج یا کوڑھی نابینا اور گرجاؤں کے گوشہ نشین آسودہ حال ہوں تو ان سے بھی جزیہ لیا جائے گا۔ اگر وہ مساکین ہیں تو پھر اہل ثروت ان پر صدقہ کریں گے اور ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ ①

موت واقع ہونے سے جزیہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ جزیہ افراد پر لاگو ہوتا ہے۔ جب موت سے فرد ہی ختم ہو جائے گا تو جزیہ خود بخود ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اسلام قبول کرنے سے بھی جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ أهل ألیس کے دو آدمی مسلمان ہو گئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا جزیہ ساقط کر دیا تھا۔ ②

اسی طرح نہرین کا ایک کسان ''رفیل'' مسلمان ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جزیہ معاف فرما دیا۔ اور اس کے لیے سالانہ 2 ہزار درہم والے لوگوں میں ان کا وظیفہ مقرر فرما دیا۔ ③

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جس سال کوئی فرد مسلمان ہو جائے، اس سال اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، چاہے وہ سال کے شروع میں اسلام لایا ہو یا درمیان میں یا آخر میں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر جزیہ وصول کرنے والا عامل کسی سے جزیہ لے لے اور بعد میں وہ شخص مسلمان ہو جائے تو اس سے لیا ہوا جزیہ اسے واپس کر دیا جائے۔ ④

مزید برآں کسی کے فقیر ہو جانے پر بھی جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ جب کوئی ذمی مالدار ہونے کے بعد فقیر ہو گیا اور ادائے جزیہ پر قادر نہ رہا تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نابینا یہودی کا جزیہ معاف کر دیا تھا جسے انھوں نے لوگوں سے بھیک مانگتے دیکھا تھا۔ ⑤ اور پھر بیت المال سے اس کے گزارے کے مطابق روزینہ مقرر فرما دیا تھا۔

جزیہ اس وقت بھی ساقط ہو جاتا ہے جب اسلامی مملکت ذمیوں کی حفاظت پر قادر نہ

① أهل الذمة في الحضارة الإسلامية، ص: 42. ② موسوعة فقه عمر، ص: 238. ③ موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 238، نقلا عن المحلیٰ: 345/7. ④ موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 239. ⑤ موسوعة فقه عمر، ص: 239.

رہے۔ کیونکہ جزیہ ان غیر مسلم لوگوں پر عائد ٹیکس کا نام ہے جو اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکس مملکت میں عمومی خدمات سے انتفاع، اسلامی مملکت کی طرف سے تحفظ کے حصول اور مملکت اور اہل مملکت کے دفاع میں عدم شرکت کی بنا پر واجب الادا ہوتا ہے۔[1]

جزیہ دراصل غیر مسلم ذمیوں کے تحفظ و دفاع کے عوض وصول کیا جاتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان ہے جو انھوں نے رومیوں کے شمالی اسلامی شہروں میں جمع ہونے والے لشکروں کے تمام چھوٹے بڑے افسروں کو لکھا۔ انھوں نے ان مسلمان فوجی افسروں کو ان لوگوں پر مقرر فرما کر پیش قدمی کی تھی جن سے انھوں نے مصالحت کر لی تھی۔ انھوں نے اپنے فرمان میں لکھا کہ ہم نے جن لوگوں سے مصالحت کی تھی ان لوگوں سے لیے گئے جزیے اور خراج کی رقم واپس کر دی جائے۔ انھوں نے مزید لکھا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ یہ اموال ہم نے اس لیے واپس کیے ہیں کہ رُومیوں کی فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ بلاشبہ تمھارے اور ہمارے مابین طے پایا تھا کہ ہم تمھاری حفاظت کریں گے لیکن اب حالات ایسے ہیں کہ ہم تمھارے دفاع پر قادر نہیں، لہٰذا ہم نے جو کچھ تم سے لیا ہے وہ واپس کیا جاتا ہے۔ ہم اپنے عہد پر کاربند ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال رہی تو ہم (وقت آنے پر) اپنی شرائط کے مطابق تم سے جزیہ لیں گے .... جب ان لوگوں کو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا پیغام سنایا گیا تو انھوں نے بے ساختہ کہا: اللہ تمھاری مدد فرمائے۔ تمھیں رومیوں پر فتح نصیب فرمائے اور جلد وہ وقت آئے کہ تم دوبارہ ہم سے جزیہ حاصل کرو اگر تمھاری جگہ ہمارے سابق حکمران رُومی ہوتے تو ہمارے اموال کبھی واپس نہ کرتے۔ انھوں نے تو ہماری ہر چیز چھین لی اور ہمارے لیے کچھ باقی نہ چھوڑا۔[2]

[1] المعاهدات في الشريعة الإسلامية للدكتور الديك، ص: 314. [2] فتوح البلدان، ص: 143، والموارد المالية للدكتور يوسف عبدالمقصود، ص: 228.

جزیہ اس وقت بھی ساقط ہو جائے گا جب جزیہ دینے والے اسلامی حکومت کے حکم سے اپنے دفاع کا بوجھ خود اٹھا لیں جیسا کہ سراقہ بن عمرو نے اہل طبرستان سے معاملہ کیا تھا۔ انھوں نے یہ اقدام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مشورے کے بعد کیا تھا۔ [1]

جزیہ کی قیمت اور مال کے بارے میں کوئی متعین مقدار نہیں ہے۔ جزیہ ہر علاقے کی مناسبت سے لوگوں کی وسعت و استطاعت سے تعلق رکھتا ہے اور اس ملک کے حالات کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی سرزمین میں سواد والوں پر 48 درہم یا 20 درہم سالانہ ہر ایک کی وسعت کے مطابق مقرر فرمائے تھے اور یہ سہولت بھی دی تھی کہ اگر درہموں کے عوض وہ دوسرے اموال چوپائے یا کوئی اور قیمتی چیز ادا کرنا چاہیں تو وہ بھی قبول کی جاسکتی ہے۔ [2]

اہل شام پر انھوں نے فی کس کے حساب سے 4 دینار لاگو کیے اور مسلمانوں کے ہر فرد کے لیے گندم کے 2 مد اور تین قُسط (معلوم مقدار) تیل کی ادائیگی طے فرمائی۔ چاندی والوں پر چالیس (40) درہم عائد کیے۔ مزید برآں ہر فرد کے لیے پندرہ (15) صاع گندم ادا کرنا لازم ٹھہرایا۔ مصر میں ہر بالغ مرد پر 2 دینار جزیہ مقرر فرمایا اور یہ وضاحت بھی کر دی کہ اگر کوئی ذمی فقیر اور تنگدست ہوگا تو اس سے جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔ [3]

اہل یمن تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانۂ مبارک میں اسلام کے سامنے سرنگوں ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے ہر آدمی پر ایک دینار یا اس کے برابر کوئی اور سامان جزیہ مقرر کیا گیا۔ چند ضعیف روایات کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اہل یمن پر یہی جزیہ برقرار رکھا، حالانکہ یہ بہت کم تھا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم نامے میں کوئی تبدیلی گوارا نہیں فرمائی۔ یوں بھی وہ عوام پر بے حد شفیق تھے۔ انھیں کسی تنگی میں

[1] تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل المصري، ص: 327. [2] دور الحجاز في الحياة السياسية، ص: 230. [3] دور الحجاز في الحياة السياسية، ص: 230.

ڈالنا ہرگز گوارا نہیں کرتے تھے۔ ①

جزیے کی رقم میں لوگوں کی استطاعت کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ مزید برآں جزیہ علاقائی صورتِ حال کی مناسبت سے طے کیا جاتا تھا۔ اہل ذمہ کی مالی حالت پر اجتہاد کیا جاتا تھا۔ کسی پر کوئی تنگی یا زبردستی نہیں کی جاتی تھی۔ ②

عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ وصول کرنے والوں کو جزیے کی وصولی میں نرمی برتنے کی تاکید کر رکھی تھی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سا مال لایا گیا تو انھوں نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ تم نے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے تو عاملین نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے تو صرف مقرر شدہ جزیہ بھی درگزری سے کام لیتے ہوئے وصول کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم نے یہ مال بزور یا لوگوں پر بوجھ ڈالے بغیر وصول کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: جی ہاں، اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَجْعَلْ ذٰلِكَ عَلٰى يَدَيَّ وَلَا فِي سُلْطَانِي» ''اللہ کا شکر ہے جس نے نہ میرے ہاتھ سے اور نہ میرے دور خلافت میں کوئی ظلم ہونے دیا۔'' ③

جزیے کا شعبہ اسلامی مملکت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ تھا۔ اور جزیہ وصول کرنے والے مشہور افسروں میں عثمان بن حنیف اور سعید بن حذیم اور شہروں کے حکام عمرو بن عاص اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل تھے۔ جزیے کے بارے میں بہت سے احکام وقوانین ہیں جنھیں اس فن کے خاص لوگوں اور فقہاء نے کتاب وسنت اور خلفائے راشدین کے تعامل سے اخذ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل ذمہ کی طرف سے اسلامی مملکت کو جزیہ ادا کرنا مملکت سے ان کے اخلاص کا ثبوت تھا۔ اس عمل سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ سیاسی نظم ونسق کے لحاظ سے بھی وہ کتنا مستحکم اور شاندار دور تھا جس میں

① عصر الخلافة الراشدة، ص: 173. ② دور الحجاز في الحياة السياسية، ص: 231، وعصر الخلافة الراشدة، ص: 167. ③ موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص: 243.

ذمی لوگ بھی ملکی احکام اور قوانین کی خوش دلی سے پابندی کرتے تھے۔ سب سے بڑھ کر مبارک اور سبق آموز بات یہ ہے کہ ذمیوں اور اسلامی حکومت کے مابین کس قدر اعتماد و اعتبار تھا اور مسلمان حکمران غیر مسلم اقلیتوں سے اپنا عہد کتنی نرمی، نوازش اور کس قدر التزام سے پورا کرتے تھے۔ استاد حسن مُمّی کے مطابق جزیے کے مقاصد مالی سے زیادہ سیاسی تھے۔ حقیقت میں اس شعبے نے طرفین کو ملا دیا اور یہ شعبہ اسلامی حکومت کے مالی شعبے کا بہت بڑا ذریعۂ آمدن تھا۔ [1]

عیسائیوں کے قبیلے بنو تغلب سے دہرے جزیے کی وصولی: جزیرۂ عرب کے بعض عیسائیوں نے جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ادائے جزیہ میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے موقف کی وضاحت کے لیے عیسائی نمائندوں اور ان کے علماء کا وفد امیر المومنین کی خدمت میں بھیجا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: جزیہ ادا کرو۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ ہمیں ہمارے گھروں میں واپس بھیج دیجیے۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے ہم سے زبردستی جزیہ وصول کرنے کی کوشش کی تو ہم رومیوں کی سرزمین میں چلے جائیں گے۔ اللہ کی قسم! آپ تو ہمیں سارے عرب میں رُسوا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اپنے آپ کو خود رسوا کیا ہے۔ تم اپنے دیگر عرب بھائیوں کے مخالف چلے ہو۔ تم جزیرۂ عرب سے دور رہنے والے ہو اور خود ہی خوار ہوئے ہو۔ اللہ کی قسم! تمھیں اسی طرح ذلت اور حقارت کی حالت میں جزیہ دینا پڑے گا اور اگر تم رومیوں کی طرف بھاگو گے تو میں تمھارے بارے میں خصوصی حکمنامہ جاری کروں گا اور تمھیں قید کروں گا۔ یہ سن کر تغلبی عیسائیوں نے گزارش کی کہ آپ ہم سے جو چاہیں لے لیں لیکن اسے جزیہ کا نام نہ دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اسے جزیہ ہی کہیں گے۔ تم اسے جو چاہو کہہ لو۔ اس

[1] أهل الذمة في الحضارة الإسلامية، ص:43.

موقع پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے امیر المومنین! کیا سعد بن مالک نے لوگوں پر زکاۃ دوگنا نہیں کی تھی؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول فرما لیا اور ان لوگوں پر دوگنا جزیہ عائد کر دیا، بعدازاں سب عیسائی واپس چلے گئے۔ [1]

اس قصے سے ہم ان متکبر دشمنوں کے بارے میں سبق حاصل کر سکتے ہیں جو مسلمانوں سے تکبر اور رعونت کے لہجے میں مخاطب ہوتے ہیں اور اہلِ کُفر کی پناہ میں چلے جانے کی دھمکی دیتے ہیں۔ ہم اس قصے میں دیکھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بڑی سختی سے بات کی۔ انھیں نہایت حقارت سے دیکھا اور دھمکی دی کہ اگر وہ کفار کی پناہ میں جائیں گے تو انھیں گرفتار کرا دیا جائے گا اور حربیوں جیسا سلوک کرتے ہوئے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے گا۔ یہ طریقہ ان کے لیے جزیے سے بھی زیادہ سخت تھا، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دوٹوک جواب سے ان کے دلوں میں موجود تکبر اور خود پسندی یکسر کافور ہوگئی۔ انھوں نے فوراً عاجزانہ انداز میں گزارش کی کہ ہم سے جزیہ بے شک لے لیا جائے لیکن اسے جزیہ کا نام نہ دیا جائے، پھر وہ واپس چلے گئے۔

اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا غایت درجہ احترام کرتے تھے کیونکہ وہ دین کی بڑی اعلیٰ سوجھ بوجھ رکھنے والے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرح ان جیسے لوگوں پر ڈبل زکاۃ لاگو کر دی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول فرما لیا۔ اس کا مقصد ان سے نرمی کرنا اور انھیں اہل کفر کے ہاں جا کر پناہ لینے سے روکنا تھا۔ یہ رائے اتنی وقیع اور حسب موقع تھی کہ اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ رائے قائم کرنے

---

[1] تاریخ الطبري: 30/5، اس روایت کو ڈکتور عمری نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے: عصر الخلافة الراشدة، ص: 167.

سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے دلوں میں موجود غرور اور اکڑفوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اگر انھیں سرزنش کرنے سے پہلے ہی ان کی رائے قبول فرما لیتے تو عین ممکن تھا کہ وہ دوبارہ متکبر ہو جاتے اور نقض عہد کے بعد مسلمانوں سے برے سلوک پر اتر آتے۔ [1]

ایک روایت کے مطابق بنو تغلب کو اسلام کی دعوت پیش کی گئی۔ انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر جزیہ ادا کرنے کا کہا گیا تو انھوں نے یہ بات بھی منظور نہیں کی بلکہ وہ رومی سرزمین کی طرف بھاگنے لگے۔ نعمان بن زرعہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! بنو تغلب عرب قوم ہیں وہ جزیہ ادا کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں، ان کے پاس اموال نہیں ہیں، ان کے پاس زمینیں اور مویشی ہیں اور ان کا دشمن پر بھی رعب ہے، لہٰذا آپ ان کی طرف سے اپنے کسی دشمن کی مدد کا موقع پیدا نہ ہونے دیں، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے ڈبل صدقہ ادا کرنے پر مصالحت فرما لی۔ [2]

تاہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ جزیہ ہی ہے لیکن تم اس کا نام جو چاہو رکھ لو۔ [3] بنوتغلب نے کہا کہ اگر یہ عجمیوں کی طرح جزیہ نہیں ہے تو ہم مطمئن ہیں، اس سے ہمارے دین کو تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ [4]

بنوتغلب سے زکاۃ وصول کرنے کا راز کیا تھا؟ کیا اسے زکاۃ کہا جائے گا یا جزیہ؟ یہ اختلاف محض لفظی تھا اس لیے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی اور اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے محض مصلحت کی خاطر قبول فرما لیا۔ مزید برآں یہ خدشہ بھی تھا کہ وہ کسی

[1] التاريخ الإسلامي: 142,141/11. [2] الأموال: 37/1، نقلا عن سياسة المال في الإسلام لعبدالله جمعان، ص: 72. جزیے پر ''زکاۃ'' کے اطلاق کی وضاحت عنقریب آ رہی ہے۔ [3] فتح القدير: 514/1، وسياسة المال في الإسلام، ص: 72. [4] فتوح البلدان، ص: 186، وسياسة المال في الإسلام، ص: 72. استاد عبداللہ جمعان کی کتاب سياسة المال في عهد عمر بن الخطاب ادارہ مالیہ کے بارے میں عمدہ کتاب متصور ہوتی ہے جس کی میں نے تلخیص کی ہے اور اس میں کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔

وقت بھی رُومیوں سے ساز باز کر سکتے تھے۔ اِدھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ امید بھی تھی کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے لیے معاون ثابت ہو سکتے تھے۔ یہ لوگ خالص عرب تھے مگر جزیہ ادا کرنے میں شرم محسوس کرتے تھے، لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی عزتِ نفس کی حفاظت کے لیے ایک وجۂ جواز پیدا کر دی۔ اس حکمت عملی کا ایک راز یہ بھی تھا کہ بیت المال میں ان کے اموال سے اضافہ ہو جانا اس سے بہت بہتر تھا کہ یہ لوگ رومیوں کے پاس بھاگ جاتے، چنانچہ ان لوگوں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معاہدہ مسلمانوں کے لیے مفید ثابت ہوا۔ [1]

رہ گیا اس سوال کا جواب کہ آیا وہ جزیہ تھا یا زکاۃ؟ تو بلاشبہ وہ جزیہ تھا کیونکہ اس کے مصارف خراج والے تھے اور اس لیے بھی کہ زکاۃ مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگوں پر لاگو نہیں کی جاسکتی۔ جزیہ تحفظ کے عوض ہوتا ہے۔ بنوتغلب ایسے ہی تحفظ یافتہ لوگ تھے۔

ایک اور زاویۂ نگاہ کے مطابق اسے جزیہ نہیں بھی کہا جا سکتا کیونکہ اس معاملے میں جزیے کی کوئی عملی تصویر ہی نظر نہیں آتی تھی کیونکہ بنوتغلب کے عیسائیوں پر جن اموال میں جزیہ عائد کیا گیا تھا، وہ عموماً ایسے اموال تھے جن پر زکاۃ ہی فرض کی جاتی ہے۔ اہل اسلام کی زمینوں، پھلوں، جانوروں اور سونے چاندی پر جو زکاۃ عائد کی جاتی تھی وہی زکاۃ ان پر دو چند کر دی جاتی تھی اور یہ خاص خاص لوگوں ہی پر نہیں بلکہ بلا امتیاز ان کے ہر فرد پر عائد تھی، خواہ عورتیں ہوں یا مرد، یوں عرف کے لحاظ سے یہ سب کچھ جزیے کے معنوں میں داخل نہ تھا۔ [2]

بہر حال چاہے اسے جزیہ سمجھا جائے یا زکاۃ یہ ایک ٹیکس تھا جو ان کے اسلامی ریاست

[1] سياسة المال في الإسلام، ص: 72. [2] سياسة المال في الإسلام، ص: 73، والنظام الإسلامي المقارن، ص: 39.

کے سامنے سرنگوں ہونے کے سبب ان پر لاگو تھا۔[1]

جزیے کے علاوہ بھی ذمیوں پر مسلمانوں کے لیے ذمہ داریاں عائد تھیں اور یہ ذمہ داریاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مختلف اقسام پر مبنی تھیں، مثلاً: یہ کہ اگر حاکم وقت، مسلمانوں کا کوئی نمائندہ، ایلچی، سفیر یا کوئی بھی مسلمان ان کے ہاں جائے تو جزیہ دینے والوں پر لازم ہوتا تھا کہ وہ ان کی تین دن تک حسب استطاعت مہمان نوازی کریں۔ اس بارے میں ذمیوں کو بکری یا مرغی ذبح کرنے یا دیگر تکلفات کی زحمت نہیں دی جاتی تھی۔[2]

ہم سابقہ صفحات میں آبادی کے ترقیاتی اقدامات کے تحت بتا چکے ہیں کہ خلیفۂ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ذمیوں پر کچھ ایسی بھی شروط عائد تھیں کہ راستے بہتر بنائے جائیں، پل تعمیر کیے جائیں اور ان کی مرمت کی جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جزیے کا نظام انتہائی منظّم اور مستحکم ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نظام میں اس قدر احتیاط اور باریک بینی ملحوظ رکھی جس کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔ انھوں نے ذمیوں کی حالت کا بغور جائزہ لیا۔ مردم شماری کرائی۔ وہ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے تقاضے بھانپ گئے۔ انھوں نے امیر، فقیر اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان ایک شناختی فرق قائم کیا اور پیش آمدہ معاہدوں میں حالات کے مطابق بہت سی ایسی شرائط عائد کیں جن کا پہلے وجود بھی نہ تھا۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو گئی تھی اور اسلامی حکومت کا دائرۂ کار مصر، شام اور ایران و عراق تک وسیع ہو چکا تھا۔ مسلمان مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کے ساتھ مل کر رہنے لگے، اس طرح ترقی کی نئی دوڑ میں وہ بھی شامل ہو گئے۔ یہ حالات ریاست کی سیاست اور آبادیات کے معاملات پر اثر انداز ہوئے اور دور جدید کے نت نئے تقاضے سامنے آنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پیش آمدہ حالات کے مطابق فوراً مثبت اقدامات کرتے

[1] سياسة المال في الإسلام، ص: 73. [2] الأحكام السلطانية والولايات الدينية، ص: 164.

تھے، چنانچہ انھوں نے نئی ترقی یافتہ اقوام کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے نظامِ مواصلات پر خاص توجہ دی، سڑکیں بہتر بنوائیں، آبادی کو منظّم کیا، پلوں کی تعمیر کی طرف خاص توجہ دی۔ اس طرح تمام معاملات منظّم طریقے سے آگے بڑھے۔ شہروں کی توسیع ہوئی، خاص طور پر مالیات کا شعبہ بہت مضبوط، منظّم اور ترقی پذیر بنا دیا گیا۔[1]

جزیے کی شرائط اور وصولی کا وقت: فقہائے کرام نے خلفائے راشدین کے عہد زریں کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سی شرائط مستنبط فرمائی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

① اللہ کی کتاب کی شان کے منافی کوئی بات نہ کی جائے۔ نہ ہی اس باب میں کسی قسم کی تحریف کی جائے۔

② رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی تکذیب اور ان کی شانِ اقدس میں بے ادبی کی جسارت نہ کی جائے۔

③ دین اسلام کے بارے میں کسی قسم کی جرح یا کوئی مذموم بات نہ کی جائے۔

④ مسلمان عورتوں سے نکاح یا زنا ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔

⑤ کسی مسلمان کو اس کے دین سے برگشتہ کیا جائے نہ کسی مسلمان کے مال اور دین کو کوئی نقصان پہنچایا جائے۔

⑥ اہل حرب سے تعلقات قائم کیے جائیں نہ ان کے امیر لوگوں سے کوئی دوستانہ رابطہ رکھا جائے۔[2]

جزیے کی وصولی کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیداواری سال کا آخری وقت مقرر فرمایا۔ لیکن جب حالات سازگار ہوئے اور امور ایک نہج پر چل پڑے تو تنظیم نو کے تحت جزیے کی وصولی کے اوقات اور اس سلسلے میں نگرانی کے انتظامات میں کچھ مفید تبدیلیاں اور

① سیاسة المال في الإسلام في عهد عمر بن الخطاب، ص: 174. ② سیاسة المال في الإسلام في عهد عمر، ص: 76.

سہولتیں فراہم کی گئیں۔ بعض وجوہ کی بنا پر غور کیا گیا کہ فصلوں کی پیداوار کے موقع پر فوراً جزیہ وصول کرنا باعث مشقت ہے، لہٰذا جزیہ ادا کرنے اور وصول کرنے والوں کے لیے آسان اوقاتِ کار مقرر کیے گئے۔ [1]

خراج

خراج کا اطلاق دو مفاہیم پر ہوتا ہے۔ پہلا اطلاق عموم کے اعتبار سے ہے کہ ہر وہ مال جو مسلمانوں کے بیت المال میں پہنچے اور اس کا زکاۃ سے تعلق نہ ہو تو اسے خراج کہا جاتا ہے۔ ان عمومی معنوں میں مال فے، جزیہ اور عشر سب شامل ہیں۔

اس کا دوسرا اطلاق یہ ہے کہ خراج کا لفظ صرف ان زمینوں کے لیے بولا جائے جنھیں مسلمانوں نے فتح کیا ہو اور امام وقت نے ان زمینوں کو ہمیشہ کے لیے سب لوگوں کے مصالح کے لیے وقف کر دیا ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کی وسیع اراضی کے سلسلے میں یہی معاملہ فرمایا۔ [2]

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خراج کو کسی اجارہ یا قیمت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہ تو خود بطور ایک اصل ثابت ہے، اسے بطور قیاس ثابت نہ کیا جائے۔ [3]

جب اسلام کی شان و شوکت میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور فتوحات بہت بڑھ گئیں، خصوصاً ایران اور روم فتح ہو گئے تو اسلامی ریاست کی آمدنی کے ذرائع اور خرچ کے مواقع بھی بڑھ گئے۔ اس وقت اسلامی ریاست کی شان و شوکت کو ہر طرف سے خطرات لاحق رہتے تھے۔ اسلام کے وقار کے تحفظ اور امت کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خصوصی طور پر مالیات کا نظام بہتر بنانے کے لیے نہایت عادلانہ اور حکیمانہ اقدامات

---

[1] سیاسة المال في الإسلام في عهد عمر، ص: 67. [2] الخراج لأبي یوسف، ص: 25,24، واقتصادیات الحرب، ص: 215. [3] الاستخراج لأحكام الخراج، ص: 40، واقتصادیات الحرب، ص: 215.

درکار تھے، چنانچہ اس معاملے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے انہماک سے غور کیا۔ اور ایک مضبوط اور مستقل مالی نظام قائم فرمایا۔اس میں انھوں نے مندرجہ بالا ضروریات پوری کرنے کے لیے جو مستقل ذریعۂ آمدنی قائم فرمایا، وہ ذریعۂ خراج تھا۔ فاتح مجاہدین اسلام نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ بھی کیا کہ قرآن کریم کے اس ارشاد عالی کے تحت مفتوحہ اراضی انھیں بانٹ دی جائے:

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دو فوجوں میں ٹکراؤ ہوا تھا، اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔''[1]

شروع شروع میں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان زمینوں کو تقسیم کرنے کا ارادہ فرما لیا تھا لیکن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان زمینوں کی تقسیم کی مخالفت کی، پھر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بھی یہی مشورہ دیا، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان زمینوں کی تقسیم سے رک گئے۔[2]

ابو عبید فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جابیہ آئے۔ انھوں نے مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کو تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا تو معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ اس طرح زمینیں تقسیم کریں گے تو ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں جو آپ کے لیے ناپسندیدہ ثابت ہوں گے۔ آپ بہترین زمینیں لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیں گے، جب وہ فوت یا ہلاک ہو جائیں

[1] الأنفال 41:8. [2] سياسة المال في الإسلام، ص: 103.

گے تو عین ممکن ہے کہ ان کا مالک کوئی فرد واحد مرد یا عورت بن جائے، پھر ایسے لوگ آجائیں جو انھی زمینوں کے توسط سے اسلام میں رکاوٹ کا ذریعہ تلاش کریں۔ آپ ایسا قدم اٹھائیں جو پہلے اور بعد میں آنے والوں کے لیے یکساں مفید ہو۔[1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک نہایت اہم اور بہت بڑے معاملے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رہنمائی فرمائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس موضوع سے متعلقہ قرآنی آیات میں غور کرنے لگے۔ وہ ہر لفظ بڑے غور سے پڑھتے اور سوچ بچار کرتے جاتے یہاں تک کہ وہ مالِ فے کی تقسیم والی آیات پر پہنچ کر رک گئے۔ یہ آیات سورۂ حشر میں ہیں۔ وہ قرآنی مطالعے سے اس فیصلے پر پہنچے کہ مال فے دور حاضر میں اور آنے والے زمانے میں مسلمانوں ہی کا حصہ ہے، لہٰذا انھوں نے معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے نافذ کرنے کا ارادہ فرما لیا۔ یہ خبر سب لوگوں میں پھیل گئی، چنانچہ اس ضمن میں ان کے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف بھی رُونما ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے تائید کنندگان ان مفتوحہ زمینوں کو تقسیم کرنے کے حق میں نہ تھے، جبکہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تقسیم کے حق میں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح لشکر کا مالِ غنیمت تقسیم ہوتا ہے اسی طرح زمینیں بھی تقسیم ہونی چاہئیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خیبر کی زمینیں تقسیم فرما دی تھیں۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تقسیم اراضی سے انکار کر دیا اور ان لوگوں کو یکے بعد دیگرے سورۂ حشر کی پانچ آیات سنائیں، چنانچہ پہلے یہ آیت پڑھی:

﴿ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

''اور اللہ نے ان سے اپنے رسول کی طرف جو مال لوٹایا تو اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ دیتا

---

[1] الأموال لأبي عبيد، ص: 75، وسياسة المال، ص: 103.

ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

یہ آیت بنونضیر سے متعلقہ تھی، پھر پڑھا:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾

''اللہ اپنے رسول کی طرف بستیوں والوں (کے مال) سے جو کچھ لوٹا دے، تو وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور (اس کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، تا کہ وہ (مال) تمھارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ اور اللہ کا رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے منع کرے تو اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''[2]

یہ آیت تمام بستیوں کے بارے میں ہے، پھر پڑھا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾

''(مالِ فَے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی جائیدادوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔''[3]

پھر اللہ تعالیٰ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ کچھ اور لوگوں کو بھی اس میں شامل فرمایا:

---

[1] الحشر 6:59. [2] الحشر 7:59. [3] الحشر 8:59.

﴿وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''اور (ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنا لیا تھا اور ان (مہاجرین) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''[1]

یہ انصار کے بارے میں خاص تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انھی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اور (فَے ان کے لیے ہے) جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت نرمی والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

یہ ان سب کے لیے عام تھی جو بعد میں آنے والے لوگ تھے، چنانچہ مالِ فَے میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو صنعاء میں بسنے والا چرواہا بھی

[1] الحشر 9:59. [2] الحشر 10:59.

مالِ فے سے اپنا حصہ وصول کرے گا، جبکہ اس کا خون اس کے چہرے میں ہوگا (اس نے اس کے لیے کوئی جنگ ہی نہ کی ہوگی)۔ [1]

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ آئندہ آنے والے مسلمان آئیں اور انھیں عجمیوں سے حاصل کی گئی زمینیں اپنے آباء واجداد سے ورثے میں مل جائیں اور وہ اسے اپنی جاگیر بنالیں۔ یہ کیسی رائے ہے؟ یہ سن کر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: تو پھر اے امیر المومنین! آپ ہی فرمایئے کہ کون سی رائے مناسب ہے؟ کیا یہ عجمی اور ان کی زمینیں سب مالِ غنیمت نہیں ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ صرف تمھاری سوچ ہے، میری نہیں۔ اللہ کی قسم! میرے بعد کوئی ایسا ملک فتح ہوتا دکھائی نہیں دیتا جہاں سے بہت سا مال ہاتھ آئے، بلکہ ہوسکتا ہے وہ مسلمانوں پر بوجھ بن جائے۔ اگر یہ زمینیں اور عجمی غلام سب تقسیم کر دیے جائیں تو سرحدوں کی حفاظت کیسے ہوگی؟ اور بیواؤں اور یتیموں کے لیے شام اور عراق کے علاقوں سے کیا ملے گا؟ لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف گفتگو کی اور عرض کیا: آپ ہماری تلواروں سے حاصل کیا گیا مال ان لوگوں کے لیے وقف کرنا چاہتے ہیں جو ان فتوحات میں شریک ہوئے نہ انھوں نے جنگ میں حصہ لیا، پھر ان کے بعد ان کی ذریت کے لیے جن کا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب کی یہ باتیں توجہ سے سنیں اور فرمایا: یہ ایک رائے ہے۔ لوگوں نے کہا: آپ مشورہ کیجیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اوس اور خزرج کے دس بڑے عمائدین کو بلایا اور ارشاد فرمایا: بلاشبہ میں بھی تم میں سے ایک ہوں۔ تم حق کا اقرار کرنے والے ہو۔ جس نے چاہا میری مخالفت کی اور جس نے چاہا مجھ سے موافقت کی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو، پھر فرمایا: دیکھو! تم نے لوگوں کی باتیں سُنی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید میں کسی پر طعن کر رہا ہوں۔ لیکن یاد رہے کہ کسریٰ کی سرزمین

[1] الخراج لأبي يوسف، ص: 67، واقتصاديات الحرب، ص: 217.

کے بعد کوئی بڑی فتح ہمارے سامنے نہیں۔ اللہ نے ہمیں ان کے اموال، زمینوں اور عجمی غلاموں سے نوازا ہے۔ میں نے ان اموال میں سے خمس نکال کر اس کے مصرف میں صرف کر دیا ہے۔ بقیہ مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور زمینوں اور عجمیوں کے بارے میں میرا خیال ہے کہ ان پر خراج اور جزیہ مقرر کر دیا جائے تاکہ یہ مسلمانوں کے لیے مستقل آمدنی کا ذریعہ بن جائے۔ اس سے مجاہدین، ان کی اولادیں اور جو بھی ان کے بعد مسلمان آئیں، وہ مستفید ہوں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ ان سرحدوں کے لیے ایسے افراد کی ضرورت ہے جو ان کی نگرانی کریں؟ کیا تم نہیں سمجھتے کہ بڑے بڑے شہروں میں مسلمان افواج کی ضرورت ہے۔ آخر ان سب پر اُٹھنے والے اخراجات کہاں سے آئیں گے؟ اگر یہ عجمی غلام اور زمینیں تقسیم کر دی جائیں تو پھر مال کہاں سے آئے گا؟ یہ سُن کر سب نے بیک آواز کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کی رائے درست ہے۔ اگر یہ سرحدیں اور یہ بڑے بڑے شہر اسلامی افواج سے خالی ہو گئے اور اہل بلد پر ایسے حالات آ گئے کہ وہ اپنی طاقت کھو بیٹھیں تو ممکن ہے کہ اہل کفران شہروں کو دوبارہ حاصل کر لیں۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: اگر میں یہ سب کچھ تقسیم کر دوں تو یہ مال صرف امیر لوگوں کے درمیان گردش کرنے والا بن جائے گا۔ بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے کچھ بھی نہیں ہوگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی اس میں حق رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾

''اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔'' [2]

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تشریح بھی فرمائی۔ آپ نے کہا: اس آیت نے قیامت تک آنے والے سب لوگوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا

[1] الخراج لأبي يوسف، ص: 67، واقتصاديات الحرب، ص: 217. [2] الحشر 10:59.

عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے ساتھ متفق ہو گئے اور یہ زمینیں تقسیم نہیں کی گئیں۔ ①

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مسئلہ پر گفتگو سے ان کی بہت سی غیر معمولی خوبیاں اجاگر ہو کر سامنے آتی ہیں۔ ان کی ایک عظیم الشان خوبی یہ تھی کہ وہ فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ درپیش حالات کی رفتار کا بڑی گہری نظر سے جائزہ لیتے تھے۔ مخاطب کو اپنی بات دلائل کی روشنی میں سمجھاتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ سیاسی نشیب و فراز کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ کسی کو دھوکا دیتے تھے نہ دھوکا کھاتے تھے۔ انھوں نے سیاست میں سچائی کو ہر آن غالب رکھا۔ یہ جوہر صداقت ہی تھا جو ان کی باتوں کو نہایت مدلل، مؤثر اور دلکش بنا دیتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارضِ سواد کے بارے میں جو گفتگو کی وہ بامقصد اور مدلل گفتگو کی بہترین مثال ہے۔ بڑے بڑے ماہر لسان اور منجھے ہوئے پارلیمانی مقرر بھی اپنے ماتحتوں کو کسی منصوبے کے لیے قائل کرنا چاہیں تو وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر اندازِ گفتگو کہیں نہ پاسکیں گے۔ ②

کیا خراجی زمینوں کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے مخالف تھے؟ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خراجی زمینوں کے بارے میں نبی ﷺ کی پالیسی کی مخالفت کی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے خیبر کی زمینیں تقسیم فرما دی تھیں۔ پھر اس سے یہ نتیجہ نکالے کہ اگر کوئی حاکم سنت کی مخالفت کرتے ہوئے بزورِ شمشیر مفتوحہ زمینوں کو تقسیم نہ کرے تو اس کی بیعت ٹوٹ جاتی ہے تو یہ الزام ایک طرف خلفائے راشدین کے خلاف خوفناک جسارت ہے اور دوسری طرف یہ نظریہ بذات خود جھوٹ پر مبنی ہے۔

نبی ﷺ کا خیبر کی زمینوں کی تقسیم کا فیصلہ اس امر کی دلیل تھا کہ دونوں حالتوں کا جواز

---

① سياسة المال في الإسلام في عهد عمر، ص: 105. ② أخبار عمر، ص: 210. سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی انھی صفات جلیلہ سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خان رحمہ اللہ نے بے ساختہ یہ شعر کہا تھا ۔

جو چمک نگاہ عمر میں ہے نہ وہ برق میں نہ شرر میں ہے
اسے پائمال نہ جانیے جو عمر کی راہ گزر میں ہے

موجود ہے، یعنی یہ زمینیں تقسیم بھی کی جاسکتی ہیں اور نہیں بھی کی جاسکتیں۔ بالفرض عدمِ وجوب کی دلیل موجود نہ بھی ہو تو خلفائے راشدین کا تعامل جواز پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ انھوں نے مکہ بزورِ شمشیر فتح کیا تھا نہ صرف مشہور احادیث بلکہ متواتر احادیث اس پر شاہد ہیں کہ جب اہل مکہ نے نقض میثاق جیسا جرم کیا تو نبی ﷺ نے مرالظہران نامی جگہ میں پڑاؤ ڈالا۔ مگر اہلِ مکہ میں سے کوئی شخص نبی ﷺ سے صلح کی غرض سے نہیں گیا۔ نبی ﷺ کی طرف سے بھی ایسی کوئی کوشش نہیں ہوئی بلکہ ابوسفیان جاسوسی کے لیے گھر سے نکلا تو اسے عباس رضی اللہ عنہ نے گرفتار کر لیا، پھر اسے اپنی امان دے کر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ بعدازاں وہ مسلمان ہو گیا۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ ابوسفیان اپنی قوم سے مشورہ کیے بغیر مصالحت کر لیتا؟ اس کی مزید وضاحت نبی ﷺ کے اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے امان کو چند اسباب سے مشروط قرار دیا جو مکہ کے بزورِ شمشیر فتح ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَّمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ وَّ مَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ» ”جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اور جو مسجد میں داخل ہو جائے اور جو خود اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے تو اسے ہماری طرف سے امان ہے۔“[1]

جس نے بھی لڑائی میں حصہ نہیں لیا اسے امن مل گیا۔ بالفرض اگر یہ سب ذمی ہوتے تو ان کی صورت حال مختلف ہوتی۔ مزید یہ کہ نبی ﷺ نے انھیں ”طلقاء“ یعنی ”آزاد کردہ“ قرار دے دیا کیونکہ نبی ﷺ نے سب کو قید سے رہائی مرحمت فرما دی تھی جیسا کہ اس سے قبل ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ اور دیگر قیدیوں کو رہائی دی تھی۔

نبی ﷺ نے ان میں سے چند مرد اور خواتین کے قتل کا حکم بھی جاری فرمایا تھا مزید یہ کہ نبی ﷺ نے اپنے مشہور خطبے میں ارشاد فرمایا تھا:

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 1780، وسنن أبي داود، حديث: 3022.

«إِنَّ مَكَّةَ لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي وَ إِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً»

''بلاشبہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے مکہ کی حرمت ختم نہیں کی گئی، نہ میرے بعد ایسا ہوگا۔ ایسا صرف میرے لیے ہی تھوڑی دیر کے لیے کیا گیا ہے۔''[1]

نبی ﷺ مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ احرام کی حالت میں نہ تھے۔ آپ ﷺ کے سر پر ''خود'' تھا اور یہ آپ ﷺ کے مسلح ہونے کی علامت تھی۔ اگر اہل مکہ نے آپ ﷺ سے مصالحت کی ہوتی تو پھر آپ ﷺ کے لیے کسی چیز کو حلال کر دیے جانے کا کوئی محل ہی نہ تھا۔ بالفرض اگر حرم سے باہر دوسرے شہروں میں سے کسی شہر والے آپ ﷺ سے مصالحت کرتے تو وہ شہر آپ ﷺ کے لیے حلال نہ ہوتا۔ پس اگر اہلِ حرم نے آپ ﷺ سے مصالحت کی ہوتی تو بعداز مصالحت یہ شہر آپ ﷺ کے لیے کس بنا پر حلال کیا گیا؟

کفار مکہ نے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ جنگ کی تھی اور دونوں اطراف کے کچھ لوگ مارے بھی گئے تھے۔

بہرحال جو طالبِ حقیقت ان آثار پر غوروفکر کرے گا وہ یہ حقیقت جان لے گا کہ مکہ بزور شمشیر فتح ہوا تھا اور بزورِ شمشیر فتح کرنے کے باوجود نبی ﷺ نے اس علاقے کی زمینیں تقسیم فرمائیں نہ وہاں کے باشندوں کو غلام بنایا۔ یہی معاملہ خیبر کا تھا۔ خیبر بھی بزورِ شمشیر فتح ہوا لیکن نبی ﷺ نے خیبر کی زمینیں تقسیم فرما دیں۔ الغرض تقسیم اور عدم تقسیم دونوں کا جواز معلوم ہوگیا۔[2]

پس ثابت ہوا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے طریقے سے قطعاً انحراف نہیں کیا بلکہ ان کے سامنے زمینوں کی عدم تقسیم کے سلسلے میں فتح مکہ کی شکل میں رسالت مآب ﷺ

---

[1] السنن الكبرٰی للنسائي :388/2، والفتاوٰی :313/20. [2] الفتاوٰی:313,312/20.

کے عمل مبارک کی واضح مثال موجود تھی کہ آپ ﷺ نے وہاں کی اراضی تقسیم نہیں فرمائی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی بنیادیں

① سورۂ حشر کی آیتِ فے۔

② نبی علیہ السلام کا فتح مکہ کے وقت عمل کہ زمینیں تقسیم ہوئیں، نہ خراج لاگو کیا گیا۔

③ مجلس شوریٰ کا فیصلہ جو اسی مقصد کے لیے منعقد ہوئی۔ گرامی قدر ارکانِ شوریٰ نے غوروفکر کے بعد زمینیں نہ تقسیم کرنے کا مشورہ دیا۔

عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بھی یہی طریقۂ کار رائج رہا کہ کسی علاقے پر اگر مسلمان غالب آجائیں تو وہاں کے اہلِ اراضی سے ان کی زمینیں نہیں چھینی جائیں گی۔

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زمینوں اور دیگر منقولہ غنائم میں فرق نصوص کی دلالت کی بنا پر قائم کیا تھا۔ انھوں نے تمام نصوص کے مابین تطبیق دی۔ ہر نص کا ایسا مفہوم علیحدہ علیحدہ متعین فرمایا جس کی طرف ان کے فکرونظر نے رہبری کی۔

عمر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ یہ زمینیں مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کی ملکیت ہیں اور یہ انھی کے پاس رہنی چاہئیں، اس طرح وہ ان کے مالک رہیں گے اور اسلامی افواج زمین، جائیداد، عیش و آرام، دولت اور دنیاوی ساز و سامان کے فتنوں کی آلائش سے محفوظ ہو جائیں گی۔[1]

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں قرآن کریم کی طرف رجوع فرمایا۔ اس مسئلے کے حل کے لیے انھوں نے مختلف آیات پر بڑی باریک بینی سے غور فرمایا۔ انھوں نے ہر آیت کے منطوق اور مفہوم میں بڑا تفکر کیا۔ تطبیقات کا اہتمام کیا۔ تخصیصات متعین فرمائیں۔ یہاں تک کہ فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ گئے جس سے مطلوبہ مصالح متعین ہو گئے۔

① الاجتهاد في الفقه الإسلامي، ص :131.

عمر رضی اللہ عنہ ملہم من اللہ شخصیت تھے۔ وہ نصوص کے ظاہر ہی پر توقف نہیں فرماتے تھے بلکہ شریعت کی رُوح کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی اسی غیر معمولی بصیرت اور باریک بینی نے انھیں نصوص سے مقاصد شریعت کے مطابق نتائج پر پہنچنے کی توفیق بخشی۔ کسی بھی صائب فیصلے تک پہنچنا کوئی معمولی کام نہیں ہوتا۔ خاص طور پر جدید مسائل کا حل تلاش کرنا بڑا دشوار اور پیچیدہ کام ہے۔ اس کام میں زبردست تعلق باللہ رکھنے والا، صحیح فکر اور بے لاگ قوتِ فیصلہ کا حامل ماہر مجتہد ہی غور وفکر کر کے نتیجے تک پہنچتا ہے۔

بعض حضرات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر یہ الزام بھی دھرتے ہیں کہ وہ قرآنی نصوص کو بعض اوقات دیوار پر مار دیتے تھے لیکن یہ سراسر لغو، غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو ممتاز مجتہد تھے۔ ان کے پاس شریعت کی مثالی حس موجود تھی، اسی بنیاد پر وہ کوئی نظریہ قائم فرماتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو قرآن ان کی سوچ کے مطابق بھی نازل ہوتا تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض دوسرے حصوں کی تشریح کرتے ہیں، اسی طرح سنت بھی بعض کی تشریح بعض امور سے کرتی ہے۔ مجتہد پر لازم ہے کہ درپیش قضیے کی تمام نصوص یکجا کرے۔ ایسا نہ کرے کہ صرف بعض نصوص سامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کر دے۔ ایسی صورت میں وہ ناکام مجتہد شمار ہوگا اور اس کا اجتہادی فیصلہ ناقابل اعتبار قرار پائے گا۔[1]

خراجی فیصلے کی تنفیذ: اہلِ شوریٰ کے تمام ارکان اور کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے سے مکمل طور پر متفق ہو گئے کہ مفتوحہ زمینیں اصل مالکوں ہی کے پاس رہنی چاہئیں اور صرف منقولہ اموال ہی فاتح مجاہدین میں تقسیم ہونے چاہئیں۔ اسی فیصلے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دو عظیم ماہر شخصیتوں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن

[1] الاجتهاد في الفقه الإسلامي، ص:132,131.

یمان رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور انھیں عراق کی زمینوں کی پیمائش کا حکم دیا۔ اس مہم پر روانگی کے وقت انھوں نے مذکورہ دونوں حضرات کو نہایت قیمتی نصائح اور ارشادات عالیہ سے نوازا اور فرمایا کہ آپ سب لوگوں کی زمینی جائیدادوں کی پوری تفصیلات اکٹھی کریں اور ہر طرح کی زمین کی نوعیت وضاحت سے درج کریں کہ کون سی اراضی زرخیز ہے، کتنی زمین بنجر ہے۔ باغات والی زمینوں کے کوائف الگ بتائیں۔ لوگوں سے حسن سلوک روا رکھیں۔ لوگوں کی ساری کمائی نہ لیں بلکہ لوگوں کی ضروریات اور مسائل کا لحاظ بھی رکھیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے یہ احکام و ہدایات اس لیے جاری فرمائیں تاکہ یہ فیصلہ مکمل انصاف کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ انھوں نے یہ رپورٹ بھی طلب کی کہ اہلِ عراق فتح سے پہلے اپنے سابقہ مالکوں کو کتنا لگان ادا کرتے تھے۔ انھوں نے مذکورہ دونوں صحابیوں کو مقامی لوگوں کے منتخب نمائندگان سے رجوع کرنے کی تاکید فرمائی۔ ان حضرات نے سوادِ عراق کی زمین کے کسانوں کا ایک نمائندہ وفد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت فرمایا: تم اپنی زمین سے عجمی مالکان کو کیا ادا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: 27 درہم! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن میں تم سے اتنی زیادہ رقم نہیں لوں گا۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہی یہ بتانے کے لیے بہت کافی ہے کہ اسلامی فتوحات مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کے لیے عادلانہ نظام کی نوید تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ان لوگوں پر زمینوں کی پیمائش کے اعتبار سے خراج عائد کرنا بہتر ہو گا۔ اس طرح وہ اپنے واجبات آسانی سے ادا بھی کر سکیں گے اور کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ مشقت میں ڈالے بغیر مال فے میں اضافہ بھی ہوتا رہے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داری بڑی مہارت اور خوش اسلوبی سے مکمل فرمائی اور عراق کی متذکرہ زمین کی پیمائش کر لی۔ یہ اراضی 3 کروڑ 60 لاکھ جَرِیب تھی۔ [2] انھوں نے انگور کے باغات پر 10 درہم،

---

[1] الخراج لأبي يوسف، ص: 41,40. [2] الخراج لأبي يوسف، ص: 38.

کھجوروں کے باغ پر 8 درہم، نرکلوں کی زمین پر 6 درہم، گندم کے کھیت پر 4 درہم اور جو کے کھیت پر 2 درہم کے حساب سے خراج مقرر کیا۔[1]

انھوں نے اس خراج کے بارے میں مکمل تفصیلات کی رپورٹ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دی۔ آپ نے اس کا جائزہ لیا اور اسے نافذ کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان شہروں اور زمینوں کے مکینوں کا بڑا پاس اور لحاظ رکھا اور ان کے احوال کی خبر گیری کرتے رہے مبادا ان سے کوئی بے انصافی ہو جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا فکر تھا کہ کہیں عثمان رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان عراقی لوگوں پر اتنا بوجھ نہ ڈال دیا ہو جسے وہ اٹھا نہ سکیں، لہٰذا ان سے دریافت فرمایا: تم نے ان لوگوں پر کس طریقے کی بنیاد پر خراج مقرر کیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے ان لوگوں پر ان کی ہمت اور استطاعت سے زیادہ خراج لاگو کر دیا ہو؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے تو کچھ حصہ ان کے لیے زیادہ ہی چھوڑ دیا ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی یہی جواب دیا کہ میں نے انھیں اس حصے کی بھی رعایت دے دی ہے جس کی پیداوار زیادہ سے زیادہ تھی۔ میں چاہتا تو اسے بھی خراج میں شامل کر لیتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مزید مہلت عطا فرمائی تو میں اہل عراق کی بیواؤں کی کفالت کے لیے آمدنی کا ایسا مستقل بندوبست کر دوں گا کہ انھیں کسی حاکم کے دروازے پر نہ جانا پڑے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرح مصر کی اراضی کے لیے بھی یہی طریقہ استعمال فرمایا۔ وہاں نگرانی کا بندوبست عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ انھوں نے کھیتوں کی پیمائش کی بنیاد پر خراج عائد کیا تھا۔[3]

---

[1] الخراج لأبي يوسف، ص : 39، وسياسة المال في الإسلام، ص : 108. [2] الخراج لأبي يوسف، ص: 40، و سياسة المال في الإسلام، ص: 108. [3] الدولة العباسية للخضري، ص: 144، و سياسة المال في الإسلام، ص: 109.

عمر رضی اللہ عنہ نے شام کی زمینوں میں بھی خراج عائد کرنے کا یہی طریقۂ کار برقرار رکھا۔ مؤرخین نے پیائش کے طریقۂ کار، کھیتوں کی پیداوار اور پھلوں کے بارے میں وہ تفصیلات بیان نہیں کیں جن کے مطابق خراج لاگو کیا گیا۔ انھوں نے شام کی زمینوں کے نگران کا نام بھی نہیں لکھا۔[1]

خلیفۂ راشد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ امورِ خلافت کے ہر گوشے اوراپنے عمال کی کارگزاریوں پر کتنی کڑی نگاہ رکھتے تھے اور ان کا نظام احتساب کس قدر چابک دست، بے لاگ، مؤثر اور بے خطا تھا اور کتنی جلدی حرکت میں آجاتا تھا؟ اس کا کچھ اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بڑی محنت، احتیاط اور باریک بینی سے خراج وصول کرنے والے تمام چھوٹے بڑے عہدیداروں کی ان جاگیروں اور اثاثوں کی تحقیقات کرائیں جو اس ڈیوٹی پر مامور ہونے سے پہلے ان کی ملکیت تھے۔ جب یہ لوگ اپنے عہدوں سے سبکدوش ہوئے تو ان کے اثاثوں کی دوبارہ تحقیقات کرائی اور ان کے سابقہ اثاثوں سے موازنہ کیا تو انھیں بدرجہا زیادہ پایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اضافی اموال فوراً ضبط کر لیے اور فرمایا کہ محض تمھاری تنخواہوں سے تمھارے اثاثوں میں اس قدر اضافہ ناممکن تھا۔ پس اضافی اموال بحق خلافت ضبط کیے جاتے ہیں۔ اس واقعے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فراست اور قانونی بصیرت کا کیسا عظیم الشان نمونہ سامنے آتا ہے۔ یہ قانون صدیوں بعد آج کی مہذب دنیا نے بھی اپنا رکھا ہے اور تمام ترقی یافتہ ملکوں میں حکام کو سرکاری عہدوں پر فائز ہونے سے پہلے اپنے اثاثوں کے گوشوارے داخل کرنے پڑتے ہیں۔[2]

ان شاء اللہ! ان امور کی پوری تفصیل آئندہ صفحات میں عمال کے بارے میں گفتگو کے دوران آئے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس چابک دستی اور بیدار مغزی کے باعث اسلامی

[1] سياسة المال في الإسلام، ص: 111. [2] سياسة المال في الإسلام، ص: 114.

ریاست کے بیت المال کے لیے خطیر مال جمع ہو گیا تھا۔ عراق، شام اور مصر کی زمینیں اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر رہی تھیں۔ وہاں کی املاک وخراج سے ریاست کے خزانے میں بڑی فراوانی آ گئی تھی۔ خاص طور پر مصر کی زمینوں سے بہت زیادہ خراج موصول ہوتا تھا۔ کیونکہ مصری زمینیں انتہائی زرخیز تھیں۔ عہد قدیم میں ان زمینوں کے مالک وہاں کے مرکھپ جانے والے حکمران تھے۔[1]

خراجی زمینیں تقسیم نہ کرنے کی حکمتیں: ٭ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی اور بالغ نظری نے مستقبل کے تحفظات کے پیش نظر مفتوحہ اراضی تقسیم نہ کرنے کا جو دلیرانہ فیصلہ کیا تھا، آخر کار لوگ اس پر متفق ہو گئے تھے۔ امت کا مستقبل محفوظ بنانے کے سلسلے میں کی گئی اس سعیِ جمیل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کی اولین مصلحت یہ تھی کہ ریاست کا داخلی امن برقرار رکھنے کے لیے اس اقدام کی اشد ضرورت تھی بصورتِ دیگر یہ خدشہ موجود تھا کہ ان زمینوں کی وجہ سے باہمی اختلاف پھیل جاتا اور لڑائی جھگڑے شروع ہو جاتے۔ اس اقدام کا ایک مقصد خلافت کے بیت المال کو مستحکم بنانا بھی تھا تاکہ ریاستی ضروریات اور مصارف کے لیے آمدنی کے دیرپا وسائل قائم ہو جائیں اور مملکت اسلامیہ کے تمام شہریوں بالخصوص مسلمانوں اور ان کی آئندہ نسلوں کی مادی ضرورت کی تکمیل کا بندوبست ہو جائے اور عام مسلمانوں کو زندگی کی بہتر سہولتیں میسر آ جائیں۔

٭ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بیرونی خطرات سے نمٹنا آسان ہو گیا۔ مسلمانوں کی پہلی اور فوری ضرورت یہ تھی کہ انھیں سرحدی علاقوں کی نگہداشت کے لیے وافر سامان میسر آئے۔ مفتوحہ علاقوں کے اس حاصل شدہ خراج سے افواج، ان کی خوراک اور لشکروں کی تیاری میں مدد مل سکتی تھی۔ فوجیوں کو معقول تنخواہیں اور اضافی عطیات بھی حاصل ہوتے اور بہت سا اسلحہ اور دیگر سامان جنگ بھی تیار ہوتا

[1] سياسة المال في الإسلام، ص: 118.

تاکہ اسلامی ریاست کی حدود اور زمینوں کا دفاع ممکن ہوتا۔

* اس موقع پر خلیفۂ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس دور اندیشی کی داد دینی چاہیے کہ انھوں نے سیاسی طور پر اسلامی معاشرے میں نہ صرف اپنے عہد کے لیے بلکہ بعد والے زمانوں کے لیے بھی امنِ عامہ کے مضبوط ستون قائم کر دیے۔ انھوں نے اپنی رائے کی تائید میں جو الفاظ استعمال فرمائے وہ تمام مسلمانوں کے لیے تھے۔ ان کے ملفوظات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے استحکام امن کے کس قدر شدت سے فکر مند تھے۔ نت نئے پیدا ہونے والے سیاسی تغیرات نے خلیفۂ دوم ہی کے زمانے میں ثابت کر دیا کہ ان کا یہ فیصلہ کس قدر صائب، بروقت اور برمحل تھا۔ خراجی زمینوں کے بارے میں زمینوں کی تقسیم نہ کرنے کے فیصلے میں دو باتیں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں پہلی یہ کہ وہ اہم ترین فیصلے جو تمام مسلمانوں کے اہم اور بنیادی مصالح سے متعلقہ ہوں، انھیں حل کرنے کے لیے بڑی محنت اور وقت درکار ہوتا ہے۔ مزید برآں ٹھوس دلائل و براہین کے تبادلے میں بڑے تحمل اور بُردباری کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی ایسے اختلاف کا دروازہ کھل جائے جو لوگوں کی گروہ بندی کا باعث بنے اور امتِ مسلمہ کے امن اور تحفظ کے سلسلے میں کسی کوتاہی کا موجب ثابت ہو یا اس سے کسی فیصلے کے وقت یا بعد میں آنے والی اسلامی نسل کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے۔

* دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بہت سے ایسے اہم معاملات ہوتے ہیں جن میں ابتدائی طور پر کچھ انتشار یا باہمی تکرار سامنے آتی ہے تو شرعی حاکم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی یک جہتی کے لیے اول آخر اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لائے اور اختلاف کے دائرے کو تنگ سے تنگ کر کے مختلف نظریات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرے تاکہ متعلقہ مختلف فیہ مسئلے میں لوگوں کے سامنے صحیح شرعی حل رکھ سکے۔ [1]

---

[1] الأبعاد السياسية لمفهوم الأمن في الإسلام لمصطفٰى منجود، ص:318،317.

* خلیفۂ وقت اور ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تکرار جنھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے موقف کی مخالفت کی تھی اور پھر ہر ایک کا اپنی رائے کی تقویت میں نصوص کا سہارا لینا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمومی سیاسی اور مسلمانوں سے متعلقہ اصلاحی فیصلوں میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے میں وحی سے متعلقہ نصوص پر اعتماد کیا جائے یا ایسے مصادر پر بنا رکھی جائے جو متعلقہ مسائل کی بنیاد بن سکتے ہوں۔

* خلیفۂ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سابقین کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فقہی احکام اور مصادر شریعت کے بارے میں مشورہ کرنا اور ان کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیر خواہانہ مشورہ دینا اس امر کا ثبوت ہے کہ اہل شوریٰ میں خاص اور امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں اور جن سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ صاحب شعور، دین کی سوجھ بوجھ رکھنے والے، پرہیزگار اور معاملات کے تجزیے کے ماہر ہوتے ہیں اور اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ چاپلوسی کرنے والے نہیں ہوتے بلکہ حق بات کہنے اور حق کو قبول کرنے میں نہایت مضبوط ارادوں کے مالک ہوتے ہیں اور اعلان حق میں کسی ملامت گر حاکم یا کسی اور کی کوئی پروا نہیں کرتے۔

* اس معاملے کا یہ پہلو کتنا عظیم وجلیل اور سبق آموز ہے کہ مذکورہ زمینوں کی عدم تقسیم کا فیصلہ ایک مثالی فیصلہ تھا جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے باہمی تعامل میں بحث وتکرار کے نہایت بلند پایہ اور شائستہ اصول وآداب پوری طرح ملحوظ رکھے۔ انھوں نے ابتدا میں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر ایک نے زمینوں کی تقسیم کے مسئلے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ان میں سرفہرست خود خلیفۂ وقت تھے۔ اس کے باوجود کہ لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی مخالفت بھی کی لیکن انھوں نے اپنے آپ کو آداب کا پوری طرح پابند رکھا۔[1]

---

[1] الأبعاد السياسية لمفهوم الأمن في الإسلام لمصطفى منجود، ص: 318,317.

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے اچھی طرح وضاحت فرما دی کہ حاکم وقت مجلس شوریٰ کا محض ایک رکن ہے۔ انھوں نے مجلس شوریٰ کی توثیق کے لیے معاملہ اسی کے رُوبرو کر دیا، چاہے مجلس ان کی مخالفت میں رائے دے یا موافقت میں رہے۔ انھوں نے فرمایا: میں بھی تم جیسا ایک رکن ہوں اور آج کے دن تم حق ثابت کرو جو چاہے مجھ سے اختلاف کرے اور جو چاہے موافقت، تمھارے سامنے اللہ کی کتاب موجود ہے جو صرف حق بولتی ہے۔ ①

فیصلے کے اہم فکری آثار: ① جاگیرداری کا خاتمہ: اس فیصلے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ ہوا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جاگیردارانہ نظام کے وہ سب راستے بند کر دیے جن کی بنیاد ظلم پر تھی۔ اس نظام نے ساری زمینوں پر قبضہ اور غلبہ حاصل کر رکھا تھا اور تمام کسانوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ اُن سے بغیر اُجرت محنت اور مشقت لی جاتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمینیں کسانوں ہی کے پاس رہنے دیں تاکہ وہ خود ان کی کاشت کریں اور اس کے عوض مناسب سالانہ خراج ادا کریں۔ کسانوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر انتہائی رشک اور مسرت کا اظہار کیا کہ انھوں نے انھیں زمینوں کا مالک بنائے رکھا تاکہ وہ ان زمینوں میں کاشتکاری کریں اور مناسب خراج ادا کریں۔ اس طرح انھیں زندگی میں پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ وہ خود ان زمینوں کے مالک ہیں، وہ کسی جاگیردارانہ نظام کے تحت محنت پر مجبور نہیں ہیں۔ اس سے پہلے تو یہ غریب کسان محض ایسے محنت کش تھے جو کسی صلے اور معاوضے کے بغیر ہی سخت محنت کرتے تھے اور ان کی ساری محنت اور خون پسینے کی کمائی جاگیرداروں کی جیب میں چلی جاتی تھی۔ یہ جاگیردار اللہ کی زمین کے زبردستی مالک بن بیٹھے تھے اور یہ ظالم لوگ ان کسانوں کو معمولی معاوضے کے علاوہ اور کچھ نہیں دیتے تھے۔ ②

① الدور السياسي للصفوة، ص: 185. ② الدعوة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب لحسني غيطاس، ص: 130.

② رومی اور ایرانی لشکروں کی روک تھام: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ ایسی سیاست تھی کہ انھوں نے کسانوں کو زمینیں دے کر بزور شمشیر فتح کیے گئے ان علاقوں میں ایک زبردست سیاسی و سماجی شعور بیدار کر دیا، چنانچہ وہ اپنے ایرانی اور رومی حکام سے نفرت کرنے لگے اور ان کے سارے چندے بند کر دیے۔ بلکہ اب وہ اس کے برعکس مسلمانوں کو ان کے خلاف چندے اور اپنا خوش دلانہ تعاون پیش کرنے لگے۔ قائد فارس رستم نے اہلِ حیرہ سے کہا تھا: اے اللہ کے دشمنو! تم عربوں کو ہمارے علاقوں میں داخل کر کے خوش ہو رہے ہو۔ تم ان کی خاطر ہماری جاسوسی کرتے ہو اور تم نے اپنے اموال دے کر انھیں طاقتور بنا دیا ہے۔[1]

③ مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کا اسلام قبول کرنا: مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو زمینیں عطا کرنے کا سب سے زبردست فائدہ یہ ہوا کہ تمام مقامی کسان جلد از جلد اسلام قبول کرنے لگے اور اسلام اتنی تیزی سے پھیلا کہ ماضی میں اس جیسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ مقامی لوگوں نے مسلمانوں کا عدل و انصاف دیکھا، اسلام کی حقانیت کو پہچانا اور اہل اسلام کے اعلیٰ برتاؤ سے انھیں مسلّمہ انسانی اقدار کا احساس ہوا۔[2]

④ سرحدوں کی حفاظت کے لیے ذریعۂ آمدنی: اسلامی ریاست کے اس ابتدائی دور ہی میں ریاست کا ارضی حدود اربعہ پھیلتا چلا گیا اور ریاست کی سرحدیں جزیرۂ عرب سے آگے نکل گئیں۔ ان میں اہم ترین فراتی سرحدیں تھیں جو رومی سلطنت اور اسلامی ریاست کے مابین فوجی نقطۂ نظر سے قائم کی گئی تھیں۔ اس طرح اور بھی بہت سی سرحدیں تھیں جو انتہائی اہم تھیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سرحدوں کی مستقل حفاظت کے لیے گھوڑ سواروں کے خصوصی

---

① الدعوة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب لحسني غيطاس، ص: 131. ② الدعوة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب لحسني غيطاس، ص: 132.

دستے متعین کر رکھے تھے۔ اس طریقے سے ترتیب دیے جانے والے لشکروں کی تعداد 30 ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ پیدل یا اونٹ سوار مجاہدین کی تعداد اس کے علاوہ ہوتی تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان لشکروں کو صرف سرحدوں ہی کی حفاظت کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ انھوں نے ان کے مستقل روزینے مقرر کر دیے تھے۔ ان کو حکم تھا کہ وہ خود کو صرف اور صرف جہاد اور اسلامی دعوت عام کرنے کے لیے وقف رکھیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے ان لشکروں کی تیاری اور ان کی مستقل کفالت کا انتظام خراج کی شکل میں مہیا فرما دیا۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خوب سمجھتے تھے کہ خراج اسلامی بیت المال کے لیے آمدنی کا قابلِ قدر ذریعہ ہے، چنانچہ انھوں نے خراج کے نظام کو بھرپور طور پر منظّم کیا اور اس سلسلے میں اہم قاعدے اور ضابطے وضع کیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ امتِ مسلمہ کی اجتماعی ضروریات، سرحدوں کی حفاظت اور امن عامہ کے قیام اور استحکام کے لیے جن اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے، بیت المال کو ان مصارف کا بخوبی اہل ہونا چاہیے۔ ایسا تب ہی ممکن تھا کہ مفتوحہ علاقوں کے کسانوں سے مقرر اور طے شدہ پیداوار کا حصہ لیا جائے اور بیت المال کو مضبوط بنایا جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراقی کسانوں کو جس وقار کے ساتھ ان کی زمینوں پر قائم رکھا، اس سے ان میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ اس موقع کو وہ اپنی بہت بڑی خوش قسمتی سمجھنے لگے۔ انھوں نے یہ سوچ کر اطمینان کا سانس لیا کہ اب وہ بھی کچھ پس انداز کر سکیں گے اور اپنی پیداوار سے قابل قدر فائدہ اٹھا سکیں گے کیونکہ مسلمانوں کے غلبے سے پہلے وہ اپنے سابقہ ظالم مالکان کی طرف سے ٹیکس کی مد میں اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ برداشت کر رہے تھے۔ ②

---

① الدعوة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب لحسني غيطاس، ص: 135. ② أهل الذمة في الحضارة الإسلامية، ص: 63.

عشور (تجارتی ٹیکس)

عشور اس تجارتی ٹیکس کا نام ہے جو اسلامی ریاست کے علاقوں میں داخل یا خارج ہونے والے تاجروں سے وصول کیا جاتا ہے۔ دورِ حاضر میں اس کی جدید شکل چونگی کا نظام ہے۔ عشور کی وصولی کے لیے سرکاری طور پر جو شخص مقرر ہوتا تھا اسے عاشر کہا جاتا تھا۔[1]

نبی ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ مبارک میں عشور کا وجود نہ تھا کیونکہ یہ زمانہ اسلامی دعوت، جہاد فی سبیل اللہ اور اسلامی ریاست کے قیام کا ابتدائی دور تھا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی حدود اربعہ انتہائی وسعت اختیار کر گیا اور مشرق و مغرب دونوں جانب تیزی سے فتوحات حاصل ہوتی چلی گئیں۔ بہت سے پڑوسی ملکوں سے تجارتی سطح پر بھی تعلقات بڑھے، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحت عامہ کے پیش نظر اسلامی ریاست کے شہروں میں آنے والے تاجروں پر اسی طرح ٹیکس عائد کر دیا جس طرح کفار مسلمان تاجروں سے وصول کرتے تھے۔

تمام مؤرخین کا اتفاق ہے[2] کہ اسلام میں سب سے پہلے تجارت پر عشور نافذ کرنے والے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ اہل منبج اور بحر عدن کے ماوراء علاقوں کے رہنے والوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ وہ انھیں اپنے شہروں میں اپنا مال تجارت لانے کی اجازت مرحمت فرمائیں اور ان سے عشور وصول کریں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں فوراً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو سب نے اس پر اتفاق رائے کا اظہار کیا۔ اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے تجارتی ٹیکس وصول فرمایا۔

تجارتی ٹیکس لاگو کرنے سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمان تاجروں سے باقاعدہ مذاکرات کیے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ جب تم ان کے علاقوں میں جاتے ہو تو

---

[1] الخراج لأبي يوسف، ص: 271، و اقتصاديات الحرب، ص: 223. [2] سياسة المال في الإسلام، ص: 128.

وہ تم سے کیا وصول کرتے ہیں؟ مثلاً: تم حبشہ جاتے ہو تو وہ تم سے کس نسبت اور کس شرح سے تجارتی ٹیکس وصول کرتے ہیں؟ مسلمان تاجروں نے کہا: وہ ہم سے ہمارے مال کا عشر (دسواں حصہ) لیتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «فَخُذُوا مِنْهُمْ مِثْلَ مَا يَأْخُذُونَ مِنْكُمْ» ''ٹھیک ہے۔ تم بھی ان سے اسی طرح عشر وصول کیا کرو جس طرح وہ تم سے وصول کرتے ہیں۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ہماری طرف سے مسلمان تاجر کفار کے علاقوں میں داخل ہوتے ہیں تو وہ ان سے عشر وصول کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ ان کی طرح آپ بھی ان حربیوں سے تجارت کا دسواں حصہ وصول کریں۔ ذمیوں سے بیسواں حصہ اور مسلمانوں سے ہر 40 درہم میں ایک درہم وصول کریں اگر درہم 200 سے کم ہوں تو کچھ نہ لیں۔ 200 درہم میں 5 درہم وصول کریں اور اگر دراہم زیادہ ہوں تو اسی تناسب سے وصول کریں۔[2]

تجارتی دنیا میں اس نئی قانون سازی کے باعث علاقائی سطح پر بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ تجارتی دنیا میں اسلامی تجارت کی بدولت بھاری آمدنی کے دروازے کھل گئے۔ جیسے ہی اسلامی ریاست نے تجارت کے لیے اپنے علاقوں کے دروازے کھولے تو ساری دنیا کے مسلم اور غیر مسلم تاجروں نے اسلامی ریاست سے تجارتی روابط بڑھائے اور مختلف اموال کی امپورٹ ایکسپورٹ میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ اسلامی ریاست کے مختلف شہروں کے درمیان تجارتی گرم جوشی پیدا ہو گئی اور جزیرۂ عرب سے دیگر علاقوں کی طرف تیزی سے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت ہونے لگی۔ دوسری طرف اسلامی علاقوں کی بندرگاہوں پر بھی تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا۔ ہند، چین

[1] موسوعة فقه عمر بن الخطاب، ص:651. [2] الخراج لأبي يوسف، ص:146,145، وسياسة المال، ص:128.

اور مشرقی افریقہ سے نہایت عمدہ اور قیمتی ساز و سامان بڑے بڑے بحری جہازوں کے ذریعے سے اسلامی علاقوں میں پہنچنے لگا۔ یہ خوشگوار منظر خلافت راشدہ ہی میں جگمگانے لگا اور اموی دور میں نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ [1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عشر کی وصولی کا نہایت منظّم اور شفاف نظام قائم تھا۔ عشر وصول کرنے والے منظّم طریقے سے نصاب اور متعلقہ سال کے حوالے کے حساب سے عشر وصول کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عشر کی وصولی کے لیے عراق بھیجا۔ انھوں نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کا مال 200 درہم تک پہنچ جائے تو اس سے 5 درہم وصول کرنا، پھر ہر 40 درہم پر ایک درہم لے لینا۔ [2]

علامہ شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے زیاد بن جریر (ایک روایت کے مطابق زیاد بن حدیر) کو عین التمر کے علاقے میں عشر اور زکاۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ مسلمانوں سے چالیسواں، اہل ذمہ کے تجارتی اموال سے بیسواں اور اہلِ حرب سے دسواں حصہ وصول کیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عشر وصول کرنے والے کی اجرت اور خرچہ اسی مال سے مقرر فرمایا جو وہ وصول کرتا تھا۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عشر کی مد میں وصول کی جانے والی رقم کی حد بندی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے اہل حرب کے ساتھ مساوات کا سلوک کیا، یعنی اگر وہ مسلمان تجار سے عشر لیتے ہیں تو ان سے بھی عشر وصول کیا جائے گا۔ اہل ذمہ پر بیسواں حصہ مقرر کیا گیا جبکہ مسلمانوں سے شریعت کے مطابق تجارتی سامان کا چالیسواں حصہ وصول کیا گیا۔

---

[1] التجارة و طرقها في الجزيرة العربية للدكتور محمد العمادي، ص:332. [2] الحياة الاقتصادية في العصور الإسلامية الأولٰى، ص:101. [3] شرح السير الكبير:2134,2133/5، والحياة الاقتصادية، ص:101.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تجار سے وصولی کی کم از کم حد کا تعین کیا۔ جب تک مسلمان یا ذمی تجار کا مال باقی ہوتا اور اس کی قیمت میں اضافہ نہ ہوتا تو ان سے اس وقت تک دوبارہ عشر وصول نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ ایک سال نہ گزر جاتا۔ سال کے دوران میں ان کی مسلسل آمدورفت کے باوجود ان سے کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تجارتی شعبے میں اہل حرب سے مکمل مساویانہ سلوک کرتے تھے۔ اگر وہ مسلمان تاجروں سے زیادہ محصول وصول کرتے تو اسی حساب سے ان سے بھی زیادہ مال وصول کیا جاتا اور اگر وہ مسلمان تجار سے نرمی کرتے ہوئے ٹیکس معاف کر دیتے تو ان کے ساتھ بھی اسی طرح نرمی اور ٹیکس کی چھوٹ کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ تجارتی معاملات میں آج کل عالمی سطح پر برابری کا یہی اصول رائج ہے جسے چونگیوں کا نظام کہا جاتا ہے۔ اس نظام کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منظّم اور مصفّٰی کیا تھا۔ [1]

مسلمانوں کو جب کسی خاص غذائی سامان یا اجناس کی ضرورت ہوتی تھی تو اپنی ضرورت کے تحت وہ آنے والے تجار کو ٹیکس میں رعایت دے دیتے تھے یا ٹیکس ہی معاف کر دیتے تھے تاکہ مطلوبہ سامان کثرت سے دستیاب ہو سکے۔ اس سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تیل اور گندم کی ضرورت کے پیشِ نظر اہلِ حرب سے تجارتی ٹیکس کی وصولی کی شرح 20 فیصد کر دی تھی اور منقول ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے حجاز میں غذائی اجناس کی درآمد کے لیے ٹیکس بھی معاف کر دیا تھا۔

علامہ زیدی اپنی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبطیوں سے روئی میں سے عشر جبکہ گندم اور منقیٰ میں سے بیسواں حصہ وصول کرتے تھے تاکہ مدینہ میں گندم اور منقیٰ بکثرت دستیاب ہو سکے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نافذ مالی ضابطے انتہائی نفع مند ثابت ہوئے۔ ان کی

[1] سياسة المال في الإسلام، ص: 132. [2] سياسة المال في الإسلام، ص: 133.

بدولت مسلمانوں کو مقامی طور پر باہمی تجارت کے علاوہ عالمی سطح پر بھی تجارتی لین دین میں بڑی سہولت ہوگئی۔ لوگوں کو حسبِ ضرورت مختلف اقسام کی اشیاء و اموال آسانی اور فراوانی سے میسر آنے لگے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت المال کو محض بھرنا ہی نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ ایک ایک پیسے کو کام میں لاتے تھے۔ وہ اس مال سے راستے مضبوط کرتے تھے۔ سڑکیں بناتے تھے۔ سڑکوں ہی کی وجہ سے تجارت فروغ پاتی تھی، بیت المال کے ذرائع آمدنی میں اضافہ ہوتا تھا، خوشحالی آتی اور لوگ پرسکون زندگی بسر کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ملکی سطح پر تجارت کو منظّم فرمایا اور باہر سے آنے والے تجار سے حسن سلوک سے کام لیا۔ انھوں نے اپنے تمام عمال اور گورنروں کو حکم دیا کہ تاجروں سے اچھا برتاؤ کیا جائے اور عشر وصول کرتے وقت کسی قسم کا ظلم اور ناانصافی نہ کی جائے۔[1]

مالِ فے اور غنیمت

فَے ہر اس مال کو کہا جاتا ہے جسے مسلمان کفار سے لڑائی کیے بغیر اور اپنے گھوڑوں یا اونٹوں کو استعمال میں لائے بغیر حاصل کر لیں۔ اس مال کا پانچواں حصہ مستحقین خمس میں تقسیم کیا جاتا ہے۔[2]

ان اہل خمس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

﴿ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾

”جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا تو وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے

[1] سياسة المال في الإسلام، ص: 133. [2] تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل عبدالله المصري، ص:322.

لیے ہے۔“[1]

جبکہ غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جسے مسلمان کفار سے بزورِ شمشیر حاصل کریں۔[2]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

”اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (ان کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دو فوجوں میں ٹکراؤ ہوا تھا اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔“[3]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات کی کثرت کے سبب اموالِ غنیمت بڑی کثرت سے حاصل ہوئے اور یہ مفتوحہ علاقے اقتصادی نقطۂ نظر سے اس دور کے انتہائی ترقی یافتہ علاقے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایرانی اور رُومی کمانڈرز جب میدان میں نکلتے تھے تو پوری شان و شوکت اور جاہ و جلال سے نکلتے تھے۔ اس کا اندازہ ان کے اس ذاتی سازوسامان سے لگایا جاسکتا ہے جو کسی مسلمان کو انھیں قتل کرنے کے بعد دستیاب ہوتا تھا۔ ایک ایک کمانڈر کا ذاتی سازوسامان اور اسلحہ وغیرہ 15 ہزار درہم سے 30 ہزار درہم مالیت تک کا ہوتا تھا۔[4]

اس دور میں بڑے بڑے شہر مدائن، جلولاء، ہمذان، رے اور اصطخر وغیرہ فتح ہو چکے

---

[1] الحشر 7:59. [2] الخراج لأبي يوسف، ص: 19، نقلا عن الخلافة الراشدة، ص: 183.
[3] الأنفال 41:8. [4] عصر الخلافة الراشدة، ص: 188.

تھے اور مسلمان انتہائی بیش قیمت اموال پر قبضہ کر چکے تھے۔ اس سلسلے میں بطور مثال کسریٰ کے اس قالین کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے جو 3600 مربع میٹر کا تھا۔ اسے خالص سونے سے تیار کیا گیا تھا۔ اس پر نگینے جڑے ہوئے تھے۔ اس پر پھلوں کی شکلیں جواہرات سے بنائی گئی تھیں۔ اس میں پانی بہنے کی ایک تصویر بنائی گئی تھی۔ اسے سونے کے کام سے نمایاں کیا گیا تھا۔ یہ قالین 20 ہزار درہم میں فروخت ہوا۔ جلولاء اور نہاوند کی فتوحات سے بھی مسلمانوں کو بڑی بہتات سے سونا، چاندی اور نہایت قیمتی جواہرات ہاتھ لگے تھے۔ صرف جلولاء ہی کے مالِ غنیمت کا خمس 60 لاکھ درہم تھا۔ ①

مفتوحہ علاقوں کی غنیمت کا سب سے بڑا اور قیمتی مال وہ زمینیں تھیں جنھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ریاست کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہ وہ زمینیں تھیں جن کے رہائشی یا تو قتل ہو گئے تھے یا بھاگ گئے تھے اور یہ زمینیں لاوارث چھوڑ گئے تھے۔ ان کے علاوہ کسریٰ اور اہل کسریٰ کی ذاتی جائیدادیں بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئیں۔ مفتوحہ اراضی کا غلہ اسلامی ریاست وصول کرتی تھی جو ریاستی بیت المال کی محکمی اور ترقی کا سبب بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعد میں اس غلہ کی آمدنی 70 لاکھ درہم تک پہنچ گئی تھی۔

مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہونے والے اموال غنیمت بے پایاں تھے۔ ان سے ہر مسلمان انفرادی طور پر بھی خوشحال ہوا اور اسلامی مملکت کے استحکام میں بھی اضافہ ہوا۔ معیشت کی ترقی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئی۔ اس کے آثار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ ②

بیت المال اور سرکاری امور کا ریکارڈ

بیت المال کا اطلاق اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں ریاست کی ساری آمدنی جمع ہوتی ہے

① عصر الخلافة الراشدة، ص: 189. ② عصر الخلافة الراشدة، ص: 189.

اور پھر وہیں سے تمام سرکاری اخراجات، یعنی خلیفہ، فوج، قضاۃ اور عمال کی تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں اور عوامی فلاح و بہبود کے پروگراموں کے مصارف پورے کیے جاتے ہیں۔ ①

دیوان

دیوان سے مراد وہ رجسٹر اور کاغذات ہیں جن میں ریاست کے امور کا اندراج کیا جاتا ہے۔ ایرانیوں کے ہاں دیوان کا اطلاق اس جگہ پر کیا جاتا تھا جہاں کاتب اور سرکاری ملازم جمع ہو کر کاغذات میں سرکاری امور کا اندراج کرتے تھے۔ ②

اسلامی ریاست کے ابتدائی دور میں بیت المال کی نوعیت وہ نہیں تھی جو بعد میں معروف ہوئی۔ نبی ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ضروریات کے مدنظر اموال فوراً تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی یہی نظام رائج رہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں بھی اسی نظام پر عمل ہوا۔ اسلامی سلطنت نے شرقاً اور غرباً زبردست وسعت حاصل کر لی۔ اس صورت حال کے نت نئے تقاضے سامنے آئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ غور وفکر کرنے لگے کہ کوئی ایسا نظام ہونا چاہیے جس کے تحت خلیفہ کے پاس ان فتوحات کے اموال وغنائم، جزیہ، خراج اور زکاۃ کے اموال جمع رہیں۔ اس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں افواج کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ سب کے نام اور ان کی ضروریات کے کوائف محفوظ کیے جائیں تاکہ کسی کی حق تلفی بھی نہ ہونے پائے اور نہ ہی کسی کو اس کے حصے سے زیادہ یا مکرر رقم پہنچے۔ مسلسل فتوحات اور اموال کی کثرت کے پیش نظر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس نئی صورتحال کو کنٹرول کرنا اور ایک ضابطے میں رکھنا صرف خلیفہ اور اس کے امراء کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ مالی امور کی ذمہ داریاں عمال کے ہاتھ میں دے دینا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے

① سیاسة المال في الإسلام، ص: 155. ② مقدمة ابن خلدون، ص: 243، وسیاسة المال في الإسلام، ص: 155.

مبادا اموال کا شمار اور کوئی حساب ہی نہ ہو، لہٰذا انھوں نے ان اموال کو حساب کتاب اور ضابطے میں رکھنے کی غرض سے ایک دیوان کا نظام قائم فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے خلیفہ تھے جنھوں نے اسلامی دور خلافت میں سب سے پہلے سرکاری سطح پر دیوان، یعنی سرکاری ریکارڈ اور حساب کتاب کا شعبہ قائم کیا۔ [1]

اس شعبے کے قیام کے سلسلے میں مؤرخین ایک قصہ نقل کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بحرین سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں 5 لاکھ درہم لے کر حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھ سے وہاں کے لوگوں کے حالات دریافت فرمائے۔ میں نے سب حالات گوش گزار کر دیے، پھر انھوں نے پوچھا: کیا لائے ہو؟ میں نے عرض کیا: 5 لاکھ درہم! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے تعجب سے دریافت کیا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ اور ایک لاکھ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھیں نیند آ رہی ہے۔ جاؤ۔ سو جاؤ۔ صبح کے وقت میرے پاس آنا۔ جب صبح ہوئی تو میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے فرمایا: کیا لائے ہو؟ میں نے عرض کیا: 5 لاکھ درہم لایا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فرمایا: معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! ایک لاکھ اور گنتے گنتے پانچ لاکھ پورے کر دیے۔ کہتے ہیں کہ میں انگلیوں کے ساتھ شمار بھی کرتا رہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا یہ سب پاکیزہ مال ہے؟ میں نے عرض کیا: مجھے تو بس اسی چیز کا علم ہے جو میں نے عرض کر دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر فرمایا: اے لوگو! ہمارے پاس بہت زیادہ مال آیا ہے۔ اب تمھاری مرضی ہے تم جیسے چاہو ناپ کر یا گنتی کے حساب سے تم پر تقسیم کر دوں۔ اس وقت ایک آدمی کھڑا ہو گیا۔ عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں نے عجمی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اموال کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ [2]

[1] سياسة المال في الإسلام، ص: 157. [2] الطبقات لابن سعد 301,300/3، یہ خبر صحیح ہے۔

اس آدمی کی بات سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ریکارڈ رکھنے کے خواہش مند ہو گئے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دیوان قائم کرنے کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ کچھ لوگوں نے آپ سے موافقت کی۔ ولید بن ہشام بن مغیرہ نے عرض کیا: میں شام گیا ہوں وہاں میں نے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ وہ دیوان قائم کرتے ہیں اور افواج کی بھرتی کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دیوان قائم کر دیا اور باقاعدہ افواج کی بھرتی کا نظام جاری فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ مشورہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ ②

تاریخی روایات میں ہے کہ اس وقت مدینہ میں ایک ایرانی سردار موجود تھا۔ جب اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو متفکر دیکھا تو عرض کیا: اے امیر المؤمنین! شاہانِ کسریٰ مالیات کے لیے ایک دیوان قائم کرتے ہیں۔ اس میں اُن کی مکمل آمدنی اور خرچ کی تفصیلات درج کی جاتی ہیں۔ اسی شعبے میں تمام تنخواہ دار افراد کا مکمل اندراج ہوتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فرمایا: مجھے دیوان کی مزید تفصیل بتاؤ، چنانچہ اس ایرانی سردار نے دیوان کی مکمل تفصیلات بتائیں، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دیوان قائم کر دیا اور لوگوں کی تنخواہیں اور روزینے مقرر فرما دیے۔ ③

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی دیوان کے قیام کو پسند فرمایا اور اپنی رائے اس طرح دی: میری رائے کے مطابق یہ مال اتنا زیادہ ہے کہ بغیر شمار کے سب کو تقسیم کر دیا جائے تو سب کو پورا ہو جائے گا۔ لیکن مالیات کے نظام کو انتشار سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ دیوان قائم کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس نے اپنا وظیفہ لے لیا ہے اور کون باقی رہ گیا ہے۔ ④

مؤرخین کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ دیوان کا قیام کب عمل میں آیا۔ ایک

① مقدمة ابن خلدون، ص:244، والخراج لأبي يوسف، ص:49,48. ② الأحكام السلطانية، ص:227,226، وفتوح البلدان، ص:436. ③ الأحكام السلطانية، ص:226، و تاريخ الإسلام السياسي:456/1. ④ الأحكام السلطانية، ص:226، وسياسة المال، ص:158.

قول کے مطابق 15 ہجری کو عمل میں آیا۔ اس کے قائل علامہ طبری ہیں۔ ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی انھی سے یہ قول نقل فرمایا ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ عمل 20 ہجری محرم کے مہینے میں معرض وجود میں آیا۔ اس کے قائل علامہ بلاذری، واقدی، ماوردی اور ابن خلدون وغیرہ ہیں۔ [1]

راجح بات یہ ہے کہ نظام دیوان کا قیام 20 ہجری کو عمل میں آیا کیونکہ 15 ہجری کو معرکۂ قادسیہ پیش آیا تھا اور عراق، شام اور مصر کے علاقے اس کے بعد فتح ہوئے تھے۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اموال کی تقسیم میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طریقے سے جداگانہ طریقہ اختیار فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان اموال کی تقسیم برابری کی بنیاد پر فرماتے جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اموال کی تقسیم میں اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والوں، جہاد کی فضیلت حاصل کرنے والوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے والوں کو مقدم رکھتے تھے اور انھیں زیادہ نوازتے تھے۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اموال کی تقسیم کے سلسلے میں حفظ مراتب کے شروع ہی سے قائل تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ان کی یہی رائے تھی۔ جب انھوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو برابری کی سطح پر اموال تقسیم فرماتے دیکھا تو فرمایا تھا: کیا آپ 2 ہجرتیں کرنے والے 2 قبلوں کی طرف نمازیں ادا کرنے والے اور اس آدمی کے درمیان برابری فرمائیں گے جو فتح مکہ کے دن چمکتی ہوئی تلوار کے ڈر سے مسلمان ہوا؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ان سب نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کیے اور ان کے اجر اللہ کے ذمہ ہیں، دنیا تو ایک مسافر خانہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: «لَا أَجْعَلُ مَنْ قَاتَلَ رَسُولَ اللّٰهِ كَمَنْ قَاتَلَ مَعَهُ» ''میں تو ہرگز اس آدمی کو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اس آدمی کے برابر نہ سمجھوں گا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کفار و مشرکین سے جنگ کی۔'' [4]

[1] مقدمة ابن خلدون، ص:244، وسياسة المال، ص: 159. [2] سياسة المال في الإسلام، ص: 159. [3] سياسة المال في الإسلام، ص: 159. [4] الأحكام السلطانية للماوردي، ص:201.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تقسیمِ اموال کا طریقۂ کار

① اسلام میں پہل کرنے والوں کو ترجیح جن کے سبب اموال کا حصول ممکن ہوا۔
② دین اور دنیا کے اعتبار سے مسلمانوں کو نفع پہنچانے والے جس طرح علماء اور ذمہ داران۔
③ وہ لوگ جنھوں نے مسلمانوں کی تکالیف دور کرنے کے لیے سخت مشکلات کا مقابلہ کیا، مثلاً: مجاہدین، دشمنانِ اسلام کی جاسوسی کرنے والے اور دیگر خیرخواہ۔
④ ضرورت مند افراد۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اموال میں تقسیم کی حکمت عملی اُن کے اس فرمان میں موجود ہے جس میں انھوں نے فرمایا: اس مال میں کوئی کسی دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں، سوائے اس شخص کے جو مسابقت اختیار کرنے والا ہو، مسلمانوں کو نفع پہنچانے والا ہو، مصائب برداشت کرنے والا ہو یا انتہائی ضرورت مند ہو۔[2]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم، جو قریشی نوجوان تھے، کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ تمام لوگوں کے ان کے مراتب کے لحاظ سے کوائف تحریر کریں۔ انھوں نے سب سے پہلے بنو ہاشم کے نام لکھے، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اور

① السياسة الشرعية لابن تيمية، ص: 48، وأولويات الفاروق، ص: 358. ② جامع الأصول: 71/2، وأخبار عمر، ص: 94.

ان کے رشتہ دار، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے عزیز و اقارب کے نام اور کوائف تحریر کیے۔ انھوں نے خلافت کی ترتیب پیش نظر رکھ کر فہرستیں تیار کیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فہرستیں دیکھیں تو فرمایا: میں ان فہرستوں سے مطمئن نہیں ہوں۔ تم سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریبی عزیز و اقارب کے کوائف کا اندراج کرو، پھر ان کے بعد جو زیادہ قریب ہوں ان کے کوائف لکھو اور عمر کا نام وہاں درج کرو جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلے والے بنو عدی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ انھوں نے درخواست کی: آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔ بہتر تھا کہ آپ ان نوجوانوں کی فہرستوں پر اعتماد فرماتے جنھوں نے آپ کو کوائف لکھ کر پیش کیے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بنو عدی! تم پر بڑا تعجب ہے۔ تم میری آڑ میں مال کھانا چاہتے ہو اور میری حسنات وصول کرنا چاہتے ہو، نہیں ہرگز نہیں! تمھیں اتنا ہی ملے گا جس مطابقت سے تمھارا نام آئے گا، چاہے وہ آخر ہی میں آئے۔ مجھ سے پہلے میرے دو ساتھیوں کا ایک طریقۂ کار تھا۔ اگر میں اس طریقے کی مخالفت کروں گا تو میرے بعد میرے طریقے کی بھی مخالفت ہوگی۔ اللہ کی قسم! ہمیں یہ دنیا کی عزتیں اور آخرت کے ثواب صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ملے ہیں۔ وہی ہمارے لیے شرف کا باعث تھے اور اُنھی کے اعزہ سارے عرب سے زیادہ مکرم ہیں، پھر اسی طرح جو اُن کے بعد ہوں گے باعث شرف سمجھے جائیں گے۔ اللہ کی قسم! اگر عجمی اچھا عمل کریں اور عرب برا عمل کریں تو قیامت کے دن عجم والوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ قرب نصیب ہوگا۔ جس کا عمل نکما ہوگا، اس کا نسب اس کے کام نہیں آئے گا۔[1]

[1] فتوح البلدان، ص:436، والأحكام السلطانية، ص:227.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان کی بنیاد رکھی۔ اس میں وظائف حاصل کرنے والوں کے نام اور ان کے وظائف کی تفصیلات درج کرائیں، پھر ایک فوجی دیوان مقرر کیا۔ اس میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ عرب کے اہل اسلام جہاد فی سبیل اللہ کے لشکر ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے بنو ہاشم کے ان افراد کا نام لکھا جو نبی ﷺ کے قریبی عزیز تھے۔ ان کے بعد جو زیادہ قریبی اعزہ تھے۔ انھوں نے اسی ترتیب کے تحت سب نام لکھے، پھر تمام مسلمانوں کے لیے الگ الگ وظیفے مقرر فرمائے۔ انھوں نے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات حتی کہ لونڈیوں کے وظیفے بھی مقرر فرما دیے۔ انھوں نے تمام مسلمان مردوں، عورتوں کے علاوہ بچوں کے بھی وقتِ پیدائش ہی سے وظائف مقرر فرما دیے، نیز غلاموں کے لیے خاص طور پر مختلف وظیفے مقرر فرمائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دیوان کے قیام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں جہاد فی سبیل اللہ کے اہتمام اور مجاہدین کے حقوق کی مکمل پاسداری کا کس قدر فکر اور لحاظ تھا۔ انھوں نے مدینہ طیبہ میں دیوان کی تیاری کے لیے انساب کے ماہر اور فصیح و بلیغ قریشی افراد کی خدمات حاصل کیں اور سارا ریکارڈ عربی زبان ہی میں قلم بند کیا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں دیوان کے اقدامات مکمل کر لینے کے بعد مملکت اسلامیہ کے دیگر شہروں میں بھی دیوان قائم کرنے کا حکم جاری کیا۔ ہر شہر کے باشندوں کے کوائف انھی کی علاقائی زبان میں لکھے گئے جو بعدازاں عبدالملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں عربی زبان میں منتقل کر دیے گئے۔

دیوان کا نظام قائم کرنے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ ایک سال تک مال کو جمع رکھتے، بعدازاں اسے لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح اموال کی جمع بندی باعث برکت ہے۔[1]

---

[1] سياسة المال في الإسلام، ص: 160.

اموال کے تحفظ کا تقاضا تھا کہ ایسے امانت دار افراد مہیا ہوں جو اس کی حفاظت پر مامور ہوں۔ اس سلسلہ میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو امین مقرر کیا گیا۔ [1]

ابو عبید اپنی سند سے ذکر کرتے ہیں کہ قبیلۂ قارہ کے ایک فرد "عبد" فرماتے ہیں: مجھے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المال کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔ [2]

ریاست کے اخراجات

بیت المال کے اخراجات کی تین اقسام تھیں:

① زکاۃ وغیرہ کے مصارف۔

② جزیہ، خراج اور عشور وغیرہ کے مصارف۔

③ اموال غنیمت وغیرہ کے مصارف۔

قرآن کریم، سنت نبوی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ان تمام مصارف کی تفاصیل منقول ہیں۔ [3]

زکاۃ کے مصارف

اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کے مصارف کے سلسلے میں 8 قسموں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ ؕ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ ﴾

"زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی

① صبح الأعشى في قوانين الإنشاء للقلقشندي: 89/1. ② فقه الزكاة: 318/1، یہ اور سابقہ حوالہ دونوں سیاسۃ المال، ص: 160 سے ماخوذ ہیں۔ ③ سياسة المال في الإسلام، ص: 169.

وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے اور قرضہ داروں (کے قرض اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں، (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فقراء اور مساکین کو اموال زکاۃ سے اس قدر مال دے دیا جاتا تھا جس کے سبب ان کی محتاجی ختم ہو جاتی تھی اور وہ خوش حال ہو جاتے تھے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: جب تم کسی کو عطا کرو تو اسے اچھی طرح خوشحال کرو۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ نہایت عمدہ حکمت عملی تھی کہ وہ عارضی طور پر مصائب کے شکار افراد کو ان کی وقتی ضرورت سے زیادہ مال عطا فرماتے تھے۔ مستقل طور پر عاجز اور بیمار آدمی کے لیے یہ عطیہ بطور احسان ہوتا تھا اور کام سے فارغ حضرات کے لیے کمائی کا ذریعہ بن جاتا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے علاوہ اہل کتاب کے ان مساکین کو بھی وظیفے عطا فرماتے تھے جن پر اُن کے فقر و فاقہ کے سبب جزیہ معاف کر دیا گیا تھا۔[4]

مصارفِ زکاۃ میں سے ایک قسم کے لوگ وہ بھی ہوتے تھے جن کو زکاۃ وصول کرنے پر مامور کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کی مختلف ذمہ داریاں ہوتی تھیں، یعنی زکاۃ کے نظام کو مربوط بنانا، جن لوگوں پر زکاۃ واجب ہو ان کے نام اور آمدنی کا اندراج کرنا، مستحقین کی ضروریات کا تعین کرنا اور یہ اندازہ لگانا کہ انھیں کس قدر مال کفایت کر سکتا ہے۔ یہ تمام امور مفصل طور پر درج کرنا، ان حضرات کی ذمہ داری میں شامل تھے جو وصولی زکاۃ کے

[1] التوبة 9: 60. [2] النظام الإسلامي المقارن، ص: 112، وسياسة المال، ص: 171. [3] الأموال لأبي عبيد: 4/676، وسياسة المال، ص: 171. [4] سياسة المال في الإسلام، ص: 172.

سٹاف کے رکن تھے۔ علاوہ ازیں اسی ذیل میں بہت سے دیگر معاملات بھی پیش آتے تھے جنھیں منظّم اور مربوط بنانے کے لیے خصوصی مہارت کے تجربہ کار افراد کی ضرورت پڑتی تھی اور پھر ان کے بہت سے معاون بھی بھرتی کیے جاتے تھے۔[1]

وہ لوگ جنھیں تالیف قلب کے لیے زکاۃ کے اموال سے مال دیا جاتا تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا حصہ موقوف کر دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام ان کے دور خلافت میں مضبوط ہو چکا ہے، لہٰذا نص قرآنی میں مذکور آٹھ (8) اقسام سے اس صنف کو خارج کر دیا گیا۔[2] دور حاضر میں تالیفِ قلب کی مختلف صورتیں موجود ہیں۔ قرآن کریم میں بیان کردہ اس صنف کی موجودگی کے پیش نظر ان پر اموال زکاۃ سے مال صرف ہو سکتا ہے۔[3]

بعض اسلام دشمن عناصر اور ذہنی طور پر مفلوج کچھ مسلمانوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مؤلفۃ القلوب کے حصے کو ختم کر دینے کا حوالہ دے کر یہ نتیجہ نکالا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی نص کا حکم موقوف قرار دے دیا تھا۔ ان لوگوں کی طرف سے یہ دعویٰ سچائی سے خالی ہے کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تالیف قلب کے لیے مقرر حصے کو ایک خاص سبب اور حکمت کے پیش نظر موقوف فرمایا تھا کیونکہ اس وقت اسلام غالب اور طاقتور ہو چکا تھا جبکہ ابتدائی دور میں اہلِ اسلام بہت کمزور تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اب اسلام کے غلبے اور طاقت کے بعد تالیف قلب کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔[4]

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس موقف سے اتفاق فرمایا تھا۔ یہ اتفاق مجبوراً یا حادثاتی طور پر نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے پیچھے بہت سے اسباب تھے۔ ایک سبب یہ تھا کہ بہت سی قومیں دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ صرف چند بے حیثیت لوگ باقی رہ گئے تھے۔ اسلام کو اس قدر زبردست قوت اور مضبوطی حاصل ہو چکی تھی کہ اب

---

[1] سياسة المال في الإسلام، ص: 173. [2] عصر الخلافة الراشدة، ص: 202. [3] سياسة المال في الإسلام، ص: 175. [4] سياسة المال في الإسلام، ص: 178,177.

تالیف قلب کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ تالیف قلب نہ کرنے سے اسلام کو ان لوگوں سے کوئی خطرہ لاحق نہیں رہا تھا بلکہ وہ خود خطرہ محسوس کرتے تھے کہ اب ہم بے یارو مددگار رہ گئے ہیں۔

تیسرا سبب یہ بھی تھا کہ اب اس حصے کی حیثیت وراثت کی نہیں تھی جو نسل در نسل چلتی رہتی۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کسی سینہ زوری کے سبب مؤلفۃ القلوب کے حصے کو ختم نہیں کیا تھا۔ بھلا وہ نص قرآنی کے منافی کوئی قدم کس طرح اٹھا سکتے تھے؟ اس کے برعکس انھوں نے تو انتہائی دانشمندی کا ثبوت دیا۔ انھوں نے نص قرآنی کے اصل مفہوم کو خوب سمجھا کہ یہ حصہ تو عرب کے بڑے بڑے سرداروں کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب کے لیے مقرر کیا گیا تھا تاکہ اسلام طاقتور ہو سکے اور جو اسلام میں نیا نیا داخل ہو وہ ثابت قدم رہ سکے۔ انھوں نے اس حکم کی اصل علت پر غور فرمایا، نص کو محض ظاہری طور پر نہیں دیکھا۔ انھوں نے خیال کیا کہ اب جبکہ اسلام نہایت محکم اور محترم ہو چکا ہے اور بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں تو اب تالیف قلب کے لیے کسی کو کچھ دینا باعث ذلت اور شرمندگی ہو گا۔

جس علت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے زکاۃ سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ مقرر فرمایا تھا جب وہ علت ہی ختم ہو گئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حصہ موقوف کر دیا۔ ایسے دانائی پر مبنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ انھوں نے قرآنی نص پر عمل موقوف کر دیا تھا، انتہائی نامناسب اور نادانی کی بات ہو گی کیونکہ بالفرض انھوں نے ایسا اقدام کیا بھی ہوتا تو اسے منسوخ شمار کیا جاتا، جبکہ نسخ کا معاملہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں شارع علیہ السلام ہی کی طرف سے ہو سکتا تھا۔[2]

---

[1] الأبعاد السياسية لمفهوم الأمن في الإسلام، ص: 306. [2] الاجتهاد في الفقه الإسلامي، ص: 133,132.

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نصوصِ احکام کی علل اور ان کے پس منظر پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔①

زکاۃ کے مصارف میں غلاموں کو آزاد کرنا، قرض داروں کی امداد، فی سبیل اللہ خرچ کرنا اور مسافروں کی امداد کرنا شامل تھا۔ قرآن کریم میں مسافروں کا خاص طور پر بڑا خیال رکھا گیا ہے۔ ان کے لیے زکاۃ، مالِ فے اور غنیمت کے اموال سے بھی حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اسلام نے اپنے وطن سے دور اجنبی مسافروں کے سلسلے میں ایسا منفرد سلوک کیا ہے جس کی دنیا کے کسی نظام اور شریعت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسافروں کے ساتھ بڑا احسن برتاؤ کیا جاتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مسافروں کے لیے ایک الگ گودام مخصوص کر رکھا تھا جسے ''دارالدقیق'' کہا جاتا تھا۔ اس جگہ آٹا، ستو، کھجوریں، منقیٰ اور ضرورت کی ہر چیز فوراً امہیا ہوتی تھی۔ یہیں سے مسافر، مہمان اور ہر اس شخص کے لیے سامان خور ونوش مہیا کیا جاتا تھا جو خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسی ضرورت کے تحت حاضر ہوتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان مسافروں کی سہولت کے لیے وافر انتظامات فرمائے۔ مسافروں کو پانی فراہم کرنے والی جگہیں اور مقامات کو بھی تبدیل کر کے ضرورت کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا۔②

قرآن کریم میں ذکر کردہ مصارف زکاۃ کی 8 قسمیں اس بات کی متقاضی تھیں کہ اس قسم کے لوگوں کو تلاش کیا جائے، ان کے حالات کی جانچ پڑتال کی جائے اور ہر شہر میں ان کی رجسٹریشن کی جائے، پھر یہ سارا ریکارڈ ریاست کے مرکز میں محفوظ کر لیا جائے۔ دارالخلافہ میں شعبۂ زکاۃ کا خصوصی دیوان قائم تھا۔ اس کی شاخیں پوری مملکتِ اسلامیہ میں پھیلی ہوئی تھیں۔ زکاۃ کا یہ زبردست منظّم نظام عہد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں سرکاری طور پر دیوان

① الاجتهاد في الفقه الإسلامي، ص: 134. ② الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 283/3.

قائم کرنے کے بعد عمل میں آیا تھا۔ ①

قرآن کریم میں بیان کردہ مصارف زکاۃ سے ان کی ہمہ گیر جامعیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس میں دینی، سیاسی، معاشرتی (جس میں جہاد فی سبیل اللہ بھی شامل ہے)، افواج کی تیاری، فقر و فاقہ کا خاتمہ، قرض داروں کی مدد اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی ایسی مصلحتیں پنہاں ہیں جو معاشرے کے تقریباً تمام تقاضے پورے کرتی ہیں اور لوگوں میں باہمی محبت، امن اور تعاون کا سبب بھی بنتی ہیں۔ ②

جزیہ، خراج اور ٹیکس کے مصارف

ان مصارف میں خلفاء کا وظیفہ، عمال اور افواج کی تنخواہیں، اہل بیت نبوی اور مجاہدین کی بیویوں کے وظائف اور فلاحِ عامہ کے دیگر امور سرفہرست تھے۔

① **خلیفہ کے اخراجات:** سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ان اموال سے 5 ہزار اور ایک روایت کے مطابق 6 ہزار درہم سالانہ مقرر تھے۔

② **عمال کے وظائف:** اس سے مراد وہ عمال ہیں جنھیں مختلف علاقوں کی طرف عامل بنا کر بھیجا گیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسلامی مملکت کے ہر علاقے میں ایک دور اندیش اور عادل والی کا تقرر فرما رکھا تھا جو انتظامی امور کا ماہر ہوتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی بھی علاقے کا کوئی عامل مقرر فرماتے تو بعدازاں اس کی مدد کے لیے زکاۃ اور جزیہ وصول کرنے والے کارکن، قاضی، کاتب اور خراج وصول کرنے والا عامل بھی بھیجتے تھے۔ نماز اور جنگ کا علیحدہ ذمہ دار ہوتا تھا۔ اسے امیر کہا جاتا تھا، جبکہ اموال کی تحصیل کے لیے دوسرا عامل ہوتا تھا۔ اسی طرح زمین کی پیمائش، ٹیکس کے نفاذ اور مردم شماری کے لیے علیحدہ علیحدہ ایسے عمال مقرر کیے جاتے تھے جو بڑے سمجھدار اور تجربہ کار ہوتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سب کے لیے ان کے منصب اور کام کی مناسبت سے وظائف مقرر فرماتے

① سياسة المال في الإسلام، ص: 184. ② سياسة المال في الإسلام، ص: 184.

تھے۔ اس سلسلے میں وہ علاقے کے قرب و بعد، خوشحالی، مہنگائی اور ارزانی کا بھی خیال رکھتے تھے۔ وہ ان وظائف کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرماتے تھے۔ ①

ان شاء اللہ! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عمال کے بارے میں تفصیل آگے آئے گی۔

③ **فوج کے اخراجات:** سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی افواج کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ ان کا علیحدہ دیوان اور محکمہ قائم فرمایا اور ان میں وظائف کی تقسیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی نسب اور قبولیت اسلام میں سبقت کی بنیاد پر کی۔ ②

اس تقسیم کے اعتبار سے وظائف پانے والوں میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کا نام تھا اور وہ بنو ہاشم تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان سب کا حصہ وصول فرماتے اور بنو ہاشم میں تقسیم فرما دیتے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا نام آتا تھا۔ ہر زوجۂ مطہرہ کو اہلِ بیت سے علیحدہ مستقل ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔ باقی تمام مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کی بنیاد پر مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے اہلِ بدر تھے، پھر ان حضرات کے نام تھے جنھوں نے بدر سے حدیبیہ تک کے معرکوں میں حصہ لیا، پھر ان حضرات کے نام تھے جنھوں نے حدیبیہ سے لے کر مرتد ہونے والوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا اور پھر جنھوں نے مرتدین کے خلاف جنگ سے لے کر قادسیہ اور یرموک کی جنگوں میں شرکت کی تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین اسلام کی بیویوں اور نومولود بچوں کے لیے بھی خصوصی وظائف مقرر فرمائے۔ انھوں نے نو عمر لڑکوں اور لاوارث بچوں کے لیے بھی سالانہ وظائف مقرر فرمائے۔ ہر وظیفے کی کم از کم مقدار 100 درہم ہوتی تھی اور بچوں کی بلوغت کے وقت ان کے وظیفوں کی رقم بڑھا دی جاتی تھی۔ ③

---

① سياسة المال في الإسلام، ص: 198. ② الأحكام السلطانية، ص: 227، وسياسة المال، ص: 119. ③ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 301/3.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غلاموں کی بہبود کا ہمیشہ خاص خیال رکھا اور ان کے لیے ان کے احوال کی مناسبت سے ایک ہزار سے دو ہزار درہم تک کے وظائف مقرر فرمائے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو وظائف مقرر کیے گئے مختلف روایات کے مطابق ان کی مقدار پر کہیں اتفاق اور کہیں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ②

رقوم کی جو مقدار صحیح ثابت ہے وہ اس طرح ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے سالانہ 10,10 ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا تھا۔ بعدازاں انھوں نے یہ رقم بڑھا دی اور فی کس وظیفہ 12 ہزار درہم مقرر کر دیا لیکن حضرت میمونہ، صفیہ اور جویریہ رضی اللہ عنہن کا فی کس وظیفہ صرف 6 ہزار درہم سالانہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ تمام ازواجِ مطہرات کو یکساں وظیفہ ملنا چاہیے۔ آپ نے حضرت عائشہ کے ارشاد کی تعمیل کی اور تمام ازواجِ مطہرات کے وظائف یکساں مقرر کر دیے۔ مہاجرین اور انصار کے وظائف 4 ہزار درہم سالانہ تھے لیکن انھوں نے اپنے صاحبزادے کا وظیفہ کم رکھا۔ انھیں صرف ساڑھے تین ہزار درہم سالانہ مرحمت فرمائے۔ اس کا سبب انھوں نے یہ بتایا کہ عبداللہ نے اپنے باپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اس نے کوئی علیحدہ مستقل ہجرت نہیں کی۔ ہجرت کے وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نوعمر تھے۔ ③

مہاجرین کے وظائف میں بعدازاں اضافہ کر دیا گیا اور انھیں فی کس 5 ہزار درہم سالانہ دیے جانے لگے۔ ④

محسوس ہوتا ہے کہ یہ وظائف بدر میں شامل ہونے والے انصار و مہاجرین کے لیے تھے۔ ⑤

صلح حدیبیہ میں شامل ہونے والوں کے وظائف 3 ہزار درہم سالانہ تھے۔ ⑥

---

① تاريخ اليعقوبي: 2/154,153. ② سياسة المال في الإسلام، ص: 200. ③ عصر الخلافة الراشدة، ص: 214. ④ عصر الخلافة الراشدة، ص: 214. ⑤ عصر الخلافة الراشدة، ص: 214.
⑥ عصر الخلافة الراشدة، ص: 215.

انھوں نے نومولود کے لیے 100 درہم وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ ابتدا میں ہر نومولود کا دودھ چھڑانے کے بعد وظیفہ مقرر ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں اس اندیشے سے کہ لوگ بچوں کو دودھ جلدی جلدی چھڑوانے لگے، یوم ولادت ہی سے وظیفہ مقرر کر دیا۔ وہ موالی جو اپنی قوم میں صاحبِ شرف سمجھے جاتے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کا وظیفہ زیادہ مقرر فرماتے تھے۔ جب ہرمزان مسلمان ہوا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے 2 ہزار درہم عطا فرمائے، علاوہ ازیں سالانہ وظیفہ بھی مقرر فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مختلف مقداروں پر مبنی عطیے مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ [1]

مذکورہ بالا افراد کے لیے مخصوص کردہ وظائف کے علاوہ انھیں ہر سال گندم کی ایک مخصوص مقدار بھی فراہم کی جاتی تھی۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے آخری ایام میں فرمایا: اگر مزید مال آ گیا تو میں ہر آدمی کے لیے 4 ہزار درہم وظیفہ مقرر کروں گا۔ ایک ہزار اس کے سفر کے لیے، ایک ہزار اسلحہ کے لیے، ایک ہزار اس کے اہل خانہ کے لیے، جبکہ ایک ہزار درہم اس کے گھوڑے اور خچر کے لیے ہوں گے۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ مملکتِ اسلامیہ کے مال میں ہر مسلمان کا ولادت سے وفات تک حق ہے۔ انھوں نے اس قانون کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں! (یہ قسم تین دفعہ اٹھائی) کوئی ایسا شخص نہیں جس کا اس مال میں حصہ نہ ہو۔ اسے دیا جائے یا نہ دیا جائے، یہ الگ بات ہے۔ تم سب کے حصے برابر ہیں سوائے غلام کے۔ میرا بھی اس مال میں ایک عام آدمی جیسا حق ہے۔ ہم سب کتاب اللہ کی رُو سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق مختلف مراتب پر فائز ہیں۔ آدمی کو اس کی اسلام کے لیے قربانی، مسابقت فی الاسلام، لوگوں کو غنی کرنا اور ضرورت و احتیاج

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 215. [2] سياسة المال في الإسلام، ص: 202. [3] سياسة المال في الإسلام، ص: 203، والطبقات الكبرىٰ: 298/3.

کی بنا پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو صنعاء کے پہاڑوں میں رہنے والا چرواہا بھی مرنے سے پہلے، وہیں رہتے ہوئے اس مال میں سے اپنا حصہ وصول کر لے گا۔ [1]

یہاں یہ ضروری ہے کہ ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مالی پالیسی کا جائزہ لیں۔ انھوں نے رقوم کی تقسیم میں مساوات قائم نہیں رکھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز رشتہ داروں، کبار مہاجرین و انصار صحابہ، مسابقت فی الاسلام اور جہاد میں شریک ہونے والوں کو درجہ بدرجہ ترجیح دی۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی وضاحت ضروری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بہت بڑی بڑی رقمیں جمع ہوگئی تھیں، یہ وہی لوگ تھے جن کے کندھوں پر اسلامی ریاست قائم تھی۔ یہی نفوسِ قدسیہ فقہ، شریعت اور اس کے مقاصد کی سخت پابندی کرنے والے تھے۔ یہ انتہائی پرہیزگار تھے۔ صحیح مصرف کے لیے مال خرچ کرنے کی بڑی صلاحیت رکھتے تھے۔ خطیر رقوم خرچ کر کے اعلیٰ معاشرتی مقاصد حاصل کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی مخصوص مقدس جماعت کو اقتصادی طور پر مضبوط بنایا تاکہ وہ معاشرے میں مؤثر کردار ادا کر سکے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بدرجۂ اتم ادا کر سکے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے آخر میں عطیات میں برابری کا اصول اپنا لیا تھا۔ انھوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو تمام لوگوں کا درجہ و مرتبہ ایک کر دوں گا۔ [2]

تمام عمومی اموال کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ اسی طرح کا تھا۔ انھوں نے

[1] الطبقات الكبرٰى: 299/3، والخراج لأبي يوسف، ص: 50. [2] عصر الخلافة الراشدة، ص: 216، والأموال لابن زنجويه: 576/2.

خود فرمایا: بلاشبہ اللہ عزوجل نے مجھے اس مال کا خازن اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے، پھر کہا: اللہ تعالیٰ ہی اسے تقسیم کرنے والا ہے۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فارس کی فتح کے بعد بیت المال میں زبردست فراوانی کے ساتھ بھاری مال آتے دیکھا تو بے اختیار رو پڑے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یہ تو شکر کا مقام اور خوشی کا واقعہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ یہ دنیا کا مال ہے۔ اس کے سبب قوموں کے درمیان دشمنی اور بغض کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔[2]

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جلولاء کی فتح کے بعد حاصل ہونے والا مال دیکھا تو یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ﴾

"لوگوں کے لیے نفسانی خواہشوں کی محبت مزین کی گئی ہے، جو عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے ہیں۔"[3]

پھر دعا فرمائی: اے اللہ! جو تو نے ہمارے لیے مزین فرمایا ہم اسے دیکھ کر یقیناً خوش ہو سکتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اسے صحیح جگہ خرچ کروں۔ میں اس مال کی برائیوں سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔[4]

مالِ غنیمت کے مصارف

اموالِ غنیمت کے مصارف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] عصر الخلافة الراشدة، ص: 216، یہ روایت صحیح ہے۔ [2] عصر الخلافة الراشدة، ص: 217، یہ روایت بھی صحیح ہے۔ [3] آل عمران 14:3. [4] عصر الخلافة الراشدة، ص: 217، یہ روایت حسن درجے کی ہے۔

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾

''اور جان لو! بلاشبہ جو تم غنیمت حاصل کرتے ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔''[1]

اموالِ غنیمت کے باقی چار حصے غازیوں میں تقسیم کیے جائیں گے جن میں گھڑ سوار کو 3 حصے 2 گھوڑے کے اور ایک سوار کا اور پیادوں کے لیے ایک حصہ ہوگا۔[2]

نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ایک مخصوص حصہ ہوتا تھا۔ اسے وہ اپنی ذاتِ گرامی اور اپنی ازواج مطہرات پر خرچ کرتے تھے۔ جو بچ جاتا اسے لوگوں کی فلاح و بہبود پر صرف فرماتے یا ضرورت مندوں اور فاقہ کشوں کو مرحمت فرما دیتے تھے۔ دوسرا حصہ نبی ﷺ کے قریبی رشتہ داروں، یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے ان افراد کے لیے مختص تھا جنھوں نے اسلام قبول کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار بنے۔

ان دونوں حصوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ دونوں حصے رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی بدستور قائم ہیں یا نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ نبی ﷺ والا حصہ ان کے بعد خلیفۃ المسلمین کو منتقل ہوگا اور دوسرا حصہ نبی ﷺ کے رشتہ داروں ہی کے لیے ہوگا۔ دوسرے قول کے مطابق یہ دوسرا حصہ نئے آنے والے خلیفہ کے رشتہ داروں کے لیے مخصوص ہوگا لیکن علماء کا اجماع ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی وفات کے بعد یہ دونوں حصے جہادی ضروریات، یعنی گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ کی خریداری ہی پر صرف کیے جائیں گے۔[3]

دوسرے الفاظ میں یہ دونوں حصے مسلمانوں ہی کی بھلائی اور سلامتی کے لیے خرچ ہوں گے، یعنی ان حصوں کی رقوم افواج کی تیاری، سرحدوں کی حفاظت، ریاست کی مضبوطی اور

[1] الأنفال 41:8. [2] الخراج لأبي يوسف، ص:22. [3] الخراج لأبي يوسف، ص:22.

ریاست کا وقار بلند رکھنے ہی پر صرف ہوں گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ حصے انھی اُمور پر خرچ ہوتے رہے۔

علاوہ ازیں باقی 3 حصے جو فقراء، مساکین اور مسافروں کے لیے مخصوص تھے وہ بعینہ اسی طرح باقی رہے جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ①

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی مالی پالیسی کے بارے میں یہی وہ نمایاں اصول ہیں جن کا تذکرہ ہم نے عہدِ فاروقی کے نظامِ مالیات کی ترقی میں بھی کیا ہے۔

اموال کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتہائی پرہیزگار اور بے حد محتاط شخصیت تھے۔ انھوں نے فرمایا: اے لوگو! میں تمھیں صاف صاف بتاتا ہوں کہ اللہ کے مال میں سے میرے لیے کیا حلال ہے۔ ایک جوڑا سردیوں کا اور ایک جوڑا گرمیوں کا، حج و عمرہ کے لیے ایک سواری، میرے اہلِ خانہ کی خوراک جو ایک ایسے قریشی کے برابر ہو جو زیادہ غنی بھی نہ ہو اور نہ زیادہ فقیر ہو۔ میں مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہوں، میری بھی وہی ضروریات ہیں جو سب مسلمانوں کی ہیں۔ ②

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي لَا آكُلُ إِلَّا وَجَبَتِي وَلَا أَلْبَسُ إِلَّا حُلَّتِي وَلَا آخُذُ إِلَّا حَقِّي» ”اے اللہ! تو خوب جانتا ہے، بلاشبہ میں ایک وقت کے کھانے سے زیادہ کھانا نہیں کھاتا۔ اپنا جوڑا پہنتا ہوں اور صرف اپنا ہی حق لیتا ہوں۔“ ③

مزید فرماتے: «إِنِّي أَنْزَلْتُ مَالَ اللّٰهِ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ مَالِ الْيَتِيمِ، مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ» ”بلاشبہ میں نے اللہ کے مال

---

① سياسة المال في الإسلام، ص:206,205. ② تاريخ المدينة لابن شبة:698/2، یہ روایت صحیح درجہ کی ہے۔ ③ تاريخ المدينة لابن شبة:698/2، وعصر الخلافة الراشدة، ص:218.

کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری اسی طرح نبھائی ہے جس طرح ایک یتیم کے مال کی ذمہ داری نبھائی جاتی ہے، یعنی یتیم کے مال کا نگران مال دار ہو تو مالِ یتیم میں سے کچھ نہ لے اور فقیر ہو تو اس مال میں سے انصاف کے ساتھ کھائے۔"[1]

اقتصادی ترقی کے چند نمایاں پہلو

① **اسلامی کرنسی کا اجرا:** کسی بھی ملک کی کرنسی سونے اور چاندی جیسی قیمتی دھات کے عوض استعمال ہوتی ہے۔ کرنسی کا استعمال معاشرتی زندگی کے انتہائی ضروری لوازم میں سے ایک ہے، خاص طور پر عالمی سطح پر مختلف اقوام اور ملکوں کے مابین تجارتی معاملات کرنسی کے تبادلے کے بغیر ناممکن ہوتے ہیں۔

اسلام کی برکت سے مسلمانوں کی اپنی اسلامی ریاست نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو چکی تھی۔ اس ریاست میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی رہائش پذیر تھے۔ اس ریاست کے پڑوس میں مختلف تہذیبوں اور جُداگانہ قوانین کی حامل قومیں اور ملک آباد تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں خصوصاً اور دیگر خلفاء اور امراء کے ادوار میں عموماً ان قوموں سے باہمی تجارت اور جملہ اُمور میں باہمی تعلقات جاری رہے۔

یہاں اسلامی کرنسی کے تذکرے کا مطلب یہ عرض کرنا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی ریاست میں کرنسی کا کیا طریق کار رائج کیا گیا۔[2]

تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ابتدائی دور میں وہی کرنسی جاری رکھی جو اسلام سے پہلے مروج تھی۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی جاری رکھا۔ اس کرنسی کے سکے پر ہرقلی، کسروی اور مسیحی تہذیب کے نقش و نگار ثبت تھے، درمیان میں آگ کا گھر بھی بنا ہوا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سکہ اسی طرح جاری رکھا

[1] الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 313/3، وعصر الخلافة الراشدة، ص: 218. [2] الإدارة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب، ص: 364.

جس طرح رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں جاری تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر صرف لفظ ''جائز'' کا اضافہ کرا دیا تاکہ کھوٹے اور کھرے سکے کی پہچان ہو سکے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے سب سے پہلے سونے اور چاندی کے سکے تیار کرائے، شرعی درہم کی قیمت مقرر کی اور پھر انھی سکوں کو سکۂ رائج الوقت بنا دیا۔ علامہ ماوردی نے لکھا ہے: بلاشبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے شرعی درہم کی مقدار مقرر فرمائی۔ ②

علامہ مقریزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے جس نے اسلامی کرنسی جاری کی وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے اٹھارہ ہجری میں کسروی طرز کی کرنسی تیار کرائی اور بعض سکوں میں ''الحمد للہ'' اور بعض میں ''لا الہ الا اللہ'' کے حروف مبارک نقش کرائے۔ سکوں کے ایک کنارے پر خلیفۂ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام بھی لکھوایا۔ ③

یوں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مملکت اسلامیہ کے وہ پہلے سربراہ تھے جنھوں نے مسلمانوں کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی کی اس انتہائی اہم ضرورت کی طرف توجہ فرمائی، پھر بعد میں آنے والے دیگر خلفاء اور امراء اسلامی کرنسی میں اپنے دور کی ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کرتے رہے۔ ④

② **اراضی کی الاٹمنٹ:** حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بے کار زمینوں کی اصلاح اور انھیں کار آمد بنانے کے لیے نبی ﷺ کے مبارک طریقے پر کاربند رہے۔ انھوں نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو جرف اور قناۃ کے درمیان بنجر زمین عطا فرمائی۔ ⑤

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجاعہ بن مرارہ حنفی کو یمامہ کی زمین خضرمہ عطا کی تاکہ وہ اسے کاشت کے قابل بنائے۔ انھوں نے عیینہ بن حصن فزاری اور اقرع بن حابس تمیمی کو بھی

① الإدارة الإسلامية في عهد عمر بن الخطاب، ص: 366. ② الأحكام السلطانية، ص: 147.
③ شذور العقود في ذكر النقود، ص: 31-33. ④ الإدارة العسكرية في عهد عمر، ص: 367.
⑤ الطبقات الكبرى: 104/3، یہ روایت صحیح درجہ کی ہے۔ وعصر الخلافة الراشدة، ص: 220.

ایک سنگلاخ زمین دینے کا ارادہ فرمایا۔ اس میں کسی قسم کی گھاس یا اور کوئی نفع بخش پیداوار نہیں ہوتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر انھوں نے یہ الاٹ کرنے کا ارادہ بدل دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اب اسلام کو تالیف قلب کی حاجت نہیں رہی۔ انھوں نے ان دونوں افراد سے فرمایا: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے تالیف قلب فرماتے تھے لیکن ان دنوں اسلام کمزور تھا، اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت اور عزت عطا فرما دی ہے، لہٰذا تم اپنی محنت سے روزی حاصل کرو۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بغرض اصلاح زمین کی الاٹمنٹ کے مخالف نہ تھے۔ وہ تالیف قلب کے معاملے کو غیر ضروری خیال کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے خود لوگوں کو زمین الاٹ کی۔ وہ فرماتے تھے: اے لوگو! جو بنجر زمین کو کارآمد بنائے گا، وہ اسی کی ہوگی۔ ②

مختلف ضعیف آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص الاٹ شدہ زمین کو کارآمد بنانے میں ناکام رہتا تھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی الاٹمنٹ منسوخ کر دیتے تھے اور زمین واپس لے لیتے تھے۔ ایک ضعیف روایت کے مطابق انھوں نے اس کام کے لیے 3 سال کی مدت مقرر کر رکھی تھی۔

صحیح سند سے ثابت ہے کہ انھوں نے خوات بن جبیر کو بنجر زمین الاٹ فرمائی تھی۔ ③

اسی طرح زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے لیے ''عقیق'' اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ''ینبع'' کی زمین عطا فرمائی۔ اس زمین سے بے تحاشا پانی ابل پڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ زمین فقراء کے لیے صدقہ کر دی۔ چند ضعیف روایات کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے مختلف زمینیں الاٹ کی تھیں۔ ④

---

① تاريخ الصغير للبخاري: 81/1، وعصر الخلافة الراشدة، ص: 221. ② عصر الخلافة الراشدة، ص: 221، یہ روایت صحیح ہے۔ ③ عصر الخلافة الراشدة، ص: 221. ④ عصر الخلافة الراشدة، ص: 222.
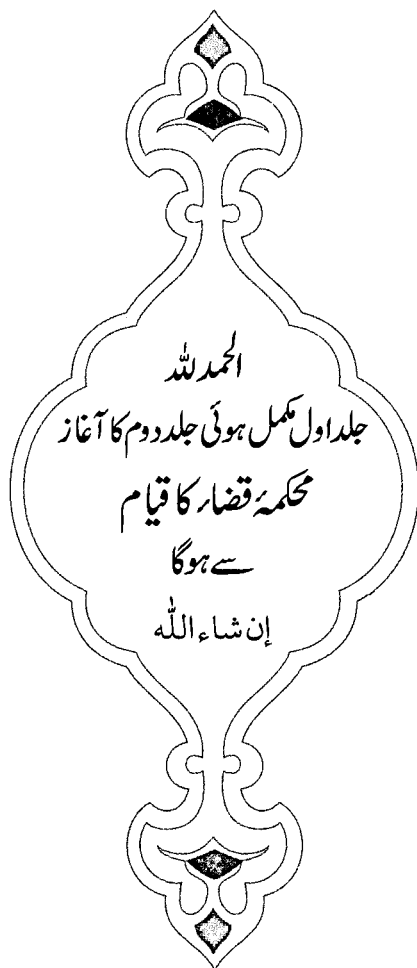
الحمدللہ
جلداول مکمل ہوئی جلددوم کا آغاز
محکمۂ قضاء کا قیام
سے ہوگا
إن شاء اللّٰہ

سیرتِ عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام خلافتِ راشدہ کے نظام کی صورت میں اس امت کو نصیب ہوا۔ یہ دور عہد نبوی ہی کا امتداد تھا۔ اس عہد زریں کے حکمران اور اکثر وزیر، مشیر، سپہ سالار اور عوام آفتاب رسالت سے براہ راست فیض یافتگان تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ کئی ایک پیش گوئیاں اسی عہد میں پوری ہوئیں۔ یہ دور تاریخ اسلام کا سنہرا دور تھا۔

عالم اسلام کے معروف اور مایہ ناز سیرت نگار دکتور علی محمد محمد الصلابی حفظہ اللہ نے زیر نظر کتاب میں سیرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ ان کے اسی مبارک دور کی منظر کشی کی ہے۔ اور اس دور کے عینی شاہدین کے بیانات کی روشنی میں 350 کتب سے استفادہ کر کے اسے ترتیب کی عمدہ لڑی میں پرویا، فکر و نظر کے دریچے وا کیے، علم و عمل کے راہیوں کو مہمیز لگائی اور بہت سے گمنام گوشوں کو سپردِ قرطاس کیا ہے، گویا دکتور صلابی اقبال کی زبان میں یوں کہہ رہے ہیں:

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

ISBN: 9786035000574